شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

(۱۱۵۹-۱۲۳۹ھ/۱۷۴۶-۱۸۲۴ء)

احوال، ملفوظات، مکتوبات، نوادرات

جمع و تدوین

محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس

Marfat.com

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی

(۱۱۵۹ - ۱۲۳۹ھ / ۱۷۴۶ - ۱۸۲۴ء)

احوال، ملفوظات، مکتوبات، نوادرات

جمع وتدوین

محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس لاہور

Marfat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

297.9924
42 ع
140578

کتاب : شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
(ملفوظات، مکتوبات ونوادرات)

جمع وتدوین : محمد اقبال مجددی

طابع : آر۔آر۔ پرنٹرز

ناشر : چوہدری غلام رسول
میاں جوادرسول، میاں شہزادرسول

طبع اوّل : ۲۰۱۸ء

قیمت : روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

اسلام بک ڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941 0323-8836776

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیواردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ٥ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ٥ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

Marfat.com

فہرست مندرجات

	آغازِ سخن	۵
۱۔	مقدمہ نوشتہ محمد اقبال مجددی	۷
۲۔	مقالہ نگاروں کے حالات مرتبہ محمد اقبال مجددی	۴۸
۳۔	کمالاتِ عزیزی مولفہ نواب مبارک علی خان	۵۷
۴۔	ملفوظات شاہ عبدالعزیز محدث تلخیص وترجمہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی	۱۰۵
۵۔	مکتوباتِ شاہ عبدالعزیز جامع مولانا رشید الدین خان دہلوی	۱۵۱
۶۔	شاہ عبدالعزیز کا ذوقِ ادب مرتبہ ڈاکٹر معین الدین عقیل	۲۰۲
۷۔	مقالات مولانا نور الحسن راشدی کاندھلوی	۲۰۹
	(i) خانوادہ ولی اللہی کی زیرین شاخیں اوران کے نسبی سلسلے	۲۱۰
	(ii) حضرت شاہ والی اللہ محدث کی تاریخ وفات اوران کے اہل خاندان کے مزارات	۲۲۸
	(iii) حضرت شاہ عبدالعزیز کے کچھ غیر مطبوعہ فتاویٰ	۲۳۷
۸۔	مقالات پروفیسر محمد عضدالدین خان	۲۴۵
	(i) تفسیر فتح العزیز، چند حقائق کی روشنی میں	۲۴۶
	(ii) مقالات طریقت (شاہ عبدالعزیز کے حالات میں ایک نایاب تذکرہ)	۲۵۷
	(iii) شاہ عبدالعزیز محدث کی ایک نایاب تصنیف (سانگیت شاستر)	۲۷۰
	(iv) شاہ ولی اللہ محدث اورشاہ عبدالعزیز محدث سے متعلق چند غلط روایات	۲۷۷

Marfat.com

(vi) شاہ عبدالعزیز محدث کی محفلِ شعروادب ۲۹۶

۹۔ انیسویں صدی کے ہندوستان کی ہیت شرعی (شاہ عبدالعزیز محدث کے فتاویٰ دارالحرب کا ایک علمی تجزیہ) نوشتہ ڈاکٹر مشیرالحق ۳۰۶

۱۰۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مقالہ نوشتہ ڈاکٹر محمد خالد مسعود ۳۲۵

۱۱۔ قدیم دہلی کالج کے قیام سے متعلق ایک معاصر رپورٹ مرتبہ ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی ۳۵۱

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آغاز سخن

گزشتہ سال حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی سب سے مفصل سوانح مقالات طریقت پر تحقیق و تعلیق کا آغاز کیا تو اس کے مقدمہ اور تعلیقات کے لیے کچھ مواد جمع کیا، کام کی تکمیل کے بعد جب اس کا جائزہ لیا تو یہ فیصلہ کیا کہ اتنے نادر مقالات محققین کو بآسانی دستیاب نہیں ہوسکیں گے، لہٰذا انہیں اگر یکجا کر دیا جائے تو اہل علم کے لیے افائدۂ عام کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

ابتداء میں مجموعہ حاضر کے مولفین کے مختصر حالات لکھ دیئے گئے ہیں تاکہ ان کی علمی حیثیت متعین کرنے میں آسانی ہو۔

ہمیں احساس ہے کہ اس مجموعہ میں شامل بعض مقالات جدیدیت کے علمبردار حضرات کے لکھے ہوئے ہیں جن کے نظریات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔

آغاز میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کے مختصر حالات، تصانیف تلامذہ، مریدین اور دیگر صحبت یافتگان کی ایک فہرست بطور ابتدائیہ مرتب کر دی ہے جو مقالات طریقت پر مقدمہ کے طور پر بھی شامل ہے، عزیز القدر محمد رضا الحسن صاحب نے پروفیسر عضدالدین خان کے دو نادر مقالات کی کاپی عنایت کی جن کے لیے میں ان کا شکر گذار ہوں۔

مخلص

محمد اقبال مجددی

۲۶/مئی ۲۰۱۷ء

دارالمورخین

196۔ بی بلاک سبزہ زار، لاہور

Marfat.com

Marfat.com

مقدمہ

نوشتہ

محمد اقبال مجددی

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز کا سیاسی، معاشرتی و مذہبی ماحول

اورنگ زیب عالمگیر نے اپنی وفات (۱۱۱۸ھ/۱۷۰۷ء) کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی تھی کہ وہ صلح اور خوشی سے سلطنت کو تین حصوں میں تقسیم کرلیں[۱] جو حالات کے گہرے مطالعہ اور اپنے فرزندوں کی صلاحیتوں کے صحیح جائزے پر مبنی تھی' اس کی دوربین نگاہوں نے ان طاقتوں کو اُبھرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جن کا استیصال ایک مرکز سے قطعاً ناممکن تھا لیکن اس کے تنگ نظر اور خودغرض جانشینوں نے اس وصیت کی طرف توجہ نہ کی' نتیجہ یہ ہوا کہ وہ طاقت جو تین مرکزوں میں تقسیم ہوکر مخالف قوتوں کے خلاف صرف کی جاسکتی تھی' آپس میں لڑ کر ختم ہوگئی۔

اورنگ زیب کے جانشینوں کی ۱۷۵۷ء تک تخت نشینی کی جنگوں نے سیاسی نظام کو متزلزل کردیا جس سے مسلم حکومت کی دشمن طاقتیں تیزی سے اُبھرنے لگیں' مرہٹے' جاٹ اور سکھ ان حالات سے بھرپور فائدہ اُٹھاتے رہے' ان کی حرکات سے عوامی زندگی تلخ ہوکر رہ گئی۔

ان حالات میں غیر ملکی حملہ آوروں نادر شاہ اور احمد شاہ درانی کے حملوں نے تو رہی سہی کسر نکال دی' جس سے معاشرتی امن مکمل طور پر تباہ ہوگیا' مسلم مخالف قوتیں تعداد میں اتنی زیادہ ہوگئی تھیں کہ وہ آپس میں ہی لڑتی رہتی تھیں' مرہٹوں کے عروج کی یہ انتہا تھی کہ اُنہوں نے مختلف علاقوں میں اپنے گورنر مقرر کرنا شروع کردیئے تھے' ۱۷۶۰ء کو ان کا دہلی پر قبضہ ہوگیا اور مغل حکومت کچھ بھی نہ کرسکی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث اور میرزا مظہر جانِ جاناں شہید نے بعض امراء کو اس طرف توجہ دلائی لیکن وہ اتنی قوت نہیں رکھتے تھے کہ ان کا مقابلہ کرسکیں' شاہ ولی اللہ کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اُنہوں نے مغل حکومت کے زوال اور امراء سے مایوس ہوکر افغانستان کے حکمران احمد شاہ درانی کو ہندوستان پر حملے کی دعوت دی اور ایک مخلص روہیلہ

---

[۱] وصیت نامۂ اورنگزیب عالمگیر بادشاہ ترجمہ از نثار احمد فاروقی، مقدمہ مع عربی و ہندی ترجمہ از علیم اشرف خان، دہلی ۲۰۰۴ء

Marfat.com

سردار نجیب الدولہ اور شاہ درانی کا اتحاد کروایا جس سے پانی پت کے میدان میں مرہٹوں اور ان کے حلیفوں کو شکست فاش ہوئی۔[1]

آزاد خیال مؤرخین کا یہ نتیجہ غلط فہمی پر مبنی ہے کہ شاہ ولی اللہ نے ایک غیر ملکی کو ہندوستان پر حملہ کروا کے ملک کو کمزور کروادیا تھا۔

صرف شاہ ولی اللہ محدث کے ساتھ ہی شاہ درانی کے تعلقات نہیں تھے بلکہ اس عہد کے دیگر علماء وصوفیہ کے اس کے ساتھ مراسم تھے جن میں شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری (ف ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) کے ساتھ اس کی مراسلت تھی، ان کے علاوہ میاں محمد عمر چمکنی پشاوری، حاجی محمد سعید لاہوری، میاں ثناء اللہ دہلوی، سید محمود شیخانی، سید نجیب کنڑی، میاں محمد عثمان، شیخ شکر اللہ ٹھٹھوی، شیخ بہلول جالندھری، میاں رحمت اللہ لاہوری، خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کشمیری (مؤلف تاریخ کشمیر)، شیخ کمال الدین کشمیری اور صاحبزادگان سرہند میں سے خواجہ غلام محمد معصوم ثانی سرہندی کے ساتھ بھی تعلقات تھے۔[2]

معاصر تذکرہ نویس غلام علی آزاد بلگرامی نے احمد شاہ درانی کے ہندوستان پر حملے اور ان کے مقاصد کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نجیب الدولہ اور دوسرے راجاؤں نے ملک کی حفاظت اور تقویت اسلام کے لئے شاہ درانی کو ہندوستان پر حملہ کی دعوت دی تھی، آزاد کے برجستہ الفاظ ملاحظہ ہوں:

> نجیب الدولہ و دیگر افاغنہ برای تقویت اسلام عموماً وصیانت خود خصوصاً راجہ ہای ہندوستان برای حفظ ملک خود، عرائض بہ شاہ درانی فرستادہ، آمدن ہندوستان التماس کردند، شاہ درانی بنا بر ایں دو وجہ، اعلام ظفر انجام بہ ایلغار از کابل جانب ہند برافراشت[3] ....

لیکن افسوس کہ مسلم دشمن طاقتوں کے خلاف شاہ درانی کی کوششوں سے مغل حکومت اور اس سے وابستہ خود غرض امراء نے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا بلکہ اس کے اصل ثمرات جنگ پلاسی کے فاتحین نے حاصل کئے اور وہ آہستہ آہستہ سارے ہندوستان پر قابض ہو گئے، یہاں تک کہ شاہ عبدالعزیز محدث کے حین حیات ۱۸۰۳ء کو دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور مغل بادشاہ کی حکومت شاہی محل تک محدود ہو کر رہ گئی۔

اٹھارھویں صدی عیسوی میں پاکستان و ہند کے معاشرتی اور تمدنی حالات کا جائزہ لینے کے لئے دہلی کے معاشرتی حالات پر ایک نظر ڈالنا اس لئے لازم ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کے اجداد و اخلاف سب نے

۱۔ ہم نے مقاماتِ مظہری کے مقدمہ میں اس کی تمام تر تفصیلات یک جا کر دی ہیں۔

۲۔ مقامات مظہری، مقدمہ ۴۱

۳۔ آزاد، غلام علی بلگرامی: خزانۂ عامرہ مرتبہ نیکو بخت و شکیل اسلم بیگ، تہران ۱۳۹۰ش، ۱۳۲

Marfat.com

اسی خطے میں زندگی بسر کی تھی۔

پاکستان و ہند کے اسلامی عہدِ حکومت میں دہلی نہ صرف ہندوستان بلکہ سارے عالمِ اسلام کے لئے ایک علمی و دینی مرکز بن گیا تھا' دراصل اس کی بنیاد اس زمانہ میں رکھی گئی جب وسطی ایشیا میں مسلمانوں کے تمام مراکز تباہ و برباد ہو رہے تھے اور منگولوں نے سارے سیاسی اور سماجی نظام کو درہم برہم کر دیا تھا' بغداد و بخارا وغیرہ سے کثیر تعداد میں علماء نے ہجرت کی تھی۔

سلاطین دہلی میں سے سلطان علاء الدین خلجی کا عہد حکومت اسلامی ہند کی سیاسی' علمی اور تمدنی تاریخ کا سب سے زیادہ تابناک دور تھا' برنی کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں دہلی میں ایسے علماء موجود تھے جن کا بخارا' سمرقند' مصر' خوارزم' دمشق' تبریز' رے اور روم وغیرہ میں بھی ثانی نہیں تھا' حد یہ ہے کہ بخارا' سمرقند' خوارزم اور عراق کے علماء کی تصانیف اس وقت معتبر سمجھی جاتی تھیں جب ہندوستان کے علماء ان پر مہر توثیق ثبت کرتے تھے' گویا دہلی ''رشک بغداد اور عزت مصر'' تھی۔

لیکن اٹھارھویں صدی میں تو اس کی بساط ہی اُلٹ گئی' اس وقت سلطنتِ مغلیہ پر نزاع کا عالم طاری تھا' یہ شہر بقول شاہ ولی اللہ ''لعب صبیان'' ہو گیا' مختلف اطراف وصوبوں سے جو طوفان اُٹھتے تھے اور بغاوتیں ہوتی تھیں' ان تمام ہنگامہ آرائیوں کے زلزلے دہلی میں محسوس کئے جاتے تھے۔

امن وامان کے دور میں علماء وصوفیہ اس شہر کی طرف کشاں کشاں چلے آتے تھے اور ایک مرتبہ یہاں آکر پھر جانے کے لئے سوچنا تو درکنار بڑی سے بڑی سختی بھی انہیں یہاں سے نہ نکال سکی لیکن اٹھارھویں صدی میں اس طبقہ کے افراد خود دہلی سے دل برداشتہ ہو کر اس کی ہنگامی زندگی سے بچنے کے لئے ہر وقت بے تاب رہتے تھے' درگاہ قلی خان کے روزنامچہ مرقع دہلی سے عیاں ہوتا ہے کہ ہر طبقہ میں خود فراموشی اور عاقبت نااندیشی پورے طور پر مسلط تھی' دہلی دھوپ اور چھاؤں کا شہر تھی' یہاں خانقاہیں بھی تھیں' شراب خانے بھی' مدرسے بھی تھے اور قمار بازی کے اڈے بھی تھے۔

شاہ ولی اللہ محدث اور میرزا مظہر جانِ جاناں شہید کے مکتوبات وملفوظات سے اس صدی کی جو تصاویر نظر آتی ہیں وہ حقیقتِ حال پر مبنی ہیں۔

شاہ عبدالعزیز کے شاگرد اور معروف عالم وصوفی شاہ غلام علی دہلوی نے لکھا ہے کہ

''ان ایام میں رزقِ حلال نایاب ہے اور جہالت کا دور دورہ ہے''۔

اٹھارھویں صدی میں مسلمانوں کی اخلاقی حالت بعینہٖ وہی تھی جو قوموں کے انحطاط اور حکومتوں کے زوال کے موقع پر ہوتی ہے' دہلی اور لکھنؤ کی معاشرت اور مجلسی و خانگی زندگی کا جو نقشہ انشاء اللہ خان انشاء کی دریائے

Marfat.com

[illegible]

ان حالات میں اگر حضرت شاہ ولی اللہ محدث نے سلطنت مغلیہ کے زوال کا سبب اقتصادی انحطاط قرار دیا ہے تو یہ آپ کی نہایت اہم بصیرت کی دلیل ہے آپ کے نزدیک:

"جس سوسائٹی میں اقتصادی توازن نہ ہو اس میں طرح طرح کے روگ پیدا ہو جاتے ہیں نہ وہاں عدل و انصاف قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی مذہب اپنا اچھا اثر ڈال سکتا ہے"۔

اسی قسم کی رائے آپ کے معاصر عالم و صوفی حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید (۱۱۹۵ھ/۱۷۸۱ء) کی بھی ہے آپ نے وجہ معاش و آخرت کی بنیاد قرار دیا ہے۔[1]

حضرت شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ ملفوظات اور مکتوبات میں بھی ایسے اقوال بکثرت مل سکتے ہیں۔

اٹھارھویں صدی میں صرف اقتصادی اور معاشرتی طور پر زوال نہیں آیا تھا' مسلمان اپنے مذہب سے بھی بے گانہ ہو چلے تھے ان حالات کا شاہ ولی اللہ نے نہایت حکیمانہ تجزیہ کیا تھا' آپ سلطنت کے زوال کے اسباب کا جائزہ لیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کا سب سے بڑا سبب مذہبی شعائر سے بے اعتنائی اور علوم دینیہ سے لاتعلقی ہے' ارکانِ اسلام پر عمل کرنے سے غفلت بھی اس کا ایک بنیادی سبب ہے' آپ کے معاصر عالم و صوفی میرزا مظہر جانِ جاناں شہید اپنے دور کے مذہبی ماحول کا تجزیہ اس طرح کرتے ہیں:

---

[1] ہم نے اٹھارھویں صدی کی اقتصادی حالت کے خدوخال مقاماتِ مظہری کے مقدمہ میں تفصیل سے بیان کر دیئے ہیں۔

Marfat.com

''ان ایام میں لوگوں کے لئے احکامِ خداوندی پر عمل اور تقویٰ کی زندگی اختیار کرنا مشکل ہو گیا ہے' معاملات تباہ ہو گئے اور شریعت کے مطابق عمل موقوف ہو گیا ہے' اگر کوئی روایت فقہ کے مطابق اور فتوئ ظاہر پر عمل کرے اور اُمورِ جدیدہ اور بدعات سے اجتناب کرے تو یہ بہت ہی غنیمت ہے''۔[1]

شاہ ولی اللہ محدث نے بادشاہ کے نام ایک مکتوب میں واضح الفاظ میں لکھا ہے کہ جاٹوں کے زیر اثر علاقوں میں کسی کو اذان دینے کی مجال نہیں ہے۔[2]

اسی طرح کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مظہر نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ:

''سارا ہندوستان اس وقت کفرستان بن گیا ہے''۔[3]

شاہ ولی اللہ نے علماء' فقہاء اور واعظوں کو خطاب کر کے جس طرح انہیں خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کی ہے' اس سے اُس دور کے علماء کی افسوس ناک حالت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔[4]

صوفیۂ خام کی حالت بھی ایسی تھی کہ ان سے ان کا اسلام سے دور کا بھی تعلق معلوم نہیں ہوتا تھا' کئی صوفیہ نے جوگیوں کی سی وضع قطع اختیار کر لی تھی' وہ ہندوؤں کو اعلانیہ مرید کرتے تھے' دہلی کے ایک صوفی خواجہ محمد اشرف کے گھر پر بسنت کا میلہ ہوتا تھا' شہر کے خواص وہاں مدعو ہوتے تھے' مشہور رقاصائیں کیسری لباس زیب تن کر کے وہاں برائے رقص آتی تھیں۔

خانقاہی نظام جو کہ مسلمانوں کی تعلیم و تربیت کا منبع تھا تباہ ہو چکا تھا' مرقع دہلی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مزارات عیاشی کے اڈے بن گئے تھے' وہاں قوالی' مجرا اور حسین نازنین بھی شامل ہوتی تھیں' بزرگوں کے عرس لہو ولعب کا مرکز بن گئے تھے' ان حالات میں شاہ ولی اللہ' میرزا مظہر جانِ جاناں اور شاہ عبدالعزیز نے اس قسم کے صوفیہ پر کڑی تنقید کی اور اصلاحِ احوال کے لئے تاحیات سرگرمِ عمل رہے۔

شاہ ولی اللہ نے سیاسی زوال کے دور میں مایوسی اور قنوطیت کو پاس نہ آنے دیا' آپ نے یہاں کے سلاطین و امراء کی صلاحیتوں کو بخوبی پرکھا اور اپنے روحانی جدِ اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانی کی تقلید میں اسلام کو سیاسی برتری دلانے کے لئے راسخ العقیدہ اور مخلص امراء کو اپنا ہم خیال بنا کر اصلاحِ احوال کا کام جاری رکھا۔

۱۔ مقاماتِ مظہری، صفحہ ۴۲ فارسی، مقدمہ صفحہ ۱۰۴

۲۔ شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ۲/ ۸۸

۳۔ مکاتیب میرزا مظہر مرتبہ عبدالرزاق قریشی ۵/ ۷۵

۴۔ تفہیماتِ الٰہیہ (مقاماتِ متعددہ)

Marfat.com

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

حضرت شاہ ولی اللہ محدث (۱۱۱۴-۱۱۷۶ھ/۱۷۰۳-۱۷۶۲ء) نہ صرف برعظیم پاکستان و ہند کے اکابر علماء و مشائخ میں سے تھے بلکہ عالمِ اسلام میں آپ کی نظیر ملنا مشکل ہے' آپ کی بیش بہا تصانیف کے عربی' اُردو اور انگریزی تراجم شائع ہو چکے ہیں'[1] آج عالمِ اسلام سے زیادہ یورپ میں آپ کی تعلیمات و افکار کے حوالہ سے علمی تحقیقات ہو رہی ہیں' ڈاکٹر مارسیہ ہرمینسن کے حجۃ اللہ البالغہ کے انگریزی ترجمہ[2] اور بال جون[3] کی شاہ ولی اللہ پر انگریزی کتاب کی کتابیات پر ایک نظر ڈالنے سے اندازہ کی جا سکتا ہے کہ یورپین زبانوں میں آپ پر کتنا کام ہوا ہے' اسی طرح J D. Pearson کے Index Islamicus کے ذریعہ ہمیں ان تمام مقالات کے عنوانات معلوم ہو جاتے ہیں جو یورپین زبانوں میں آپ کے بارے میں لکھے گئے ہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث کے زمانہ میں شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے دور کے چیلنجز یعنی اکبر کے دین الٰہی اور اس کے اثرات کا سامنا کرنے یا آپ کے جانشینوں کے عہد میں داراشکوہ کے ملحدانہ افکار کا مقابلہ کرنے جیسی مہمات تو نہیں تھیں لیکن شاہ ولی اللہ نے ان حضرات کی تحریک احیاءِ دین کو اپنی کوششوں کے لئے رہنما کے طور پر ضرور پیش نظر رکھا اور ان کے مشن کی تکمیل کے لئے زندگی بھر سعی کرتے رہے۔

---

1. شاہ ولی اللہ کی مطبوعہ تصانیف کی مختصر فہرست کے لیے ملاحظہ ہو:
محمد عالم مختار حق: شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تصانیف کی مجمل کتابیات مقالہ مشمولہ ارمغانِ رفیع الدین ہاشمی' راولپنڈی' الفتح ۲۰۱۳ء' ص ۱۵۷-۱۹۰
2. Hermansen, M.K: Conclusive Argument From Good, Islamabad, 2003
3. Baljon, J.M.S: Religion and Thought of Sh. Wali Allah Dihlavi, Leiden, 1986

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

شاہ عبدالعزیز محدث (۲۵ رمضان ۱۱۵۹ - ۷ شوال ۱۲۳۹ھ/ ۱۲ اکتوبر ۱۷۴۶ - ۵ جون ۱۸۲۴ء) اپنے والد گرامی شاہ ولی اللہ محدث کے بڑے فرزند اور جانشین تھے' ۱۷ سال کی عمر میں مسند درس و تدریس کو رونق بخشی اور اپنے دادا شاہ عبدالرحیم کے قائم کردہ مدرسۂ رحیمیہ (دہلی) میں تاحیات مصروف کار رہے' نہ صرف ظاہری علوم میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے بلکہ روحانی علم میں بھی اپنے والد کے صحیح قائم مقام تھے' انہیں تمام مروّجہ سلاسلِ سلوک میں اجازت وخلافت حاصل تھی' برعظیم پاکستان و ہند کے علاوہ عالمِ اسلام کے علماء واصفیاء آپ سے فیض یاب ہوئے۔

آپ کی بلند پایہ تصانیف اہلِ علم کی رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔[۱]

شاہ عبدالعزیز کی نرینہ اولاد نہیں تھی صرف تین صاحبزادیاں تھیں جن کا انتقال آپ کے حین حیات ہی ہو گیا تھا۔[۲] آپ کے تینوں بھائیوں شاہ رفیع الدین' شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی کا انتقال بھی آپ کی زندگی میں ہی ہو گیا تھا۔

شاہ عبدالعزیز محدث کے وصال (۱۸۲۴ء) کے بعد آپ کے نواسے شاہ محمد اسحٰق نے اس مدرسہ کا انتظام سنبھالا' ان کے ہجرت حرمین ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء کے بعد ان کے دو فرزندوں مولوی مخصوص اللہ (ف ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۵ء) اور مولوی محمد موسیٰ (ف ۱۲۵۹ھ/ ۱۸۴۳ء) سے مدرسہ رحیمیہ جاری رہا' ان کے بعد یہ بند ہو گیا اور پھر سے ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں اسے نقصان پہنچا۔

اس خانوادہ کے آخری صاحبِ علم فرد مولوی سید ظہیر الدین احمد ولی اللّٰہی[۳] تھے' جنہوں نے اس مدرسہ کا احیاء کیا' اس خاندان کی کتابوں کی اشاعت کے لئے دہلی میں مطبع احمدی کے نام سے ایک پریس قائم کیا' جس سے

۱۔ شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ اور تصانیف کی مختصر فہرستیں اسی مقدمہ میں شامل ہیں۔

۲۔ حیات ولی ۶۱۵

۳۔ سید ظہیر الدین احمد بن سید معز الدین بن سید ناصر الدین بن سید نجم الدین سونی پتی (داماد شاہ اسحاق دہلوی) مکتوبات شاہ ولی اللہ' تعلیقات مرتب' شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب مؤلفہ حکیم محمود احمد برکاتی ۱۶۲' دہلی اور اس کے اطراف' مؤلفہ عبدالحی حسنی صفحہ ۱۶۰

Marfat.com

بہت سی کتابیں شائع ہوئیں۔

شاہ عبدالعزیز کا زمانہ اٹھارھویں صدی کے نصف اوّل اور انیسویں صدی کا ربع اوّل ہے' اس عہد کی تمام سیاسی اور فکری تحریکیں کسی نہ کسی طرح اپنا تعلق شاہ عبدالعزیز سے ثابت کرتی ہیں' دوسرے اُس دور کی تمام اہم علمی شخصیات اور ادارے براہِ راست شاہ صاحب کے زیر اثر تھے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اٹھارھویں صدی ہندوستان کے مسلمانوں کے نزدیک زوال کا زمانہ تھا جو سیاسی اور معاشی اعتبار سے بھی ''شکست و ریخت'' سے دوچار تھا۔

شاہ صاحب کی عمر ابھی ۵۷ سال کی تھی کی دہلی پر ۱۸۰۳ء کو انگریزوں کا قبضہ ہو گیا لیکن وہاں کے تمام طبقات میں شاہ صاحب کی قدر و عظمت مسلمہ تھی اور دہلی میں آپ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

آپ کے ملفوظات میں آپ کا یہ قول درج ہے:

> اہلِ اسلام پر ظلم نہایت درجہ شائع ہو گیا ہے اور ملک کفر کے ساتھ تو قائم رہ بھی سکتا ہے مگر ظلم کے ساتھ نہیں۔ [۱]

آپ کے اس حکیمانہ ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ سیاسی نظام کی بنیاد عدل و انصاف پر ہے' صرف مذہب کو اپنی حکومت کے قیام کے لئے ڈھال بنانا درست نہیں ہے۔

سرسید احمد خان کا یہ مشاہدہ ہے کہ اس عہد کے متبحر علماء اپنی تحقیقات کے نتائج کے سلسلہ میں جب تک شاہ عبدالعزیز سے تبادلہ خیال نہیں کر لیتے تھے لب کشائی کی جرأت نہیں کرتے تھے۔ [۲]

شاہ عبدالعزیز' مفسر' محدث' فقیہ' متکلم اور متصوف سبھی کچھ تھے' آپ نے اپنے زمانہ میں معاشرتی احوال کی اصلاح کے لئے جو قدم اُٹھایا' اس کے مثبت اثرات نمایاں ہوئے' شاہ عبدالعزیز کا اپنے عہد کی تمام اہم علمی و فکری شخصیات اور اداروں سے براہِ راست روابط تھے' اس زمانہ کی تمام تحریکیں اپنا تعلق شاہ صاحب سے قائم کئے ہوئے تھیں۔

یہ امر مسلمہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز محدث اٹھارھویں صدی کو زوال کا زمانہ خیال کرتے تھے' جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ آپ کے حینِ حیات میں دہلی پر ۱۸۰۳ء کو انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا' معاشرتی حالات میں تیزی سے تبدیلی ہو رہی تھی' شاہ صاحب یہ کہتے تھے کہ مدرسہ کی صرف دینی تعلیم اس وقت ناکافی ہے آپ نے نیک مقاصد کے لئے انگریزوں کے ہاں ملازمت کی غرض سے انگریزی سیکھنے کی تلقین فرمائی' خود اپنے داماد مولانا عبدالحی بڈھانوی کو جو

۱۔ ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۸۸

۲۔ آثار الصنادید ۲/۵۶

بڑے عالم بھی تھے' ایسٹ انڈیا کمپنی کی درخواست پر مفتی کے عہدہ پر متعین کروایا تھا۔[1]

شاہ عبدالعزیز یہ باور کر چکے تھے کہ اب مسلمانوں کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنے شاندار ماضی کے خوابوں میں رہنے کی بجائے اپنی طرزِ معاشرت میں ایسی تبدیلی لائیں جوان کو باعزت روزگار فراہم کر سکے' آپ کے ملفوظات کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے دل میں مذہب کے متعلق بہت سے شکوک نے جنم لے لیا تھا' آپ نے جس طرح ان کے شبہات دور کرنے کی کوشش کی وہ آپ کے تبحر علمی سے ہی ممکن ہوسکتا تھا' شاہ صاحب کی مساعی کے یہ چار پہلو قابلِ توجہ تھے:

(۱) دینی علوم' قرآن وحدیث کی تبلیغ کر کے ان کا صحیح معیار قائم کرنا۔

(۲) اس زمانہ کے مختلف غلط مذہبی نظریات کی تصحیح اور شبہات کا رفع کرنا اور مسلمانوں میں مذہبی حیثیت سے ذہنی انتشار پیدا نہ ہونے دینا۔

(۳) پاکستان و ہند کے عرب سے زیادہ قریبی تعلقات قائم کرنا۔

(۴) ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر جہاد کی روح پھونکنا[2]

شاہ عبدالعزیز اور مسئلہ دارالحرب

ان حالات میں پاکستان و ہند کے علماء و صوفیہ نے حکومت اور معاشرہ میں امن کے قیام کے ذمہ دار افراد کو ہوش دلانے کی بار بار سعی کی' شاہ ولی اللہ محدث کے معاصر عالم شاہ عنایت قادری قصوری (ف حدود ١١٥٠ھ/ ١٧٣٧ء) نے پنجاب کے بعض علاقوں کو غلبہ ہنود کے باعث دارالحرب قرار دیا اور اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا۔[3]

حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں کے خلیفۂ اجل اور شاہ ولی اللہ کے شاگرد قاضی ثناء اللہ پانی پتی (ف ١٢٢٥ھ/ ١٨١٠ء) لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اسلام ضعیف ہو چکا ہے' کفر کے ظہور اور مغلوبی اسلام کا دور دورہ ہے' بادشاہ میں جہاد اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی سکت نہیں رہی۔[4]

گویا اس وقت ہندوستان کی مسلم حکومت کے لئے سب سے بڑا مسئلہ ان دشمن طاقتوں سے نپٹنا تھا لیکن شاہ ولی اللہ کی وفات (١١٧٦ھ/ ١٧٦٢ء) کے بعد حالات تیزی سے بدلنے شروع ہو گئے' انگریزوں کا عمل دخل اتنا بڑھ گیا کہ ١١٧٩ھ/ ١٧٦٤ء کو مغل حکومت نے بنگال' بہار اور اڑیسہ کی دیوانی بالاشرکت غیرے انہیں دے دی' اور بادشاہ کو انگریزوں کی طرف سے ان کی آمدنی کا کچھ حصہ ملنے لگا لیکن آہستہ آہستہ انگریز

---

[1] فتاویٰ عزیزی ١/ ٨٥-٨٦ [2] خلیق احمد نظامی: تاریخی مقالات ٢٤٥ (و بعد)

[3] رسالہ در مسئلہ حربی و دارالحرب، قلمی

[4] لوائح خانقاہِ مظہریہ ١٧٥/ ٢٣٩' اس قسم کے دیگر معاصر بیانات کے لئے مقاماتِ مظہری پر ہمارا ملاحظہ کریں

Marfat.com

سارے ملک پر قابض ہوتے چلے گئے جنگ پلاسی' جنگ بکسر کی فتح اور ٹیپو سلطان کو شہید کرنے کے بعد تو وہ ہندوستان کے حاکم بن گئے تھے۔

ہندوستان کے عوام کو مذکورہ مخالف طاقتوں سے تو نجات مل گئی تھی لیکن اب یہی فاتحین (انگریز) دن رات یہاں کے وسائل سے فائدہ اُٹھانے کے ساتھ ساتھ یہاں کے عوام کی زندگی میں ایسے مسائل پیدا کرنے لگے کہ عوام ان سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے کی فکر میں رہنے لگے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث جو دہلی میں درس و تدریس میں مصروف تھے' کی حقیقت بین نگاہیں سارے ہندوستان کے حالات کا جائزہ لے رہی تھیں' آپ نے اپنے ایک عربی شعر میں کہا تھا

وانی أری الا فرنج اصحاب ثروة　　　لقد أفسد وا ما بین دھلی و کابل

یعنی میں فرنگیوں کو جو صاحبِ ثروت ہیں' دیکھتا ہوں کہ اُنہوں نے دہلی اور کابل کے درمیان فساد برپا کر رکھا ہے۔

شاہ عبدالعزیز نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے:

اس وقت عجیب عالم ہے کہ بلادِ مسلمین پر غلبۂ سکھ و مرہٹہ و جٹ کے باعث اور ان کے اموالِ مسلمین کو لوٹنے اور مسلمانوں کی بے آبروئی کرنے کی وجہ سے دل و جان نے آسائش و آرام کو فراموش کر دیا ہے' چنانچہ فقیر بھی مع قبائل و متعلقین مراد آباد آ گیا ہے' دوآبے کی تمام زمین مذکورہ بالا قوموں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے زیر و زبر ہو گئی ہے۔[1]

ان حالات میں شاہ عبدالعزیز محدث نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا اور اس صورتِ حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہوئے فقہ کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا' آپ کی خدمت میں ایک سوال آیا کہ کیا دارالاسلام' دارالحرب ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں درالمختار کی ایک عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ہمارے شہر (دہلی) میں امام المسلمین کا حکم بالکل جاری نہیں ہے' نصرانی حکام کا حکم بے دغدغہ جاری ہے' فقہاء جس کو اجرائے احکام کفر کہتے ہیں' اس سے مراد یہ ہے کہ ملک داری کے معاملہ' رعایا کے بندوبست' خراج و باج اور اموالِ تجارت کے عشور کے وصول کرنے' ڈاکوؤں اور چوروں کو سزا دینے' فصل خصومات اور جرائم کی تعزیر میں کفار بطور خود حاکم و مختار ہوں اور بعض اسلامی احکام جیسے جمعہ اور عیدین' اذان اور ذبح بقر سے وہ تعرض نہ کرتے ہوں لیکن اصل الاصول

---

[1] فریدی' نسیم احمد امر ہوی: حضرت شاہ ابوسعید حسنی اور سلسلۂ ولی اللٰہی کا ایک گمنام درویش' لکھنؤ ۱۹۸۹ء' ص ۵۹

Marfat.com

یہی ہے کہ یہ چیزیں ان کے رحم و کرم پر ہوں، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مساجد کو بلا تکلف منہدم کر دیتے ہیں، کوئی مسلمان یا ذمی ان کی اجازت کے بغیر اس شہر (دہلی) اور اس کے گردونواح میں داخل نہیں ہو سکتا، اپنی منفعت کے لئے وہ باہر سے آنے والوں، مسافروں اور سوداگروں کو منع نہیں کرتے لیکن دوسرے صاحب وجاہت لوگ مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم ان کی اجازت کے بغیر ان شہروں میں داخل نہیں ہو سکتے، دہلی سے کلکتہ تک نصاریٰ کی عملداری پھیلی ہوئی ہے، ہاں دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ اور رام پور میں انہوں نے اپنے احکام جاری نہیں کئے ہیں، کچھ تو اپنی مصلحت کی بناء پر اور کچھ ان ریاستوں کے حکام کے ان کی اطاعت قبول کر لینے کی وجہ سے۔[1]

آپ کے ملفوظات میں ہے:

آخری زمانہ زمانہ میں نصاریٰ کا تسلط ہوگا...... اہلِ اسلام پر ظلم غایت درجہ شائع ہو گیا اور ملک کفر کے ساتھ تو قائم رہ سکتا ہے مگر ظلم کے ساتھ نہیں۔[2] پھر فرمایا کہ کلکتہ سے لاہور تک کا پورا علاقہ دارالحرب ہے۔[3]

شاہ عبدالعزیز کے دہلی کے انگریز حاکموں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے، رزیڈنٹ کئی بار ملاقات کے لئے بھی آیا تھا، شاہ صاحب کی جاگیر کی ضبطی اور پھر اس کے واگزار ہونے میں انگریز رزیڈنٹ کا اہم کردار تھا۔[4] ایک سوال کے جواب میں کہ انگریزی زبان سیکھنا کیا جائز ہے؟ آپ نے مفید مقاصد کے لئے انگریزی کی تحصیل کو جائز قرار دیا تھا۔[5] اس طرح نیک مقاصد کے لئے انگریزوں کے ہاں نوکری کو بھی درست قدم کہا تھا۔[6]

انگریزوں نے دہلی میں ایک مدرسہ (کالج) بنانے کا منصوبہ بنایا تو ۱۸۲۳ء کو مسٹر جے ایچ ٹیلر کی نگرانی میں ایک کمیٹی بنائی کہ وہ جائزہ لیں کہ ایسا کالج کہاں بن سکتا ہے؟ انہوں نے جستجو کے بعد مدرسہ غازی الدین خان

---

[1] فتاویٰ عزیزی، کوئٹہ (از روی طبع عکسی از مطبع مجتبائی، دہلی) ۱/۱۶-۱۷

[2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز اُردو ترجمہ از عضد الدین خان صفحہ ۸۸　　[3] ایضاً ۱۱۲

شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کے موضوع پر تفصیلی بحث کے لئے ملاحظہ ہو:

مشیر الحق: انیسویں صدی کے ہندوستان کی ہیئت شرعی، شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب پر ایک علمی تجزیہ، مقالہ مشمولہ برہان، دہلی اکتوبر ۱۹۶۹ء، ۲۲۱-۲۴۳، انہی محقق کی دوسری انگریزی کتاب:

Shah Abdul Aziz (His life and Time) Lahore, 1995

[4] مقالاتِ طریقت، تعلیقات　　[5] ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۹۴-۱۹۵

[6] فتاویٰ عزیزی ۱/۱۸۶

Marfat.com

(دہلی) کا انتخاب کیا کہ ہم اسی مدرسہ کو کالج بنا سکتے ہیں، یہ وفد مذکورہ سنہ میں حضرت شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں مشورہ کے لیے حاضر ہوا اور کالج کی سربراہی قبول کرنے کی درخواست کی، شاہ صاحب نے انکار کر دیا تو آپ کے شاگرد مولانا رشید الدین خان کو اس کالج کا پرنسپل بنا دیا گیا لیکن اس دوران شاہ عبدالعزیز بہت علیل ہو گئے اور اگلے ہی سال ۱۸۲۴ء کو آپ کا انتقال ہو گیا، تاہم انگریزوں نے اس کے اگلے سال ۱۸۲۵ء کو یہ کالج شروع کر دیا، مسٹر ٹیلر نے جو رپورٹ پیش کی تھی وہ ہمارے ملک کے نامور محقق ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی نے دریافت کر لی ہے اور اسے حواشی کے ساتھ مرتب کر کے رسالہ بنیاد (شعبۂ اُردو) لمز یونیورسٹی (LUMS) میں شائع کر دی ہے، یہ رپورٹ کتاب حاضر کے ضمیمہ میں ڈاکٹر چغتائی اور مدیر رسالہ کے شکریہ کے ساتھ شامل کی جارہی ہے۔

یہ سب کچھ کیسے جائز ہو گیا؟ ظاہر ہے انگریزوں کے ہندوستان کے بڑے حصہ پر قبضہ سے مسلم دشمن قوتوں کے حملوں سے محفوظ ہونے اور رعایا کو امان ملنے کے بعد کے حالات میں یہ جائز قرار دیا گیا' بلکہ بعد کے علماء نے انگریزوں کے خلاف جہاد کی فرضیت ختم کرنے کے فتوے بھی دیئے تھے' مولانا کرامت علی جونپوری (۱۲۱۵۔۱۲۹۰ھ/۱۸۰۰۔۱۸۷۳ء) نے برطانوی دورِ حکومت میں جہاد کو مسلمانوں کے لئے ساقط قرار دیا تھا۔[1] خانوادۂ شاہ عبدالعزیز کے ایک عقیدت مند شیخ محی الدین قادری کو جہاد کا وعظ کرنے کے شبہہ میں انگریزوں نے چالیس دن تک قید میں رکھا تھا'[2] اسی طرح مشہور مجاہد شاہ اسماعیل دہلوی (ف ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) بھی انگریزوں کے خلاف جہاد سے منع کرتے تھے۔[3] خود ترجمان وہابیہ کے مؤلف نواب صدیق حسن خان بھی انگریزوں سے جہاد کے خلاف تھے۔[4] مشہور اہلِ حدیث عالم مولانا محمد حسین بٹالوی نے تو اس موضوع پر پورا رسالہ لکھ کر انگریزوں کے خلاف جہاد کو ساقط قرار دیا۔[5] بعد میں ترک موالات کی تحریک میں علماء کے فرقہ وارانہ اختلافات بھی شدت سے عوام کے سامنے آئے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے ۱۲۱۷ھ/۱۸۰۳ء کو انگریزوں کے ہندوستان پر غلبہ کے باعث ان علاقوں کو دارالحرب قرار دیا تھا' آپ کی خدمت میں سوال کیا گیا کہ ''اس صورت میں کہ مملکتِ اسلام کے مالک حربی ہیں' ملک کے تمام معاملات' انتظام اور ملک کی ترتیب ان کے ہاتھوں میں ہے اور مسلمانوں کے ذرائع آمدنی جیسے

۱۔ رسالہ حکمت و مسائل حاضرہ' کلکتہ ۱۸۶۴ء ۲۔ مقالات طریقت' خاتمہ

۳۔ علی حسن خان: مآثر صدیقی ۳/۱۵۷

۴۔ ایضاً۔ مولوی غلام اللہ قصوری نے بھی اپنی کتاب تائید الاسلام' مطبوعہ لاہور ۱۲۹۹ھ میں جہاد کے ساقط ہونے کے دلائل دیئے تھے۔

۵۔ الاقتصاد فی مسائل الجہاد' لاہور' وکٹوریہ پریس

مسئلہ دارالحرب اور جہاد کے موضوع پر علماء میں بہت اختلاف رہا ہے' بعض تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: محمد ایوب قادری: سرسید احمد خان اور وہابی تحریک' مقالہ مشمولہ برگ گل (سرسید نمبر ۷۵۔۱۹۷۴ء) وفاقی اُردو کالج' کراچی

Marfat.com

ملکیت زمین اور روزانہ کی آمدنی ....وغیرہ کے لئے قسم کھائیں.....تو کیا ایسی صورت میں کہ دارالحرب کے مال کو ذرائع معاش کے ناپید ہونے کی صورت میں قسم کھا کر لے لینا اور شرعی کاموں میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

قاضی صاحب نے جواب دیا:

کافر جو اس ملک پر مسلط ہو گئے ہیں (اس کی وجہ سے) اس علاقہ کے مسلمان، مستامنان دارالحرب کا حکم رکھتے ہیں اور وہ مسلمان جو مستامنان دارالحرب میں سے ہوں، ان کو حربیوں کا مال کسی بہانہ سے لے لینا جائز نہیں۔[1]

مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (ف ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء) نے بھی اپنے ایک فتویٰ میں غلبۂ مرہٹہ، سکھ اور فرنگ کے باعث ان علاقوں کو دارالحرب قرار دیا تھا۔[2]

اسی طرح شاہ رفیع الدین محدث بن شاہ ولی اللہ نے بھی ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا،[3] جن کا انتقال شاہ عبدالعزیز کے حین حیات ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء کو ہی ہو گیا تھا۔

تالیفات شاہ عبدالعزیز محدث

یوں تو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کی تمام تالیفات کسی نہ کسی طرح اہمیت رکھتی ہیں لیکن خصوصیت سے آپ کی تفسیر یعنی تفسیر فتح العزیز اور تحفہ اثناءِ عشریہ کی خاص اہمیت ہے۔

ا۔ تفسیر فتح العزیز (فارسی نثر)

شاہ عبدالعزیز محدث نے یہ تفسیر ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۳ء میں املاء کروائی، آغاز میں فرماتے ہیں کہ شیخ مصدق الدین عبداللہ کی خواہش پر اس کارِ خیر آغاز کیا، اس کے مخطوطات و مطبوعات صرف سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کی ۸۴ آیات جو سوا پاروں سے کچھ زائد ہے، اس کے بعد آخر کے دو پاروں کی تفسیر ملتی ہے، جو متعدد مرتبہ طبع ہو چکی ہے، مقالاتِ طریقت کی قریب العہد روایت کے مطابق شاہ صاحب یہ تفسیر مکمل نہیں کر سکے تھے، اس لئے آپ کے شاگرد مولانا حیدر علی فیض آبادی (ف ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) نے سکندر بیگم والیۂ بھوپال کی خواہش پر اس کو ستائیس جلدوں میں مکمل کیا۔[4] اس تکملہ کے چند اجزاء آصفیہ لائبریری حیدر آباد دکن میں پائے جاتے ہیں، تفسیر عزیزی

۱؎ اس قسم کے دو فتوے شاہ عبدالعزیز محدث کے نامور شاگرد مولانا مفتی الٰہی بخش نشاط کاندھلوی کے کتب خانہ واقع کاندھلہ، مظفر نگر یوپی، ہندوستان میں محفوظ ہیں جن کے متون جناب نورالحسن راشد کاندھلوی نے (رسالہ) احوال و آثار، شمارہ ۲۲ (۲۰۱۵ھ) میں نقل کر کے محفوظ کر دیئے ہیں۔ ۲؎ ایضاً صفحہ ۲۷۔۲۸ ۳؎ ایضاً صفحہ ۲۸۔۳۶

۴؎ مقالاتِ طریقت طبع اوّل صفحہ ۳۳، عضد الدین خان: تفسیر فتح العزیز، چند حقائق کی روشنی میں، مقالہ مشمولہ معارف، ستمبر ۱۹۶۷ء، صفحہ ۲۱۹، اس مقالہ کے فاضل مؤلف نے مختلف معاصر شہادتوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ شاہ صاحب نے قرآن مجید کی تفسیر مکمل کر لی تھی۔

Marfat.com

کی آخری جلد کا اُردو ترجمہ مولوی محمد حسن خان شیدا رام پوری نے ۱۲۶۴ھ کو کیا جو کئی مرتبہ چھپ چکا ہے، اس کا عربی ترجمہ تفسیر العزیزی کے نام سے حافظ عبدالقادر آتوی (ف ۱۲۵۱ھ) نے کیا ہے جو کتب خانہ جامعہ باقیات صالحات، ویلور میں موجود ہے۔[1]

۲۔ عجالہٗ نافعہ (فارسی نثر)

یہ رسالہ دراصل حضرت مؤلف کا مختصر ثبت (فہرست شیوخ) ہے۔ جس میں صحاح ستہ، مشکوٰۃ شریف اور حصن حصین کی اسناد بیان کی گئی ہیں، نیز فنِ حدیث واصولِ حدیث پر بھی معلومات جمع کی گئی ہیں، پاکستان وہند میں متعدد بار چھپ چکا ہے۔

مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحلیم چشتی نے اس کی اُردو میں ایک مبسوط شرح فوائد جامعہ کے نام سے لکھی ہے جو کراچی سے دو مرتبہ طبع ہو چکی ہے، شاہ صاحب نے یہ رسالہ اپنے شاگرد اور معروف شاعر قمرالدین منت (ف ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۲ء) کی درخواست پر تالیف کیا تھا۔

۳۔ بستان المحدثین (فارسی نثر)

کتب حدیث اور محدثین کے مختصر حالات پر مشتمل ہے، اس کا اُردو ترجمہ مولانا عبدالسمیع دیوبندی (ف ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۶ء) اور عربی ترجمہ مولانا محمد اکرم ندوی نے کیا جو طبع ہو چکے ہیں، جو عکسی صورت میں دارالکتب پشاور سے بھی چھپ گیا ہے۔

۴۔ رسالہ دردفاع حضرت مجدد الف ثانی (فارسی نثر)

آپ نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ لکھا تھا جو آپ کے مجموعۂ فتاویٰ میں شامل ہے، نیز آپ نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے رسالۂ اعتراضات بر حضرت مجدد الف ثانی کے ایک خطی نسخہ پر حواشی بھی لکھے تھے جنہیں شاہ غلام علی دہلوی نے اپنے رسالہ ردّ اعتراضات کی فصل چہارم میں شامل کر لیا تھا۔[2]

۵۔ حواشی المقدمۃ السنیہ (عربی)

شاہ ولی اللہ محدث نے حضرت مجدد الف ثانی کے فارسی رسالہ ردّ روافض کی علماء عرب کی فرمائش پر عربی میں مذکورہ نام سے ایک شرح لکھی تھی، اس کا قلمی نسخہ جب آپ کے فرزند گرامی شاہ عبدالعزیز نے پڑھا تو آپ نے اپنے حضرت والد سے علمی اختلاف کرتے ہوئے رسالہ کے ماتن یعنی حضرت مجدد الف ثانی کا دفاع کیا کیوں کہ شاہ ولی اللہ

---

[1] راہی فدائی: خانوادۂ شاہ ولی اللہ اور علمائے جنوب کے علمی روابط (مقالہ مشمولہ معارف فروری ۲۰۱۷ء ص ۱۰۵)

[2] رسالۂ شاہ عبدالعزیز اور رسالۂ شاہ غلام علی دہلوی ہمارے مرتبہ مجموعہ دفاع حضرت مجدد الف ثانی میں شامل ہیں۔

Marfat.com

نے روافض کے معاملہ میں نرم رویہ اختیار کیا تھا اور حضرت مجدد الف ثانی سے اختلاف بھی کیا تھا' ان حواشی کے قلمی نسخہ پر شاہ عبدالعزیز نے اختلافی حواشی لکھے تھے[۱]

۶۔ میر محمد زاہد ہروی کی شرح مواقف پر حاشیہ[۲]

۷۔ شرح شمسیہ پر حاشیہ[۳]

۸۔ شرح تہذیب مؤلفہ ملا جلال الدین دوانی پر حاشیہ[۴]

۹۔ حاشیۂ صدرا[۵]

۱۰۔ رسالہ فی الانساب[۶]

۱۱۔ رسالہ فی الرویا' مطبوعہ روزنامہ اخبار' دہلی ۱۸۹۹ء[۷] اردو ترجمہ مطبوعہ مطبع احمدی' دہلی

۱۲۔ رسالہ سر الجلیل فی مسئلۃ التفضیل

مشمولہ فتاویٰ عزیزیہ (جلد دوم)

اس رسالہ کا اُردو ترجمہ مفتی محمد شفیع دیوبندی نے کیا' جو شائع ہو چکا ہے۔

۱۳۔ عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار انفاس

(مجموعۂ احادیث در فضائل خلفاؤ اربعہ و اہل بیت' اس رسالہ کا فارسی ترجمہ مرزا حسن علی لکھنوی نے کیا' اُردو ترجمہ از مولوی نظام الدین کیرانوی' مطبوعہ دہلی

۱۴۔ وسیلۃ النجات:

اس رسالہ میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ فرقۂ ناجیہ صرف اہل سنت و جماعت ہے' یہ رسالہ فتاویٰ عزیزیہ (جلد اوّل) میں شامل ہے' الگ بھی چھپ چکا ہے'[۸] جس کا اُردو ترجمہ احسن الحسنات کے نام

---

۱ Zubaid Ahmad: Contribution of Indo-Pakistan to Arabic Literature, pp:115-116

المقدمۃ السنیہ کا عربی متن مولانا ابوالحسن زید فاروقی کی تصحیح سے دہلی سے چھپ چکا ہے۔

۲ عبدالحی حسنی: اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں (الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند) ص ۳۵۲

۳ ایضاً ۳۸۷ ۴ ایضاً ۳۸۱ ۵ ایضاً ۴۸۶

۶ مکاتیب شاہ ولی اللہ' تعلیقات مرتب ۴۸۶' کتابخانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں اس کے دو نسخوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

۷ ایضاً

۸ شمارہ ۱۳ تا ۱۵ کے مذکورہ اُردو تراجم ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے ایک مفصل مقدمہ کے ساتھ فضائل صحابہ و اہل بیت کے نام سے قومی کتب خانہ' لاہور نے ۱۹۶۷ء کو شائع کر دیا تھا۔

۱۶۵۵۷۸

Marfat.com

سے دہلی سے طبع ہو چکا ہے۔

۱۵۔ سرالشہادتین (عربی)

اس رسالہ میں شاہ صاحب نے حضرت امام حسین و امام حسن کی شہادت کے واقعات و حقائق بیان کئے ہیں، آپ کے شاگرد مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی نے اس کی فارسی میں تحریر الشہادتین کے نام سے شرح لکھی تھی جو کئی مرتبہ طبع ہو چکی ہے اور اس کے اُردو تراجم مرزا حسن علی اور مولوی خرم علی بلہوری نے کئے۔

۱۶۔ فیصلہ شاہ صاحب

آپ کا یہ رسالہ مسئلہ وحدت الوجود پر ہے، نظامی پریس بدایوں سے اس کا متن شائع ہوا تھا اور بامر مولانا انوار اللہ خان مع اُردو ترجمہ از مولانا مشتاق احمد انبیٹھوی، حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔

۱۷۔ افاداتِ عزیزیہ (فارسی نثر)

مولانا رفیع الدین مرادآبادی کے سوالات کے جوابات، اس کے خطی نسخے ندوۃ العلماء، لکھنؤ، مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ، اور مدرسہ مظاہر العلوم، سہارنپور میں موجود ہیں۔[۱]

۱۸۔ میزان البلاغت (فارسی نثر)

مفتی عزیز الرحمٰن کے حواشی کے ساتھ مطبع مجتبائی، میرٹھ سے شائع ہوا تھا، جس کے متن کی تصحیح مولانا قاضی محمد بشیر الدین میرٹھی نے کی تھی۔

۱۹۔ میزان العقائد (عربی نثر)

مع شرح مؤلف، مطبوعہ مطبع احمدی، دہلی

۲۰۔ میزان الکلام: علم کلام پر آپ کا مستقل رسالہ ہے۔[۲]

۲۱۔ دیوان عربی

شاہ عبدالعزیز محدث کا عربی میں ایک دیوان بھی ہے جو مولوی رحیم بخش دہلوی نے دہلی کے بعض اصحاب کے پاس دیکھا تھا[۳] لیکن اُنہوں نے اس کی کوئی تفصیل بیان نہیں کی۔

۲۲۔ سانکیت شاستر: رسالہ درفنِ موسیقی (فارسی) قلمی مخزونہ رضا لائبریری، رام پور[۴]

۱۔ مکاتیب شاہ ولی اللہ محدث، تعلیقاتِ مرتب ۴۸۸
۲۔ عبدالحی حسنی: الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ۲۳۹
۳۔ رحیم بخش دہلوی: حیات ولی ۶۲۳
۴۔ عضد الدین خان: شاہ عبدالعزیز محدث کی ایک نایاب تصنیف، مقالہ شمولہ معارف اعظم گڑھ، دسمبر ۱۹۶۴ء

Marfat.com

۲۳۔ رسالہ فی تفسیر ما اھل بہ لغیر اللہ، مطبوعہ

۲۴۔ عملیات مجربہ خاندان عزیزیہ

مرتبہ ظہیر الدین سید احمد ولی اللّٰہی

اس رسالہ میں آپ کے خاندان حضرت شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، شاہ اہل اللہ، شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے مجربات جمع کر دیئے گئے ہیں، یہ رسالہ متعدد مرتبہ طبع ہو چکا ہے، اس مجموعہ میں کمالاتِ عزیزی مؤلفہ نواب مبارک علی خان، ارشاداتِ عزیزی اور مجرباتِ عزیزی مع ضمیمۂ جدیدہ بھی شامل ہیں۔

۲۵۔ رسالہ فیض عام (فارسی نثر)

آپ کے ایک عقیدت مند نعیم الدین ساکن موضع بردوان پرگنہ حویلی ڈھاکہ جلال پور ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء، مرزا پور متعلق بنارس سے دہلی آئے اور آپ سے چند سوالات کئے، آپ نے ان کے جوابات دیئے[۱] وہ انہوں نے لکھ لئے اور پھر ایک رسالہ کی صورت میں مطبع مصطفائی، کانپور سے ۱۲۶۶ھ کو شائع کروایا۔ اس فہرست کا رسالہ نمبر ۱۱ غالباً یہی رسالہ ہے۔

۲۶۔ فتاویٰ عزیزیہ (فارسی نثر)

یہ شاہ عبدالعزیز محدث کے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو دو جلدوں میں مرتب ہو کر طبع ہو چکا ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ مولانا محمد نواب علی اور مولانا عبدالجلیل نعمانی نے کیا تھا جو مطبع کنز العلوم حیدر آباد (دکن) سے ۱۳۱۳ھ کو شائع ہوا، جس کی صرف جلد اوّل ہمارے پیش نظر ہے، فتاویٰ عزیزی کا جدید اُردو ترجمہ بھی دستیاب ہے۔

۲۷۔ مکتوبات شاہ عبدالعزیز (فارسی نثر و عربی)

شاہ عبدالعزیز محدث کے مکتوبات کا کوئی باقاعدہ مجموعہ مرتب صورت میں نہیں ملتا، چند مکاتیب مآثر الابرار میں شامل ہیں، جس میں شاہ اھل اللہ، مولانا نور اللہ، مولانا محمد عاشق کے مکاتیب بھی ہیں جن میں سے بعض کے جوابات شاہ عبدالعزیز نے تحریر کئے تھے، اس مجموعہ کے مکاتیب مع اُردو ترجمہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی نے حضرت شاہ ابوالسعید حسنی کے نام سے کتابی صورت میں مکتبہ الفرقان، لکھنؤ سے ۱۹۸۹ء کو شائع کر دیا تھا، نیز ان کی کتاب تذکرہ شاہ عبدالعزیز میں مولانا رشید الدین دہلوی کی بیاض سے بھی مکتوبات نقل کئے گئے ہیں۔

ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے اپنے مجموعۂ رسائل شاہ عبدالعزیز یعنی فضائل صحابہ و اہلِ بیت میں بھی شاہ

---

[۱] ان جوابات کے چند اقتباسات، مقالاتِ طریقت میں بھی پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کے چند اہم مکاتیب بطور ضمیمہ شامل کر دیئے تھے جن کا اُردو ترجمہ مولوی محمد سلیمان بدایونی بھی شامل کیا گیا ہے۔ ہمارے ذخیرۂ مخطوطات (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور) میں بھی چند ایسے رسائل ہیں جو دراصل شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں بطور مکتوب (سوال) ارسال کئے گئے اور جن کے جوابات آپ نے تحریر فرمائے (R. No: 404)

مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں آپ کا ایک ادبی مکتوب لب لعل کے نام سے بھی ہے۔[1] اسی طرح ڈاکٹر معین الدین عقیل نے کوالالمپور (ملیشیا) کے انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ کے کتب خانہ میں ذخیرۂ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بارکر کے ایک خطی مجموعہ میں سے شاہ عبدالعزیز محدث کا ایک ادبی مکتوب بنام سائل بریلوی بھی شائع کر دیا ہے،[2] یہ بھی وہی مکتوب ہے جو لب لعل کی ترکیب پر تحقیق کے سلسلہ میں ہے اور جس کا نسخہ مولانا آزاد لائبریری میں بھی ہے۔ ایک مجموعہ ۲۰۱۰ھ کو رضا لائبریری، رام پور سے مکتوبات الشیخ ولی اللہ الدھلوی و اولادہ و معاصریہ تحقیق و ترجمہ شاہ عبدالسلام شائع ہوا ہے، جس میں قلمی نسخہ کا عکس بھی شامل ہے۔

۲۸۔ ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز

یہ ملفوظات صرف تین ماہ کے فرمودات پر مشتمل ہیں، یعنی ۱۷ رجب تا شوال ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء اس کے جامع کا نام معلوم نہیں ہے، قاضی بشیر الدین میرٹھی نے اس کا فارسی متن کسی غیر مصحح نسخہ کی بنیاد پر مطبع مجتبائی میرٹھ سے ۱۳۱۴ھ کو شائع کر دیا تھا، اسی متن کا اُردو ترجمہ محمد علی لطفی اور مفتی انتظام اللہ شہابی نے کیا جو ۱۹۶۰ء میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی سے شائع ہوا تھا، اس سے پہلے مذکورہ مطبع سے ۱۸۹۷ء کو اس کا ترجمہ از مولوی عظمت الٰہی بھی شائع ہوا تھا۔

پھر ۲۰۱۲ھ کو پروفیسر عضدالدین خان مرحوم (استاد مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے اس کا از سرنو اُردو ترجمہ کیا لیکن بنیاد وہی مذکورہ ایڈیشن تھا، اس لئے اس میں بھی وہی اغلاط موجود ہیں جو متن میں تھے، ۲۰۱۶ء کو یہی ترجمہ کتاب محل لاہور نے دوبارہ طبع کر دیا ہے، پروفیسر عضدالدین نے انگریزی مقدمہ کے ساتھ مذکورہ فارسی متن کا عکس ۱۹۸۷ء کو کراچی سے طبع کر دیا تھا، تاہم ضرورت ہے کہ نو دریافت خطی نسخوں کی بنیاد پر اس کا فارسی متن مرتب کر کے شائع کیا جائے۔

۲۹۔ عزۃ الراشدین

شاہ عبدالعزیز محدث نے تحفہ اثناء عشریہ کے ردّ میں مولانا دلدار علی کے رسالہ نزہۃ اثناء عشریہ کے جواب میں

---

[1] (ادب فارسی۔ شمارہ: ۸۸) [2] مشمولہ (رسالہ) بازیافت شمارہ ۱۱، صفحہ ۹۔۱۶

Marfat.com

ایک رسالہ عزۃ الراشدین کے نام سے لکھا تھا۔[1]

۳۰۔ مجموعہ خطب خاندان عزیزیہ

یہ کتاب مولانا عاشق حسین سیماب اکبرآبادی کے اُردو ترجمہ کے ساتھ فخر المطابع، لکھنؤ سے ۱۹۱۶ء کو طبع ہوئی۔

۳۱۔ النفائس الارتضائیہ (شرح رسالۃ العزیزیۃ فی علوم المعانی، شارح مولانا ارتضا علی خان گوپاموی، مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ، حیدرآباد (دکن) ۱۳۲۸ھ (عربی)

۳۲۔ حدیث الثقلین: اس رسالہ کی عربی میں علامہ محمود شکری آلوسی (ف ۱۳۴۲ھ) نے سعادۃ الدارین کے نام سے شرح لکھی تھی جو پہلے بیروت سے اور پھر دار الکتب پشاور سے طبع ہو چکی ہے۔

رسائل شاہ عبدالعزیز مشمولہ فتاویٰ عزیزی[2]

(۱) رسالہ در بیان استحباب رفع سبابہ در تشہد

(۲) رسالہ نماز زنان

(۳) رسالہ معاد جسمانی

(۴) رسالہ اصول مذہب ابی حنیفہ

(۵) رسالۂ غنا

(۶) رسالہ بیع کنیزان

(۷) (رسالہ در) بیان مآخذ مذاہب ائمہ اربعہ

(۸) (رسالہ در) شرح رویای مولانا شاہ عبدالعزیز

(۹) بیان محو و اثبات تقدیرات (بر بنیاد سوال مرزا حسن علی)

(۱۰) رسالہ فیض عام (سوالات نعیم الدین ساکن بردوان ....) رک شمارہ ۲۵

(۱۱) رسالہ خمر نزد امام ابوحنیفہ ....

(۱۲) (رسالہ در) سوالات عشرہ کہ شاہ بخارا از عمدۃ المفسرین ...... کردہ بود و جوابات

(۱۳) (رسالہ در) جوابہا در شبہ کہ فرقہ امامیہ منکر خلافت حضرت صدیق اکبر اند

---

[1] محمد علی، مرزا: نجوم السماء، لکھنؤ، ۳۵۹

[2] ان میں سے بعض الگ بھی شائع ہوئے تھے جن کا ذکر متعلقہ مقامات پر کیا جا چکا ہے۔

Marfat.com

(۱۴) تتمہ دلائل شیعہ و بیان حدیث ثقلین ....

(۱۵) رسالہ وسیلۃ النجات

(۱۶) رسالہ در دفع اعتراضات بر بعض عبارات حضرت مجدد الف ثانی

(۱۷) رسالۂ احکام حج

(۱۸) (رسالہ) سر الجلیل در فضیلت شیخین (رک شمارہ ۱۲)

(۱۹) رد رسالۂ مولوی عبدالرحمٰن لکھنوی (در وحدت الوجود)

تحفہ اثناءِ عشریہ (فارسی نثر)

تفسیر عزیزی کے بعد شاہ عبدالعزیز کی سب سے مشہور اور معرکہ آراء کتاب تحفہ اثناءِ عشریہ ہے۔ یہ کتاب ۱۲۰۴ھ/ ۱۷۸۹ء کو تالیف ہوئی' اس وقت ہندوستان میں اہلِ تشیع کا سیاسی' فکری اور معاشرتی طور پر اتنا غلبہ ہو چکا تھا کہ اس کے آغاز میں اپنا تاریخی نام غلام حلیم اور اپنے والد گرامی کا عرفی نام قطب الدین احمد لکھا تا کہ ان کی براہِ راست ریشہ دوانیوں سے محفوظ رہ سکیں۔

یہ کتاب بارہ ابواب پر مشتمل ہے' جس کا فارسی متن کئی بار طبع ہو چکا ہے' اس کی پہلی طباعت مؤلف کے حین حیات ۱۸۰۰ء کو کلکتہ سے ہوئی تھی' [۱] اس کا دوسرا ایڈیشن ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء کو کلکتہ سے ہی طبع ہوا' جس کے خاتمۃ الطبع سے معلوم ہوتا ہے کہ تحفہ میں درج عربی عبارات کا فارسی ترجمہ شاہ عبدالقادر (ف ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۵ء) بن شاہ ولی اللہ محدث سے کروایا گیا تھا' [۲] ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر سے ان کی وفات سے پہلے اہل مطبع نے کروالیا تھا لیکن طباعت کا عمل ان کے وصال کے بعد مذکورہ سنہ میں ہوا' تحفہ کا ایک اور ایڈیشن ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۲ء کا ہے جس پر بکثرت حواشی بھی طبع ہوئے ہیں لیکن اس طباعت کے آغاز وانجام میں اس کے محشی کا نام درج نہیں ہے۔ [۳]

تحفہ اثناءِ عشریہ کا پہلا اُردو ترجمہ سرسید احمد خان نے ۱۸۴۴ء/ ۱۲۶۹ھ کو کیا جو طبع ہوا تھا' اس میں تحفہ کے صرف دو ابواب (۱۰-۱۱) کا ترجمہ ہے۔ [۴] دوسرا اُردو ترجمہ جو مکمل ہے مولوی عبدالمجید خان پیلی بھیتی نے کیا جو ہدیۂ مجیدیہ کے

---

۱ مقالاتِ طریقت (اس طبع اوّل کی تعداد تین سو تھی (عضد الدین خان' مقالات طریقت' مقالہ مشمولہ معارف' ستمبر ۱۹۶۵ء (ص ۱۹۵ حاشیہ)

۲ تحفہ اثناءِ عشریہ کا یہ دوسرا ایڈیشن ہمارے ذخیرہ (مخزونہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری' لاہور) میں تحت شمارہ ۸۵۱۹ محفوظ ہے۔

۳ یہ طباعت بھی ہمارے ذخیرہ میں ہے (شمارہ ۸۵۲۰) بعض دیگر طباعتوں کی تفصیل کے لئے دیکھئے: کتابشناسی آثار فارسی چاپ شدہ در شبہ قارہ ۱/ ۴۲۷-۴۲۸ مرتبہ عارف نوشاہی۔

۴ حیاتِ جاوید (طبع نامی پریس' کانپور ۱۹۰۱ء) صفحہ ۵۱

Marfat.com

نام سے شائع ہوا تھا' ایک اور ترجمہ از مولوی سعد حسن خان یوسفی' کارخانہ تجارت کتب' کراچی نے طبع کروایا۔

تحفہ اثناءِ عشریہ کا عربی ترجمہ مولوی محمد سعید اسلمی مدراسی (ف ۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء) نے کیا جو مؤلف کے حین حیات ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۲ء کو مکمل ہوا' یہ ترجمہ حسین حلمی ایشیق نے استنبول سے عکسی صورت میں دوبارہ شائع کر دیا تھا' مولانا اسلمی کے اس ترجمہ کا ذکر خود شاہ صاحب نے بھی کیا ہے'[۱] مولانا اسلمی کئی اہم کتابوں کے مؤلف تھے' مولانا اسلمی کے مولوی محمد علی رام پوری کے ساتھ تقویت الایمان کے سلسلہ میں تلخ مباحث بھی ہوئے تھے۔[۲]

مولانا اسلمی نے شاہ عبدالعزیز کے ایک رسالہ در شیعہ وسنی اختلاف کا بھی عربی میں الترجمۃ العبقریۃ والصلوٰۃ الحیدریۃ کے نام سے کیا تھا اور اسی موضوع پر ایک اور رسالہ سفینۃ النجات کی فارسی میں تعلیقات رزینہ فی شرح السفینہ کے نام شرح لکھی تھی' جن کے قلمی نسخے مدراس کے کتب خانوں میں محفوظ ہیں'[۳] انہوں نے خود اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب فارسی میں سفینۃ النجات فی طوفان المہلکات کے نام سے بھی لکھی تھی۔[۴]

شیعہ علماء نے تحفہ اثناءِ عشریہ کے جواب لکھنے میں بہت کوششیں کیں' بعض نے تو ساری عمر اسی کا ردّ لکھنے میں صرف کر دی' یہاں مؤلف کے معاصر اور چند قریب العہد علماء کی کوششوں کا ذکر کیا جا رہا ہے:

خود شاہ عبدالعزیز کے حین حیات شیعہ علماء نے آپ پر الزام لگایا کہ آپ کی کتاب تحفہ اثناءعشریہ تو ملا نصر اللہ کابلی کی صواعق موبقہ کا سرقہ ہے' جس پر آپ کے ایک شاگردِ خاص مرزا حسن علی محدث لکھنوی نے آپ سے بذریعہ خط اس کا جواب چاہا تو آپ نے اس کی وضاحت فرمائی کہ نصر اللہ کابلی کی مذکورہ تالیف تو بہت ناقص ہے اور یہ اہل تشیع کے تمام اعتراضات کے جواب پر مشتمل نہیں ہے۔[۵]

شاہ صاحب کے ملفوظات سے بھی شیعہ علماء کے تحفہ پر اعتراضات کا ذکر ملتا ہے۔[۶]

تحفۂ اثناءِ عشریہ کا قدیم ترین جواب مولانا ابو احمد محمد بن عبدالنبی اخباری نیشاپوری اکبر آبادی نے السیف المسلول علیٰ مخربی دین الرسول الملقب بہ صارم البتار لقد الفجار وقطّ الاشرار کے طویل نام سے فارسی میں لکھا' ان کا انتقال شاہ عبدالعزیز کے حین حیات ہی ۱۲۳۲ھ/۱۸۱۶ء کو ہو گیا تھا۔[۷]

دوسرے بڑے معاصر شیعہ عالم مولانا دلدار علی نصیر آبادی (ف ۱۲۳۵ھ/۱۸۲۰ء) تھے جنہوں نے تحفہ کے ردّ میں کئی رسائل لکھے' تحفہ کی اشاعت اوّل (۱۸۰۰ء) کے صرف تین سال بعد ہی ان کے دو رسائل کلکتہ

---

۱ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ۶۶

۲ Kokan Umari: Arabic and Persian in Carnatic pp:477-83

۳ ایضاً ۴۷۹۔۴۸۱ ۴ ایضاً ۴۸۱

۵ فتاویٰ عزیزی ۱/۱۲۹۔۱۳۱ ۶ ملفوظات شاہ عبدالعزیز ۱۹۶

۷ کشف الحجب والاستار مؤلفہ اعجاز حسین کنتوری ۳۱۴

Marfat.com

سے ۱۸۰۳ء کو شائع ہوئے، یعنی حسام الاسلام وسہام الملام (جواب باب ہشتم تحفہ مبحث معاد و رجعت) دوسرا رسالہ صوارم الالٰہیات ہے جو تحفہ کے باب پنجم (الہیات) کے ردّ میں شائع ہوا۔[۱]

اُنہوں نے تحفہ کے دیگر ابواب کے ردّ میں رسالہ ذوالفقار، ردّ غیبت میں لکھے جو شائع ہوئے تھے۔[۲] ان کے فرزند محمد بن دلدار علی لکھنوی نے البوارق الموقبہ/السیف المہر قہ اور طعن الرماح بھی لکھیں۔[۳]

مولانا دلدار علی نے تحفہ کے ردّ میں نزہۃ اثنائے عشریہ بھی لکھی تھی، مؤلف نجوم السماء نے اس کا اقتباس نقل کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اس کا ردّ خود شاہ عبدالعزیز نے عزۃ الراشدین کے نام سے لکھا تھا، جس کا جواب مولانا دلدار علی نہیں لکھ سکے تو ایک اور شیعہ عالم حکیم باقر علی خان نے اس کا ردّ معین الصادقین کے نام سے لکھا تھا۔[۴] ان کے شاگرد مفتی سید محمد قلی خان کنتوری نے بھی تحفہ کے ردّ میں کئی رسائل لکھے تھے جن میں تشید المطاعن، تقلیب المکائد اور نفاق الشیخین طبع ہو چکے ہیں۔[۵]

انہی علامہ کنتوری کے فرزند حامد حسین کنتوری نے اپنی ساری عمر تحفہ کا ردّ لکھنے میں صرف کر دی، مولانا عبدالحی حسنی کے الفاظ ہیں:

فانہٗ صرف عمرہ فی الرد علی التحفۃ۔[۶]

نیز اُنہوں نے تحفہ کے ردّ میں اہل تشیع کے کئی رسائل کا بھی ذکر کیا ہے۔[۷]

تحفہ اثناءِ عشریہ کے ردّ کے سلسلہ میں تفصیلات جمع کرنے کا سہرا مفتی سید محمد قلی خان مذکور کے فرزند علامہ اعجاز حسین کنتوری (۱۲۴۰-۱۲۸۶ھ/۱۸۲۵-۱۸۶۹ء) کے سر ہے جنہوں نے شیعہ علماء کی تصانیف کی ایک فہرست کشف الحُجب والاستار کے نام سے مرتب کی اور اس میں خصوصیت سے تحفہ اثناءِ عشریہ کے رد میں لکھی جانے والی کتابوں کا ذکر کیا ہے، ان کے مؤلفین کے اسماء طویل القاب کے ساتھ درج کرتے ہوئے کئی مقامات پر ''تحفۃ المسروقۃ للعزیز الدھلوی'' لکھ کر حقارت کا اظہار بھی کیا ہے۔[۸]

اُنہوں نے اس سلسلہ میں تحفہ کے خلاف تالیف ہونے والے رسائل کا بھی تفصیلی تعارف کروایا

۱۔ کتاب شناسی آثار فارسی ۱/۴۴۴، ۴۶۳
۲۔ ایضاً ۱/۴۵۱-۴۵۴
۳۔ ایضاً ۱/۴۲۶-۴۶۵۔
۴۔ فضائل صحابہ واہل بیت، مقدمہ نوشتہ محمد ایوب قادری ۸۱-۸۲ علامہ اعجاز حسین کنتوری نے نزہۃ اثناءِ عشریہ کی مکمل تفصیل دی ہے، ملاحظہ ہو: کشف الحُجب والاستار ۵۸۹
۵۔ کتاب شناسی آثار فارسی ۱/۴۳۳
۶۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ۲۲۰
۷۔ ایضاً ۲۱۹-۲۲۰
۸۔ کشف الحجب والاستار ۲۲۱

Marfat.com

ہے،[۱] اس کے بعد مرزا محمد مہدی لکھنوی نے تکملہ نجوم السماء اور ان کے والد مرزا محمد علی نے نجوم السماء میں اس قسم کا تمام مواد جمع کر دیا تھا۔

اس سلسلہ کی آخری کوشش راسخ العقیدہ مسلمان علماء وصوفیہ کے سب سے بڑے دشمن ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی (ف ۲ ستمبر ۱۹۹۴ء) کی ہے جنھوں نے شاہ عبدالعزیز پر انگریزی میں ایک ضخیم کتاب تالیف کی اور اس میں تحفہ اثناء عشریہ کے ردّ میں شیعہ علماء کی سرگرمیاں پوری تفصیل سے بیان کیں، اس کام کے لئے اُنہوں نے اپنی کتاب کے ایک سو چودہ صفحات وقف کیے،[۲] جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کی یہ کتاب اسی مقصد یعنی تحفہ اثناءِ عشریہ کے ردّ کے سلسلہ میں شیعہ علماء کے کارنامے بیان کرنا ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث سے ظاہری و باطنی علوم میں فیض یاب ہونے والے افراد کی تعداد بہت زیادہ ہے، ہمارے علم میں کوئی معاصر دستاویز اب تک سامنے نہیں آئی ہے، جس میں ان تمام حضرات کی فہرست ہو، آپ سے استفادہ کرنے والوں کی کئی قسمیں تھیں، آپ فجر کی نماز کے بعد درس دیتے تھے تو شرکاء کی کثرت ہوتی تھی، چہل قدمی کے دوران بھی کئی اصحاب آپ سے سبق لیتے تھے، اور جب تفسیر بیان کرتے تھے تب بھی حاضرین میں ایسے افراد ہوتے تھے جو تعلیم کی درخواست کرتے تھے، ان سب کے علاوہ وہ اصحاب بھی ہیں جو عربستان اور دیگر مسلم ممالک سے آئے اور اجازت لے کر چلے گئے، جن کے نام عربی کتب اور وہاں کے معاجم الشیوخ ہی میں ملتے ہیں، تاہم یہاں ان حضرات کے اسماء کی ایک مختصر سی فہرست دی جا رہی ہے جنھوں نے آپ سے استفادہ کیا، یقیناً یہ فہرست مکمل نہیں ہے اور اُمید ہے کہ اہلِ علم حضرات اس میں اضافہ کرتے رہیں گے۔

---

۱ ایضاً ملاحظہ ہو: صفحات ۲۵، ۱۶۲، ۱۹۵، ۲۲۱، ۳۱۴، ۵۷۲، ۵۷۳، ۶۰۵، نیز ملاحظہ ہو: نجوم السماء مؤلفہ مرزا محمد علی، مطبوعہ لکھنؤ اور تکملہ نجوم السماء مؤلفہ مرزا مرزا محمد مہدی لکھنوی، مطبوعہ قم

۲ ملاحظہ ہوان کی کتاب:
Shah Abdul Aziz (Puritanism, Sectarian Polemics and Jihad, Australia,1982
کا چھٹا باب بعنوان:
The Shi'i Refutations of Tuhfa..... and Sunni Counter Attacks, pp:356-470
ان سے پہلے بزرگ تہرانی نے الذریعۃ الٰی تصانیف الشیعۃ کی ۲۵ جلدوں میں اسی قسم کا مواد بھی جمع کیا تھا۔

Marfat.com

(۱) آزردہ، مفتی صدرالدین دہلوی [1] (ف ۱۲۸۵ھ/ ۱۸۶۸ء)

(۲) سید آل رسول مارہروی [2] (ف ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء)

(۳) سید آل حسن قنوجی [3] (ف ۱۲۱۰۔۱۲۵۳ھ
/ ۱۷۹۵۔۱۸۳۷ء) والد نواب صدیق حسن خان

(۴) شاہ ابوسعید مجددی [4] (ف ۱۲۵۰ھ/ ۱۸۳۴ء)

(۵) شاہ احمد سعید مجددی [5] (ف ۱۲۷۷ھ/ ۱۸۶۰ء)

(۶) مفتی الٰہی بخش کاندھلوی [6] (ف ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۲۹ء)

(۷) شیخ امام الدین محمد بن معین الدین احمد صدیقی، ابوالفرید دہلوی ثم لکھنوی [7]

(۸) شیخ امام الدین بن قطب الدین کاندھلوی (شاگرد مفتی الٰہی بخش کاندھلوی مذکور) کے علاوہ شاہ عبدالعزیز محدث سے بھی تحصیل کی۔ [8]

(۹) مولانا امین اللہ عظیم آبادی [9] (ف ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء)

(۱۰) مولانا بزرگ علی بن حسن علی حنفی مارہروی [10] (ف ۱۲۶۲ھ/ ۱۸۴۶ء)

(۱۱) حافظ اکرام الدین واعظ دہلوی ثم الٰہ آبادی [11]

(۱۲) شیخ بشارت اللہ بہرائچی [12] (ف ۱۲۵۴ھ/ ۱۸۳۸ء) خلیفۂ شاہ غلام علی دہلوی (ف ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۴ء)

(۱۳) شیخ پناہ عطا بن کریم عطا سلونی چشتی [13] (ف ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۸ء)

(۱۴) مولانا جعفر علی کسمنڈوی [14] (ف ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء)

(۱۵) مولانا حسن علی صغیر ہاشمی شافعی لکھنوی [15] (ف ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۹ء)

(۱۶) مولانا حسین احمد ملیح آبادی [16] (ف ۱۲۷۵ھ/ ۱۸۵۸ء)

(۱۷) مولانا حنیف بن ابی الحنیف حنفی دھمتوری [17] (ف ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء)

---

۱ آثار الصنادید، تذکرہ علمائے ہند ۲۴۷۔۲۴۹، تذکرہ آزردہ، مقدمہ

۲ نزہۃ الخواطر ۷/ ۴، تذکرہ نوری (سوانح مولانا ابوالحسین نوری مارہروی) مرتبہ محمد ایوب قادری

۳ نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۳۱۲، مآثر صدیقی ۱/ ۵۵ ۴ مقاماتِ خیر ا/ ۷ ۵ مناقب احمدیہ و مقاماتِ سعید ا/ ۷

۶ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (سوانح) مؤلفہ نورالحسن راشد ۷ نزہۃ الخواطر ۷/ ۷۵۔۷۶ ۸ ایضاً

۹ ایضاً ۷/ ۸۵ ۱۰ ایضاً ۷/ ۹۸ ۱۱ اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۱۸۱۔۱۹۰

۱۲ ظفر احسن بہرائچی: آثار حضرت مرزا مظہر ۱۵۱۔۱۸۵ ۱۳ نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۰۳ ۱۴ ایضاً ۷/ ۱۱۸

۱۵ حسرت، محمد سعید، قسطاس البلاغۃ ۱۷۰، علم و عمل ۱/ ۲۵۳، نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۳۶، اشتیاق احمد اعظمی: اودھ میں افتاء کے مراکز ۲۷۸۔۲۷۹ ۱۶ نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۴۳، تذکرہ علمائے ہند ۱۶۶ ۱۷ نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۴۹

Marfat.com

(۱۸) مولانا حیدر علی رام پوری ثم ٹونکی [۱] (ف۱۲۷۲ھ/۱۸۵۵ء)
(۱۹) مولانا حیدر علی فیض آبادی [۲] (ف۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)
(۲۰) مولانا خالد کردی رومی [۳] (ف۱۲۴۲ھ/۱۸۲۶ء) خلیفۂ شاہ غلام علی دہلوی
(۲۱) شاہ رحمٰن بخش امروہوی [۴] (ف۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) بن شاہ عبدالباری بن شاہ عبدالہادی چشتی
(۲۲) شیخ رشید الدین دہلوی [۵] (ف۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء)
(۲۳) مولانا خرم علی بلہوری [۶] (ف۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء)
(۲۴) رفعت، غلام جیلانی رام پوری [۷] (ف۱۲۳۴ھ/۱۸۱۹ء)
(۲۵) شاہ رفیع الدین محدث دہلوی [۸] (ف۱۲۳۳ھ/۱۸۱۸ء) برادر خرد شاہ عبدالعزیز محدث
(۲۶) مولوی سید رمضان علی امروہوی [۹] (ف۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء)
(۲۷) ساجر، غلام مینا علوی کاکوروی [۱۰] (ف۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء)
(۲۸) مولانا ثناء الدین بدایونی [۱۱]
(۲۹) مولانا سلامت اللہ کشفی بدایونی [۱۲] (ف۱۲۸۱ھ/۱۸۶۴ء)

۱۔ تذکرہ کاملان رام پور، تذکرہ علمائے ہند، تذکرہ علمائے ٹونک ۹۰۔۱۰۱

۲۔ نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۵۴۔۱۵۵، تذکرہ علمائے ہند ۱۷۵

۳۔ مقاماتِ مظہری ۵۶۵، محمد بن عبداللہ: البھجة السنية ۸۲

۴۔ امداد المشتاق، مقدمہ نوشتہ نثار احمد فاروقی ۵۱۔۵۳

۵۔ مقالاتِ طریقت تعلیقات

۶۔ اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۱۴۹۔۱۷۱، ابتداء میں تلامذہ کی یہ فہرست حروفِ تہجی کے اعتبار سے بنانی شروع کی تھی لیکن یہ ترتیب قائم نہ رہ سکی۔

۷۔ نزہۃ الخواطر ۷/ ۳۴۸، تذکرہ کاملان رام پور ۲۸۴۔۲۸۷

۸۔ مقدمہ کتاب حاضر

۹۔ محمود احمد عباسی: تاریخ امروہہ (جلد دوم، تذکرۃ الکرام ۲۷۷)

۱۰۔ نزہۃ الخواطر ۷/ ۲۰۴

۱۱۔ محمد حیدر علی علوی کاکوروی: تذکرہ مشاہیر کاکوری ۳۰۸۔۳۱۵

۱۲۔ رک تعلیقات مقالاتِ طریقت

Marfat.com

(۳۰) شیخ ظہور الحق پھلواروی [۱] (ف ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۸ء)

(۳۱) شیخ ضیاء الدین برہانپوری [۲] (ف ۱۲۳۵ھ/ ۱۸۱۹ء)

(۳۲) شیخ عبدالحی بڈھانوی [۳] (ف ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء)

(۳۳) شیخ عبدالرحیم گورکھپوری [۴]

(۳۴) اخوند عبدالعزیز دہلوی [۵] (ف ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۸ء)

(۳۵) مولانا عبدالعزیز بن آل نبی نصیر آبادی [۶] (ف ۱۲۷۶ھ/ ۱۸۵۹ء)

(۳۶) شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ محدث [۷] (ف ۱۲۲۷ھ/ ۱۸۱۲ء)

(۳۷) شاہ عبدالقادر دہلوی [۸] (ف ۱۲۳۰ھ/ ۱۸۱۴ء) بن شاہ ولی اللہ محدث

(۳۸) مفتی علی کبیر مچھلی شہری [۹] (ف ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۲ء)

(۳۹) حکیم غلام حیدر بن نامدار دہلوی [۱۰]

(۴۰) شیخ غلام علی چڑیا کوٹی [۱۱] (ف ۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۲ء)

(۴۱) شاہ غلام علی دہلوی [۱۲] (ف ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۳۴ء)

---

۱ نزہۃ الخواطر ۷/ ۲۲۶

۲ ایضاً ۷/ ۲۲۳

۳ رک تعلیقات کتاب حاضر

۴ نزہۃ الخواطر ۷/ ۲۵۹

۵ محمد عمر سراج الحق: ریاض الانوار (سوانح اخوند عبدالعزیز دہلوی) دہلی و میرٹھ ۱۳۰۵ھ

۶ نزہۃ الخواطر ۷/ ۲۶۷

۷ حیات ولی صفحہ ۶۴۱

۸ ایضاً، مقالات طریقت تعلیقات

۹ تذکرہ علمائے ہند ۱۴۷، تاریخ شیراز ہند جونپور مؤلفہ سید اقبال احمد ۶۸۔۲۶۹

۱۰ آثار الصنادید ۲/ ۵۲

۱۱ رحمٰن علی: تذکرہ علمائے ہند ۱۶۴، نزہۃ الخواطر ۷/ ۳۵۸۔۳۵۹

۱۲ مقامات مظہری و ملفوظات چہل روزہ، مقدمات

Marfat.com

(۴۲) مولانا غلام محی الدین بگوی [۱] (ف ۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء)

(۴۳) خواجہ غلام محی الدین قصوری [۲] (ف ۱۲۷۰ھ/۱۸۵۴ء)

(۴۴) مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی [۳] (ف ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء)

(۴۵) مولانا شاہ قطب الہدیٰ رائے بریلوی [۴] (ف ۱۲۲۶ھ/۱۸۱۱ء)

☆ قمرالدین دہلوی = منت، قمرالدین دہلوی

(۴۶) مولانا کرم اللہ محدث [۵] (ف ۱۲۵۲ھ/۱۸۳۶ء) خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی

(۴۷) مولانا مفتی کریم اللہ دہلوی [۶] (ف ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء)

(۴۸) مولانا محبوب علی جعفری دہلوی [۷] (ف ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء)

(۴۹) مرزا محمد بن عنایت احمد شیعی دہلوی [۸] (ف ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء)

(۵۰) مولانا شاہ محمد اسحاق دہلوی [۹] (ف ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء) نواسۂ شاہ عبدالعزیز محدث

(۵۱) مولانا شاہ محمد اسماعیل دہلوی [۱۰] (ف ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء) بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ محدث

(۵۲) مولانا شاہ محمد یعقوب [۱۱] (ف ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۵ء) نواسۂ شاہ عبدالعزیز محدث

(۵۳) مولانا شاہ مخصوص اللہ [۱۲] (ف ۱۲۷۱ھ/۱۸۵۴ء) بن شاہ رفیع الدین

---

۱ تذکرہ علمائے ہند ۳۶۹ـ۳۷۰، حدائق الحنفیہ ۴۷۶ـ۴۷۷

۲ ملفوظات چہل روزہ شاہ غلام علی دہلوی، مقدمہ

۳ انوار العیون مؤلفہ حسام الدین احمد فضلی صفحہ ۹۱، تذکرہ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی صفحہ ۳۱

۴ تذکرہ علمائے ہند ۳۹۳، نزہۃ الخواطر ۷/۳۸۹

۵ مقامات مظہری، ضمیمہ ۵۶۴، ۵۹۲، ۵۹۳

۶ تذکرہ علماء ومشائخ پاکستان وہند ۱/۲۰۹ـ۲۳۶

۷ آثار الصنادید ۲/۹۳ـ۹۴، اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۹۷ـ۱۰۲

۸ نزہۃ الخواطر ۷/۴۱۹ـ۴۲۰

۹ حیات شاہ محمد اسحٰق دہلوی، مؤلفہ حکیم محمود احمد برکاتی

۱۰ تذکرہ علمائے ہند ۴۱۲

۱۱ آثار الصنادید ۲/۹۲

۱۲ ایضاً ۲/۸۴

Marfat.com

(۵۴) شیخ محمد رمضان مہمی [۱] (ف ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۵ء)

(۵۵) مولانا محمد شکور مچھلی شہری [۲] (ف ۱۳۰۰ھ/ ۱۸۸۲ء)

(۵۶) مولانا شاہ مخصوص اللہ [۳] (ف ۱۲۷۱ھ/ ۱۸۵۴ء) بن شاہ رفیع الدین

(۵۷) منت، قمرالدین سونی پتی (ف ۱۲۰۸ھ/ ۱۷۹۳ء)

شاہ عبدالعزیز نے رسالہ عجالۂ نافعہ انہی کے لئے تالیف کیا تھا، [۴] آخری عمر میں تشیع کی طرف مائل ہوگئے تھے۔ [۵]

(۵۸) شیخ مظہر علی کڑوی (ف ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء) شاہ عبدالعزیز محدث سے سلسلۂ چشتیہ میں بیعت ہوئے۔ [۶]

(۵۹) مولانا مملوک العلی نانوتوی [۷] (ف ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء)

(۶۰) حکیم مولوی نصراللہ خان وصال دہلوی [۸]

(۶۱) مولوی وحیدالدین بن مولوی معین الدین پھلتی

(۶۲) حکیم غلام حیدر بن نامدار کشمیری دہلوی

(۶۳) شیخ نعیم الدین ساکن پرولی پرگنہ ڈھاکہ، جلال پور، بیعت بہ حضرت شاہ عبدالعزیز بسال ۱۲۲۹ھ/ ۱۸۱۳ء، شاہ صاحب نے ان کے سوالات کے جو جوابات دیئے تھے اُنہوں نے بصورت رسالہ بنام فیض عام یک جا کردیئے تھے۔ [۹]

نوٹ: ابتداء میں تلامذہ کی یہ فہرست حروفِ تہجی کے اعتبار سے بنانی شروع کی تھی لیکن بعد میں یہ ترتیب قائم نہ رہ سکی۔

۱۔ اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۳۰۷۔۳۰۸ مآثر الاجداد ۹۴۔۱۱۱، ہادی ہریانہ

۲۔ تذکرہ علمائے ہند ۴۳۶، نزہۃ الخواطر ۷/۴۴۴

۳۔ آثار الصنادید ۲/۸۴، تذکرہ علمائے ہند ۴۹۰

۴۔ عُجالۂ نافعہ آغازِ رسالہ، دیوان منت مرتبہ ڈاکٹر شعیب احمد، مقدمہ، مطبوعہ لاہور

۵۔ علم و عمل ۶۔ نزہۃ الخواطر ۷/۴۸۴

۷۔ استاذ الکل مولانا مملوک العلی نانوتوی ۹۸، ۱۰۶۔۱۰۹

۸۔ اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۲۷۳

۹۔ مکاتیب شاہ ولی اللہ، تعلیقات مرتب ۲۸۷ حاشیہ

Marfat.com

(۶۴) مولانا اولاد حسن قنوجی (ف ۱۲۵۳ھ/ ۱۸۳۷ء) والد نواب صدیق حسن خان

(۶۵) مولوی نواب مبارک علی خان[1] (ف ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۶۷ء) مؤلف کمالات عزیزی وغیرہ

(۶۶) مولانا سید غوث علی شاہ پانی پتی[2] (ف ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء)

(۶۷) مولوی جلال الدین باقر صدیقی بدایونی[3] (ف ۱۲۶۹ھ/ ۱۸۵۲ء)

(۶۸) شاہ رؤف احمد رافت مجددی[4] (ف ۱۲۴۹ھ/ ۱۸۳۳ء) خلیفہ شاہ غلام علی دہلوی

(۶۹) مولوی حکیم علی حسین بدایونی صدیقی حمیدی[5]

(۷۰) مولوی احسان اللہ صدیقی حمیدی بدایونی[6] (ف ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۷ء) برادر حقیقی حکیم علی حسین مذکور

(۷۱) مفتی سعد اللہ مراد آبادی[7] (ف ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء)

(۷۲) مفتی محمد مراد ساکن کلکتہ[8]

(۷۳) مولانا سید جلال الدین برہانپوری[9] (ف ۱۲۷۳ھ/ ۱۸۵۷ء)

(۷۴) مولانا رفیع الدین مراد آبادی[10] (ف ۱۲۲۸ھ/ ۱۸۱۳ء) مؤلف افادات العزیزیہ

(۷۵) مولانا سید نصیر الدین برہانپوری[11] (ف ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء)

(۷۶) مولانا امین اللہ (ف ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء) بن مولانا سلیم اللہ نگرنہسوی[12]

---

۱ اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۳۰۷-۳۰۸

۲ گل حسن: تذکرہ غوثیہ

۳ اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۴۰۶-۴۱۱

۴ حدائق الحنفیہ ۴۹۰، ملفوظاتِ چہل روزۂ شاہ غلام علی دہلوی، مقدمہ ۲۴

۵-۶ اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۴۶۱-۴۶۴

۷ تذکرہ کاملانِ رام پور ۱۵۱-۱۵۴

۸ اودھ میں افتاء کے مراکز اور ان کی خدمات ۲۹۲

۹ تذکرہ علمائے ہند ۱۵۰

۱۰ نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۸۲، تذکرہ علمائے ہند ۱۹۷-۱۹۸

۱۱ تذکرہ علمائے ہند ۵۲۱

۱۲ ایضاً ۵۶۲

Marfat.com

(صدر مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ)

(۷۷) مولوی امام الدین بنگالی ساکن ٹونک [۱]

(۷۸) مولوی بہادر علی دہلوی (ف ۱۲۷۴ھ/ ۱۸۵۸ء) نواب عبدالمجید خان عرف نوشہ میاں انہی کے شاگرد تھے۔ [۲]

(۷۹) حکیم محمد فیاض خان رام پوری [۳] (ف ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء)

(۸۰) مدارالمہام منشی جمال الدین بھوپالی (ف ۱۲۹۹ھ/ ۱۸۸۱ء) بن منشی وحید الدین [۴]

(۸۱) مولوی رمضان علی امرہوی (ف ۱۲۵۶ھ/ ۱۸۴۰ء) بن سید نور الدین از اولاد شاہ گدا قادری [۵]

(۸۲) مولوی سید عبدالعزیز امرہوی (بن حافظ خلیل اللہ نبیرۂ شاہ ضعیف اللہ نقشبندی) [۶]

(۸۳) مولانا غفار شاہ مرید شاہ عبدالعزیز' یہی مولانا غفار شاہ بخشی الملک محتشم الدولہ محمد عبداللہ (ف ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء) کے بھی شیخ طریقت تھے۔ [۷]

(۸۴) کندن لال اشکی (ہندو) شاگرد در فن موسیقی' کاتب رسالہ سانگیت شاستر [۸] (تالیف شاہ عبدالعزیز)

(۸۵) مولوی عسکری [۹]

(۸۶) غلام انبیاء خان [۱۰]

(۸۷) منشی نعیم الدین خان [۱۱]

(۸۸) شیخ لطف علی [۱۲]

---

۱ تذکرہ علمائے ٹونک مولفہ حکیم محمد عمران خان ۱/ ۴۸

۲ ایضاً ۱/ ۶۶

۳ تذکرہ کاملان رام پور ۳۶۷-۳۶۸' تذکرہ علمائے ٹونک ۱/ ۳۱۵-۳۱۶

۴ مآثر صدیقی مؤلفہ علی محمد خان صفی الدولہ ۲/ ۴۵-۴۶ وبہ بعد' نزہۃ الخواطر ۷/ ۱۲۲-۱۲۳

۵ تذکرۃ الکرام (تاریخ امروہہ جلد دوم) ۲/ ۲۷۷

۶ ایضاً ۳۲۹

۷ حدیقۃ المرام ۲۸

۸ محمد عضد الدین خان: شاہ عبدالعزیز محدث کی ایک نایاب تصنیف (سانگیت شاستر) قلمی مخزونہ رضا لائبریری رام پور کا ترقیمہ' مشمولہ معارف' دسمبر ۱۹۶۴ء

۹-۱۲ ملفوظات شاہ عبدالعزیز (اُردو ترجمہ عضد الدین خان) ص ۳۵

Marfat.com

(۸۹) شیخ مبارک اللہ [1]

(۹۰) سید احمد رائے بریلوی [2]

(۹۱) مولوی مراد علی (ساکن کلکتہ) [3]

(۹۲) شیخ محمد عارف (مرید) [4]

(۹۳) شیخ مصدق الدین عبداللہ (محرک تالیف تفسیر عزیزی و مرید شاہ فخر الدین فخر جہاں دہلوی ؒ)

(۹۴) شیخ فضل حق عرف غلام مینا متخلص بہ ساحر کاکوروی [5] (ف ۱۲۵۰ھ/۱۸۳۴ء)

(۹۵) علامہ فضل حق خیر آبادی [6] (ف ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)

(۹۶) مولانا سید محمد اسحٰق (ف ۱۲۳۴ھ/ ۱۸۱۸ء) بن سید محمد عرفان (برادرِ حقیقی سید احمد رائے بریلوی) [7]

(۹۷) مولانا عبدالخالق دہلوی [8] (ف ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء)

(۹۸) شاہ رحمٰن بخش چشتی امروہوی (۱۲۸۰ھ/۱۸۶۳ء) بن شیخ عبدالباری چشتی امروہوی [9]

(۹۹) مولانا سید احمد بجنوری۔

شاہ عبدالعزیز کی وفات (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کے موقع پر آپ کی خدمت میں موجود تھے' انہوں نے آپ کے وصال کے احوال اپنے ایک مکتوب میں لکھے ہیں۔ [10]

مندرجہ ذیل اصحاب کے نام مقالاتِ طریقت سے ماخوذ ہیں' ان میں سے بعض نے شاہ عبدالعزیز محدث سے مروجہ کتب پڑھیں اور بعض کو صرف بیعت یا خلافت ملی اور چند اصحاب کو محض آپ کی صحبت میسر آئی:

---

۱ ملفوظات شاہ عبدالعزیز (اُردو ترجمہ عضد الدین خان) ۳۵

۲ ایضاً صفحہ ۴۱۔۴۲' ۱۹۶

۳ ایضاً ۸۸

۴ ایضاً ۱۸۹

۵ تذکرہ مشاہیر کاکوری ۳۰۸۔۳۱۵

۶ مقدمہ فتاویٰ عزیزی نوشتہ مرزا احمد بیگ دہلوی ص ۴

۷ ابوالحسن علی ندوی: سیرت سید احمد شہید ۱/ ۷۶۔۷۷

۸ مقدمہ فتاویٰ عزیزی ص ۴

۹ تذکرۃ الکرام ۱۷۶۔۱۸۴' امداد المشتاق' مقدمہ نثار احمد فاروقی ۵۱۔۵۳

۱۰ ذوالفقار احمد بھوپالی: الروض الممطور ۲۰۰۔۲۰۱

Marfat.com

(۱۰۰) مولوی یار محمد (۱۰۱) مولوی ببر

(۱۰۲) مولوی عبدالقادر صوفی حیدر آبادی (سند خلافت)

(۱۰۳) مولانا سخاوت علی جونپوری (۱۰۴) شیخ غلام جیلانی باغ پتی

(۱۰۵) میر جان (صحبت یافتہ) (۱۰۶) سید قاسم علی حسینی مال پوری (خلیفہ)

(۱۰۷) سید حسن علی عرف شاہ جی (سالہا صحبت میں رہے)

(۱۰۸) محمد حفیظ دہلوی (صحبت یافتہ)

(۱۰۹) محمد حسن عرف حافظ بانکے چشتی صابری قدوسی (صحبت یافتہ) حاجی معین الدین پھلتی (خلیفہ)

(۱۱۰) مولانا عبدالقیوم بڈھانوی (صحبت یافتہ

(۱۱۱) مولوی سراج خورجوی (تکمیل سلوک شاہ صاحب کی خدمت میں کی)

(۱۱۲) میر جان (صحبت یافتہ)

(۱۱۳) مولانا بہادر علی محدث دہلوی (شاگرد)[۱]

(۱۱۴) مولوی کرامت علی موسوی دہلوی (۱۱۵) مولوی دھومن

(۱۱۶) ملا خلیل (۱۱۷) حکیم آغا جان (مرید وشاگرد

(۱۱۸) سید اللہ دیا برہانپوری (۱۱۹) حافظ قطب الدین پھلتی

(۱۲۰) شیخ اسد اللہ (خلیفہ

مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی نے بغیر کسی حوالہ کے مندرجہ ذیل تلامذہ کے نام لکھے ہیں:[۲]

(۱۲۱) مولانا ثناء الدین احمد بدایونی

(۱۲۲) مولانا سید جلال الدین برہانپوری

(۱۲۳) مولانا نجابت حسین ساکن محلہ قاضی ٹولہ بانس بریلی (خاندانی صدری روایت)

(۱۲۴) محمد خان زمان خان (مرید شاہ عبدالعزیز محدث)

شاہ محمد اسحٰق نے مسائل اربعین انہی کے سوالات کے جواب میں لکھی تھی۔[۳]

(۱۲۵) میاں خدا بخش (صحبت یافتہ)[۴]

۱۔ تذکرہ علمائے حال ص ۴۸

۲۔ تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ص ۱۹، مکاتیب شاہ ولی اللہ، تعلیقات ۳۹۰۔۳۹۳

۳۔ شروانی، حبیب الرحمٰن خان: مقالات شروانی ۲۵

۴۔ علمائے نگرام مولفہ مطلوب الرحمٰن نگرامی، مشمولہ ضمیمہ دوم تذکرہ علمائے حال۔

Marfat.com

عبدالرحیم ضیاء حیدرآبادی

(مؤلفِ مقالاتِ طریقت)

مقالاتِ طریقت کے مؤلف شیخ عبدالرحیم ضیاء کے حالات متعارف تذکروں میں نہیں ملتے' ان کا تعلق دکن کے دارالحکومت حیدرآباد سے تھا' دکن کے صوفیہ اور شعراء کے حالات پر صوفی عبدالجبار ملکاپوری کے دونوں تذکرے[۱] ان کے ذکر سے خالی ہیں۔

شیخ عبدالرحیم فارسی اور اُردو میں شعر بھی کہتے تھے' ان کا تخلص ضیاء تھا' مقالاتِ طریقت میں اُنہوں نے جابجا اپنے اشعار نقل کئے ہیں جو علماء وصوفیہ کی مدح میں لکھے گئے ہیں'[۲] انہوں نے اپنے ایک استاد مولوی میر شمس الدین متخلص بہ فیض کا ذکر بھی کیا ہے جو ۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء کو فوت ہوئے تھے۔ انہیں حافظ تاج الدین مشتاق دہلوی (شاگرد خواجہ میر درد) سے تلمذ حاصل تھا' فیض کئی کتابوں کے مؤلف تھے' ان کا دیوان بھی طبع ہو چکا ہے۔[۳]

مؤلف نے شاہ عبدالعزیز کی خدمت میں کئے جانے والے سوالات کے جوابات کے لئے مقالاتِ طریقت کا مقالہ چہارم مختص کیا ہے' ایک مقام پر لفظ کرامت پر بحث کرتے ہوئے مزید تفصیل کے لئے اپنی کتاب مقاماتِ دستگیری کا ذکر کیا ہے' جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُنہوں نے اس کتاب میں شاہ عبدالعزیز اور دیگر بزرگوں کے اقوال و مناقب جمع کئے ہوں گے' ان کی تحریر سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب بھی طبع ہوئی ہوگی' لیکن ہمیں تاحال نہیں مل سکی' مؤلف نے اپنے شیخ محی الدین ویلوری کو ایک خط لکھا تو اس کے ساتھ رسالہ شیون بے چون بھی بھیجا تھا' جس سے قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ بھی ان کی تالیف ہوگا۔[۴]

مؤلف قادری سلسلۂ طریقت سے تعلق رکھتے تھے' مولانا سید شہاب الدین قادری عرف حسن پادشاہ سے باقاعدہ خلافت بھی حاصل تھی۔ جو مولانا سید عبداللطیف معروف بہ سید محی الدین قادری نقوی ویلوری[۵]

۱۔ محبوب ذی المنن تذکرہ اولیائے دکن اور محبوب الزمن تذکرہ شعرائے دکن

۲۔ چونکہ یہ تمام اشعار ہم نے اپنے مرتبہ متن میں بعینہٖ دے دیئے ہیں' اس لئے اس مقدمہ میں انہیں یکجا نہیں کیا گیا۔

۳۔ فیض کے حالات کے لئے مقالاتِ طریقت کے مقالۂ دوم کا تعلیقہ نمبر ۵۹ ملاحظہ کریں۔

۴۔ مقالاتِ طریقت' خاتمہ

۵۔ سید ویلوری کے حالات کے لئے مقالاتِ طریقت کا خاتمہ ملاحظہ کریں۔

Marfat.com

(ف ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء) کے خلیفہ تھے جن کا سلسلہ اس طرح ہے:

شاہ محی الدین قادری، سید ابوالحسن قادری، شاہ مرتضیٰ قادری، شاہ ابوالحسن قربی، شیخ محمد فخر الدین مہکری، شیخ عبدالحق محمد مخدوم ساوی...........تا حضرت غوث اعظم محی الدین گیلانی

مؤلف کے شیخ سید حسن پادشاہ نے اپنے مرشد سید محی الدین قادری ویلوری کے ہمراہ حج کی سعادت بھی حاصل کی تھی، مؤلف نے سید حسن پادشاہ کی علاقائی نسبت میسوری لکھی ہے۔[1]

مؤلف دکن کے معروف صوفی، عالم و مدرس مولانا محمد زمان شہید[2] (۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء) کے باقاعدہ شاگرد تھے۔

مؤلف کو شاہ ولی اللہ کی تالیف الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں مذکور اجازات کی اجازت مولانا حسن رضا سے حاصل تھی جو مولانا مخصوص اللہ بن شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ محدث کے اجازت یافتہ تھے۔[3]

مؤلف کو طریقہ عزیزیہ کے تمام "طرق وضوابط" جو کتاب الانتباہ اور قول الجمیل میں درج ہیں، کی اجازت مولانا سراج احمد سے ملی تھی جو براہ راست شاہ عبدالعزیز محدث کے شاگرد و مرید تھے۔[4]

۱۔ سید حسن پادشاہ کے مختصر احوال کے لئے اسی کتاب کے خاتمہ کا تعلیقہ نمبر ۲۹ دیکھئے۔

۲۔ مولانا محمد زمان شہید کے حالات مقالات طریقت کے ضمیمہ میں درج ہیں۔

۳۔۴۔ مقالات طریقت ۲۹۴ (طبع اول)

مولانا سراج احمد بن محمد فارغ خورجوی، خورجہ میں ولادت ہوئی، دہلی جا کر شاہ عبدالعزیز محدث سے تحصیل علم کے بعد بیعت طریقت کی ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء تک بقید حیات تھے (نزہۃ الخواطر ۷/۱۹۴ بحوالہ مقالات طریقت)

Marfat.com

مقالاتِ طریقت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث نے اپنے خود نوشت احوال الجزء اللطیف کے نام سے تحریر فرمائے' پھر اپنے مشائخ حرمین کے حالات پر جداگانہ کتابچہ لکھا' اپنے اجداد کے حالات پر پوری کتاب انفاس العارفین کے نام سے مرتب کی' ایک اور بڑا احسان اہلِ علم پر یہ ہوا کہ آپ کے حینِ حیات آپ کے سب سے عزیز اور مقرب خلیفہ مولانا محمد عاشق پھلتی نے آپ کی سوانح القول الجلی کے نام سے لکھنی شروع کر دی جو بہت جلد مکمل ہو گئی' اس کتاب پر شاہ صاحب کو اتنا اعتماد تھا کہ آپ نے انفاس العارفین میں اپنے معتقدین کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دی ہے۔

اس کے برعکس حضرت شاہ عبدالعزیز اپنے ماحول' مکروہاتِ زمانہ اور امراض کے غلبہ کے باعث ایسا نہ کر سکے اور آپ کے وصال (۱۲۳۹ھ/۱۸۲۴ء) کے بعد ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء کو جب نواب مبارک علی خان نے آپ کے حالات جمع کرنا شروع کیے تو ان سے پہلے کی کوئی تحریر ان کے پیش نظر نہیں تھی' اس کے ایک سال بعد جب شیخ عبدالرحیم ضیاء نے مقالاتِ طریقت کی تالیف کا آغاز کیا تو انہیں یہ وضاحت کرنا پڑی کہ اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیز کے براہِ راست تلامذہ میں سے کوئی بھی زندہ نہیں ہے' آپ کے تینوں چھوٹے بھائی آپ کے حینِ حیات ہی فوت ہو گئے تھے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث کے احوال پر مستقل طور پر لکھی جانے والی کتابوں میں مقالاتِ طریقت دوسرے نمبر پر ہے' پہلی کتاب آپ کے ایک مرید نواب زادہ مبارک علی خان میرٹھی نے ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء کو کمالاتِ عزیزی [1] کے نام سے مرتب کی' اس کے صرف ایک سال بعد ہی حیدر آباد (دکن) کے ایک بزرگ شیخ عبدالرحیم ضیاء نے آپ کی مفصل سوانح لکھنے کا آغاز کر دیا' یعنی مقاماتِ طریقت کی تالیف ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء کو شروع ہو گئی تھی' جو ایک سال کی کم مدت میں ۱۲۹۱ھ/۷۴-۱۸۷۴ء کو مکمل ہو کر اگلے ہی سال ۱۲۹۲ھ کو حیدر آباد سے خوبصورت کتابت میں طبع ہوئی۔

شاہ صاحب کے حالات پر تیسری کتاب حیاتِ عزیزی مؤلفہ مولوی رحیم بخش دہلوی ہے' جو

---

[1] کمالاتِ عزیزی' مطبع احمدی' دہلی اور پھر مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی' یہ صرف ۲۴ صفحات کا ایک رسالہ ہے' سید ظہیر الدین احمد ولّٰہی نے اس میں دیگر معارف شامل کر کے اسے مرتب کیا تھا۔

Marfat.com

حدود ۱۸۹۸ء کو طبع ہوئی' اس کے مؤلف کو اس وقت خاصا مواد مل سکتا تھا لیکن معلوم نہیں وہ ایک سرسری سی کتاب لکھ کر اس ذمہ داری سے کیسے عہدہ برآ ہو گئے؟ شاہ صاحب کے احوال پر چوتھی کتاب تذکرۂ عزیزیہ ہے جو کمالاتِ عزیزی اور ملفوظات شاہ عبدالعزیز پر مبنی ہے' یہ کتاب مطبع مجتبائی میرٹھ سے ۱۹۳۴ء کو شائع ہوئی' یہ کتاب آپ کے ملفوظات کے مصحح مولانا قاضی بشیر الدین میرٹھی (قاضی شہر میرٹھ) نے مرتب کی تھی۔

اس کے بعد تقریباً نصف صدی تک آپ کے مبارک احوال پر کوئی نئی کتاب وجود میں نہیں آئی' ۱۹۹۲ء کو مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی کے مقالات کا مجموعہ تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نام سے مکتبہ الفرقان' لکھنؤ سے شائع ہوا۔

ڈاکٹر مشیر الحق (سابق استاد علومِ اسلامیہ' جامعہ ملیہ اسلامیہ' دہلی) نے ایک مختصر مقالہ شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب پر لکھا تھا لیکن وہ ڈاکٹر رضوی کی مذکورہ کتاب کے بعد لاہور سے ۱۹۹۵ء کو شائع ہوا۔[1]

اس سلسلہ کی آخری کوشش ڈاکٹر سید اطہر عباس رضوی (ف ۲ ستمبر ۱۹۹۴ء) کی ہے جنہوں نے انگریزی میں شاہ صاحب کے حالات پر چھ سو صفحات کی ایک ضخیم کتاب مرتب کر کے طبع کروائی۔[2]

مذکورہ بالا تمام سوانح نگار شاہ صاحب کے احوال پر مقالاتِ طریقت جیسی مفصل سوانح سے استفادہ کے دعویدار نہیں ہیں جس کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے کہ یہ کتاب صرف ایک مرتبہ ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء کو طبع ہوئی تھی پھر کبھی شائع ہی نہیں ہو سکی۔

مقالاتِ طریقت چھ مقالات (ابواب) ایک خاتمہ (درحالات سید شاہ محی الدین قادری ویلوری اور ایک ضمیمہ (درحالات مولانا محمد زمان شہید) پر مشتمل ہے' مؤلف نے اس کا پورا نام مقالات طریقت معروف بہ فضائلِ عزیزیہ لکھا ہے۔

مؤلف نے اس کے آغاز کی تاریخ کا مادہ ''ضیائے طینت'' بتایا ہے جس کے عدد ۱۲۹۰ھ ہوتے ہیں اور تکمیل کے لئے ''مقالاتِ طریقت'' بطور مادۂ تاریخ لکھا ہے' جس سے ۱۲۹۱ھ کا سنہ برآمد ہوتا ہے' گویا یہ ضخیم کتاب ایک سال کی قلیل مدت میں مکمل ہو گئی تھی' پھر اگلے ہی سال حیدر آباد (دکن) کے مطبع متین کرتان سے کرتان محمد محی الدین کے اہتمام سے ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء کو خوبصورت کتابت میں طبع ہوگئی' جس کے کل ۳۲۰ صفحات ہیں۔

---

1. Mushirul Haq: Sh. Abdul Aziz, his life and Times, Institute of Islamic Culture, Lahore, 1995.

2. Rizvi, Athar Abbas: Shah Abdal Aziz (Puritanism, Sectarian Polemics and Jihad) Australia, 1982

Marfat.com

مؤلف نے یہ کتاب سادہ اُردو میں تالیف کی ہے، عربی اور فارسی کی ترکیبیں بلا تامل استعمال کی ہیں، مؤلف کا طرز املاء بھی پرانا ہے یعنی وہ پیش کے لئے واؤ استعمال کرتے ہیں، مثلاً اُس کو اوس، اُن کو اون یائے معروف و مجہول میں بھی فرق نہیں کیا۔

مؤلف نے اپنے مواد کی جمع آوری کے عمل کی اس طرح وضاحت کی ہے:

> اکثر روایاتِ اہل ہند سے کہ بعض اون میں صحبت یافتہ حضرت کے ہیں، جمع کر کے جو ابواب کہ اس طریق سے حاصل نہ ہوئے اون کو بذریعہ تحریر جناب فضیلت مآب......مولانا حافظ حاجی محمد عبدالقیوم صاحب دہلوی سلمہ اللہ العزیز القوی داماد و شاگرد مولانا محمد اسحٰق علیہ الرحمۃ سے بعد دریافت و تحقیق کے اس کتاب میں لکھا۔

اس سے پہلے مؤلف نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کتاب کی تالیف ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء کے وقت حضرت شاہ عبدالعزیز کے اکثر ''مستفیضان'' فوت ہو چکے ہیں، گویا جو اس وقت بقید حیات ہیں ان سے روایات لے کر جمع کر لیں اور جن ابواب میں روایاتِ ثقہ کی کمی تھی، اس کے خلاء بذریعہ مراسلت مولانا محمد عبدالقیوم بن مولانا عبدالحی بڈھانوی سے پُر کیے۔

یہی مولانا عبدالحی شاہ عبدالعزیز کے داماد بھی تھے، اسی طرح شاہ محمد اسحٰق کی سب سے چھوٹی بیٹی امۃ الرحیم مولانا عبدالقیوم کے نکاح میں تھیں، مولانا عبدالقیوم کی ولادت ۱۲۳۱ھ/۱۸۱۵ء کو ہوئی، ان کی زندگی کا بڑا حصہ بھوپال میں گزرا، وہاں کی حاکمہ سکندر جہان بیگم نے بھوپال کا ایک قصبہ ہتورہ ان کو بطور جاگیر دیا تھا جس سے وہ وہیں رہ پڑے تھے، موصوف وہاں کے قاضی و مفتی تھے۔

مولانا عبدالحی بڈھانوی (ف ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۷ء) سید احمد رائے بریلوی کے مرید خاص اور ان کی جہاد کی تحریک کے اہم رکن تھے، پہلے ان کے ہمراہ حج کی سعادت نصیب ہوئی، پھر جہاد پر جاتے ہوئے بیمار ہو کر راستہ میں ہی فوت ہو گئے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کی درخواست پر شاہ عبدالعزیز نے انہیں کمپنی کے ماتحت قاضی و مفتی کا عہدہ قبول کرنے کے لئے فرمایا تھا۔[1]

مولانا عبدالقیوم بڈھانوی مقالاتِ طریقت کی تالیف کے دوران (۱۲۹۰ھ-۱۲۹۱ھ/۱۸۷۳-۱۸۷۴ء) بقید حیات تھے اور ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء کو انتقال ہوا۔[2]

یہ باور کرنا دشوار ہے کہ مؤلف کی بیان کردہ تمام تر روایات ثقہ ہیں، ہم نے اس کتاب کی تعلیقات میں اکثر

---

۱. تفصیلات بحوالہ فتاویٰ عزیزی بیان کی جا چکی ہیں۔

۲. نزہۃ الخواطر ۷/ ۲۴۹-۲۵۰

Marfat.com

راویوں کے حالاتِ زندگی لکھنے کی سعی کی ہے، یہ راوی حضرات معتبر و مستند تھے لیکن مؤلف سے عقیدت کے جوش میں بعض مقامات پر مبالغہ بھی ہو گیا ہے، مثلاً ایک مقام پر سید احمد رائے بریلوی کے خلفاء کی کثیر تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

............مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ نے اپنے خاندان کے تمام صغار و کبار کو جناب سید احمد صاحب سے بیعت کروائی تھی۔[1]

سید صاحب کے دونوں سوانح نگاروں سے مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا غلام رسول مہر نے اس قسم کی کوئی بات شاہ عبدالعزیز سے منسوب نہیں کی، اسی طرح ہم نے چند اور روایات پر بھی اپنی تعلیقات میں شبہات کا اظہار کیا ہے۔

مؤلف نے اس کتاب کا مقالۂ ششم شاہ صاحب کے تلامذہ و مریدین کے حالات کے لئے مختص کیا تھا لیکن آغاز میں ہی جب سید احمد رائے بریلوی کے حالات لکھنے بیٹھے تو مقالہ کا بڑا حصہ سید صاحب کے مناقب اور کرامات کے بیان میں زورِ قلم صرف کر دیا، شاہ صاحب کے صرف چند تلامذہ کے نہایت مختصر حالات ہی لکھ سکے۔

کتاب کے آخر میں خاندانِ شاہ ولی اللہ کی فکری حیثیت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اس وقت یہ خانوادہ پانچ گروہوں میں منقسم ہے، یعنی:

(۱) قسم اوّل میں وہ حضرات شامل ہیں جو امام ربانی مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ محدث، شاہ عبدالعزیز، سید احمد رائے بریلوی اور مولانا شاہ اسماعیل دہلوی اور ان کے بعض پیر بھائیوں کے منکر ہیں۔

(۲) دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو امام ربانی مجدد الف ثانی کے علاوہ دوسرے تمام بزرگوں سے ناخوش ہیں۔

(۳) تیسری قسم ان حضرات ثلاثہ اخیرہ یعنی شاہ عبدالعزیز، سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی سے ناراض ہیں۔

(۴) چوتھی قسم ان حضرات کی ہے جو شاہ عبدالعزیز کے سوا باقی تمام بزرگوں سے متنفر ہیں۔

(۵) پانچویں قسم ان حضرات کی ہے جو مولانا شاہ اسماعیل دہلوی سے بدظن ہیں۔

مؤلف نے یہ بھی وضاحت کی ہے کہ یہ حضرات ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں اور قدح میں مصروف رہتے ہیں۔

ہندوستان کے مسلم معاشرہ کی یہ مذہبی کیفیت شاہ عبدالعزیز کے حین حیات ہی ہو گئی تھی، اب مسلمان حنفی،

---

[1] مقالاتِ طریقت، مقالۂ ششم تعلیقہ نمبر ۳۷

Marfat.com

شافعی، مالکی اور حنبلی فروعی اختلافات سے گزر کر ایسے مسائل سے نبرد آزما تھے کہ جس میں عدم توازن کی ایسی فضا پیدا کردی گئی کہ ہر طرف اختلافات کا طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔

عربستان میں اصلاح وتجدید دین کے نام پر فرقۂ وہابیہ نے توتوحید کی تبلیغ کی آڑ میں ایسے عقائد تراش لیے کہ مسلم معاشرت میں مذہب جو اعتدال کی بنیاد فراہم کرتا ہے، فرقہ بندی کی ایسی زد میں آیا کہ اس کے اثرات سارے عالمِ اسلام پر نمودار ہوئے، ہندوستان کی سرزمین بھی اس سے براہِ راست متاثر ہوئی۔

جب سید احمد رائے بریلوی اور شاہ اسماعیل دہلوی حج کے لئے حرمین الشریفین پہنچے (۱۸۲۲۔۱۸۲۴ء) تو وہاں کی وہابی تحریک سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، شاہ اسماعیل تو پہلے ہی حنفیت کے مخالف اور عدم تقلید کی طرف رجحان رکھتے تھے، ان کی کتاب تقویت الایمان تو محمد بن عبدالوہاب نجدی (۱۱۱۵۔۱۲۰۶ھ/ ۱۷۰۳۔۱۷۹۲ء) کی کتاب التوحید کا پرتو تھا۔

تقویت الایمان کی تالیف (۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۷ء) واشاعت سے سارے ہندوستان میں فکری ہیجان پیدا ہو گیا،[۱] علماء مثبت علمی تحقیقات چھوڑ کر اس کتاب کے ردّ لکھنے میں مستعد رہنے لگے۔

اس طرح ردّ وقبول کا یہ سلسلہ عرصہ دراز تک جاری رہا، شاہ اسماعیل کی زندگی میں اس کا شدید ردّ عمل ہوا، خاندانِ ولٰلہی جس کی تعلیماتِ اعتدال، میانہ روی اور توسع تھا، دو متحاب گروہوں میں تقسیم ہوگیا۔

شاہ اسماعیل دہلوی نے اپنی افتادِ طبع اور شوریدگی عقائد کے باعث شاہ عبدالعزیز کی صحبت ترک کر کے اپنے خاندانی نظریات سے انحراف وبغاوت کی، شاہ عبدالعزیز نے ان حالات میں اپنے نواسے شاہ محمد اسحٰق محدث کو اپنا جانشین نامزد کر کے مدرسہ رحیمیہ ان کے حوالہ کر دیا، کیوں کہ شاہ عبدالعزیز کے برادر اصغر شاہ رفیع الدین محدث ۱۲۳۳ھ/ ۱۸۱۸ء کو فوت ہو گئے تھے۔

شاہ محمد اسحٰق محدث حنفی مسلک کے پیروکار تھے، اس لئے ان کے غیر مقلد شاہ اسماعیل کے ساتھ شدید اختلافات تھے، ہمارا قیاس ہے کہ شاہ محمد اسحٰق شاہ اسماعیل کے ساتھ اسی لئے حج کے لئے نہیں گئے تھے بلکہ ان کے واپس آنے (۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) کے بعد اور شاہ عبدالعزیز کی وفات (۱۲۳۹ھ/ ۱۸۲۴ء) کے بعد ہی ۱۲۴۰ھ/ ۱۸۲۵ء کو حج کے لئے روانہ ہوئے۔

شاہ محمد اسماعیل دہلوی حج سے واپس آئے تو ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے وہاں کی متشدد ترین وہابی تحریک کے زیر اثر مزید درشت لب ولہجہ کے مبلغ بن گئے اور ایسی توحید کی تبلیغ کرنے لگے جس کی یہاں کے مسلم

---

[۱] کتاب تقویت الایمان کے ردّ میں کئی کتابیں لکھی گئیں اور پھر ان کے اتنے جوابات دیئے گئے کہ ان کا شمار اس وقت دشوار ہے۔

Marfat.com

معاشرہ میں گنجائش نہیں تھی' اب ہر طرف علماء عدم تقلید' رفع یدین' آمین بالجہر اور عمل بالحدیث کی بحثیں کرتے نظر آنے لگے۔

شاہ محمد اسحٰق محدث چونکہ متصلب حنفی عالم تھے اور اس قسم کے اختلافات پسند نہیں کرتے تھے اور مسلمانوں پر اس کے منفی اثرات ونتائج سے بخوبی آگاہ تھے اور اپنے آپ کو اس فضا میں رکھ کر اپنی فکری حیثیت کو بچا نہیں سکتے تھے' اس لئے آپ نے ۱۲۵۷ھ/۱۸۴۳ء کو مستقل طور پر حرمین کی طرف ہجرت کا ارادہ کرلیا اور ہندوستان کی مذہبی فضا جو آپ کے اپنے ہی خانوادہ کے اختلافات کے باعث مکدر ہوگئی تھی' ہجرت میں ہی عافیت سمجھی' اگرچہ اس دوران ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء کو شاہ اسماعیل دہلوی سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہوگئے تھے لیکن ان کی جماعت او رہم خیال علماء کی سرگرمیاں جاری رہیں۔

اس لئے مقالاتِ طریقت کے مؤلف شیخ عبدالرحیم ضیاء نے ان حالات کی مذہبی فضا کا غیر جانبدارانہ تجزیہ بالکل صحیح طور پر کیا ہے۔

Marfat.com

مقالہ نگاروں کے حالات

نواب مبارک علی خان

نواب مبارک علی خان حضرت شاہ عبدالعزیز محدث سے بیعت تھے اور آپ کے احوال ومناقب پر سب سے پہلا رسالہ کمالات عزیزی انہی کا نوشتہ ہے جو انہوں نے ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء کو لکھا تھا، نواب مبارک علی بن فرحت اندیش خان بن عافیت اندیش خان بن نواب خیر اندیش خان میرٹھی بن نواب محبت خان (بانی مسجد محبت خان، پشاور) بن نواب اسد خان بن نواب دادن خان جو لاہور کے صوبہ دار تھے، نواب محبت خان مذکور کا مقبرہ سنگ سرخ کا بنا ہوا میرٹھ میں مخدوم شاہ ولایت کے مزار کے پاس ہے، نواب محبت خان پہلے داراشکوہ سے متوسل تھے، بعد میں اورنگزیب عالمگیر کے ملازمین میں شامل ہو کر پنج ہزاری منصب تک ترقی کی، ان کے فرزند محمد خان مخاطب بہ خیر اندیش خان بھی درویش صفت تھے، میرٹھ میں قلعہ، بازار اور مسجد تعمیر کروائی، مرکز الخیر قلعہ کا تاریخی نام ہے جس سے ۱۱۰۸ھ اور خیر المساجد والعابد مسجد کی تاریخ ہے جس سے ۱۱۰۳ھ برآمد ہوتے ہیں، شاہ بدیع الدین (شاہ مدار) کا مزار مکن پور میں تعمیر کروایا، اٹاوہ میں موضع خیر نگر آباد کیا، فن طب کی کتاب خیر التجات (۱۰۴۷) انہی کی تالیف ہے، شہر اٹاوہ میں دارالشفاء (ہسپتال) انہی کا بنایا ہوا ہے، ایک سو بیس سال عمر پائی اور ۱۱۲۲ھ/ کو انتقال ہوا، ان کے بعد کے افراد خاندان کو بھی سلاطین مغلیہ سے خطابات ملتے رہے تھے۔

نواب فرحت اندیش خان بن عافیت اندیش خان، کے زمانہ میں بعہد شاہ عالم عالی گوہر، وہاں انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تھا، اس وقت موصوف کچھ عرصہ کے لیے مظفر نگر کے تحصیلدار رہے تھے، پھر اسی حکومت کی خدمات شائستہ کی بدولت ترقی کی، علم طب وجراحی میں مہارت رکھتے تھے، ۱۸۳۷ء کو انتقال ہوا۔

نواب مبارک علی خان انہی کی فرزند تھے جو ۱۸۰۳ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے، لارڈ آکلینڈ کے نائب میر منشی رہے، محکمہ پرمٹ میں اسسٹنٹ، ۱۸۴۱ء کو مزید ترقی ہوئی، سترہ برس اسی عہدہ پر کام کیا،

Marfat.com

۱۸۵۷ء کو خانہ نشینی اختیار کرلی، اس کے بعد شہر میرٹھ کے آنریری مجسٹریٹ بنائے گئے، حج کی سعادت بھی حاصل کی تھی، طبابت کا شغل بھی کرتے تھے۔

نواب مبارک علی خان کئی رسالوں کے مولف بھی تھے جن میں سے رسالہ مبارک (احوال خاندان کنبوہاں) کمالات عزیزی (احوال ومناقب شاہ عبدالعزیز) رسالہ انشاء اور رسالہ رد شیعہ (تحفہ المسلمین) یہ رسائل اُردو زبان میں ہیں، ان کا لقب مصلح الدین تھا، ان کی وفات شب پنجشنبہ عید الفطر ۱۲۹۳ھ/ ۹ نومبر ۱۸۷۶ء کو ہوئی۔

ان کو ایک فرزند نواب احمد اللہ خان بھی والد کی طرح صاحب علم تھے اور معزز عہدوں پر فائض رہے ۱۳۰۹ھ/۱۸۹۲ء کو انتقال ہوا، ان کے بیٹے خان بہادر، نواب اسد اللہ خان بھی حکومت کی نظر میں معزز محترم تھے۔ فیض احمد: المشاہیر، میرٹھ، نامی پریس، ۱۹۰۰ء نواب مبارک علی خان کے ۱۸۵۷ء سے پہلے کے اُردو نثر کے رسائل کے لسانی مطالعہ کے لیے ملاحظہ ہو:

محمد ایوب قادری: اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ۳۰۷، ۳۰۹)

سید ظہیر الدین احمد ولّٰہی

نواب مبارک علی خان کے رسالہ کمالات عزیزی کو سب سے پہلے مولوی سید ظہیر الدین احمد بن سید معز الدین بن سید ناصر الدین بن سید نجم الدین سونی پتی (دامادِ شاہ محمد اسحٰق دہلوی) نے مرتب کیا اور اس میں کئی مفید ضمائم کا اضافہ کیا، حضرت شاہ عبدالعزیز کے اقوال بھی جمع کیے اور اس ضمیمہ کا نام ارشاد عزیزی رکھا، پھر خانوادہ شاہ ولی اللہ کے مجربات قول الجمیل میں سے منتخب کیے اور مجربات عزیزی کے نام سے اس میں شامل کیے، آخر میں ضمیمہ جدید کے طور پر عملیات مجربہ خاندان عزیزیہ کے عنوان سے ایک الگ رسالہ کا بھی اس میں اضافہ کیا، ان کا مرتبہ مجموعہ مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۴۸ھ کو طبع ہوا۔

سید احمد ولّٰہی نے دہلی میں اپنے خاندان کی کتابوں کی اشاعت کے لیے ایک پریس مطبع احمدی کے نام سے قائم کیا اور کئی اہم کتابیں شائع کیں، یہی پہلے فرد ہیں جنہوں نے یہ اعلان کیا کہ بعض حضرات نے ہمارے جد اعلیٰ شاہ ولی اللہ سے چند کتابیں منسوب کردی ہیں اور بعض میں تحریف کردی گئی ہے، ان کتب سے شاہ صاحب کی لاتعلقی کا باقاعدہ اعلامیہ جاری کیا۔

۱۸۵۷ء میں مدرسہ رحیمیہ (دہلی) کو نقصان پہنچا تھا اور یہ بند ہو چکا تھا، یہی پہلے فرد ہیں جنہوں نے اس مدرسہ کا احیاء کیا اور اس میں درس وتدریس کا دوبارہ آغاز کروایا[1]۔

---

[1] برکاتی محمود احمد: شاہ ولی اللہ اور ان کے اصحاب ۱۹۵۔۲۰۳

Marfat.com

قاضی بشیرالدین احمد میرٹھی

قاضی بشیرالدین بن قاضی حافظ محمد عبدالہادی میرٹھی کی ولادت حدود ۱۲۸۶ھ یا ۱۲۸۷ھ کو ہوئی، میرٹھ میں ابتدائی تعلیم کے بعد ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء کو مدرسہ اسلامیہ میرٹھ میں مولوی ناظر حسن دیوبندی، مولانا حافظ عزیز الدین اور مولانا حبیب الرحمٰن کی خدمت میں تکمیل کی، پھر مدرسہ اسلامیہ اٹاوہ میں مدرس اعلیٰ مقرر ہوئے[1]۔

قاضی بشیر الدین نے ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء کو ملفوظات شاہ عبدالعزیز کا فارسی متن مرتب کر کے مطبع مجتبائی میرٹھ سے شائع کیا، شاہ صاحب کے رسالہ میزان البلاغہ کی بھی آپ نے ہی تصحیح کی اور اسی مطبع سے شائع ہوا۔

قاضی بشیر الدین میرٹھی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے نواب مبارک علی خان کے رسالہ کمالات عزیزی اور سید احمد ولی اللّٰہی کے مرتبہ مجموعہ کمالات عزیزی کو از سر مرتب کیا اور اس کی زبان کی تسہیل بھی کی، شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات کا خلاصہ بھی اس میں شامل کیا، اس کے آغاز میں شاہ صاحب کے مختصر حالات بھی لکھے تھے لیکن کوئی قابل ذکر بات بیان نہیں کر سکے، ان کی کتاب تذکرہ عزیزیہ کے نام سے مطبع مجتبائی، میرٹھ سے ۱۹۳۴ء کو شائع ہوئی تھی۔

سید احمد ولی اللّٰہی کے مرتبہ مجموعہ کو مولانا سبحان محمود (استاد دارالعلوم، کراچی) نے بھی شاہ عبدالعزیز اور ان کی تعلیمات کے نام سے کلام کمپنی، کراچی سے طبع کروایا تھا، اس کے بعد اب اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی:

(۲ رمضان ۱۳۲۹۔۱۴۰۸ھ/ ۱۹۱۱۔۱۸، اکتوبر ۱۹۸۸ء)

ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقہ امروہہ میں حاصل کی، پھر دارالعلوم دیوبند چلے گئے، جہاں اس وقت کے آٹھ اساتذہ کی خدمت میں دینی علوم کی تکمیل کی، آخری عمر میں بصارت سے محروم ہو گئے تھے، ان کی تالیفات کا موضوع پاکستان و ہند کے علماء و صوفیہ کے بارے میں تحقیقات تھا، ان کی ۱۹ مطبوعات میں سے تجلیات امام ربانی (اُردو تلخیص مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، مکتوبات خواجہ محمد معصوم سرہندی (تلخیص و ترجمہ)، تذکرہ خواجہ باقی باللہ، قافلہ اہل دل (احوال شاہ غلام علی دہلوی)، تذکرہ شاہ عبدالرحیم، شاہ ابوالرضا فاروقی، تذکرہ شاہ ابوسعید حسنی، شاہ محمد اسحٰق دہلوی مہاجر مکی اور ان کے تلامذہ،

---

[1] محمد ادریس نگرامی: تذکرہ علمائے حال تحقیق و تعلیق محمد اقبال مجددی (شمارہ ۵۱) قاضی بشیر الدین میرٹھی کے ایک قابل فرزند مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی بھی تھے، جو میرٹھ کے رسالہ ماہنامہ ''الحرم'' کے مدیر بھی تھے۔

Marfat.com

نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور تذکرہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہمارے موضوع سے متعلق ہیں، موخر الذکر کتاب الفرقان بک ڈپو لکھنؤ سے ۱۹۹۲ء کو ان کی وفات کے بعد طبع ہوئی، جو ان کے مقالات کا مجموعہ ہے۔

مولانا فریدی کے موخر الذکر تذکرہ کا اہم ترین حصہ وہ ہے جس میں انہوں نے شاہ عبدالعزیز محدث کے شاگرد مولانا رشید الدین خان دہلوی (ف ۱۲۴۳ھ/ ۱۸۲۷ء) کی بیاض کے اقتباسات پر پیش کئے ہیں، اس بیاض میں مولانا دہلوی نے شاہ عبدالعزیز محدث کے بعض نادر مکتوبات نقل کر لیے تھے اور آپ کا عربی کلام بھی محفوظ کرلیا تھا، یہ بیاض انہیں دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ سے دستیاب ہوئی تھی، مولانا فریدی کے حالات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو:

(۱) مکاتیب شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مطبوعہ رضا لائبریری رام پور (فارسی) مقدمہ نوشتہ نثار احمد فاروقی

(۲) نادر مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلوی اردو ترجمہ از مولانا فریدی، مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۹ء مقدمہ نوشتہ نثار احمد فاروقی

(۳) الفرقان لکھنؤ، خصوصی شمارہ بیادگار مولانا فریدی (ج ۵۷ ش ۵ مئی تا اگست ۱۹۸۹ء)

مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی:

مولانا نورالحسن راشد، عصر حاضر کے بزرگ محققین ومولفین میں سے ہیں، حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (شاگرد شاہ عبدالعزیز محدث) کی اولاد میں سے ہیں مولانا راشد نے اپنے اجداد کے کارناموں کو روشن کرنے کے لیے اپنے مستقر کاندھلہ ضلع مظفرنگر (یوپی) انڈیا میں ایک ادارہ مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کے نام سے قائم کیا ہے، جہاں سے آپ نے اپنے بزرگوں کے احوال وتعلیمات پر کئی اہم کتابیں شائع کی ہیں، جن میں سے مندرجہ ذیل ہماری نظر سے گزری ہیں:

۱۔ حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی

۲۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی

۳۔ حضرت مفتی الٰہی بخش نشاط کاندھلوی

۴۔ تذکرۂ حضرت مولانا محمد مظہر نانوتوی

مولانا راشد احوال وآثار کے نام سے ایک سوانحی رسالہ بھی مرتب کرتے ہیں جو اسی ادارہ سے شائع ہوتا ہے، ان کے کئی تحقیقی مقالات رسالہ معارف (اعظم گڑھ) اور برہان (دہلی) میں شائع ہوتے

Marfat.com

رہے ہیں، جن میں سے ہم نے صرف حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بارے میں ان کے چند مقالات اس مجموعہ میں افادۂ عام کی غرض سے شامل کیے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر مشیر الحق:

ڈاکٹر مشیر الحق غازی پور (یوپی) کے قصبہ بحری آباد میں پیدا ہوئے، والد کی وفات کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) میں تعلیم حاصل کی، اپنے استاد مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی کی رہنمائی میں تعلیم جاری رکھی جامعہ ملیہ (دہلی) اور مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے فراغت کے بعد میکگل یونیورسٹی (کینیڈا) سے پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

ان کے نظریات پر پروفیسر محمد مجیب، پروفیسر سید عابد حسین اور پروفیسر ویل فریڈ کینٹویل سمتھ (Wilfred Cantwell Smith) کے خیالات کے گہرے نقوش ہیں، پٹیالہ یونیورسٹی اور مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں کچھ عرصہ تدریس کی ذمہ داریاں انجام دینے کے بعد وہ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ اسلامیات وعرب ایرانین سٹڈیز کے صدر منتخب ہوئے، ۱۹۸۷ء کو مقبوضہ کشمیر یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر کیئے گئے۔

ان کی تالیفات امریکہ کے کالے مسلمان، مسلمان اور سیکولر ہندوستان اور مذہب اور جدید ذہن مدتوں بحث ونظر کا مرکز بنی رہیں ان پر ندوۃ العلماء کی تعلیمات کی بجائے جامعہ ملیہ اسلامیہ اور میگ گل یونیورسٹی کے نظریات غالب آ گئے اور وہ راسخ العقیدگی ترک کر کے اپنے میگ گل کے استاد سمتھ جو سرسید احمد خان کے نظریات کے ترجمان تھے، کے زیر اثر ہو کر رہ گئے، ان کی ایک مختصر انگریزی کتاب[1]

Shah Abdul Aziz, his life and Time

بظاہر اسی فکر کی ترجمان ہے، ہم نے اس مجموعہ مقالات میں ان کا ایک مقالہ[2]

(مشمولہ برہان دہلی اکتوبر ۱۹۶۹ء)

''انیسویں صدی کے ہندوستان کی ہیئت شرعی (شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب کا ایک علمی تجزیہ) شامل کیا ہے[2]، جو ان کی مذکورہ انگریزی کتاب کا خلاصہ ہے، ۱۹۸۷ء کو انہیں مقبوضہ کشمیر کی یونیورسٹی کا وائس چانسلر بنایا گیا، اپریل ۱۹۹۰ء کو انہیں وہیں گولی مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔[3]

---

[1] مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور ۱۹۹۵ء یہ ان کا میک گل کا ایم اے کا مقالہ ہے۔

[2] مشمولہ برہان، دہلی اکتوبر ۱۹۶۸ء

[3] وفیاتِ معارف مرتبہ محمد سہیل شفیق، کراچی ۲۰۱۳ء ص ۴۸۹-۴۹۰۔

Marfat.com

ڈاکٹر محمد ایوب قادری

ڈاکٹر محمد ایوب قادری جولائی ۱۹۲۶ء کو قصبہ آنولہ (ضلع بریلی، ہندوستان) میں پیدا ہوئے، ۱۹۵۰ء کو بریلی میں ہندو مسلم فسادات ہونے لگے تو موصوف وہاں سے ہجرت کر کے پاکستان آ گئے سندھ کے علاقہ دادو میں قیام کیا، ابتداء میں کراچی میں اسی سنہ کو کلرک بھرتی ہوئے، ۱۹۵۶ء کو بی اے کرنے کے بعد پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی سے بحیثیت ریسرچ سکالر تقرر رہوا۔

۱۹۶۲ء کو کراچی یونیورسٹی سے اُردو میں ایم اے کر کے ۱۹۶۳ء کو اُردو کالج (بعداً وفاقی اُردو یونیورسٹی) سے لیکچرر کے طور پر منسلک ہوئے۔

ڈاکٹر قادری کی چند اہم مطبوعات درج ذیل ہیں:

(۱) مخدوم جہانیاں جہان گشت

(۲) مولانا محمد احسن نانوتوی

(۳) جنگ آزادی ۱۸۵۷ء (شخصیات وواقعات)

(۴) اُردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ (شمالی ہندوستان میں ۱۸۵۷ء تک)

(۵) کاروانِ رفتہ،

(۶) تذکرہ علمائے ہند، تالیف رحمٰن علی (ترجمہ وتعلیقات)

(۷) مآثر الامراء

(۸) سیر العارفین

(۹) مجموعہ وصایا اربعہ

(۱۰) طبقاتِ اکبری

(۱۱) علم وعمل (روزنامچہ عبدالقادر خان رام پوری)

(۱۲) جنگ نامہ آصف الدولہ ونواب رام پور

(۱۳) وقائع نصیر خانی

(۱۴) عہد بنگش کی سیاسی، علمی اور ثقافتی تاریخ مولفہ ولی اللہ فرخ آبادی

(۱۵) کالا پانی (مولفہ محمد جعفر تھانیسری)

(۱۶) فضائل صحابہ واہل بیت (رسائل شاہ عبدالعزیز محدث راجع بردشیعہ) اسی کتاب کا مفصل مقدمہ مجموعہ حاضر میں شامل ہے۔

Marfat.com

شعبہ اُردو، پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور نے ڈاکٹر قادری کی خدمات علمیہ پر ایم اے اُردو کا ایک مقالہ لکھوایا تھا، ڈاکٹر قادری ۱۹۸۳ء کو کراچی میں ٹریفک حادثہ میں فوت ہوئے تھے، راقم نے دانشنامہ زبان وادب فارسی در شبہ قارہ (تہران) میں ان کی علمی خدمات پر ایک مختصر مقالہ لکھا تھا، ان کی وفات پر ان کے فرزند سعید حسن قادری نے ایک تاثراتی کتاب یادگارِ ایوب قادری کے نام سے کراچی سے ۱۹۸۶ء کو شائع کی تھی۔

ڈاکٹر معین الدین عقیل

پروفیسر ڈاکٹر معین الدین عقیل کا، ادب، تاریخ اور جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی تہذیب کے اہم محققین ومولفین میں شمار ہوتا ہے، ڈی لٹ اور پی ایچ ڈی کی اعلیٰ اسناد، وسیع تدریسی تجربہ اور شاندار تعلیمی پس منظر کے باعث ان کی شخصیت مثالی حیثیت رکھتی ہے۔

آپ کراچی یونیورسٹی کے شعبہ اُردو کے صدر اور شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ کے سربراہ کے علاوہ دیگر انتظامی عہدوں پر بھی خدمات انجام دیتے رہے، آپ بیرون ملک ٹوکیو یونیورسٹی آف فارن سٹیڈیز (جاپان)، دائتو بنکا یونیورسٹی (جاپان)، اوساکا یونیورسٹی (جاپان) کیوٹو یونیورسٹی (جاپان) اوراٹلی کی اورینٹل یونیورسٹی نیپلز (اٹلی) جیسی معروف بین الاقوامی جامعات سے بہ حیثیت مہمان پروفیسر اور ریسرچ فیلو منسلک رہے ہیں۔

آپ کو کتابوں سے غیر معمولی شغف ہے، آپ نے اپنا ذاتی کتب خانہ جس میں ۲۶ ہزار کتابیں، اخبارات، رسائل وغیرہ شامل ہیں، کیوٹو یونیورسٹی (جاپان) میں جمع کروادیا ہے، جہاں یہ ''عقیل کلیکشن'' کے نام سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے، اس کی فہرست تیار کر کے اسے ان لائن کر دیا گیا، آپ کو ۲۰۱۳ء میں جاپان کا اعلیٰ ترین سول اعزاز عطا کیا گیا تھا۔

آپ کی اُردو وانگریزی میں درجنوں تالیفات کے علاوہ چار سو سے زائد تحقیقی مقالات قومی اور بین الاقوامی جرائد میں شامل ہیں[1]۔

آپ کی اعلیٰ علمی، تحقیقی اور تدریسی خدمات کا اعتراف واعزاز کے طور پر آپ کی خدمت میں ایک ارمغان ''جنوبی ایشیا کا علمی تناظر'' کے نام سے ڈاکٹر جاوید احمد خورشید اور ڈاکٹر خالد امین نے مرتب کر کے پیش کی جسے ۲۰۱۶ء کو ادارہ معارف اسلامی، کراچی نے شائع کیا۔

مجموعہ حاضر میں آپ کے بیش بہا مقالات میں سے ایک مقالہ ''شاہ عبدالعزیز دہلوی کا ذوق

---

[1] جنوب مغربی ایشیا کا علمی تناظر، ص ۳۹۱

Marfat.com

ادب'' شامل کیا گیا ہے جو (مجلّہ) بازیافت (شمارہ ۱۱) شعبہ اُردو اورینٹل کالج، لاہور سے لیا گیا ہے۔
یہ دراصل شاہ عبدالعزیز محدث کا ایک مکتوب ہے جو لفظ ''لب لعل'' کی ترکیب اور تحقیق پر مشتمل ہے، ہمیں اپنے ہندوستان کے ایک علمی سفر (۱۹۸۹ء) کے دوران مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے ذخیرہ مخطوطات (ضمیمہ ادب فارسی نمبر ۸۸) میں یہی مکتوب دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، جو سائل بریلوی کے نام ہے، ڈاکٹر عقیل صاحب کو یہ مکتوب ذخیرۂ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بارکر (مخزونہ، انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھارٹ، کوالالمپور) ملیشیا کے کتب خانہ سے ملا تھا، جسے انہوں نے مرتب کر کے بازیافت کے مذکورہ شمارہ میں شائع کروایا۔

پروفیسر محمد عضدالدین خان

پروفیسر عضدالدین خان کی ولادت ۱۵ جون ۱۹۴۰ء کو ہوئی، ابتدائی تعلیم یو پی میں حاصل کرنے کے بعد آگرہ یونیورسٹی سے بی اے کیا اور مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ چلے گئے، وہاں سے پہلے انگریزی میں پھر عربی میں ایم اے کیا، ایل ایل بی بھی یہیں سے کیا۔
انہوں نے عربی میں پروفیسر عبدالعلیم کی نگرانی میں اپنا پی ایچ ڈی کا موضوع "Shah Abdul Aziz al- Dihlavi's Contribution to Islamic Theology and Mysticism" تھا، جو انہوں نے شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں لکھنا منظور کروایا لیکن موصوف اسے مکمل نہ کر سکے۔
موصوف کا پہلے ۱۹۶۳ء کو شعبہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی میں ریسرچ اسٹنٹ کے طور پر تقرر ہوا، اگلے سال شعبہ سنی دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں ان کا عارضی لیکچرر کا تقرر ہوا، پھر انہیں ۱۹۷۰ء کو مستقل لیکچرر لگا دیا گیا، ۱۹۸۳ء کو ریڈر کے طور پر اسی شعبہ میں ترقی ہوئی، ۱۹۹۳ء کو انہیں پروفیسر کا درجہ مل گیا، وہ اسی شعبہ میں صدر نشین کے عہدہ پر ۲۰۰۰ء سے ۲۰۰۲ء تک خدمات انجام دیتے رہے، ۲۰۰۲ء کو ہی متقاعد ہوئے۔
پروفیسر محمد عضدالدین خان کا ۱۷ اپریل ۲۰۱۶ء کو انتقال ہوا اور مسلم یونیورسٹی کے قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے[۱]۔

---

[۱] نامہ برقی از جناب ڈاکٹر عطاء خورشید، ناظم شعبہ مخطوطات، مولانا آزاد لائبریری، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، بنام محمد اقبال مجددی، مورخ ۲۷ جولائی ۲۰۱۷ء۔

Marfat.com

پروفیسر عضد الدین مرحوم کو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور آپ کی تعلیمات سے خاص دلچسپی تھی اور یہی ان کی تحقیقات کا موضوع تھا، موصوف نے آپ کی زندگی اور علمی خدمات پر معارف (دارالمصنفین، اعظم گڑھ) اور برہان (ندوۃ المصنفین، دہلی) میں گراں بہا مقالات لکھے، جو مجموعہ حاضر میں شامل ہیں' ان کے علاوہ انہوں نے شاہ عبدالعزیز کے فارسی ملفوظات (طبع مطبع مجتبائی، میرٹھ، ۱۳۱۴ھ) پر ایک مفصل مقدمہ انگریزی میں لکھا جو ادارۂ احباب طریقت، کراچی سے ۱۹۸۷ء کو شائع ہوا، پھر موصوف نے اس کا اُردو میں ۲۰۱۲ء کو ترجمہ شائع کیا، جسے اب کتاب محل، لاہور نے ۲۰۱۶ء کو دوبارہ شائع کرایا ہے۔

ہمیں یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ موصوف کے'' شاہ عبدالعزیز پر پی ایچ ڈی کے نا تمام مقالہ کا کیا انجام ہوا۔

راقم احقر اپنے ۱۹۸۹ء کے سفر ہندوستان کے دوارن علی گڑھ گیا تو مرحوم عضد الدین خان سے ان کے گھر پر ملاقات کے لیے گیا تھا، موصوف بہت پاکیزہ شخصیت کے مالک نظر آئے تھے رب کریم مغفرت فرمائے، آمین۔

ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی

پاکستان میں علوم شرقیہ کی تحقیقات میں ایک بڑا نام ڈاکٹر چغتائی کا ہے، آپ نے پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور سے ایم اے اُردو کرنے کے بعد جرمنی سے مشہور مستشرق شپرنگر پر پی ایچ ڈی کی، پاکستان و ہند کے برطانوی دور اقتدار کی تاریخ پر انہیں تخصص حاصل ہے، اس عہد کی بہت سی شخصیات پر مقالات وکتب مدون کر چکے ہیں، قدیم دہلی کالج کے نام سے ان کی اہم کتاب ہمارے اس موضوع سے متعلق ہے، موصوف درجنوں کتب کے مولف کی حیثیت سے معروف ہیں، اُردو سائنس بورڈ، لاہور کے ڈائریکٹر بھی رہے، دہلی کالج کے قیام سے متعلق ان کی یہ رپورٹ کسی بازیافت سے کم نہیں ہے، آپ نے اپنا نوادرات کا ذخیرہ جرمنی جیسے علم دوست ملک میں محفوظ کروادیا ہے۔

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے احوال پر اولین رسالہ

کمالات عزیزی

تالیف

نواب مبارک علی خان

مرتبہ

سید ظہیر الدین احمد ولی اللّٰہی

نبیرۂ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی

مطبوعہ

مطبع مجتبائی، دہلی ۱۳۴۸ھ

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ کتاب پہلے کمالات عزیزی کے نام سے چھاپی تھی اس کے بعد کمالات معہ مجربات چھاپی، اب چوتھی مرتبہ اول مولانا مرحوم کے حالات اور نسب نامہ کا اضافہ کیا، پھر اور کرامات وکمالات مین سے جو بالتحقیق معلوم ہوا درج کیا، اس کے بعد ارشادات اور پھر اعمال خاندانی درج کیے، امید ہے کہ ناظرین اس کے مطالعہ سے محظوظ ہون گے اور فوائد دینی و دنیوی حاصل کر کے احقر کو بھی دعائے خیر سے یاد فرمائین گے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ و صحبہ اجمعین۔

واضح ہو کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بقیۃ السلف، حجۃ الخلف، خاتم المفسرین امام المحدثین مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس سرہ کے بڑے صاحبزادے تھے، جامع علوم ظاہری و باطنی اور صاحب وحلم وزہد وورع وتقویٰ تھے، دور دور سے لوگ آپ کی خدمت فیض موہبت میں حاضر ہوتے اور سند تکمیل حاصل کر کے اپنے وطن کو مراجعت فرماتے اور نسبت تلمذی کو باعث فخر جانتے۔

ولادت شریف آپ کی ۱۱۵۹ ہجری مقدسہ مین ہوئی تاریخی نام آپ کا غلام حلیم (۱۱۵۹ھ) ہے، تمام علوم اور نسبت باطنی انہون نے اپنے والد ماجد سے حاصل کی۔

نسب: آپ کا چونتیس پشت کے واسطے سے امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ تک اس طرح پہنچتا ہے کہ مولانا شاہ عبدالعزیز بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم بن وجیہہ الدین شہید بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قواذن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدھا بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین المفتی عرف قاضی پران بن شیر ملک بن عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر بن الحاکم ملک بن عادل ملک بن قارون بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ہامان بن ہمایوں بن قریش بن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم اجمعین، مولانا مرجع علماء ومشائخ تھے۔

تمامی علوم متداولہ اور غیر متداولہ اور فنون عقلیہ ونقلیہ مین کامل دستگاہ رکھتے تھے حالانکہ حافظہ بہت

Marfat.com

قوی تھا، صحاح از بر تھی تعبیر خواب مین بڑا ملکہ تھا۔ وعظ خوب فرماتے تھے، تمام علماء وفضلاء وفقراء و سلاطین اور امرائے شیعہ وسنی آپ کی مدح مین رطب اللسان تھے۔

صاحب دلائل وبراہین تھے، موافق مخالف سب آپ کے معتقد تھے، ہر بات آپ کی قاطع حجت، ہر دلیل آپ کی محکم تھی۔

تفسیر عزیزی اول سورۂ بقرا اور آخر مین پارہ تبارک الذی وعم جو ہندوستان مین اسی قدر دستیاب ہوتی ہے نہایت ہی محبوب اور مقبول خلائق ہے، علمائے سلف مین سے ایک نے بھی اس طرح کی کوئی تفسیر نہین لکھی اور کتاب تحفہ اثناعشریہ اہل تشیع کے عقائد مین خوب لکھی ہے علماء شیعہ اب تک اس کے جواب سے لاجواب ہین، اپنی تمام عمر کو آپ نے دینی کامون مین میں صرف کیا ہے ہمیشہ درس وتدلیس وافتاء اور فصل خصومات اور وعظ وپند اور تربیت وتکمیل شاگردون مین مصروف رہتے تھے، ہندوستان مین علم وعمل کی ریاست کا سکہ آپ کے بھائیون ہی پر ختم ہے، خاص ہندوستان اور دوسرے ملکون مین بھی ایسا کوئی نظر نہین آتا جسے سند تلمذ یا استفادہ ظاہری وباطنی اس خاندان سے نہ ہو یا اسے باعث افتخار نہ جانتا ہو آپ کا خاندان خاندان علوم حدیث وفقہ حنفی ہے، اس خاندان سے اس علم شریف کی خدمت بہت ہوئی۔

آپ کے شاگرد مولانا شاہ رفیع الدین برادر آنحضرت وشاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی نبیسہ آنحضرت و مفتی صدرالدین خان صاحب دہلوی ومولانا رشید الدین خان صاحب دہلوی وحضرت شاہ غلام علی شاہ صاحب ومولوی مخصوص اللہ صاحب پسر شاہ رفیع الدین صاحب ومولوی عبدالحی صاحب آپ کے داماد و مولوی کریم اللہ صاحب ومولوی محمد اسمٰعیل صاحب شہید برادر زادۂ آنحضرت ومولوی میر محبوب علی و مولوی محمد یعقوب صاحب ومولوی عبدالخالق صاحب اکابران دہلی ومفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی، و مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی ومولانا حسن علی صاحب لکھنوی ومولانا حسین احمد صاحب ملیح آبادی اور بہت سے بزرگ ہین کہ ان کے نام مجھے یاد نہیں آتے رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، ہر ایک آفتاب وماہتاب تھا۔

آپ کی کرامتین بہت سی ہین جن کا احاطہ کسی سے نہین ہو سکا، مختصر مختصر تذکرے کچھ لطائف کچھ حالات کچھ کمالات لوگون نے لکھے ہین ایک کتاب کمالات عزیزی ہے جو نواب مبارک علی خان ولد نواب فرحت اندیش خان نبیرہ نواب خیر اندیش خان مرحوم رئیس میرٹھ نے لکھی ہے اور وہ آپ کے مریدین با اخلاص سے ہین وہ لکھتے ہین کہ جو بعض فضائل آپ کے مجھے معلوم ہین بنظر الاحتیاج ومطالعہ شائقین حق شناس کمالات عزیزی نام رکھتا ہون، یہ کتاب انہون نے بستم شہر جمادی الاول ۱۲۸۹ھ

Marfat.com

مطابق ۲۷ جولائی ۱۸۷۲ء مین لکھی ہے چنانچہ وہ سب فضائل وکمالات اوراس کے علاوہ جواور کہیں سے دستیاب ہوئے وہ سب کے سب درج ذیل کیے جاتے ہین۔

(۱) حضرت مولانا صاحب دوازدہ سالہ تھے کہ والد بزرگوار حضرت کے اس دار فانی سے رحلت فرما ہوئے چند مولوی شاگرد اس خاندان کے قصبہ پھلت سے گاڑی کرایہ کر کے دہلی کو چلے اثناء راہ مین علماء باہم علمی بحث کرنے لگے۔

گاڑی بان قوم برہمن تھا اس نے علماء سے کہا کہ میری ایک بات بتلاؤ کہ خدا ہندو ہے یا مسلمان سب مولویوں نے اس کی سمجھ کے مطابق جواب دینے سے عاجز ہو کر کہا کہ دہلی مین چل کر بڑے مولانا صاحب سے تیری بات کا جواب لے دین گے، جب دہلی میں پہونچ اور حضرت مولانا صاحب سے ملاقات ہوئی اس گاڑی بان نے کسی شخص سے پوچھا کہ بڑے مولوی صاحب یہی ہین؟ لوگون نے کہا کہ ہان یہی ہین گاڑی بان نے مولوی صاحبان قصبہ پھلت سے کہا کہ میری بات کا جواب لے دو مولویون نے کہا کہ ہان صاحب اس کا جواب ضرور دیجیے، گاڑی بان نے سوال کیا آپ نے فرمایا کہ جو ہم کہین اسے خوب سوچیو، پھر فرمایا کہ اگر خدا ہندو ہوتا تو گئوہتیا کبھی نہ ہوتی یہ سن کر وہ برہمن مسلمان ہو گیا۔

(۲) ایک پادری صاحب دہلی مین مباحثہ کے لیے آئے مسٹر مٹلف صاحب بہادر ایجنٹ گورنر نے پادری صاحب سے کہا کہ شرط مقرر کرنی چاہیے جو کوئی دونون مین ہار جائے گا اس سے دو ہزار روپے لیے جاوین گے اگر مولوی صاحب ہار گئے تو مین دون گا کس واسطے کہ وہ فقیر ہین اور پادری صاحب کو حضرت کی خدمت مین لائے اور سب حال بیان کیا، بعدہ پادری صاحب نے کہا کہ ہم سوال کرتے ہین اور جواب اس کا معقول چاہتے ہین منقول نہ ہو، جب یہ بات ٹھہر گئی تو پادری صاحب نے سوال کیا کہ تمہارے پیغمبر حبیب اللہ ہین آپ نے فرمایا ہان، پادری صاحب نے کہا تمہارے پیغمبر نے بوقت قتل، امام حسین علیہ السلام فریاد نہ کی حالانکہ حبیب کا محبوب زیادہ محبوب ہوتا ہے، خدا تعالیٰ ضرور توجہ فرماتا جناب مولانا صاحب نے جواب دیا کہ پیغمبر صاحب واسطے فریاد کے جو تشریف لے گئے پردۂ غیب سے آواز آئی کہ ہان تمہارے نواسہ پر قوم نے ظلم کر کے شہید کیا لیکن ہم کو اس وقت اپنے بیٹے عیسیٰ کا صلیب پر چڑھانا یاد آیا ہوا ہے، یہ سن کر پیغمبر صاحب خاموش ہو رہے، پادری صاحب معقول ہوئے اور دو ہزار روپے بابت شرط کے ادا کیے۔

(۳) مولوی مدن صاحب بڑے فاضل متوطن شاہجہان پور عندالورود دہلی واسطے ملاقات جناب مولانا صاحب کے مدرسہ مین آئے، مدرسہ کا بڑا امکان تھا، شطرنجی کا فرش بچھا ہوا تھا اور ایک پلنگ بھی ایک

Marfat.com

طرف کو پڑا رہتا تھا اکثر حضرت چہل قدمی فرماتے فرماتے اس پلنگ پر لیٹ جاتے اور سب آدمی جو آتے فرش پر بیٹھتے مولوی مدن نے کہا کہ مین تو فرش پر نہ بیٹھون گا حضرت نے فرمایا ان کے لیے اچھا پلنگ لاؤ فوراً پلنگ نواڑی لاکر سوزنی و تکیہ سے آراستہ کر دیا، مولوی مدن اس پر بیٹھے اور کہا کہ مین آپ کی ملاقات کا بہت مشتاق تھا اور آپ سے گفتگو کرنے کا ارادہ ہے، آپ نے پوچھا کس علم مین مولوی مدن نے کہا علم معقول مین؟ حضرت نے فرمایا ان کو مولوی رفیع الدین صاحب کے پاس (کہ چھوٹے بھائی جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے اور فاضل تبحر تھے) لے جاؤ، مولوی مدن نے کہا مین تو آپ سے گفتگو کرنے کا عزم رکھتا ہون، حضرت نے فرمایا نہین ان ہی سے کیجیے، بعد اس کے مولوی مدن نے کہا بس معلوم ہوا، آپ نے فرمایا کیا معلوم ہوا؟ انہون نے کہا ہماری مجلس مین ایک دفعہ ذکر تھا کہ شاہ عبدالعزیز منقولی اور معقولی دونون ہیں، کوئی کہتا تھا کہ فقط منقول مین حضرت نے فرمایا فقیر سوائے قال اللہ والرسول کے اور گفتگو کرنی بُرا جانتا ہے اگر آپ کا ایسا ہی دل چاہتا ہے تو خیر اچھا شروع کیجیے مولوی مدن بھی بڑے فاضل اور معقولی تھے، ان کے نزدیک جو مسئلہ لاحل تھا بیان کیا، جناب مولانا صاحب نے ایسا عمدہ جواب دیا کہ مولوی مدن صاحب پلنگ پر سے کود کر دور جا کھڑے ہوئے اور کہا مجھ سے گستاخی ہوئی اور اس مدن کی عاقبت بگڑ گئی، آپ نے فرمایا مولوی صاحب آیئے تشریف لایئے، نہون نے کہا مولوی کون ہے؟ میرا رتبہ یہ بھی نہین ہے کہ جو لوگ آپ کے ہان آتے ہیں ان کی جوتیان اتارنے کی جگہ پر کھڑا ہون، للہ آپ میرا قصور معاف فرمایئے غرض بعد معافی قصور فرش پر بیٹھے۔

(۴) عشرۂ محرم الحرام کو مولانا صاحب درس فرمایا کرتے تھے، ہزارہا آدمی جمع ہوتا تھا اور اہل تشیع کے ہان بھی اس وقت کتاب اور مرثیہ بند ہو جاتا تھا، ایک شخص نے سوال کیا جب حضرت امام حسین علیہ السلام اور یزید کا مقابلہ تھا حق تبارک و تعالیٰ کس طرف تھے؟ حضرت نے فرمایا میزان عدل پر تھے کہ صبر حضرت امام علیہ السلام کا اس مردود کے ظلم پر غالب آیا۔

(۵) صاحب رزیڈنٹ دہلی حضرت کی ملاقات کو آئے اور عند التذکرہ بیان کیا کہ ایک بات مین پوچھتا ہون کوئی جواب اس کا نہین دیتا مثلاً ایک شخص مسافر جاتا ہے اور راستہ بھول گیا، اس نے دیکھا کہ ایک آدمی سوتا ہے اور ایک بیٹھا ہے، پس یہ راستہ کس سے دریافت کرے آپ نے فرمایا کہ راستہ واسطے چلنے کے ہے، نہ واسطے بیٹھنے کے، اس تیسرے آدمی کو چاہیے کہ وہان بیٹھے جب سونے والا جاگ اٹھے تو اس وقت دونون رستہ پوچھ کر چلے جاوین۔

(۶) ایک شخص کسی ملک کا رہنے والا حاضر ہوا اور اس نے کئی کلمے ایسے بیان کیے جو کسی کی فہم مین نہ

Marfat.com

آئے اور عرض کیا مین اس مین کچھ بھول گیا ہون کئی ہزار کوس پھرا جس کو کامل سنا اس سے پوچھا لیکن کسی نے کچھ نہ کہا آپ نے فرمایا کہ یہ فلانی چیز کا منتر اور فلانی زبان مین ہے اور یہ پانچ کلمے جو تجھ کو یاد ہین اس مین دو غلط ہین اور وہ اس طرح پر ہین اور تین جو تو بھول گیا ہے وہ یہ ہین اس بات پر وہ شخص بہت خوش ہوا اور قدمون پر گر کے رخصت ہوا۔

(۷) ایک شخص نے ایک تصویر پیش کی اور کہا یہ تصویر جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، اس تصویر کو کیا کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا کہ حضرت پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل فرمایا ہے اس تصویر کو بھی غسل دینا چاہیے۔

(۸) ایک منشی ذی علم کسی انگریز کے نوکر حضرت کی خدمت مین آئے اور کہا کہ بندگی قبلہ آپ نے فرمایا جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ ڈاڑھی رکھتے تھے یا نہین؟ اس منشی نے کہا ہان رکھتے تھے پھر حضرت نے فرمایا کہ تمہارا کیا نام؟ کہا شیعۂ علی حضرت نے فرمایا کہ تمہاری ریش نہین اور فقیر کی ہے اس نے کہا صاحب ہم دنیا دار ہین، آپ نے فرمایا حضرت کے سر پر گرداوری تھی؟ اس نے کہا نہین آپ نے فرمایا حضرت بھی انگشتان مبارک مین چھلہ اور انگوٹھی پہنتے اور ہاتھ پاؤن مین مہندی لگاتے تھے؟ اس نے عرض کیا نہین، مین نے یون ہی لگائی ہے، اس نے کہا مین سنی ہوتا ہون، آپ نے فرمایا کچھ شک ہو تو رفع کرلو اس نے کہا ان چارون مین شک ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ وحدہٗ لاشریک لہٗ اس کے چار فرشتے مقرب ہین ایسے ہی جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے چار یار اور دو ہاتھ دو پاؤن یہ چار کے چار اور خاک آب آتش باد چار ارکان سے تمام خلق اللہ خدا ہوئی، یہ چار کے چار غرض ہفتاد مثال چار کی دین، اس نے توبہ کی اور سنی ہو گیا۔

(۹) بخشی محمود خان رئیس شاہ جہان آباد کی شادی تھی انہون نے رقعے طلب مین سب صاحبون کو لکھے، ایک جناب مولانا صاحب کے نام بھی آیا، حضرت نے فرمایا اسی رقعہ کی پشت پر یہ شعر لکھ کر واپس کر دو، جب وہ واپس کیا تو وہ شعر پڑھ کر ان کی مجلس کے سب لوگ محظوظ ہوئے وہ شعر یہ ہے ؎

در محفل خود راہ مدہ ہم چو منے را　　　افسردہ دل افسردہ کندا نجمنے را

(۱۰) ایک درویش نے کہا مولوی سلام اور کہا مین آپ سے ایک بات پوچھتا ہون اسے بتلاؤ کہ غٹر غون کسے کہتے ہین؟ آپ نے فرمایا کہ تم کو کہنا نہ آیا یون کہو گھوٹم گھاٹا غٹر غون وہ درویش بہت خوش ہوئے اور دعا دے کر چلے گئے۔

(۱۱) ایک شخص نے عرض کیا کہ محفل رقص وسرود مین انسان بخوشی بیٹھا رہتا ہے اور جو عبادت مین

Marfat.com

بیٹھے تو نیند آنے لگتی ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا دو پلنگ ہون ایک پر کانٹے بچھے ہون اور دوسرے پر پھول تو نیند کس پر آوے گی اس نے عرض کیا پھول کے پلنگ پر، آپ نے فرمایا بس کانٹون کا پلنگ مانند ناچ دیکھنے کے ہے اور پھولون کا پلنگ مانند عبادت کے ہے اس لیے نیند نہیں آتی۔

(۱۲) دو قوالون مین ایک راگ کی تشخیص مین اختلاف تھا، بالآخر باتفاق ہمدگر حضرت مولانا صاحب کی خدمت مین حاضر ہوئے راقم بھی اس وقت قریب موجود تھا قوالون کی تقریر سن کر چلا گیا لیکن وہ سوال اپنا عرض کر چکے تھے، حضرت نے ایسی کیفیت اس راگ کی بیان فرمائی کے دونون کا اطمینان خاطر ہوا اور دونون خوش ہوکر مولانا صاحب کو دعا دیتے ہوئے چلے گئے۔

(۱۳) ایک شخص آیا اور اپنا خواب بیان کیا کہ کھلی تیل پیتی ہے، حضرت مولانا صاحب نے فرمایا اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری بی بی واقع مین تمہاری والدہ ہے، اس نے کہا کہ صاحب یہ کہین ہو سکتا ہے؟ بعدہٗ اس نے مکان پر جاکر جو تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ فی الحقیقت وہ عورت اس کی مان ہے، وجہ یہ تھی کہ جب یہ شخص شیر خوار تھا دونون مین مفارقت ہوگئی اور جوانی مین ایک دوسرے کا شناسا نہ تھا، اس سبب سے باہم نکاح ہوگیا۔

(۱۴) ایک خواجہ صاحب متوطن دہلی دوست راقم بیان کرتے تھے کہ مین دوپہر کو سوتا تھا، ایک خواب دیکھا اور گھبرایا ہوا خدمت عالی مین حاضر ہوا اور خواب عرض کیا، حضرت نے فرمایا تمہارے گھر مین حمل کی صورت ہے، خواجہ صاحب نے عرض کیا بیشک ہے، حضرت نے فرمایا وہ ساقط ہوگیا۔

(۱۵) مولوی حافظ احمد علی صاحب استاد راقم متوطن تھانہ بھون دہلی مین طالب علمی کرتے تھے انہون نے خواب دیکھا اور حضور مین عرض کر کے تعبیر چاہی، حضرت نے فرمایا کہ اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری والدہ کا انتقال ہوگیا، بعد کئی روز کے معلوم ہوا کہ تعبیر راست ہے۔

(۱۶) ایک شخص متوطن دہلی ملازم بادشاہی حضرت مولانا صاحب کی خدمت مین حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ باپ کی تنخواہ ایک سوتیس روپیہ تھے وہ رحلت کر گئے مجھ کو صرف تیس روپے ملتے ہین، اس مین گزارہ کسی طرح نہین ہوتا، دل چاہتا ہے کہ کچھ کھا کر مر جاؤن مگر سنا ہے خودکشی حرام موت ہوتی ہے، اس لیے آپ سے عرض کرتا ہون جیسا ارشاد ہو عمل مین لاؤن، حضرت نے فرمایا تم کلام مجید مین فال دیکھو انہون نے دال دیکھی، وہ مقام سن کر آپ نے فرمایا کہ تم جانب دکھن یعنی جنوب کو جاؤ ۱۴ منزل مین شہر مسلمانون کا آوے گا، وہان ٹھہر جانا اور اگر دو تین فاقہ میں ہون تو گھبرانا نہین پھر ان شاء اللہ تعالیٰ تم بہت خوش ہوکر آؤ گے، وہ شخص رخصت ہوکر ویسے ہی کہ ایک گھوڑا سواری مین تھا اور دو آدمی تھے، روانہ

Marfat.com

ہوئے ۱۴ منزل مین ٹونک نواب میرخان صاحب کا آیا، جس مسجد مین نواب صاحب نماز کو آتے تھے قیام کیا، نواب میرخان بہت تپاک سے پیش آئے لیکن کھانے کو کچھ نہ پوچھا دو فاقہ بھی ہوئے، اس عرصہ مین نواب صاحب نے اپنے امراء سے مشورہ کیا کہ انگریزون سے کیا کرنا چاہیے؟ تو سب نے صلاح لڑائی کی دی، نواب نے سن کر کہا اس شخص کو بلانا چاہیے جو مسجد مین ہے، مختصر یہ ہے کہ نواب صاحب نے اس شخص کو پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر کر کے فیل وشتر وغیرہ سامان جلوس دے کر بحضور جنرل اختر لونی صاحب کے بمقام دہلی واسطے درستی صلح کے بھیجا، وہ شخص پہلے حضور والا مین جناب مولانا صاحب کے حاضر ہوئے، کئی اشرفیان نذر کین اور عرض کیا جس طرح ارشاد ہوا تھا اسی طرح ظہور مین آیا، آپ نے کشف باطن سے فرمایا تھا حضرت نے فرمایا مین نے سیاق کلام مجید سے کہا تھا۔

(۱۷) راقم کے روبرو حضرت نے فرمایا کہ پرانی شہر دہلی مین ایک شخص رہتا تھا، وہ مرگیا ایک دختر اس نے چھوڑی، ایک شخص نے اس متوفی کو خواب مین دیکھا کہ میری بیٹی سے کہو کچھ للہ میرے واسطے خیرات کرے، صبح کو اس نے اس کی بیٹی کا حال دریافت کیا، معلوم ہوا کہ وہ آوارہ ہو کر طوائفون مین مل گئی اور شاہ جہان آباد مین ہے، یہ شخص گئے تو کوٹھے پر بازار میں رہتی تھی اور کواڑون کو قفل لگا ہوا تھا، معلوم ہوا کہ دریا پر واسطے غسل کے گئی ہے یہ شخص جمنا گھاٹ پر گئے، دیکھا کہ وہ مٹی مردون کے ساتھ نہا رہی ہے اور چھینٹوں سے آپس مین لڑ رہی ہے، انہون نے کنارے پر سے اس کے باپ کا پیغام ادا کیا، اس نے سنتے ہی ایک دو ہتڑ پانی بھر کر پھینکا اور کہا کہ یہ مین نے اللہ اس کے واسطے دیا، یہ شخص پیغام دینے والے شرمندہ ہو کر چلے آئے اسی رات اس مرد کو یعنی اس کے باپ کو خواب مین دیکھا، انہون نے کہا کہ مین نے جا کر دیکھا تو اس کی اوقات سب خراب ہوگئی ہے، اس نے کہا کہ خیر یہ اس کے عمل ہین لیکن اس نے جو دو ہتڑ بھر کر پانی پھینکا تھا اس کا ایک قطرہ ایک جانور کے حلق مین جو کہ متصل کنارہ دریا کے بہت پیاسا تھا پہنچا اس کے عوض میرے اوپر بڑے انعام حق تعالیٰ نے عطا فرمائے تمہارا بڑا شکر گزار ہون۔

(۱۸) ایک شخص نے آکر عرض کیا یا حضرت مین نے آج شب کو خواب مین دیکھا ہے کہ میری زوجہ سے دو کتے مباشرت کرتے ہین یا حضرت جب سے خواب دیکھا ہے کچھ عرض نہین کر سکتا کہ مجھ پر کیا صدمہ ہے، آپ نے فرمایا اس قدر کچھ پریشانی کی بات نہین شاید تمہاری بیوی موئے زہار مقراض سے کترتی ہے اس کو منع کر دو کہ بار دگر ایسا نہ کرے، دریافت جو کیا گیا تو واقعی ایسا ہی تھا۔

(۱۹) ایک شخص نہایت پرملال کہ آثار غم اس کے بشرہ سے ظاہر تھے، حاضر حضور ہو کر عرض کرنے لگا

Marfat.com

کہ یا حضرت آج کی شب مین نے اپنے تئین اپنی والدہ سے ہم بستر ہوتے دیکھا، اس وقت سے گویا مین زندہ درگور ہون، ہر چند غور کرتا ہون لیکن کچھ خیال مین نہین آتا کہ آیا مجھ سے ایسا کوئی گناہ عظیم واقع ہوا جو ایسا واقعہ جو کہ خدا دشمن کو بھی نصیب نہ کرے مجھے نظر آیا، جناب مولانا صاحب نے ارشاد فرمایا کہ دریافت کرو شاید تمہاری بی بی نے کلام اللہ گرو کر کے مہاجن کو سودیا ہے، بعد دریافت انفکاک کلام اللہ شریف کا کرا کے آئندہ ایسے امور سے محترز ہو، بالآخر دریافت کیا تو ایسا ہی واقع ہوا تھا۔

(۲۰) ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کیا حضرت مجھے خواب مین نظر آیا ہے کہ مشرق سے مہتاب مثل ہلال نمودار ہو کر وسط آسمان کی طرف آتا ہے اور جون جون بلند ہوتا ہے کمال پاتا ہے اور وسط آسمان پر پہنچ کر بدر کامل ہوتا جاتا ہے اور پھر درمیان سے ٹوٹ کر دو ہلال بن کر اسی اپنی اول مشرقی طرف بہ سرعت تمام جا کر غروب ہو جاتا ہے آپ اس بھید کو مجھ پر ظاہر فرمادین کہ مین توہمات باطلہ سے رہائی پاؤن یا کسی لطیفہ غیبی کا امیدوار ہو بیٹھون آپ نے فرمایا کہ تیری وابستہ کو حمل سہ ماہہ تھا آج آخر شب وہ ساقط ہو گیا اس شخص کو نہایت تامل ہوا کہ میری زوجہ کو ہرگز حمل نہ تھا بلکہ لوگون کو تو اس کے عقر پر اتفاق ہے یہ جناب مولانا صاحب کا فرمانا ہے ورنہ حکماء وقت کو کیونکر لغو جانون کہ ہر ایک ان مین سے افلاطون ہے جن کا میری زوجہ کے عقر پر اتفاق رائے ہے اور جناب شاہ صاحب کے فرمانے کو کس طرح جھوٹ سمجھون کہ خوف زوال ایمان اور موجب سوء عقیدت اور باعث خلع بیعت ہو گا لاچار متفکر ہو کر اٹھا اور مکان پر جا کر دریافت کیا تو ارشاد جناب شاہ صاحب مغفور کا ہی بجا تھا۔

(۲۱) عالم رویا مین مولانا صاحب کو حضوری جناب حضرت علی مرتضیٰ اسد اللہ الغالب کرم اللہ وجہہ کی حاصل ہوئی اور بیعت کر کے فیضیاب ہوئے۔

(۲۲) جناب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ فلان شخص نے ایک کتاب پشتون زبان مین ہماری مذمت مین لکھی ہے اور اس کے باپ کا نام اور مقام سکونت اور کتاب کا نام بھی ظاہر فرمایا آپ نے عرض کیا مین زبان پشتون نہین جانتا ہون حضرت امیر المومنین نے فرمایا کچھ مضائقہ نہین آپ خواب سے بیدار ہوئے بعد تلاش کتاب دستیاب ہوئی آپ نے اس کا جواب زبان پشتون مین لکھ کر منتشر کیا۔

(۲۳) ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ صاحب یہ طوائف جو مرتی ہین ان کے جنازہ کی نماز پڑھنی درست ہے یا نہین حضرت نے فرمایا جو مرد ان کے آشنا ہین ان کی بھی نماز پڑھتے ہو یا نہین اس نے عرض کیا ہان پڑھتے ہین حضرت نے فرمایا تو ان کی بھی جنازہ کی نماز پڑھو۔

(۲۴) ایک سوداگر صاحب دول متوطن دہلی کو اپنی زوجہ سے نہایت محبت تھی، بوقت روانگی سفر زوجہ

Marfat.com

سے کہا کہ اگر تم اپنے باپ کے گھر جاؤ گی تو میری طرف سے تم کو طلاق ہے، بعد واپسی معلوم ہوا کہ زوجہ مذکورا پنے باپ کے گھر گئی تھی، علمائے وقت سے جوفتویٰ طلب کیا سب نے کہا کہ طلاق ہوگئی وہ بیچارے مایوس ہوکر رہ گئے، مولانا صاحب کے کہ اس وقت دوازدہ سالہ تھے سوداگر موصوف سے فرمایا کہ اگر شیرینی کھلاؤ تو تمہارا نکاح پھر پڑھوا دین، انہون نے اقراء کیا، آپ نے فتویٰ لکھا کہ جب اس عورت کا باپ مرگیا اس وقت وہ گئی اس صورت مین وہ گھر اس کے باپ کا نہ رہا بلکہ وہ گھر عورت کا ہوگیا، لہٰذا وہ اپنے گھر گئی باپ کے، سب علماء نے پسند وقبول کیا۔

(۲۵) ایک رسالدار ساکن لکھنؤ حضرت کے مرید تھے، ملازمت کے واسطے آئے اور عندالتذکرہ عرض کیا حضرت مین نے ایک گھوڑا چھ سو روپیہ کو مول لیا ہے، حضرت نے فرمایا منگاؤ ہم بھی دیکھین حالانکہ بصارت آپ کی بہت برسون سے بالکل جاتی رہی تھی، جب گھوڑا آیا حضرت نے فرمایا کہ سمندر سیہ زانو ہے، رسالدار نے کہا درست ہے، آپ نے فرمایا اس کو پھیرو وہ پھیرنے لگے، آپ نے فرمایا کہ ذرا تیز کرو جب تیز کیا تو رسالدار سے پوچھا کہ قیمت اس کی دے دی؟ عرض کیا دے دی، حضرت نے فرمایا یہ گھوڑ النگڑا ہو جاوے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

(۲۶) ایک روز حضرت مولانا صاحب نے ایک طالب علم سے ارشاد فرمایا کہ تم شاہ نظام الدین اولیاء قدس سرہ کے مزار پر جاؤ اور وضو تازہ کر کے اول نماز مغرب ادا کرو بعدہ دورکعت نماز اور پڑھو اور فلان فلان سورۃ پڑھنا ایک بلی آوے گی لیکن تم نماز اپنی پوری کر لینا، سلام پھیرنے کے بعد اس بلی کو پکڑ کر ذبح کر کے کپڑے مین لپیٹ کر ہمارے پاس لے آنا، چنانچہ طالب علم نے بموجب ارشاد آپ کے عمل کیا، جب بلی کو حضرت کے روبرو کپڑے سے کھولا، دیکھا کہ وہ تمام طلاء ہے، دوسرے روز طالب علم نے پھر ایسا ہی کیا اس روز کچھ نہ ہوا۔

(۲۷) حضرت مولانا صاحب نے کئی مولویون سے فرمایا تم کابلی دروازہ کے باہر جاؤ، ایک شخص عرب آتے ہین، ان کو لے آؤ یہ لوگ بہ تعمیل حکم شہر سے باہر جا کر کھڑے ہوئے، دیکھا تو ایک شخص مصر سے خچر پر سوار چلے آتے ہین، ان لوگون نے کہا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے آپ کے استقبال کے واسطے ہم کو بھیجا ہے اور باتین کرتے ہوئے چلے انہون نے اپنا حال بیان کیا کہ مین مصر کا باشندہ ہون اور ہمشیرہ میری فاضل ہین اور حافظ کلام مجید اور کتب حدیث شریف صحاح ستہ سب حفظ یاد ہین، اول سے علم تحصیل کیا، ایک کتاب کسی علم کی جو راقم کو اس کا نام یاد نہین پڑھتا تھا ایک مقام مفہوم نہ ہوا، ہمشیرہ نے ہر چند تقریر کی لیکن میری فہم مین نہین آیا، اس پر ہمشیرہ نے کہا اب تم ہندوستان جاؤ اور شہر دہلی مین شاہ

Marfat.com

عبدالعزیز ہین یقین ہے کہ ان کے سمجھانے سے سمجھ جاؤ گے، اس لیے مین اس طرف کا عازم ہوا، غرض یہ سب فاضل ان کو لے کر مدرسہ مین آئے، حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کتاب کہان ہے؟ خورجی مین تھی، نکلوا کر منگائی اور ان سے فرمایا کہ سبق اپنا نکالو، جب حضرت نے تقریر فرمائی وہ عرب بہت خوش ہوئے اور عرض کیا مین سمجھ گیا، پھر وہ عرصہ تک اور علم حاصل کرتے رہے، بعدہ اپنے ملک کو روانہ ہوگئے۔

(۲۸) حضرت وعظ حدیث شریف کا فرما رہے تھے، اس مین ایک شخص آئے، آپ نے انگشت سے اشارہ کیا، اپنی پشت کی طرف یعنی ادھر آؤ، جب درس تمام ہوا اس شخص نے عرض کیا رات خواب مین دیکھا کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہین اور آپ سامنے جناب سید المرسلمین کے بیٹھے ہوئے وعظ حدیث شریف کا فرما رہے ہین اور مین حاضر ہوا، تو آپ نے اسی طرح انگشت سے اشارہ پس پشت بیٹھنے کا فرمایا تھا، اب جو مین حاضر ہوا تو بھی ایسا ہی ہوا، اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت نے فرمایا تم حقہ بہت پیتے ہو، تمہارے منہ سے بو آتی ہے اور حضور مین ناپسند ہے، اس لیے فقیر نے کہا تھا۔

(۲۹) جناب مولانا صاحب نے اول سال جو کلام مجید حفظ کر کے سنایا تھا، نماز تراویح کی ہو چکی تھی، اس عرصہ مین ایک سوار بہت خوب زرہ بکتر وغیرہ لگائے برچھا ہاتھ مین لیے تشریف لائے اور کہا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہان تشریف رکھتے ہین؟ جو وہان تھے سب نے دوڑ کر ان کو گھیر لیا اور پوچھا کہ حضرت یہ کیا تقریر ہے؟ اور آپ کا کیا نام ہے انہون نے فرمایا میرا نام ابوہریرہ ہے، جناب سید عالم نے فرمایا تھا کہ ہم عبدالعزیز کا کلام مجید سننے چلین گے، پھر مجھ کو ایک کام کے واسطے بھیج دیا، اس سبب سے دیر مین آیا، یہ بات کہہ کر غائب ہوگئے۔

(۳۰) وعظ ہو رہا تھا جو ایک شخص حاضر ہوئے، بعد تمام ہونے درس کے انہون نے سات اشرفیان پیش کین، حضرت نے ہنس کر فرمایا ایک چہ بچہ سے سات اشرفی، بابعدہ وہ شخص اٹھ کر چلے لوگون نے ان کو گھیرا اور حال دریافت کیا، انہون نے بیان کیا کہ مین پورب کا رہنے والا ہون اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مال دنیوی بہت عطا فرمایا ہے مگر بیماری فساد خون سے ترک وطن کر کے توکلت علی اللہ العزیز الحکیم مع چند ملازم بسواری اسپ اس تلاش مین نکلا کہ شاید کوئی ایسا شخص مل جائے کہ مشکل آسان ہو، اس تلاش مین پھرتا تھا کہ ایک مقام پر پہنچا ایک عورت نے کہا کہ اس پہاڑ مین ایک بزرگ تشریف رکھتے ہین اگر تم وہان پہنچو تو یقین ہے کہ اچھے ہو جاؤ لیکن راستہ ایسا دشوار گزار ہے کہ گھوڑا نہین جا سکتا، مین نے اپنے لوگون سے کہا کہ تم سب یہان رہو اور مین جاتا ہون اگر تین مہینے مین واپس آ جاؤن تو خیر ورنہ یہ گھوڑے اور اسباب اور روپیہ تم سب تقسیم کر کے چلے جانا، پھر مین پہاڑ پر گیا تو کیا دیکھتا ہون کہ ایک چھپر کا گھر چھوٹا

Marfat.com

سا ہے اور اس مین ایک درویش تشریف رکھتے ہین، سلام کیا، پوچھا تو کون ہے؟ مین نے سب حال اپنا کہہ سنایا، فرمایا کہ یہ پوڑیہ دوا کی ہے اس کو لے جاؤ اور فلان مقام پر ایک چشمہ ہے وہان بیٹھ کر کھالو اللہ کا فضل ہے تو تم اچھے ہو جاؤ گے مین نے اسی طرح عمل کیا، اسہال اور قے آئی اور مین اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اچھا ہو گیا، پھر مین ان بزرگ کی خدمت مین آیا پوچھا کہ تمہارے گھر کا راستہ کس طرف کو ہے؟ مین نے عرض کیا فرمایا کہ دہلی بھی راستہ مین آتی ہے؟ مین نے عرض کیا کہ نہین لیکن اگر حکم ہوگا تو مین دہلی کے راستہ جاؤن گا، وہ بھی راستہ ہے آپ نے فرمایا کہ شاہ عبدالعزیز کا نام سنا ہے؟ مین نے کہا ہان سنا ہے وہ تو آفتاب ہندوستان ہین، فرمایا وہ ہمارے پیر بھائی ہین، پھر اندر چھپر مین جا کر مٹھی مین یہ سات اشرفی لائے اور کہا کہ مولانا صاحب کو ہماری طرف سے دے دینا۔

(۳۱) مفتی الٰہی بخش صاحب فاضل متبحر شاگرد رشید حضرت کے متوطن قصبہ کاندہلہ، مقیم سہارنپور نے لکھا کہ جناب مولانا روم علیہ الرحمتہ نے جو دفتر شروع کر کے چھوڑ دیا ہے اور فرمایا کہ بعد میرے ایک شخص ہوگا وہ اس کو تمام کرے گا، میرا ارادہ اس کے تمام کرنے کا ہے، اس واسطے عرض رسا ہون کہ فضل الٰہی سے آپ کی بڑی معلومات ہے کہین یہ قصہ سماعت مین یا نظر سے گزرا ہو ارشاد فرمایئے حضرت نے اس کے جواب مین دو آیت کلام مجید کی لکھ کر ارشاد کیا کہ بوقت شب پڑھ کر خود مولانا روم علیہ الرحمتہ سے دریافت کرو چنانچہ ان کو جناب مولانا صاحب کی زیارت ہوئی، آپ نے فرمایا ہان وہ شخص تم ہی ہو جو اس کو تمام کرو گے، عصر اور مغرب کے درمیان دوات قلم لے کر حجرہ میں بیٹھا کرو قصہ باقی ماندہ خود بخود قلم سے لکھا جائے گا، چنانچہ مفتی صاحب نے ساتوان دفتر تصنیف فرمایا۔

(۳۲) دہلی مین مولوی خدابخش صاحب مرحوم متوطن میرٹھ سے فرمایا کہ میان خدابخش آج رات کو سوتے وقت ایک مرتبہ آیۃ الکرسی اور ایک مرتبہ آمن الرسول اور ایک سورت اور پڑھ لینا، مولوی جو پڑھ کر سوئے تو خواب مین خوب سیر آسمانوں کی نصیب ہوئی، صبح کو جو حضور مین حاضر ہوئے ارادہ بیان کرنے کا کیا آپ نے فرمایا کہنا کچھ ضرور نہین، مین نے اس واسطے بتلایا تھا کہ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

(۳۳) کرنیل اسکنر صاحب کے اولاد نہین ہوتی تھی، حضرت مولانا صاحب سے کہا کہ آپ دعا فرمایئے کہ اولاد ہو، آپ نے دعا کی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بیٹا عطا فرماوے تو نام اس کا یوسف رکھنا چنانچہ لڑکا پیدا ہوا کرنیل صاحب نے جوزف اسکنر نام رکھا جوزف اور یوسف ایک ہی لفظ ہے، صرف زبان کا فرق ہے، یوسف صاحب بڑے بیٹے تھے اور مشہور تھے۔

(۳۴) مرزا بخش اللہ بیگ متوطن سنبھل ضلع مراد آباد، میرٹھ مین ابتداء عملداری سرکار انگریزی

Marfat.com

سے ڈکخانہ مین نوکر تھے، انہوں نے تحصیل علم عربی مفتی محمد قلی صدر امین میرٹھ سے شیعہ مذہب تھے شروع کی اور انگریزی، انگریزی دانون سے، مفتی صاحب جو استاد تھے شیعہ مذہب اور مرزا بخش اللہ بیگ اہل سنت و جماعت باہم ہمیشہ بحث مذہبی ہوتی تھی، مفتی صاحب نے مرزا صاحب سے کہا کہ تم اپنے شاہ عبدالعزیز صاحب کو لکھو کہ وہ ایسی ترکیب بتلا دین کہ خواب مین اصل حال مذہب کا معلوم ہو جاوے، مرزا صاحب نے عرضی حضور مین لکھی، حضرت نے دو تین آیۃ کلام مجید کی لکھ بھیجیں کہ ان کو پڑھ کر رات کو سو رہو چنانچہ ایسا ہی کیا۔

خواب مرزا بخش اللہ بیگ انہون نے دیکھا کہ ایک میدان ہے اور اس مین بہت لاشین مقتولین کی پڑی ہین، ایک بزرگ تشریف لائے اور ان کے ساتھ اور بہت آدمی تھے انہوں نے سب لاشون مین سے ایک لاش نکالی اور نماز جنازہ کی پڑھی اور مرزا صاحب بھی اس نماز مین شامل ہوئے، بعد نماز مرزا صاحب نے ایک شخص سے پوچھا کہ یہ بزرگ کون ہین انہون نے کہا کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام ہین، جب مرزا صاحب نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور عرض کیا کہ حضرت دین حق کون ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اگر یہ تمہارا دین حق نہ ہوتا تو تم ہم مین شامل نہ ہوتے، پھر بیدار ہو گئے۔

خواب مفتی صاحب انہون نے دیکھا کہ مین کوتوالی قدیم شہر میرٹھ کے پاس ہون اور اژدھام لوگون کا بہت ہے اور سنا کہ جناب حضرت علی کرم اللہ وجہہ شہر میرٹھ کی مسجد مین تشریف رکھتے ہین، ہر چند مفتی صاحب نے چاہا کہ جاؤن کسی نے وہان جانے نہ دیا، پھر مرزا صاحب نے استاد سے کہا کہ صاحب حال ظاہر ہو گیا، مفتی صاحب نے جواب دیا کہ یہ خواب وخیال ہے اس کا کچھ اعتبار نہین۔

(۳۵) جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو واسطے نماز جمعہ کے مسجد جامع مین تشریف لے جاتے تو عمامہ آنکھون پر رکھتے ایک شخص فصیح الدین نامی جو اکثر حضور مین حاضر رہتے تھے، انہون نے عرض کیا کہ حضرت اس کی کیا وجہ جو آپ اس طرح رہتے ہین؟ آپ نے اپنی کلاہ اتار کر ان کے سر پر رکھ دی، ایک دفعہ ہی وہ بیہوش ہو گئے جب دیر مین افاقہ ہوا عرض کیا کہ سوسوا سو شکل آدمی کی تھی اور کوئی ریچھ اور کوئی بندر اور کوئی خنزیر کی شکل تھا اور اس وقت مسجد مین پانچ چھ ہزار آدمی تھے، حضرت نے فرمایا کہ مین کس کی طرف دیکھون اسی باعث سے نہین دیکھتا۔

(۳۶) ایک شخص بہ لباس عمدہ وصورت امیرانہ پٹکہ زرین کمر پر باندھے ہوئے عمدہ گھوڑے پر سوار قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ مین بخدمت حضرت عارف معارف میان اچھے صاحب قدس اللہ سرہ العزیز حاضر ہوا اور نہایت بے قرار اور مضطر تھا، حضرت کے قدمون پر گر کر تڑپنے لگا، آپ نے بہ شفقت تمام متوجہ ہو کر

Marfat.com

اس سے حال پوچھا اس نے عرض کیا کہ ایک ساہوکار متصل میرے مکان کے رہتا ہے، اس کی دختر نہایت حسینہ وجمیلہ ہے، خورد سالی سے فیما بین میرے اور اس کے محبت پیدا ہوئی کہ مرتبہ عشق کا ہوگیا، پھر اس کی شادی ہوئی اور بالفعل سسرالی اس کے واسطے گونا کرنے کے آئے مین اور اس کو لے جائین گے، اس واسطے مضطر ہوکر اور اپنی زندگی سے ناامید ہوکر آپ کی خدمت مین حاضر ہوا ہون، حضرت نے اس کی تسلی کی اور فرمایا کہ تم دہلی مین بحضور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے جاؤ اور کچھ مت کہو بلکہ آدمی واسطے پیشوائی کے تم کو دہلی سے اس طرف ملین گے آخر وہ شخص دہلی کو گیا مقام شاہ درہ مین کئی آدمی بطور پیشوائی کے ملے اور حضور مین مولانا صاحب کے لے گئے، حضرت شفقت سے اس کے حال پر متوجہ ہوئے اور ایک شخص کو فرمایا کہ فلانے ساہوکار کو ہمارا سلام کہو وہ ساہوکار حاضر ہوا، آپ نے اس سے پوچھا کہ تمہارا داماد اور سمدھی کہان ہین؟ اس نے اس نے عرض کیا کہ یہین حاضر ہین، آپ نے فرمایا کہ ان کو لے آؤ، وہ جاکر ان کو لے آیا، حضرت ان تینون کو ہمراہ لے کر کوٹھڑی مین تشریف لے گئے، تھوڑی دیر مین باہر نکلے وہ تینون ہنستے ہوئے چلے گئے اور تھوڑی دیر مین اس لڑکی کو پالکی مین سوار کرکے لے آئے اور عرض کیا کہ حضرت یہ لونڈی آپ کی ہے، جو چاہو سو کرو آپ نے اس کو مسلمان کیا اور نماز پڑھوائی بعد اس کے نکاح ان دونون کا کردیا۔

(۳۷) ایک شخص دہلی مین وارد ہوکر لب دریائے جمن ٹھہرے اور بولتے نہین تھے، حضرت مولانا صاحب تشریف لے گئے اس شخص نے حضرت کی تعظیم دی اور حال اپنا اس طور پر بیان کیا کہ ہم دو شخص تھے آپس مین بہت محبت رکھتے تھے اور بہت ملکون کی سیر کی، ایک دفعہ دوست میرا بیمار ہوگیا، قضا کی، جب ہم ان کو دفن کرنے لگے ایک کٹار پانسو روپیہ کی قیمت کی میری کمر مین تھی وہ نکال کر قبر مین رکھ دیا اور وہین بھول گیا۔ بعدہ جب آدمی چلے آئے تو مجھ کو وہ کٹار یاد آئی اور بڑا افسوس اس کا ہوا، رات کے وقت مین نے جاکر قبر کھودی تو دیکھا کٹار بدستور رکھی ہے لیکن وہ مردہ قبر مین نہین ہے، حیران ہوا ایک کھڑکی نظر آئی اندر گیا، دیکھا کہ ایک باغ ہے اور وہ شخص دوست میرے وہان بیٹھے ہین اور کلام مجید پڑھتے ہین، وہ مجھ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے پھر انہون نے کہا کہ تم باغ کی سیر کرو مین سیر کرنے لگا، پھر بیرون باغ بفاصلہ بعید دیکھا کہ بہت بڑے کڑھاؤ چڑھے ہین اور لوگوں کو پکڑ کر ان میں ڈالتے ہیں ایک شخص نے میرا ہاتھ زور سے پکڑا کہ اب تک اس کی انگلیون کے نشان موجود ہین اور کہا تو نے مجھ سے فلان چیز چار پیسے کو مول لی تھی وہ میری دے مین نے کہا میرے پاس پیسے نہین یہ کٹار پان سو روپیہ کی ہے یہ تو لے لے، اس نے جواب دیا کہ اس کو مین کیا کرون گا، غرض بہت بحث رہی، اس عرصہ مین وہی شخص فوت شدہ تلاش

Marfat.com

کرتے کرتے وہان آن ہونچے انہون نے کہا کہ یہ مرے نہین ہین، زندہ ہین، میری ملاقات کو آ گئے ہین، بڑی مشکل سے انہون نے چھڑایا جب سے مین چار پیسے مانگتا ہون اور وحشت مزاج پر آ گئی ہے، حضرت نے پانی دم کر کے ان کو پلایا اور وحشت ان کی دور ہوگئی، پھر ان کو اپنے ساتھ لے آئے وہ شخص تا مدت عمر خدمت مین حاضر رہے۔

(۳۸) ایک شخص متوطن آذربائیجان جو ملک عرب مین ہے، جناب مولانا صاحب کی خدمت مین آئے اور بیٹا بھی ان کے ساتھ تھا، حضرت نے فرمایا اپنے بیٹے کو اگر چندے میرے پاس چھوڑ دو تو اچھا ہے اس نے قبول کیا اور لڑکے کو چھوڑ کر چلا گیا، یہ لڑکا علم تحصیل کر کے ہوشیار ہوا، ایک روز عرض کیا کہ مین نے کچھ بات نہین دیکھی، حضرت نے فرمایا کہ اچھا تم آٹھ روز تک سورۂ انا فتحنا شریف اس ترکیب سے پڑھو نویں دن جہاں چاہو چلے جاؤ، اس طالب علم نے آٹھ روز پڑھ کر نوین دن جنگل کا راستہ لیا، طرح طرح کے جنگل اور دریا پیش آئے، ایک جنگل مین گیا وہان ایک بھیڑیا اس کی طرف آیا اور آٹھ وار اس پر کیے آخرش اس کو چھری اپنے باپ کی کہ کمر مین موجود تھی یاد آئی، نکال کر بھیڑیئے کے ماری چھری زخم مین رہی، بھیڑیا بھاگ گیا۔ پھر یہ شخص ایک جنگل مین پہنچا کہ زمین اس کی نئی طرح کی تھی، بعدہٗ ایک شہر دیکھا کہ عمارت اس کی عمدہ طرز کی اور بہت تحفہ تھی، شہر مین جا کر دیکھا کہ باشندے وہان کے بہت شکیل اور بزرگ وضع تھے، اس مین ایک بہت بزرگ اس کو ملے اور حال پوچھا اس نے بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ میرے گھر مہمان رہو، آخرش اپنے گھر لے گئے بہت خاطر وتواضع کی اور اچھا کھانا کھلایا صاحب خانہ کی غیبت مین اس نے دیکھا کہ وہ چھری اس کی کہ جو بھیڑیئے کے ماری تھی اور زخم مین رہ گئی تھی، ایک طاق مین دھری ہے، ہر چند اس نے چاہا کہ اٹھا لے لیکن ہاتھ مین نہ آئی، پھر صاحب خانہ تشریف لائے اور کھانا روبرو رکھا اس کی نظر اس چھری پر تھی، صاحب خانہ نے پوچھا کیا ہے؟ اس نے کہا کچھ نہین بعد گفتگو وہ شخص بولے کہ ہم نہ انسان ہین نہ جن نہ فرشتہ، ہماری خلقت اللہ جل شانہٗ نے علیحدہ کی ہے اور یہ شہر ہمارے رہنے کے واسطے ہے اور ہم سے کام اسی طرح کے لیے جاتے ہین اور وہ بھیڑیا مین ہی تھا، جس کے تو نے چھری ماری تھی اور یہ زخم اسی چھری کا ہے اور مین تجھ کو فوراً مار ڈالتا لیکن یہ سبب شاہ عبدالعزیز کا ہے تو کیا چاہتا ہے اس نے کہا مین حضرت کی خدمت مین پہنچ جاؤن تو خوب ہے انہوں نے کہا آنکھ بند کرو، پھر آواز آئی کھول دو، آنکھ کھولی تو دیکھا کہ مسجد جامع شاہ جہان آباد کے پاس کھڑا ہے، فوراً جا کر جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے قدمون پر گرا اور مدت تک رہا اور کمالات باطنی حاصل کیے۔

(۳۹) ایک سال امساک بارش ہو کر آثار قحط نمود ہوئے، تمام زراعت خشک اور گھر برباد ہوئے،

Marfat.com

چارون طرف سے آدمی بہ غرض حصول دفع تدبیر اس بلا کے جناب مولانا صاحب کی خدمت مین حاضر ہوئے اور عرض کیا حضرت دعا کیجیے کہ آپ کی دعا کی برکت سے ہم لوگ اس بلا سے خلاص پاوین یا تدبیر فرمایئے کہ اس کی پیروی مین سرگرم ہون، حضرت نے فرمایا کہ تمہاری جماعت سے چند آدمی منتخب ہو کر پرانے شہر مین جائین اور تلاش کرین ہیجڑون کا ایک گروہ ملے گا، ان مین سے جو شخص پشواز وغیرہ سامان رقص پہنے ہو اس کو علیحدہ لے جا کر فقیر کی طرف سے سلام کہنا اور مدعاء دلی عرض کرنا جو وہ حضرت تدبیر فرما وین اس پر عمل کرنا چنانچہ چند آدمی اسی وقت مولانا صاحب کی خدمت سے اٹھ کر گئے اور مخنثون کے گروہ سے ملاقات کی اور حسب الارشاد جناب مولانا صاحب کے رقاص کو علیحدہ لے جا کر التجا نزول باران رحمت مین مبالغہ کیا تو وہ صاحب یون تو سہل کیا ہاتھ آنے والے تھے لہٰذا حسب عادت اپنے ہم پیشون کے ساتھ تالیان بجا کر فرمایا کہ تم اور تمہارا بھیجنے والا دونوں احمق ہو، مولوی صاحب نے تم سے ہنسی کی ہے ورنہ مجھ سے اور اس قسم کی التجا سے کیا مناسبت اور بھی بہت سی تانین اڑائین لیکن چونکہ بڑے کامل کے بھیجے ہوئے تھے انہون نے ایک نہ سنی وہ اپنا راگ گاتے یہ سب اپنی رام کہانی کہتے ساتھ ہو لیے جب ان بزرگوار نے دیکھا کہ اب بدون انجام حاجت ان لوگون سے عہدہ برآئی محال ہے اور نشان دادہ ایک کامل کے ہین تو فرمایا کہ خیر صاحبو مولانا صاحب کے ارشاد سے مجبور ہون، آج شب کو مین اور میرے ہمراہی اس باغ ہین جو جانب راست درگاہ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہے، جمع ہون گے تم جا کر جناب مولانا صاحب سے میرا سلام عرض کر کے گزارش کرو کہ مین انجام دہی ایسی خدمت کے لائق نہ تھا جو میرے تفویض فرمایا، ہان اب جو میری نسبت اس قسم کا ارشاد ہوا تو البتہ بہ برکت ارشاد حضرت یہ مرتبہ مجھے حاصل ہوا لیکن تاوقتیکہ آپ کے دست مبارک دعا کے لیے نہ اٹھین گے یہ بلا سر سے نہ جاوے گی، پس یہ واپس آئے اور جیسا کچھ کہا تھا عرض کیا، آپ نے فرمایا اگرچہ فقیر مین بوجہ فقدان طاقت رفتار اور باعث ضعف قوی گنجائش طے کرنے کسی قدر مسافت کی بھی نہین رہی، مگر جس طرح ممکن ہو گا بعد نماز عشاء تمہارے ہمراہ چلون گا، جب وہ دن باقی ماندہ گزر گیا اور رات ہوئی تو جناب مولانا صاحب بعد نماز عشاء اوراد معمولی، گروہ کثیر کے ساتھ تشریف فرمائی، جائے موعودہ ہوئے، دیکھا تو وہ صاحب بھی مع اپنے ہمراہیوں کے حاضر و موجود ہین، اس وقت حسب الارشاد جناب مولانا صاحب کے سب لوگ دوزانو باادب ہو بیٹھے اور خود حضرت مراقب ہوئے اس قدر کہ نصف سے رات متجاوز ہوگئی جب آپ نے مراقبہ سے سر اٹھا کر فرمایا کہ لو صاحبو وقت اجابت ہے، جس شخص کی جو آرزو ہو خدا سے مانگے، فقیر کو امید ہے کہ کوئی شخص محروم نہ رہے گا چنانچہ جملہ دست بدعا ہوئے اور علاوہ خواہش باران رحمت کے جو

Marfat.com

جس نے چاہا فوراً ظہور اجابت کا آثار پایا اور جناب مولانا صاحب نے صرف واسطے نزول آب رحمت کے ہاتھ اٹھایا، ان بزرگوار نے بھی مع اپنی جماعت مخنثون کے صدائے آمین بلند کی کہ یک بیک غبار آندھی کا سر پر چھا گیا جب ہوا کی کسی قدر شورش کم ہوگئی، ابر تیرہ کا آثار نظر آیا ترشح ہونے لگی، جناب شاہ صاحب نے ہاتھ دعا سے کھینچا اور فرمایا کہ صاحبو جلد یہان سے شہر کا راستہ لو، ورنہ پھر کثرت بارش سے شہر کا پہونچنا دشوار ہوگا، پس اسی وقت لوگ چل دیئے اور شہر مین آکر پناہ لی اور اس قدر بارش کی شدت ہوئی کہ ندی اور نالے بہ گئے کسی کو ہوس پانی کی باقی نہ رہی، خلقت کی جان مین جان آگئی اور تمام مخلوق خدا کو بابرکت دعائے جناب مولانا صاحب اس بلائے جان ستان سے رہائی حاصل ہوگئی۔

(۴۰) ایک درویش تشریف لائے اور سلام علیک کر کے بیٹھ گئے اور پوچھا کیا بھلا بابا مولوی تم نے کس قدر کتابین دیکھی ہون گی مولوی اسمٰعیل صاحب نے جو اس وقت حاضر تھے کہا کہ اس کلان محل کی جس قدر اینٹین ہون گی آپ نے کہا فی الحقیقت، درویش نے کہا کہ حاصل اس کا پھر حضرت آبدیدہ ہوئے اور وہ درویش بھی، بعد اس کے درویش بزرگ نے فرمایا کہ اللہ تم سے راضی رہے اور تم اللہ سے راضی رہو، بعد اس کے تشریف لے گئے۔

(۴۱) ایک روز مولانا صاحب مدرسہ مین تشریف رکھتے تھے، کئی فقیر ہندو گشائین آئے اور آپ کو سلام کیا حضرت فوراً مع ان فقراء کے دالان اندرونی مدرسہ مین گئے اور پردے ڈلوا دیئے اور باہر دالان کے ایک شخص تعینات کیا کوئی نہ آنے پاوے کچھ دیر تک ان فقراء سے گفتگو رہی، بعد اس کے وہ سب رخصت ہوکر چلے گئے۔

(۴۲) ایک جگہ مجمع فقراء کا تھا اور حضرت مولانا صاحب تشریف لیے جاتے تھے، درویشون نے کہنا شروع کیا کہ ایسون ہی نے منصور کو دار پر کھنچوایا اور شمس تبریز کی کھال اتروائی، اس وقت حضرت کے ہاتھ مین تسبیح تھی ایک نے کہا کہ حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے جو فرمایا ہے ؂

بر زبان تسبیح در دل گاؤ خر اینچنین تسبیح کے دارد اثر

آپ نے فرمایا کہ شاہ صاحب سچ کہا اب یہ ایسی تسبیح ہے اس پر وہ بہت نادم ہوئے اور حذرات کیے۔

(۴۳) بعد نماز جمعہ دو شخص نوجوان نے ایک مسئلہ کہ بہت مشکل تھا مولانا صاحب سے پوچھا آپ نے جواب دیا، کہا کہ آپ نے درست فرمایا، حضرت نے فرمایا کہ تم کو علم ہے انہون نے کہا کہ نہین پھر آپ نے فرمایا کہ تم نے کیونکر جانا کہ درست ہے؟ انہون نے بیان کیا کہ ہم نے یہ مسئلہ جناب حضرت علی

Marfat.com

مرتضی امام المتقین کرم اللہ وجہہ سے پوچھا، آپ نے اسی طور سے فرمایا تھا حضرت نے پوچھا جب تمہاری عمر کتنی تھی؟ انہون نے کہا پانسو برس کی تھی، پھر وہ غائب ہوگئے، وہ دونون جن تھے۔

(۴۴) حضرت کے ہان ایک طالب علم تھا، اس پر ایک پری عاشق تھی، ایک روز اس نے طالب علم سے کہا کہ تیرا اور میرا راز افشا ہوگیا، اس پر ایک جن جو بڑا عامل ہے تجویز ہوا ہے، کس واسطے کہ یہ مکان شاہ عبدالعزیز کا ہے اور وہ آ کر تم کو مار ڈالے گا، اس طالب علم نے مولوی رفیع الدین صاحب سے (جو مولانا صاحب کے بھائی تھے) عرض کیا، انہون نے فرمایا کہ تم کلام مجید کھول کر تلاوت کرو، وہ گیا اور حجرہ مین چراغ جلا کر بیٹھا، اس مین ایک جھوکا ہوا کا آیا اور چراغ گل ہوگیا اور اس نے غل مچانا شروع کیا کہ کوئی میرا گلا گھونٹتا ہے اور طالب علم دوڑے اور چراغ سے دیکھا تو کلام مجید ایک طاق میں رکھا ہے اور طالب علم پڑا ہے، بعد تھوڑی دیر کے وہ پری آئی اور بیان کیا کہ آج تو چھوڑ کر چلا گیا لیکن کل ضرور مار ڈالے گا، دوسرے روز وہ پھر اسی طرح بیٹھا اور ایک دفعہ اس سے زیادہ تیز ہوا چلی اس کے بعد ٹھہر گئی، پھر اس پری نے بیان کیا فی الحقیقت تیرے مار ڈالنے کو آیا تھا لیکن دو جن بادشاہ کی طرف سے تعینات ہین بروز جمعہ و منگل جناب مولانا صاحب کا وعظ سن کر رات کو بادشاہ کے سامنے بیان کیا کرتے ہین، آج وہ بادشاہ کے سامنے گئے عرض کیا کہ فلان جن جو بڑا عامل ہے شاہ عبدالعزیز صاحب کے مقابلہ کو گیا ہے، بادشاہ نے سن کر دو جن کو حکم دیا کہ اس کو پکڑ لاؤ چنانچہ بموجب حکم بادشاہ وہ گرفتار ہو کر قید ہوگیا۔

(۴۵) ایک شخص نے جناب مولانا صاحب کی خدمت مین عرض کیا کہ فیما بین میرے اور میری زوجہ کے کمال محبت تھی، بوقت شب اس کو حاجت پیشاب کی ہوئی اس نے مجھے کہا کہ ذرا تم میرے ساتھ چلو تو مین پیشاب کرلون، مین اس کے ساتھ گیا اور وہ پائخانہ گئی مین دروازہ پر رہا تھوڑی دیر کے بعد مین نے کہا ارے جلد اس کو لے جا، پھر دیر ہوئی تو مین نے اندر پائخانہ کے جا کر دیکھا تو کچھ اس کا پتہ نہ ملا، لاچار ہو کر تڑپنے لگا، آخرش نہایت مضطرب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہون، طاقت ایک دم کے صبر کی نہین، جناب مولانا صاحب نے فرمایا رات ہونے دو جب رات ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ فلان محلّہ مین مجلس سرور کی ہے، تم جا کر وہاں بیٹھ رہو، جب مجلس برخاست ہوگی تو سب خلقت چلے گی، بعد اس کے طوائف آوین گی اور سب سے پیچھے ایک شخص بہت ضعیف طوائفون کا اسباب لیے ہوئے آوین گے۔ یہ رقعہ جو مین تم کو دیتا ہون ان کو دینا اس نے ایسا ہی کیا، بعد آدھی رات کے وہ بزرگ تشریف لائے اور رقعہ اس نے دیا، وہ بہت خفا ہوئے، بعد اس کے وہ رقعہ اپنے سر پر رکھا اور دو خرف ریزہ منگا کر ان پر کچھ لکیریں کھینچیں اور فرمایا کہ یہ دونون ٹھیکریان یہان ڈال دو تم کو طرح طرح کی شکلون کی خلقت نظر آوے

Marfat.com

گی، تم کچھ خوف مت کجیو آخر ایک شخص تخت نشین آوے گا یہ ٹھیکری اس کو دور سے دکھانا، اس نے ایسا ہی کیا، اس تخت نشین نے ایک شخص کو بھیج کر اس کو بلا لیا اور حال پوچھا اور بہت خوش ہوا کہ تیرے سبب سے یہ حکم حضرت کا میرے نام آیا، بعدہٗ اس کے بادشاہ نے حکم دیا کہ دیکھو کوئی شخص غیر حاضر ہے؟ ملازمان حضوری و بحری و بری سے صرف ایک شخص غیر حاضر تھا، بموجب حکم وہ بلایا گیا، اس نے عرض کی کہ فی الحقیقت مین اڑا چلا جاتا تھا، اس شخص نے میرا نام لے کر کہا اس کو لے جا، جب مین اس عورت کو لے گیا مگر وہ میری مان کی برابر ہے، مین نے سوائے اس کی خدمت کے اور کچھ نہین کیا اور چھجو مذکور سقہ تھا اس شخص مدعی نے اس کے کلام کی تصدیق کی، پھر بادشاہ نے اس عورت کو اس کے شوہر کے حوالہ کیا اور بہت سامال اس کو دیا اور چھجو کا قصور معاف کیا۔

(۴۶) نواب سعادت یار خان صاحب رؤساء دہلی سے جو حُسن خداداد مین مشہور تھے، اپنے مکان شب خوابی مین سوتے تھے کہ یکا یک کواڑ کمرے کے جو بند کر دیئے تھے از خود کھل گئے اور ایک عورت کہ جس کے چہرہ پر نظر کی خیرگی ہوتی تھی باز یور ولباس عمدہ نہایت چستی و چالاکی سے نواب صاحب کے پاس آبیٹھی اور بیان کیا مین سلطان محبوب شاہ کی دختر ہون جو بادشاہ جنات مغربی واقع دامن کوہ قاف کا ہے، عرصہ سے تمہاری دلدادہ ہون، ہر چند کوشش کی اور چاہا کہ تمہارے پاس آؤن مگر کوئی موقع ایسا دلخواہ جو آج حاصل ہے ہاتھ نہ آیا، اب تمنا میری یہی ہے کہ مدعا دلی حاصل کرون جیسا جیسا کہ اپنی امید پر غم کھایا ہے خوشی کے ساتھ بدلا کرون، ہر چند کہ نواب صاحب کو انواع انواع اندیشے پیش نظر رہے لیکن موقع پر منہیات سے بچنا اور بدلیری تمام لاحول پڑھ کر وسوسہ شیطانی کو دفع کرنا بجز امداد حق کب ممکن ہے؟ بلا تامل مشغول عشرت ہوئے چند ساعت یہ راز و نیاز باہم رہ کر پری زاد رخصت ہوئی اس روز سے یہ معمول ہوگیا کہ ایک وقت معینہ پر شب کو وہ عورت آتی اور بعد کامیابی چلی جاتی، جب اسی روش پر قریب ایک سال کے گزر گیا تو ایک شب خلاف وقت وہی عورت باحال پریشان آئی اور بیان کیا کہ اے عزیز جلد اٹھ اور اپنی حفظ جان کی تدبیر کر کیونکہ میرا باپ اس بھید سے واقف ہوگیا اور غضبناک ہو کر دیو زاد تیری ہلاکت کے لیے معین کیے ہین، غالباً آج صبح تک تجھ کو زندہ نہ چھوڑیں گے، میری یہ آخری ملاقات سمجھو، مین اب یہاں سے جاؤن گی فوراً زنجیر گرانبار پہنا کر قید کی جاؤن گی مگر یاد رکھنا کہ مین بھی ایک دن اسی قید مین تیرے غم جدائی مین جان سے جاؤن گی، یہ کہہ کر وہ رخصت ہوئی، ادھر نواب صاحب نہایت گھبرائے ہوئے مثل ہے کہ ملان کی دوڑ مسیت تک، ننگے پاؤن اور ننگے سر نہایت اضطراب کے ساتھ جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے آستانہ کا راستہ لیا، جب وہان پہنچے ہر چند خادمون

Marfat.com

نے اندر جانے سے منع کیا لیکن یہ ایسے بیہوش تھے کہ نہ اپنی کہی نہ اور کی سنی، بے اختیار جس مکان مین شاہ صاحب مراقب تھے جا قدمون پر گر پڑے، جناب مولانا صاحب بھی مراقبہ سے ہوشیار ہو گئے اور فرمایا کہ نواب صاحب اس وقت ایسے مضطرب الحال ہو کر تمہارا آنا کسی افتاد سخت سے خالی نہین، فرمایئے خیر تو ہے جب انہون نے تمامی حال پر ملال اپنا از ابتدا تا انتہا مفصلا بحضور جناب شاہ صاحب عرض کیا، حکم ہوا کہ اگر چہ کردار تمہارا ایسی سزا کے لائق ہے جیسا کہ تم نے کار بد کیا، اس کا نتیجہ بھی پانا ضرور تھا مگر فقیر کسی ملتس کی التجا کو رد کرنا پسند نہین کرتا کہ عادت جبلی اور ہدایت جدامجد اسی طرح پر ہے، خیر تدبیر اس کی معقول کی جاوے گی آج کی شب تم یہان مکان فقیر پر سوار ہو بلکہ فلان حجرہ مین استراحت فرماؤ تھوڑی دیر مین فقیر اس عورت کے باپ کو بلا کر جان بخشی کراوے گا، اطمینان رکھو، پس نواب صاحب وہان سے بدلجمعی تمام اٹھے اور ایک حجرہ مین جو نزدیک عبادت گاہ جناب شاہ صاحب کے تھا گئے اور نصف پلنگ زیر آسمان و نصف زیر سقف مکان بچھا کر آرام کیا، قریب تھا کہ غافل ہو کر سو جاوین کہ یکا یک ایک بھاری پتھر نہایت زور شور سے نواب صاحب کی پائنتون پر آ کر ایسی سختی سے گرا کہ گویا اس کے صدمہ سے پس کر خاک برابر ہو گیا، ادھر اس کا واقع ہونا ان حضرت کی نیند ہوا ہو گئی، چیخ مار کر اور بدحواس ہو کر جناب شاہ صاحب کے اوپر آ گرے اور بیہوش ہو گئے جناب مولانا صاحب نے کچھ پڑھ کر دم کیا فوراً ہوش آ گیا، دیکھا کہ علاوہ جناب شاہ صاحب کے پانچ شخص سردار صورت نہایت قوی ہیکل باادب حضور مین ایستادہ ہین اور حضرت فرماتے ہین کہ یہی شخص تمہارا گنہگار رہے اور مجھے بطور سفارش آپ صاحبون کی خدمت مین پیش کر کے چاہتا ہے کہ آپ اس کی خطا سے درگزر فرما کر جان بخشی کر دیجیے کہ اب تو یہ میرے پاس آ پڑا اگر آپ میرا کہنا قبول نہ کرین گے تو جیسی ذلت اس کے ہاتھ سے آپ کو ہوئی ویسی ہی فقیر اپنی ذلت آپ کے ہاتھ سے تصور کرے گا، پس وہ لوگ اس کلام سے نہایت منفعل ہوئے اور جناب شاہ صاحب کے قدمون پر گر کر بوسے دیئے اور نواب کی خطا سے درگزر رے اور اس وقت پانچون شخص جناب شاہ صاحب سے دست بوس ہو کر وہین غائب ہو گئے۔

(۴۷) ایک شخص نے اپنے فرزند لبند کی نسبت کسی شریف کے ہان دہلی مین قرار دی، جب لڑکی کے باپ نے سامان شادی حسب دلخواہ جمع کر لیا ماہ و تاریخ مقرر کر کے برات بلائی ادھر سے نوشاہ کا باپ بھی اپنی حیثیت کے موافق بھائی بند دوست آشنا گاڑی گھوڑے بافراط ہمراہ لے کر حاضر ہوا میزبان نے مہمانوں کی دل کھول کر دعوت کی اور حسب دستور بعد نکاح جہیز دے کر دختر کو رخصت کیا، برات نے جو رخصت پائی تو ایک منزل قطع کر کے کسی مقام پر بغرض ناشتہ خوری قیام کیا، جو مرد تھے وہ رفع حاجات

Marfat.com

انسانی کے واسطے گئے اور مستورات ہمراہی کے واسطے ایک قنات ایستادہ کردی تاکہ احتیاج بول و براز سے تکلیف نہ اٹھائین سب عورتون نے آپس مین یہ صلاح کی کہ پہلے دولہن کا تمامی ضروریات سے فارغ ہو لینا بہت ضرور ہے، شاید اس کو حاجت ہو اور بباعث لحاظ کے جو اس وقت دولہن کو ہوتا ہے نہ کہہ سکے، سب نے پسند کیا اور دولہن کو پس قناعت جا بٹھایا جب دیر ہوئی تو ہمجولیون نے جا کر دیکھا تو دولہن کا نشان نہیں، حیرت زدون نے باہر آ کر بیان کیا، خدا کی قدرت ہے کہ یا تو وہ سامان خوشی کا تھا، یکا یک سامان غم ہو گیا، عورتون نے بہت گریہ وزاری کی، آخرش کوئی ساکت کوئی ششدر کوئی کسی کی طرف دیکھ چپ رہ گیا، پھر تلاش کی فکر ہوئی، سوارون نے چارون طرف گھوڑے دوڑائے راہ براہ ہر کسی سے پوچھا پتا لگا یا مگر وہ ایسی کب ڈوبی تھی جو سہل تر آتی، سب مجبور ہو کر کوئی دس کوئی بیس کوس سے واپس آئے اور کمال یاس سے آہ بھر کر چپ ہو بیٹھے، تمام برات کو اس پریشانی مین چار شبانہ روز بے آب ودانہ گزر گئے، نہ یہ ہمت و جرأت جو بے دولہن وطن کو چلے آئین، نہ یہ مقتضائے حمیت کہ دہلی کو جو نزدیک تھی لوٹ جائین، اس اثناء مین ایک شخص کا وہان گزر ہوا، گویا ان مصیبت زدون کو خضر مل گیا آگ کے تجسس سے جو اس قنات کے نزدیک گیا، حال دریافت کیا، براتیون نے تمام سرگزشت اور اپنی پریشانی رو رو کر سنائی، اس وقت مسافر نو وارد نے کہا کہ واقعی درد تمہارا لا دوا ہے مگر پھر بھی تدبیر شرط ہے، سب نے بالاتفاق پوچھا کہ فرمایئے کیا کرین؟ ہم سے تو کچھ بن نہین آتا جو تدبیر آپ ارشاد کرین اس کے انجام دینے مین ہم سب بجان و دل حاضر ہین، اس نے کہا اے صاحبو مین دہلی جاتا ہون، چند سوار تیز رفتار اور ایسے کہ جن کی صورت ظاہری سیرت باطنی سے مناسبت رکھتی ہو میرے ہمراہ کر دو تو مین دہلی مین ان کو جناب مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس لے جاؤن اور تمامی حال گوش گزار خدام والا کر کے اس درد کی دوا کا طالب ہون، میرے نزدیک ان حضرات سے بہتر ایسے دردون کا کوئی دوسرا طبیب نہین، پس سب کے دلون نے یہ امر تسلیم کیا اور ہاری ہمت قوی ہو گئی، چند آدمی جو اس برات مین ثقہ تھے تیز رفتار گھوڑون پر سوار ہو کر اس ہادی کے ساتھ ہو لیے اور آستانہ جناب مولانا صاحب پر جا کر بعد حصول قدم بوسی سب سرگزشت اپنی من وعن عرض کی، آپ نے فرمایا کہ روز وقوع اس واقعہ کے فقیر کو اس حال کی خبر ہو گئی تھی اور فقیر تمہارا منتظر بھی تھا، خیر اطمینان رکھو خانقاہ مین فروکش ہو، جب یہ لوگ کھانے پینے سے فارغ ہوئے، اور ماندگی راہ رفع ہوئی تو پھر حاضر حضور ہو کر امیدوار تو بہ ہوئے آپ نے فرمایا کہ تم اس وقت دو روٹیان آرد ماش کی تیل سے چپڑ کر چاندنی چوک مین لے جاؤ، وہان ایک خارشتی کتا تم کو ملے گا، تم ایک روٹی اس کے روبرو رکھ دینا گو وہ تمہارے اوپر کیسا ہی حملہ کرے اور ڈراوے لیکن خوف نہ کرنا اور جگہ سے

Marfat.com

نہ ہلنا جب وہ کتا روٹی کھالے تو تم دوسری روٹی بھی اس کے روبرو رکھ دینا اور گھوڑے تیار رکھنا جب وہ کتا روٹی کھا کر کسی طرف قصد کرے تو تم گھوڑون پر سوار ہو کر جہان تک وہ جائے اس کے ساتھ جانا، پیچھے نہ رہ جانا، ورنہ سہل کام مشکل ہو جاوے گا چونکہ یہ آدمی فہمیدہ تھے وہان سے ہر ایک بات خوب ذہن نشین کر کے چاندنی چوک مین آ کر حسب فرمودہ جناب شاہ صاحب کتا پایا کہ وہ قبل روٹی دینے کے بہت کچھ ان پر چیخا چلایا، حملہ آور ہوا، لیکن یہ کیا ٹلنے والے تھے، اڑے رہے اور اپنا کام کیے گئے، یہان تک کہ وہ دونون روٹیان کھلا، رقعہ اس کے گلے مین باندھ گھوڑون پر سوار ہو کر قریب بیس کوس اس کے تعاقب مین چلے گئے اور بعد طے اس قدر مسافت کے اس کتے نے ایک مقام پر ٹھہر کر پنجون سے زمین کھودی اور تھوڑے عمق پر ایک دروازہ وسیع نظر آیا تو یہ سب باہر کھڑے رہے اور وہ کتا اندر دروازہ کے چلا گیا، تھوڑے عرصہ مین چند آدمی سن رسیدہ بہ وضع ولباس انسانون کے اسی دروازہ سے معہ دولہن کے باہر آئے اور مطلوب ان کا حوالہ کیا اور کہا کہ جناب مولانا صاحب سے ہمارا سلام کہہ کر گزارش کرنا کہ ہمارے عملہ مین ایک شخص پاجی نے ایسی حرکت کی کہ پاداش ایسے کردار بیہودہ کا نہایت سختی سے کر دیا گیا چونکہ یہ خطا ہم سے بذاتہ سرزد نہین ہوئی اور گنہگار اپنی سزائے کردار باحسن الوجہ پا چکا لہٰذا امیدوار ہین کہ یہ خطا ہماری معاف فرمائی جاوے پس اس قدر کلام کر کے وہ صاحب جو اس دروازہ سے تشریف لائے تھے اسی راہ سے واپس چلے گئے، بعد تھوڑے عرصہ کے وہی کتا اسی حیثیت سے باہر آیا اور جس طرح پر کہ زمین کو شگاف دیا تھا بند کر کے جانب دہلی رخ کیا اور یہ سوار بھی اس کے جلو مین چلے، وہ آگے آگے یہ لوگ معہ عروس پیچھے پیچھے، دہلی آ پہنچے اور خدمت بابرکت جناب شاہ صاحب مین حاضر ہو کر بعد ادائے شکریہ اور حصول اجازت کے برات سے جو اس جنگل مین تباہ پڑی تھی آ ملے اور سب حال از ابتدا تا انتہا بیان کیا سب کو حیرت ہوئی اور جناب شاہ صاحب کے معتقد ہو کر وقتاً فوقتاً مرید ہوئے۔

(۴۸) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا صاحب مدرسہ مین تشریف رکھتے تھے اور چند طالب علم بھی حاضر تھے، ازانجملہ ایک طالب علم بہت حسین تھا یکا یک خوف زدہ ہوا، حضرت نے فرمایا کیا ہے؟ عرض کیا کہ ایک عورت سامنے کھڑی ہے اور مجھ کو ہاتھ سے بلاتی ہے، آپ نے فرمایا کہ تم خوف مت کرو اس کے پاس جا کر دریافت کرو کیا کہتی ہے؟ طالب علم گیا عورت نے کہا کہ مین تم پر روز پیدائش سے عاشق ہون اور فی زمانہ ایک جن بھی مجھ پر ایسا ہی عاشق ہے جیسے کہ مین تم پر اس جن کو یہ حال معلوم ہو گیا ہے کہ مین تم پر عاشق ہون اس کا ارادہ ہے کہ آج بعد مغرب یہان آ کر تم کو زندہ نہ چھوڑے طالب علم یہ بات سن کر حضور مین واپس آیا اور جو سنا تھا گزارش کیا، حضرت نے فرمایا کہ اچھا اس عورت سے کہہ دو کہ

Marfat.com

اب جاؤ اور جب چاہے آیا کرو، وہ عورت چلی گئی اور بعد مغرب طالب علم بیچارہ کا کسی نے گلا گھونٹا، حضرت نے اٹھ کرایک طمانچہ اس کے مارا وہ اچھا ہو گیا وہ عورت ہنستی ہوئی آئی اور کہا اس طمانچہ سے اس جن کے زخم ہو گیا شاید جانبر نہ ہو، بعدہ چلی گئی، پندرہ بیس روز کے بعد پھر وہ جن آیا اور طالب علم کا گلا گھونٹا، حضرت مولانا صاحب نے اٹھ کر دو طمانچہ منہ اور گردن پر اس کے مارے، پھر وہ عورت آئی اور خوش ہو کر بیان کیا کہ طمانچہ کے صدمہ سے اس جن کا سر کٹ گیا، طالب علم نے یہ حال حضرت کے روبرو بیان کیا، آپ نے اس کی کف دست پر انگشت اشرف سے کئی خط کھینچے اور مٹھی بند کرا دی اور فرمایا اس عورت کے سامنے جا کر کھول دو، اس نے ایسا ہی کیا، عورت نے کہا مین نے تم کو کچھ تکلیف نہین دی تھی لیکن تمہاری یہی خوشی ہے تو مین جاتی ہون، تم مٹھی بند کرلو اس نے مٹھی بند کرلی وہ چلی گئی۔

(۴۹) حضرت مولانا صاحب کی ایک لونڈی حالت نزع مین آیہ شریفہ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ پڑھنے لگی، حاضرین کو تعجب ہوا اور اس کنیزک سے اس آیۃ کے پڑھنے کا باعث پوچھا اس نے ہاتھ اٹھا کر بتایا کہ مجھ کو یہ دو آدمی پڑھاتے ہین، مولانا صاحب کو اس حال کی اطلاع دی گئی، آپ نے فرمایا اس سے کہو ان پڑھانے والون سے جو واقع مین فرشتے ہین دریافت کرے کہ کس عمل کے باعث خداوند تعالیٰ نے اس کو بہشت عطا فرمائی؟ چنانچہ بعد استغفار لونڈی نے جواب دیا یہ کہتے ہین کہ ایک مرتبہ بازار سے روغن زرد خرید کر آیا تھا تو نے اس کو آگ پر گرم کیا اس مین سے ایک روپیہ برآمد ہوا، وہ روپیہ تو نے مالک روغن زرخرید کو واپس دیا اور خود تصرف نہین کیا، یہ دیانت اور امانت تیری خداوند تعالیٰ کو پسند آئی اور اس کے عوض مین بہشت عطا فرمائی۔

(۵۰) مسٹر ولیم فریزر صاحب بورڈ دہلی نے کہا کہ مین بحکم سرکار، ولایت کابل جاتا ہون، حضرت مولانا صاحب نے حال راستہ کا مفصل بیان فرمانا شروع کیا، فریزر صاحب نے سب حال انگریزی مین لکھ لیا، کسی مقام پر بفاصلہ بعید، حضرت مولانا صاحب نے چند درخت اور ایک چاہ فرمایا تھا، فریزر صاحب جو وہان پہنچے چاہ نہ تھا، لوگون سے پوچھا انہون نے ناواقفیت بیان کی، ہنگام واپسی صاحب موصوف اس جگہ قیام پذیر ہوئے اور موضع کے قریب کے باشندون سے بلا کر دریافت کیا، انہون نے چاہ بتلایا اور کہا زمین مین دب گیا ہے، صاحب نے اس مقام کو کھدوا کر دیکھا تو واقعی چاہ تھا، جب صاحب دہلی آئے اور جناب مولانا صاحب کے پاس حاضر ہوئے تو صاحب نے عرض کیا جو راستہ مین آپ نے مقام ونشان بتلائے تھے سب پائے لیکن چاہ نہین ملا حضرت نے فرمایا چاہ وہان ضرور ہے، مٹی مین دب گیا ہوگا، پھر صاحب نے مفصل حال بیان کیا۔

Marfat.com

(۵۱) ایک روز حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ عمر شباب مین مجھ کو ساٹھ ستر ہزار شعر عربی و فارسی و ہندی یاد تھے، اب بھی دس گیارہ ہزار یاد ہون گے، پھر آپ نے ایک رباعی جو جناب سرور کائنات کی شان مین تصنیف فرمائی تھی پڑھی، رباعی۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر من و جہک المنیر لقد نور القمر
لایمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(۵۲) روایت ہے کہ ایک انگریز مقابلہ کے لیے آپ کے پاس آیا، عربی و فارسی مین دستگاہ کامل رکھتا تھا، حضرت مولانا صاحب مسجد جامع دہلی مین وعظ فرمارہے تھے کہ اس نے آتے ہی عرض کیا کہ حضرت میرے سوال کا جواب دیجیے، آپ نے فرمایا کہو؟ اس نے ایک شعر پڑھا:

کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اعلیٰ است
کہ این بزیر زمین دفن و آن باوج سماست

اور کہا اس شعر سے بلندی رتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوتی ہے کہ وہ آسمان پر ہین اور آپ کے نبی زیر خاک۔

حضرت مولانا صاحب نے اسی وقت شعر اس کے جواب مین پڑھا۔

بگفتمش کہ نہ این حُجت قوی باشد
حباب بر سر آب و گہر تہ دریاست

فرمایا یون سمجھنا چاہیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام عالم بالا مین بمنزلہ حباب ہین اور ہمارے پیشوا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مثل گوہر نایاب جو دریا کی تہ مین رہتا ہے، کہتے ہین کہ وہ انگریز یہ تقریر سن کر پھڑک گیا، چونکہ مشیت ایزدی مین اس کے لیے فلاح تھی، اسی وقت مسلمان ہوگیا۔

(۵۳) روایت ہے کہ رمضان شریف مین حضرت شاہ غلام علی شاہ صاحب قادری نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت کی خدمت مین عرض کیا کہ حضرت شب قدر کب ہے، آپ نے فرمایا بائیسوین شب ایک شخص نے آپ کے شاگردون مین سے عرض کیا بائیسوین کی تو کہین خبر نہین، فرمایا ایک روایت یہ بھی تو ہے کہ شب قدر تمام سال مین دائر ہے، الحاصل شاہ صاحب موصوف نے شب قدر اسی شب پائی اور دوسرے دن حضرت کا شکریہ ادا کرنے آئے۔

(۵۴) روایت ہے کہ شیعون کے ایک بہت بڑے عالم نے حضرت کی خدمت مین عرض کیا کہ بی بی عائشہ تو جنتی نہین، ان کے جنتی ہونے پر آپ کے پاس کیا دلیل ہے؟ فرمایا تم نے مذہب کی فلان کتاب

Marfat.com

دیکھی ہے؟ اس نے عرض کیا جی ہان وہ تو بڑی معتبر کتاب ہے، فرمایا اس کتاب مین لکھا ہے کہ عکاشہ رضی اللہ عنہ نے ایک بار کسی حیلہ سے حضرت کی مہر نبوت کا بوسہ لے لیا تھا، سو وہ جنتی ہوا۔ اس عالم نے کہا ہان اس مین کیا شک ہے، تو حضرت نے فرمایا جب یہ بات ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے جنتی ہونے میں کیا شبہ ہے جو برسون رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلوے مبارک مین رہین، اس عالم نے سنتے ہی اپنے مذہب اور اعتقاد سے توبہ کی اور سنی ہوگیا۔

(۵۵) ایک شہدہ نے حضرت کی خدمت مین حاضر ہوکر کہا کہ جناب آپ ہر ایک شخص کے سوال کا جواب دیتے ہیں میرے سوال کا جواب بھی عنایت ہو، آپ نے فرمایا کہو کیا ہے، اس نے کہا ہم لوگ گولیان جاڑے مین کھیلتے ہین اور اس موسم کے سوا دوسرے موسم مین ہمین خواہش نہین ہوتی، اس کا کیا سبب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کے دو سبب ہین، ایک تو تمہین اور ہمین سب کو معلوم ہے وہ یہ کہ گولیان مثل اور بازیون کے نہین جیسے گنجفہ و شطرنج وغیرہ کہ مکان مین بیٹھے کھیلے جائین، اس کے لیے تو میدان کی ضرورت ہے اور میدان میں دھوپ اور بارش کے موسم مین کھیلنا دشوار ہے، دوسرے ایک اور سبب ہے کہ وہ تمہین معلوم نہین ہمین معلوم ہے، اس نے عرض کیا ارشاد ہو، فرمایا گولی کھیلنے سے مقصود نشان کا اڑانا ہے جو نشست کے جمنے پر موقوف ہے اور نشست کا جمنا انجماد خون سے تعلق رکھتا ہے اور خون کا انجماد جاڑون مین ہوتا ہے، یہ تقریر سن کر اور حاضرین مجلس بہت محفوظ ہوئے۔

(۵۶) روایت ہے کہ ایک انگریز نے حضرت سے سوال کیا کہ ہماری قوم کے سو پچاس آدمی جب کسی جگہ جمع ہوتے ہین تو سب کے سب ایک ہی رنگ و روپ کے نظر آتے ہین بخلاف آپ لوگون کے کہ ہر ایک نئی طرح کا کوئی کالا کوئی گورا، کوئی سانولا، اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت نے فرمایا ایک طرح پر ہونا کچھ فخر و مباہات کی بات نہین کیونکہ سو گدھون کو ایک جگہ جمع کیجیے تو سب ایک ہی رنگ کے جمع ہونگے، بخلاف گھوڑون کے کہ کوئی کمیت، کوئی سرنگ، کوئی سبزہ، کوئی نقرہ، کوئی سمند ہوتا ہے اور ان کے اوصاف بھی ویسے ہی ہوتے ہین طاقت و جوانمردی، دلیری، ملک گیری یہ کمال گدھون مین کہان ہے، وہ انگریز دم بخود ہوگیا اور شرمندہ ہوکر چلا گیا۔

(۵۷) ایک انگریز نے شاہ صاحب سے سوال کیا یہ جو آپ لوگ کہتے ہین کوہ کوئی چیز ایسی نہین جو ہمارے قرآن مین نہ ہو، یہ بات سچ ہے؟ حضرت نے فرمایا ہان سچ ہے، اس انگریز نے کہا بھلا کیمیا کا نسخہ کہان ہے؟ آپ نے فرمایا تانبا لاؤ چنانچہ ایک ٹکڑا تانبے کا کسی نے لا دیا، اس پر آپ نے ایک آیۃ پڑھ کر دم کر دیا، وہ سونا ہوگیا، تب اس انگریز نے کہا اچھا کوئی دوسرا شخص یہ پڑھ کر سونا بناوے تو حضرت نے

Marfat.com

فرمایا قرآن شریف کی تاثیر مین کچھ فرق نہین ، زبانون کا فرق ہے ۔

(۵۸) ایک شیعون کا فاضل رندانہ لباس سے دہلی مین آیا، شیعون نے اس کی بہت سی آؤ بھگت کی اور بیس ہزار کی امداد بھی دی کہ کسی طرح مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کو بند کرو، انہون نے تحفہ اثناء عشریہ لکھ کر ہمارا ناک مین دم کر دیا ہے، اس نے کہا مین بھی اسی ارادہ سے آیا ہون چنانچہ وہ ایک روز حاضر ہوا حضرت کا اخیر زمانہ تھا، عرض کیا میرا کچھ سوال ہے، آپ جواب دیجیے، فرمایا کہو کیا مطلب ہے، اس نے کہا مجھے تردد یہ ہے کہ مذہب شیعون کا حق ہے یا سنیون کا؟ جس سے پوچھتا ہون وہ اپنے ہی دلائل بیان کرتا ہے مگر میری سمجھ مین نہین آتا، آپ اس طور سے ارشاد فرمایئے کہ مین سمجھ جاؤن، آپ نے فرمایا یہ تو بہت آسان بات ہے ۔ مین سمجھا تھا کوئی مشکل بات پوچھتے ہو گے، اس نے کہا حضرت یہ بڑی مشکل بات ہے کہ ہر شخص دلائل علمی بیان کرتا ہے اور مین بے علم آدمی سمجھ نہیں سکتا، کوئی بات ہو کہ بلا تردد سمجھ مین آئے ، آپ نے فرمایا ان شاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہو گا لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ کس قدر استعداد رکھتے ہو؟ عرض کیا جو بات چیت آپ کرتے ہین مین بخوبی سمجھ سکتا ہون ، مگر اس کے خیال مین یہ بات تھی کہ کوئی بات آپ سے سن کر اس مین علمی ضوابط سے گرفت کرون ، شاہ صاحب نے کہا تم بڑے شوقین ہو کون سے شہر کے رہنے والے ہو؟ اس نے کسی جگہ کا نام لیا، فرمایا یہ تو کہو جس محلّہ مین تم رہتے ہو وہان کے لوگ تو تمہین خوب جانتے ہون گے یا دوسرے محلّہ کے؟ اس نے کہا یہ تو ظاہر ہے کہ اپنے محلّہ کے لوگ دوسرے محلّہ والون کی بہ نسبت زیادہ شناسا ہوتے ہین اور ہم محلّہ ہونے کے بہت سے اسباب ہین، پھر فرمایا اس بستی والے تمہین زیادہ جانتے ہین یا دوسری بستی والے؟ اس نے کہا اپنی ہی بستی والے، پھر فرمایا اس ملک والے بہت واقف ہین یا دوسرے ملک والے؟ اس نے کہا اسی ملک والے، بہر حال زیادہ واقف ہین، اس وقت آپ نے فرمایا کہ جب ایسی بات ہے تو سمجھنا چاہیے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ معظّمہ مین ہوئی اور آپ نے وہان سے مدینہ منورہ کو ہجرۃ کی اور کسی ملک مین اکثر سفر کا اتفاق نہ ہوا، اب مکہ اور مدینہ مین جا کر دریافت کرو کہ حضرت کا رویہ سنیون کے مطابق تھا یا شیعون کے؟ وہ سن کر چپ ہو رہا، پھر فرمایا وہ کیا خصوصیت ہے کہ جس نے ان مین اور امتیون مین فرق ہو؟ عرض کی معجزات، تو شاہ صاحب نے کہا جو خرق عادات نبی سے ہو تو اسے معجزہ کہتے ہین اور جو اس کے پیرو اور محب صادق سے ہو تو اسے کرامت بولتے ہین، تم تو ملکون ملکون پھرتے یہان تک آئے ہو، ظہور کرامت حضرت سید عبدالقادر جیلانی اور سلطان نظام الاولیاء وغیرہ سنیون سے سنا ہے یا نصیر الدین طوسی اور باقر داماد وغیرہ شیعون سے؟ یہ بھی سن کر خاموش ہو رہا، پھر فرمایا کہ خیر یہ تو کہو تم جو یہان تک آئے ہو تو اپنے

Marfat.com

اہل وعیال واسباب وغیرہ کوکس کے سپرد کر کے آئے ہو؟ کہا میرا چچیرا بھائی ہے اور قرابت والے بھی ہین، فرمایا انہین معتبر سمجھا ہے یا خائن کہا؟ اگر خائن جانتا تو سپرد ہی کیون کرتا؟ اس وقت آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کوتمام چیزون سے قرآن شریف بہت عزیز تھا چنانچہ رحلت کے وقت فرمایا کہ مین تم مین آل اور کلام الٰہی چھوڑتا ہون، اب کہو قرآن شریف سنیون کے سینے مین ہے یا شیعون کے؟ یہ بھی سن کر سکوت کیا، پھر فرمایا کسی شخص کوکسی سے محبت ہوتی ہے تو وہ بھرکیف اس کی متابعت کرتا ہے۔ خواہ ظاہری امور مین ہو یا باطنی مین، اب سچ کہو کہ مجھ فقیر حقیر کی صورت اور وضع حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روش پر معلوم ہوتی ہے یا تمہاری؟ حاصل کلام حضرت نے ایسے بہت سے نظائر بیان فرمائے کہ اس سے سوائے سکوت کے اور کچھ بن نہ پڑا، واللہ اعلم۔

(۵۹) ایک مولوی ببر صاحب متوطن دہلی، دوسرے مولوی دھومن صاحب متوطن رامپور منیاران ضلع سہارنپور، یہ دونون ظاہر مین کچھ لکھے پڑھے نہ تھے لیکن بہ برکت صحبت جناب مولانا صاحب بڑے فاضل تبحر تھے، نواب مبارک علی خان ان صاحب لکھتے ہین کہ مین نے دونوں کو دیکھا ہے اور وعظ بھی سنا ہے، مولوی ببر صاحب سے جو کہتے کہ کچھ وعظ فرمایئے تو وہ فرماتے کہ اچھا کچھ پڑھو جب کلام مجید سے ایک رکوع پڑھ کر سنایا مولوی صاحب نے اس کا بیان کرنا شروع کیا، اس وقت ان کوتمام کلام مجید اور جملہ صحاح ستہ کتابین حدیث شریف کی سب حفظ یاد تھین اور تمام علوم منقول ومعقول وعلم معانی وکلام وغیرہ بیان ہوتے جاتے تھے اور کسی نے کچھ غلطی سہواً یا قصداً کی تو آپ فرماتے کہ اس مین غلطی ہے، معنی درست نہین ہوتے، پھر جو کلام مجید مین دیکھتے تو فی الحقیقت غلطی ہوتی تھی۔

(۶۰) جب حضرت مولانا صاحب کا اس جہان فانی سے انتقال ہوا ہے، کئی دن سے کچھ کھانا نہیں کھایا تھا اور مرض کی شدت تھی، وعظ کا دن آیا، حضرت نے فرمایا مجھ کو پکڑے رہو، جب مین بیان کرنے لگون تب چھوڑ دیجیو ویسا ہی کیا پھر بدستور وعظ فرمانے لگے ہزارون آدمی جمع ہوتے تھے اور جس قدر آواز اشخاص قریب کے کان مین پہونچتی تھی اسی قدر اشخاص بعید کے کان مین پہونچتی تھی عالم فاضل سمجھتا تھا، اسی قدر جاہل سمجھتا تھا راقم نے ایک مرتبہ بچشم خود دیکھا ہے کہ دو دکاندار زیور فروش آپس مین کہنے لگے کہ بھائی آج میرا جانا وعظ مین نہین ہوا تو گیا تھا کیا بیان فرمایا تھا؟ اس نے کل حال مفصل بیان کیا، بعد اس کے وعظ آیہ شریفہ ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین و ابن السبیل کا فرمایا اور اس کے مطابق نقدی واسباب سب تقسیم فرمایا، بعد اس کے کچھ اشعار عربی کے پڑھے اور کچھ فارسی کے اور یہ شعر مشہور ہین۔

Marfat.com

نیز حاضر میشوم تصویر جانان در بغل

آپ نے فرمایا۔

من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآن در بغل

اور بہت شعر ایسے کہ ایک مصرع مصنف کا اور دوسرا اپنا پڑھا کیے، پھر آپ نے فرمایا کفن میرا اسی کپڑے کا ہو جو مین پہنتا ہون، کرتہ آپ کا دھوتر کا اور گاڑھے کا پائجامہ ہوتا تھا اور فرمایا کہ نماز جنازہ کی باہر شہر کے ہو اور بادشاہ میرے جنازہ پر نہ آوے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور پچپن دفعہ نماز جنازہ کی ہوئی، جوق جوق لوگ آتے تھے اور پڑھتے تھے۔

Marfat.com

تاریخ وفات حسرت آیات از اولاد امجاد امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت مولانا شاہ رؤف احمد صاحبؒ

شاہ . عبدالعزیز فخر جہان عالم علم آیت قرآن
صبح یکشنبہ ہفتمین شوال ازبدن گشتہ روح او پران
سن ہجری چو جستم از ہاتف گفت اے نکتہ سنج قاعدہ دان
سال فوتش ز ہر عدد پیداست از احد تا الوف زین عنوان
خواہی ازہر عدد کہ تاریخش اولاً چار چند کن پس ازان
یک بیفزاد ضرب کن در دہ پس بکن طرح بست اے جان
در صد وبست و چار باقی را ضرب فرما تو اے فہیم زمان
پس نہ نقصان یک عدد دریاب فوت آن مفخر زمین و زمان

Marfat.com

ایضاً از

حکیم مومن خان صاحب دہلویؒ

انتخاب نسخہ دین مولوی عبدالعزیز
بے عدیل و بے نظیر و بے مثال و بے مثل
جانب ملک عدم تشریف فرما کیون ہوئے
آ گیا تھا کیا کہین مُردون کے ایمان مین خلل
ہے ستم اے چرخ تو کس کو یہان سے لے گیا
کیا کیا یہ ظلم تو نے بیکسون پر اے اجل
جب اٹھائی نعش اک عالم تہ و بالا ہوا
لوٹتا تھا خاک پر ہر قدسی گردون محل
کیا کس و ناکس پہ تھا صدمہ کیا جس وقت دفن
ڈالتا تھا خاک سر پر ہر عزیز و مبتذل
مجلس درد آفرین تعزیت مین مین بھی تھا
جب پڑھی تاریخ مومن نے یہ آ کر بے بدل
دست بے داد اجل سے بے سروپا ہو گئے
فقر و دین فضل و ہنر لطف و کرم علم و عمل

۱۲۳۹ھ

Marfat.com

مختصر احوال دختران و برادران و نبیرگان

حضرت شاہ صاحبؒ

آپ کے کوئی فرزند نرینہ پیدا نہین ہوا، تین لڑکیان ہوئی تھین مگر وہ سب کی سب آپ کی حیات مین ہی انتقال کر گئین، بڑی صاحبزادی کا نکاح مولوی عیسیٰ صاحب سے ہوا تھا، جو مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے فرزند تھے اور دوسری صاحبزادی کا نکاح شیخ محمد افضل صاحب سے ہوا تھا جو شیخ احمد کے بیٹے اور وہ شاہ اسمٰعیل کے اور وہ شیخ منصور کے اور وہ احمد کے اور وہ محمود کے بیٹے تھے، ان کا نسب نامہ یہان سے آپ کے نسب نامہ سے جا ملتا ہے، ان سے دو فرزندار جمند پیدا ہوئے، ایک مولانا محمد اسحاق صاحب جو ۶ ذی الحجہ ۱۱۹۷ ہجری مین پیدا ہوئے اور دوسرے مولوی محمد یعقوب صاحب ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۰۰ ہجری کو پیدا ہوئے، اور تیسری صاحبزادی کا مولوی عبدالحی صاحب سے ہوا تھا۔

آپ کی وفات کے بعد یہ تینون برادر گرامی قدر آپ کے قائم مقام ہوکر مسند ارشاد پر جلوہ گر ہوئے اور درس و تدریس مین مشغول ہوئے، جن کے نام نامی و اسم گرامی یہ ہین۔

(۱) مولانا شاہ رفیع الدین صاحب۔ ان سے مولوی محمد موسیٰ صاحب۔ مولوی مخصوص اللہ صاحب، مولوی عیسیٰ صاحب، مولوی حسن جان صاحب، یہ چارون فرزند پیدا ہوئے اور ایک دختر۔

(۲) مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، ان سے صرف ایک لڑکی پیدا ہوئی کہ اپنے بھتیجے مولوی مصطفیٰ کو بیاہ دی تھی، ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی جو مولوی اسمٰعیل شہید کی زوجیت مین دی گئی، اس سے مولوی محمد عمر پیدا ہوئے، عمر شریف آپ کی ۶۸ سال کی ہوئی۔

(۳) مولانا عبدالغنی صاحب، ان کا حال اچھی طرح معلوم نہ ہوا۔

ان حضرات کے مزار بھی حضرت مولانا شاہ ولی اللہ اور مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے مزار کے متصل ہین، ان حضرات کے بعد حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب سجادہ نشین ہوئے، جن کے اوصاف خارج از بیان ہین، ان کی وفات ۲۵ ماہ رجب شب شنبہ قریب طلوع صبح صادق ۱۲۶۲ھ مکہ معظمہ مین ہوئی۔

ان کے بڑے بڑے اکمل شاگرد ہندوستان مین مثل آفتاب و ماہتاب گزرے ہین، جن سے اس وقت تک درس و تدریس کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

این سلسلہ از طلائے ناب ست
این خانہ تمام آفتاب ست

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاص آپ کے ارشاد

مسمٰی بہ ارشادِ عزیزی

جو ایک صاحب کے جواب مین آپ نے ارشاد فرمائے ہین، ان مین سے ضروری اور مختصر اور مناسب مقام یہان بھی درج کیے جاتے ہین تا کہ لوگون کواس سے فائدہ ہو۔

سوال: کس چیز کی برکت سے گناہون سے نفرت اور طاعت کی طرف رغبت ہوتی ہے؟

جواب: اس مقصد کے لیے لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کثرت سے پڑھنا بہت مفید ہے اور کلمہ توحید کی نفی واثبات اور شدومد کے ساتھ اس کی ضرب قلب پر لگانی اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس صبح وشام پڑھنی۔

سوال: پنج وقتی نماز کے بعد تسبیح اور مناجات پڑھنے کے بارہ مین کیا ارشاد ہوتا ہے؟

جواب: صبح کی نماز کے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّا الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ۔ سومرتبہ پڑھنا چاہیے اور ہر ظہر کی نماز کے بعد اگر فرصت ہوتو حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ پانسومرتبہ اگر فرصت نہ ہوتو پچیس مرتبہ اور عصر کی نماز کے بعد تسبیح فاطمہ یعنی سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد اللہ ۳۳ بار اللہ اکبر ۳۴ بار اور مغرب کی نماز کے بعد کلمہ تمجید یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ پانسومرتبہ پڑھنا چاہیے اور عشاء کی نماز کے بعد درود شریف کوئی سی ہو سومرتبہ مدینہ منورہ کی طرف رخ کر کے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت مبارک کا خیال کر کے پڑھنا چاہیے۔

سوال: عفوگناہ اور خاتمہ بالخیر ہونے کے لیے کیا پڑھنا چاہیے؟

جواب: عفوگناہ کے لیے استغفار نہایت مناسب ہے اور خاتمہ بالخیر ہونے کے لیے کلمہ طیبہ کا زیادہ ذکر کرنا اور نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھنا نہایت مفید ہے۔

سوال: قبر کے عذاب سے بچنے کے لیے کیا پڑھنا چاہیے؟

جواب: سورہ تبارک الذی عشاء کی نماز کے بعد ہمیشہ سونے سے قبل پڑھنی چاہیے اور سورہ حم السجدہ کی بھی عشاء کی نماز کے بعد تلاوت کرنی چاہیے۔

Marfat.com

سوال: نفس امارہ اور شیطان لعین کے فریب سے بچنے کے لیے کیا پڑھنا چاہیے؟
جواب: لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ زیادہ پڑھنا چاہیے اول قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس صبح اور مغرب کی نماز کے بعد گیارہ گیارہ مرتبہ ہمیشہ پڑھنی چاہیے۔
سوال: رمضان کے سوا اور کس مہینے مین روزہ رکھنا چاہیے۔
جواب: رمضان کے سوا یہ روزے بہترین نوین ذی الحجہ کے روزہ کا نہایت ثواب ہے اور اس سے دو برس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور دسوین محرم کہ روزہ عاشورا ہے اس دن کے روزہ کا بھی نہایت ثواب ہے اور وہ روزہ مسنون ہے اور اس سے ایک برس کے گناہ معاف ہو جاتے ہین اور اس کے سوا یہ بھی مسنون ہے کہ ہر مہینے مین تین دن روزہ رکھا جائے اور بہتر ہے کہ تیرہوین اور چودھوین اور پندرہوین تاریخ کو یہ روزہ رکھا جائے اور اس طرح بھی سنت ادا ہو جاتی ہے کہ اول عشرہ مین ایک روزہ رکھا جائے اور دوسرے عشرہ مین ایک روزہ اور تیسرے عشرہ مین ایک روزہ رکھا جائے اور دوشنبہ اور پنجشنبہ کا روزہ مستحب ہے اور صبح شب برات کے دن کا روزہ اور شش عید کا روزہ بھی مستحب ہے اور عشرہ ذی الحجہ کا روزہ بھی مستحب ہے، مگر بقرعید کے دن روزہ رکھنا نہ چاہیے اور جس قدر ہو سکے رجب مین روزہ رکھنا مستحب ہے اور اس مین بہت ثواب کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔
سوال: کوئی درود شریف اور استغفار ہمیشہ وظیفہ کرنے کے لیے ارشاد ہو؟
جواب: اگر ہو سکے تو ہر شب ورنہ شب جمعہ مین ہمیشہ سو مرتبہ یہ درود پڑھنا چاہیے اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ اور بہترین استغفار سید الاستغفار ہے سوتے وقت معنون کا لحاظ کر کے پڑھنا چاہیے۔
سوال: آداب تلاوت قرآن شریف کیا ہیں؟
جواب: قرآن شریف کی تلاوت کے آداب یہ ہین باوضو مؤدب قبلہ رو بیٹھنا اور حروف بخوبی ادا کرنا اور مدوشد کا لحاظ رکھنا، وقف کی جگہ کرنا، یہ سب ظاہری آداب ہین اور باطنی آداب یہ ہین کہ مبتدی کو چاہیے کہ تصور کرے کہ گویا مین رب العزت کے حضور مین تلاوت کر رہا ہون اور اللہ جلشانہ گویا استاد کی جگہ سن رہا ہے اور منتہی کو چاہیے کہ تصور کرے کہ کلام بلا واسطہ خاص رب العزت سے سنتا ہون اور فرق دونوں صورت مین یہ ہے کہ پہلی صورت مین اپنی زبان سے پڑھنا ہوتا ہے اور اللہ جل شانہ کا سننا اور دوسری صورت مین حضرت رب العزت سے ارشاد ہوتا ہے اور اپنے کانون سے سننا۔ اور یہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ شیخ الشیوخ نے عوارف مین امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ

Marfat.com

سے نقل کیا ہے اِنِّیْ لَاَقْرَءُ الْاٰیَۃَ حَتّٰی اَسْمَعَھَا مِنْ قَائِلِھَا۔ یعنی آیۃ پڑھتا ہون اور بار بار اس کا تکرار کیا کرتا ہون، یہان تک کہ وہ آیۃ اس کے قائل یعنی اللہ تعالیٰ سے سن لیتا ہون اور شیخ الشیوخ نے عوارف مین یہ کلام نقل کرنے کے بعد کہا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اس وقت بمنزلہ درخت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہوتے تھے اور اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کہتے تھے۔

سوال: عذاب موت دفع ہونے کے لیے ارشاد ہو؟

جواب: روایت سے ثابت ہے کہ سکرات موت آسان ہونے کے لیے ہمیشہ آیۃ الکرسی اور سورہ اخلاص پڑھنی چاہیے اور یہ بھی حدیث مین آیا ہے کہ عذاب قبر دفع ہونے کے لیے ہمیشہ سورۂ تبارک الذی عشا کے بعد سونے کے قبل پڑھنی چاہیے اور ایسا ہی سورۂ دخان پڑھنے کے بارہ مین بھی روایت ہے۔

سوال: قبر مین جو سوال و جواب ہوتا ہے وہ بدستخط خاص مزین بمہر عنایت ہو؟

جواب: قبر مین مومن کامل جو جواب دیتا ہے وہ موافق احادیث کے لکھا جاتا ہے، مہر کی ضرورت نہیں اور یہ جواب ورد زبان کرنا چاہیے اور وہ نئے کپڑے پر خوشبو سے لکھوا کر اپنے پاس رکھنا چاہیے وہ جواب یہ ہے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا وَّرَسُوْلاً وَبِالْقُرْاٰنِ اِمَامًا وَبِالْکَعْبَۃِ قِبْلَۃً وَّبِالْمُؤْمِنِیْنَ اِخْوَانًا وَبِالصِّدِّیْقِ وَبِالْفَارُوْقِ بِذِی النُّوْرَیْنِ وَبِالْمُرْتَضٰی اَئِمَّۃً رِضْوَانُ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مَرْحَبًا بِالْمَلَکَیْنِ الشَّاھِدَیْنَ الْحَاضِرِیْنَ وَاَشْھَدَ ابانًا نَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ عَلٰی ھٰذِہِ الشَّھَادَۃِ نَحْیِیْ وَعَلَیْھَا نَمُوْتُ وَعَلَیْھَا نُبْعَثُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

ترجمہ: مین گواہی دیتا ہون اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی کے قابل نہین اور گواہی دیتا ہون یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر ہین راضی ہوا مین اللہ سے ازروئے رب ہونے کے اور اسلام سے ازروئے دین ہونے کے اور راضی ہوا مین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ازروئے نبی ہونے کے اور رسول ہونے کے اور راضی ہوا مین قرآن سے ازروئے مقتدا ہونے کے اور کعبہ سے ازروئے قبلہ ہونے کے اور راضی ہوا مین مسلمان سے ازروئے بھائی ہونے کے اور راضی ہوا مین حضرت صدیق اور حضرت فاروق اور حضرت ذی النورین اور حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہم سے ازروئے امام ہونے کے ان حضرات کی شان مین اللہ تعالیٰ کی رضامندی رہے اور خوشی ہے دو فرشتوں کے آنے سے کہ گواہ اور موجود ہین اور اے تم دونوں فرشتو گواہ رہو اس پر کہ ہم گواہی دیتے ہین یہ کہ نہین کوئی معبود پرستش کے قابل سوائے اللہ کے اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہین، اسی شہادت پر ہم زندہ رہین اور اسی

Marfat.com

پر ہم مرین اور اسی پر قیامت مین اٹھائے جاوین گے اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

سوال: جب کسی شخص کو مرض موت کا گمان ہو جائے اور یہ معلوم ہو جائے کہ اب یہ نہ بچے گا تو اس وقت موت کے قبل جب تک مریض کا ہوش و ہواس باقی رہے اس کو کیا کرنا چاہیے یا ورثہ مریض کو اس کی رفاہیت ونجات کے لیے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: جب کہ مریض زندگی سے مایوس ہو جائے اور یہ معلوم ہو کہ اب موت جلد آ جائے گی تو اس کے وارثون کو چاہیے کہ پہلے غسل باوضو یا تیمّم کے ذریعہ سے بخوبی پاک کرین اور اسے چار پائی پر قبلہ رو بٹھائین اور اس کے پاس کی جگہ بالکل پاک وصاف کردین گلاب وغیرہ چھڑکین اور وہ جگہ عطر وخوشبو سے معطر کرین اور دنیا و مافیہا کا ذکر اس کے سامنے موقوف کردین اور رونا پیٹنا ہرگز نہ کرین اور زن و فرزند اور اس کے متعلقین کو اس کے روبرو نہ کرین اگر وہ خود یاد کرے تو وہ ایک مرتبہ ان لوگوں کو اس کے سامنے لے آوین اور اس کے سامنے ہمیشہ کلمہ اور استغفار بلند آواز سے پڑھتے رہیں تاکہ خود اسے یاد آ جائے اور وہ بھی پڑھنے لگے اور اسے تاکید نہ کرین کہ تو بھی کلمہ واستغفار پڑھ بلکہ خود وقتاً فوقتاً کلمہ اور استغفار بلند آواز سے پڑھین تاکہ اسے یاد آ جائے اور قبر کی سختی اور حساب کا خوف اور آخرت کی شدت کا اس کے سامنے ذکر نہ کرین بلکہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کا ذکر کرین اور گناہون کی بخشش کا تذکرہ کرین اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عام شفاعت کا ذکر کرین اور ارواح صالحین خصوصاً مشائخ اور پیران طریقت کا تذکرہ اس کے روبرو کرین اور وہ امور ذکر کرین کہ جس سے گنہگارون کے گناہ دور ہوتے ہین اور یہ بھی ذکر کرین کہ خدا کے ہان تھوڑا عمل بھی قبول ہو جاتا ہے تاکہ خوف پر اس کی امید غالب ہو جائے اور جو کچھ اس وقت وصیت کرے وہ خوش دلی سے قبول کرین اور ضامن ہو جائین کہ یہ وصیت ضرور بجا لاوین گے تاکہ اس کا دل متردد نہ ہو اس کے روبرو سورہ یٰسین اور سورہ الحمد اور سورہ قل ہو اللہ احد پڑھین اور کبھی کبھی اور سورتین اور آیات قرآنی پڑھین۔

سوال: نماز استسقا اور نماز کسوف اور نماز خسوف اور نماز عشوراء کی ترکیب عنایت ہو؟

جواب: چاہیے کہ استسقا کی نماز کے لیے مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رئیس عیدگاہ مین برابر تین دن باہر نکلے اور پیادہ پا جانا بہتر ہے اور پرانا اور مستعمل کپڑا پہن کر نکلے اور عید کی طرح زینت اور آراستگی نہ کرے اور خشوع وخضوع اور شرمندگی کے ساتھ عیدگاہ مین جائے اور دو رکعت نماز نفل پڑھے اور قرأۃ پکار کر پڑھے اور اس کے بعد خطبہ پڑھے اور دعا کرے اور گناہون سے بہت توبہ اور استغفار کرے اور چاہیے کہ امام اپنی چادر کے نیچے کا کنارہ اوپر کرے اور اوپر کا کنارہ نیچے کرے اور دائین طرف کا کنارہ

Marfat.com

بائین طرف کرے اور بائین طرف کا کنارہ دائین طرف اور نہایت تضرع وزاری کے ساتھ دعا کرے اور حدیث مین جو دعا آئی ہے وہ پڑھے اور وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا غَیْثًا مُغِیْثًا مَّرِئیاً مُّرِیْعًا نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ عَاجِلاً غَیْرَا جِلٍ اَللّٰھُمَّ اسْقِ عِبَادَکَ وَبَھَائِمَکَ وَاُنْشُرْ رَحْمَتَکَ وَاَحِیِ بَلَدَکَ الْمَیِّتَ۔

اور نماز کسوف کی ترکیب یہ ہے کہ جمعہ کا امام لوگون کے ساتھ دو رکعت نفل نماز پڑھے، جس طرح اور دوسری نفل پڑھی جاتی ہے اسی ترکیب سے پڑھے اور قرأت پوشیدہ یعنی آہستہ پڑھے اور جس قدر زیادہ قرأت ہو بہتر ہے اور اس کے بعد دعا اور استغفار مین مشغول رہے اس وقت تک کہ ماہیات روشن ہو جائے اور نماز عاشوراء کی ترکیب کتب مشائخ مین اس طرح پائی گئی کہ عاشوراء کے دن جب آفتاب بلند ہوئے تو دو رکعت نفل نماز پڑھے، پہلی رکعت مین الحمد کے بعد آیۃ الکرسی ایک مرتبہ پڑھے اور دوسری رکعت مین الحمد کے بعد سورۂ حشر کا آخر پڑھے اور سلام کے بعد جس قدر چاہے درود شریف پڑھے اور مشائخ کی بعض روایات مین یہ ترکیب ہے کہ چھ رکعت پڑھے اور پہلی رکعت مین سورۂ والشمس اور دوسری مین انا انزلناہ اور تیسری مین اذا زلزلت الارض اور چوتھی مین قل ہو اللہ اور پانچوین مین قل اعوذ برب الفلق اور چھٹی مین قل اعوذ برب الناس پڑھے اور جب نماز سے فارغ ہو جائے تو سجدہ کرے اور اپنی حاجت کے لیے دعا کرے۔

سوال: زیارت قبور کی ترکیب ارشاد ہو؟

جواب: جب عوام مؤمنین کی قبر کی زیارت کے لیے جائے تو پہلے قبلہ کی طرف پشت کر کے اور میت کے سینے کے سامنے منہ کرے اور سورہ فاتحہ ایک مرتبہ اور سورہ قل ہو اللہ احد تین مرتبہ پڑھے اور جب مقبرہ مین جائے تو یہ کہے۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ اھل الدِّیَار مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ یَغْفِرُ اللّٰہِ لَنَا وَلَکُمْ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَلَاحِقُوْنَ اور اگر منجملہ اولیاء وصلحاء کے کسی بزرگ کی قبر کی زیارت کے لیے جائے تو چاہیے کہ اس بزرگ کے سینہ کی طرف بیٹھے اور اکیس مرتبہ چار ضرب سے یہ پڑھے۔ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا الْمَلَائِکَۃِ وَالرُّوْحِ اور سورہ انا انزلناہ تین مرتبہ پڑھے اور دل سے خطرات کو دور کرے اور دل کو اس بزرگ کے سامنے رکھے تو اس بزرگ کی روح کی برکات زیارت کرنے والے کے دل میں پہنچیں گی۔

سوال: صاحب قبر کے کامل احوال معلوم ہونے کی ترکیب ارشاد ہو اور اس سے استمداد کی ترکیب بھی؟

جواب: اہل قبور مین سے بعض بزرگ کمال مین مشہور ہین اور ان کا کمال متواتر طور پر ثابت ہوا ہے ان

Marfat.com

بزرگون سے استمداد کا طریقہ یہ ہے کہ اس بزرگ کی قبر کے سرہانے کی جانب قبر پر انگلی رکھے اور شروع سورہ فجر سے مفلحون تک پڑھے، پھر قبر کی پائینتیون کی طرف جاوے اور امن الرسول آخر سورہ تک پڑھے اور زبان سے کہے کہ اے میرے حضرت فلان کام کے لیے درگاہ الٰہی مین دعا والتجاء کرتا ہون آپ بھی دعا کرین، پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے اپنی حاجت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا والتجاء کرے اور جن اہل قبور کا کمال معلوم نہین، ان کے کمال معلوم کرنے کا یہ طریقہ ہے کہ اول تو وہی ترکیب زیارت قبور کی عمل مین لاوے جو اولیاء اور صالحین کی قبر کی زیارت کا طریقہ لکھا ہے اور پھر بعد فاتحہ و درود اور ذکر سبوح کے جب اپنا دل صاحب قبر کے سینے کے سامنے رکھے تو اگر اپنے دل مین راحت اور تسکین پائے تو جان لے کہ یہ قبر کسی بزرگ صاحب کمال کی ہے لیکن استمداد اولیاء مشہورین سے چاہیے۔

سوال: آئندہ حالات کے معلوم کرنے کے لیے استخارہ وغیرہ کی ترکیب ارشاد ہو؟

جواب: استخارہ کی ترکیب مشہور ہے اور قول جمیل مین مذکور ہے اور آسان طریقہ یہ ہے کہ شب چہارشنبہ اور شب پنجشنبہ اور شب جمعہ مین اس ترکیب سے برابر استخارہ کرے کہ جب دنیوی امور اور عشاء کی نماز سے فارغ ہو جاوے تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تین سو مرتبہ پڑھے، پھر الم نشرح بسم اللہ کے ساتھ سترہ مرتبہ پڑھے اور اپنے سینہ و منہ پر دم کرے اور درگاہ الٰہی مین دعا کرے کہ اے غیب کے جاننے والے فلان کام مین جو کچھ ہونے والا ہے وہ خواب یا بیداری مین ہاتف کے ذریعہ مجھے معلوم کراوے اور اس کے بعد سو مرتبہ یہ درود شریف پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ بعدد کُلِّ مَعْلُوْمٍ لَّکَ اور دعاء استخارہ جو حدیث مین آئی ہے مع استخارہ اپنے مطلب کے لیے تین مرتبہ پڑھے اور اپنے دل کی حالت پر لحاظ کر کے اگر مصمم عزم اس کام کا ہو جاوے تو اس کام کو شروع کر دے اور جو عزم مین فتور ہو تو موقوف رکھے وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ اَوْدُنْیَائِیْ اَوْعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَقَدِّرْهُ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ اَوْدُنْیَائِیْ اَوْعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاَقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ۔

سوال: دنیا کی مشکلات اور سختی دفع ہونے کے لیے کوئی دعا ارشاد ہو؟

جواب: دعا کرب باطہارت اور باوضو بلا گنتی و بلا قید پڑھنا اس بارہ مین مجرب ہے اور وہ دعا یہ ہے۔

Marfat.com

لَآ اِلٰہَ اِلَّا الْحَکِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ السَّمٰوٰتِ السبع وَرَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغُنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّ سَلَامَۃِ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً لِیْ مِنْ حَوَائِجِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اِلَّا قَضَیْتَھَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔

اور اعمال مشائخ مین ختم خواجگان بھی مجرب ہے اور اس کی ترکیب معروف ومشہور ہے اور یہ ختم بھی مفید ہے یَابَدِیْعَ الْعَجَائِبِ بِالْخَیْرِ یَا بَدِیْعُ ایک ہزار دوسو مرتبہ پڑھے اور اول وآخر درود شریف دوسو مرتبہ پڑھے خواہ تنہا یا دو یا اور دوسرے لوگ مل کر پڑھین۔

سوال: آبرو وحرمت محفوظ رہنے کے لیے ترکیب ارشاد ہو؟

جواب: یا عزیز اکتالیس بار صبح کے وقت پڑھے اور اپنے ہاتھون پر دم کر کے منہ پر پھیر لے اور جب حاکم کے روبرو جائے تو اس وقت بھی یہ ترکیب مفید ہوتی ہے اور یہ مجرب ہے۔

اور یہ ترکیب بھی مجرب ہے کہ چاندی کی انگوٹھی ہو اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا ہو اور اس نگینہ پر یہ اسم عزیز بوقت شرف قمر کندہ کرا دے اور شرف قمر کا وقت ہر مہینے مین ہوتا ہے اور اہل نجوم سے اس کی تحقیق ہوسکتی ہے اور اس انگوٹھی عین عطر لگا کر احتیاط سے رکھ دیوے اور جب دربار مین حکام کے سامنے جانا منظور ہو تو داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی مین پہن کر جائے اور ایسا ہی جب عدالت اور کچہری مین جانا ہو تو اس وقت کے لیے بھی مفید ہے اور مجرب ہے۔

سوال: فراخی رزق کے لیے کوئی شئے ارشاد ہو؟

جواب: چاشت کے وقت چار رکعت نماز پڑھین اور سلام کے بعد سجدہ کرین اور اس مین ایک سو چار مرتبہ یَاوَھَّابُ پڑھین اور اگر فرصت نہ ہو تو صرف پچاس مرتبہ پڑھین اور یہ بھی مجرب ہے کہ کسی رات مین سورہ واقعہ دو مرتبہ پڑھین ایک مرتبہ مغرب کے بعد پڑھین اور ایک مرتبہ عشاء کے بعد اور صبح کی نماز کے بعد سو مرتبہ یَامُغْنِیُ پڑھین اور جو فرصت ہو تو گیارہ سو مرتبہ پڑھین اور سورہ مزمل عشاء کی نماز کے بعد اکیس مرتبہ پڑھین اور زیادہ فرصت نہ ہو تو سات مرتبہ پڑھین اور جو اتنی بھی فرصت نہ ہو تو ایک پڑھے لیکن جب اس آیت پر پہونچے رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ پچیس مرتبہ پڑھین پھر اس کے بعد سورۃ کو تمام کرلین۔

سوال: ادائے قرض کے لیے کچھ ارشاد ہو؟

جواب: ادائے قرض کے لیے جو دعا مشہور ہے اس کو نماز کے بعد تین مرتبہ پڑھنا مجرب ہے اور وہ دعا یہ ہے۔

Marfat.com

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْكَسْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ اَللّٰھُمَّ اكْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ۔

سوال: سب آفات و بلیات اور دنیوی مکروہات سے محفوظ رہنے کے لیے کچھ ارشاد ہو؟

جواب: تینتیس آیتین شام کے بعد پڑھنی چاہئیں اور جو فرصت نہ ہو تو صرف آیۃ الکرسی دس مرتبہ صبح کو پڑھنی چاہیے، تینتیس آیتین یہ ہین: آیۃ چار آیت شروع سورہ بقر سے مفلحون تک اور تین آیۃ آیۃ الکرسی سے خالدون تک اور تین آیۃ آخر سورہ بقر کی لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ سے آخر سورہ تک اور تین آیۃ سورہ اعراف کی اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰہُ سے الْمُحْسِنِیْنَ تک اور دو آیۃ آخر سورہ بنی اسرائیل کی قُلِ ادْعُوا اللّٰہَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ سے آخر سورہ تک اور دس آیۃ شروع سورہ والصافات سے لازب تک اور تین آیۃ سورہ رحمٰن کی یَا مَعْشَرَ الْجِنِّ سے فَلَا تَنْتَصِرٰنِ تک اور تین آیۃ سورہ حشر کی لَوْ اَنْزَلْنَا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ سے آخر سورہ تک اور دو آیۃ شروع سورہ جن کی قُلْ اُوْحِیَ سے شَطَطًا تک۔

سوال: تسخیر حکام کے لیے کچھ ارشاد ہو کہ ہمیشہ حکام زمانہ شفیق و مہربان رہین اور کسی طرح کی اذیت نہ دین۔

جواب: جب ان کے سامنے جاوے تو یَا رَحْمٰنَ كُلِّ شَیْءٍ وَّرَاحِمَهٗ یَا رَحْمٰنُ سترہ مرتبہ پڑھ کر اپنے منہ پر دم کر دے اور اپنے گھر مین حاکم کے مکان کی طرف متوجہ ہو کر یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ دو سو مرتبہ پڑھے اور دعا کرے کہ حق تعالیٰ اس کا دل مسخر کر دے اور یَا عَزِیْزُ کا عمل جو اوپر مذکور ہوا ہے وہ بھی اس بارہ مین مفید ہے۔

سوال: اکثر خواب مین عجیب و غریب حالات دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے کہ بیداری مین اس کے دیکھنے کا کبھی اتفاق نہین ہوتا ہے بلکہ وہ حالت وہم و خیال مین بھی نہین گزرتی اور وہ خواب باعث کدورت ہوا کرتا ہے اس بارہ مین کوئی شئے ارشاد ہو؟

جواب: سوتے وقت قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور آیۃ الکرسی ایک ایک مرتبہ پڑھنا چاہیے اور جو اس سے دفع نہ ہو تو یَاشَدِیْدُ تین مرتبہ پڑھ کر اپنے بدن پر دم کرنا چاہیے اور سوتے وقت یہ دعا پڑھنی چاہیے۔ بِاسْمِكَ اللّٰھُمَّ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِكَ اَدْفَعُهٗ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِحْفَظْنِیْ مِنْ نَوْمِیْ جَنْبِیْ بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِیْنَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنِ۔

سوال: جب سفر کے جانے کے لیے کوئی ترکیب اور دعا ارشاد فرمایئے؟

جواب: سفر کا ارادہ ہو اور روانگی کے لے مستعد ہو جاوے تو دو رکعت نماز نفل پڑھے اور یہ دعا پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ خَرَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰہِ وَلَجْنَا وَعَلَی رَبِّنَا تو كَّلْنَا اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ

Marfat.com

خَیْرَ الْمَخْرَجِ وَخَیْرَ الْمَوْلَجِ اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلٰی السَّفَرَ ھٰذَا وَاطْوِلِیْ الْبُعْدَ کُنْ لِیْ صَاحِبًا فِی السَّفَرِ وَخَلِیْفَةً فِی الْاَھْلِ اَللّٰھُمَّ اَعِذْنِیْ مِنْ وَّعْثَاءِ السَّفَرِ وَکَابَةِ الْمُنْقَلَبِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِی الْمَالِ وَالْاَھْلِ وَالْوَلَدِ اَللّٰھُمَّ زَوِّدْنِیْ فِیْ سَفَرِیْ ھٰذَا الْبِرَّ وَ التَّقْوٰی وَمِنَ الْعَمَلِ مَاتَرْضٰی

یہ دعا پڑھ کر دائین ہاتھ کی کلمہ کی انگلی اپنے سر کے گرداگرد پھیرے اور اپنے مال واسباب اور جانور ان واحباب کے گرداگرد پھیرے اور کہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حَوَالَیْنَا حِصَارٌ وَ مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ قُفْلٌ وَّمِسْمَارٌ خَلَتْ فِیْ حِرْزِ اللّٰهِ وَفِیْ کَنَفِ اللّٰهِ وَفِیْ حِمَایَةِ اللّٰهِ الَّذِیْ ھُوَ اَعَزُّ وَاَجَلُّ وَاَکْبَرُ مِمَّا اَخَافُ واحذر۔

اس دعا کے بعد یہ کہے الٰہی بستم دست و پا وزبان وگوش وہوش کسانیکہ مارابد خواہند وبدارادہ کنند از دزدان ورہزنان وعیاران وظالمان واشرار خلق از درندگان وگزندگان وچرندگان وپرندان۔

بِاَلْفِ اَلْفِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ○

اس حصار کے پڑھنے کے بعد تین مرتبہ دستک دے اور روانہ ہو اور سواری پر پہلے اپنا دایان ہاتھ رکھے اور جہان خطرہ کی جگہ ہو وہان یَا حَفِیْظُ نوسو اٹھانوے مرتبہ پڑھے اور اپنے جان و مال اور ساتھیون پر دم کرے اور سورہ لایلاف اکثر پڑھا کرے، باوضو اور قبلہ رو بیٹھ کر پڑھنے کی کچھ قید نہین ہے۔

سوال: دنیوی دشمنوں کی شرارت دفع کرنے کے لیے کچھ ارشاد ہو؟

جواب: دنیوی دشمنوں کی شرارت دفع کرنے کے لیے یہ دعا مجرب ہے، اسے پڑھتا رہے، طہارت اور گنتی اور دیگر شرائط کی قید نہیں وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِھِمْ اور سورہ تبت یدا اور سورہ الم ترکیف کا پڑھنا بھی دفع اعدا کے لیے مجرب ہے، فقط

اعمال خاندانی حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ مندرجہ قول الجمیل حضرت شاہ ولی اللہ والد ماجد ایشان الموسوم بہ۔

Marfat.com

مجربات عزیزی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تُنْجِیْنَا[۱] بِھَا مِنْ جَمِیْعِ الْاَھْوَالِ وَالْاٰفَاتِ وَتَقْضِیْ لَنَا بِھَا جَمِیْعَ الْحَاجَاتِ وَتُطَھِّرُنَا بِھَا مِنْ جَمِیْعِ السَّیِّئَاتِ وَتَرْفَعُنَا بِھَا عِنْدَکَ اَعْلَی الدَّرَجَاتِ وَتُبَلِّغُنَا بِھَا اَقْصَی الْغَایَاتِ مِنْ جَمِیْعِ الْخَیْرَاتِ فِی الْحَیَاتِ وَ بَعْدَ الْمَمَاتِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ٥

واضح ہو کہ کمالات عزیزی کے اختتام کے بعد حضرت مولانا صاحب کے خاندانی اعمال کا بیان کرنا بھی مناسب تر ہوا لہٰذا کتاب قول الجمیل سے جو حضرت کے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہ کی تصنیف سے ہے نقل کیے جاتے ہین اور جو فوائد کہ حضرت مولانا محمد قطب الدین خانصاحب محدث مرحوم کے ہین وہ حاشیہ پر لکھے جاتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہین کہ میرے والد مرشد قدس سرہ نے مجھ کو وصیت کی یا مغنی کی مواظبت کی ہر روز گیارہ سو بار اور سورہ مزمل پڑھنے کی چالیس بار اگر نہ ہو سکے تو گیارہ بار اور فرمایا کہ یہ دونوں عمل غنائے باطنی اور ظاہری کے واسطے مجرب[۱] ہین اور مجھ کو وصیت کی درود کی ہمیشگی پر ہر روز اور فرمایا اسی کے سبب سے ہم نے پایا[۲] جو پایا اور سنا ہے اپنے والد مرشد سے فرماتے تھے کہ جب کوئی تیرے پاس

---

۱ صلوۃ تنجینا کا ہر روز ستر بار پڑھنا قضائے حوائج کے لیے ایک بزرگ سے مجھ کو پہنچا ہے، اس کی بھی اجازت ہے جو چاہے سو پڑھے، محمد قطب الدین

۲ اور بعض مشائخ سے پڑھنا سورہ مزمل کا اکتالیس بار بھی منقول ہے اور بعض سے زائد مین پڑھنا اس طرح کہ عشا کے بعد دو رکعتون میں اکتالیس بار پڑھے بار پہلی رکعت مین اور ۳ بار دوسری رکعت مین اور مولانا فخر الدین صاحب کے مریدوں میں ایک طریق مجرب یہ ہے کہ بعد سنت فجر کے ایک بار اور بعد ہر نماز کے پنجگانہ مین سے دو دو بار کہ شب و روز میں گیارہ بار ہو جاوے اور اس فقیر کوان سب کی اجازت ہے، وقد جربت ھذا العمل فوجدتہ کذلک، محمد قطب الدین۔

۳ ظفر خلیل میں کچھ فائدے درود شریف کے اور ہیں، جو چاہے اس میں سے دیکھ لے۔

Marfat.com

اپنے دانت کے درد یا سر کے درد سے نالان آئے یا اس کو ریاح ستاتی ہون تو ایک تختی یا پٹری پاک لے اور اس پر پاک ریتا ڈال اور ایک کیلی یا کھونٹی اس پر ابجد ہوز حطی لکھ اور کیل کو الف پر زور سے دبا اور ایک بار سورہ فاتحہ پڑھ اور درد والا آدمی موضع درد کو اپنے دونون ہاتھوں سے دبائے رہے پھر اس سے پوچھ کہ تجھ کو آرام ہو گیا یا نہین اگر درد جاتا رہا تو خوب ہے نہین؟ تو کیل کو دوسرے حرف یعنی ب کی طرف نقل کر اور دو بار سورہ فاتحہ پڑھ اور پہلی بار کی طرح پھر پوچھ کہ صحت ہوئی یا نہیں؟ اگر صحت ہو گئی تو فہو المراد نہین تو جیم کی طرف کیل کو نقل کر اور تین بار الحمد پڑھ اسی طرح ہر حرف کیل سے دباتا جائے اور سورہ فاتحہ ہر بار پڑھتا جائے تو آخر حرف تک نہ پہنچے گا کہ خدائے تعالیٰ اس کے اندر ہی شفا عنایت کرے گا اور مین نے حضرت والد مرشد سے سنا فرماتے تھے کہ جب تجھ کو کوئی حاجت پیش آئے یا کوئی شخص تیرا غائب ہو اور تو چاہے کہ حق تعالیٰ اس کو سالم و غانم پھیر لائے یا کوئی بیمار ہو سو چاہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو صحت بخشے تو سورہ فاتحہ کو اکتالیس بار فجر کی سنت اور فرض کے درمیان مین پڑھ **ف** مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ نے حاشیہ مین فرمایا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو سورۂ فاتحہ کو چالیس بار پانی کے پیالے پر پڑھے اور تپ والے کے منہ پر چھینٹا مارے تو حق تعالیٰ اس کو فائدہ[1] بخشے اور مین نے سنا انہین حضرت سے فرماتے تھے کہ جس کو باؤلا کتا کاٹے اور اس کے دیوانہ ہو جانے کا خوف ہو تو اس آیت کو روٹی کے چالیس ٹکڑوں پر لکھ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا تا آخر لفظ رُوَيْدًا تک اور اس سے کہہ دے کہ ہر دن ایک ٹکڑا کھایا[2] کرے اور مین نے حضرت سے سنا فرماتے تھے کہ جو شخص سورہ واقعہ کو ہر رات پڑھے اس کو فاقہ نہیں ہوتا اور یہ عمل[3] حدیث کے موافق ہے، واللہ اعلم اور مین نے ان حضرت سے سنا فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے سونے کے وقت اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ سورہ کہف کے آخر تک پڑھے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرے کہ اس کو جگا دے جس وقت کا ارادہ کرے تو حق تعالیٰ اس کو اس وقت پر جگا وے گا یہ عمل حدیث کے موافق ہے چنانچہ دارمی نے اپنی مسند مین روایت کیا ہے کذا فی

---

[1] اور اس فقیر کو ایک بزرگ سے پہنچا جس لڑکے کو مسانکی بیماری ہو اس پر الحمد ۴۱ بار ساتھ وصل یم بسم اللہ کے ساتھ الحمد کے پڑھ کر ۴۱ روز تک دم کیا کرے ان شاء اللہ تعالیٰ مرض اس کا جاتا رہے گا اور اگر فرصت نہ ہو تو تین بار پڑھنا بھی کفایت کرتا ہے، اق۔

[2] اور سنا اس فقیر نے اپنے استاد مولانا محمد اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ سے کہ فرماتے تھے جس کو باؤلا کتا کاٹے تو ایک ٹکڑا باغات کا تھوڑے سے گڑ مین لپیٹ کر کے کھلا دو تو ان شاء اللہ تعالیٰ زہر اس کا نہیں اثر کرے گا، محمد قطب الدین۔

[3] حضرت شاہ ولی اللہ نے حزب البحرین شرح میں حدیث سے یا کسی صحابی سے لکھا ہے کہ جو کوئی لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم سو بار ہر روز پڑھ لیا کرے تو اس کو کبھی فاقہ نہ ہو گا، ق

Marfat.com

الحاشیۃ العزیزیہ اور سنا مین نے حضرت والد سے فرماتے تھے کہ اس تعویذ کو لکھ کر اور لڑکے کی گردن میں لٹکا، اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھے گا اور وہ یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ[1] اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَةِ مِنْ شَرِّ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّ هَآمَةٍ وَّعَيْنٍ لَّآ مَةٍ تَحَصَّنْتُ بِحِصْنِ اَلْفِ اَلْفِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ○

اور سنا مین نے ان سے فرماتے تھے کہ یہ دعا بسم اللہ سے آخر تک امان اور پناہ ہے، ہر آفت سے، پڑھا کرے اس کو صبح اور شام، وہ یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ عَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ مَاشَاءَ اللّٰهُ كَانَ وَمَالَمْ يَشَاءَ لَمْ يَكُنْ اَشْهَدُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ وَّ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا وَّ اَحْصٰى كُلِّ شَیْءٍ عَدَدًا اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ دَآبَّةٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ وَّ اَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِيْظٌ اِنَّ وَلِیِّ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِيْنَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِیَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۔

اور مین نے حضرت والد سے سنا، فرماتے تھے کہ جو شخص کسی صاحب حکومت سے ڈرے اس کو چاہیے یون کہے: كٓهٰيٰعٓصٓ كُفِيْتُ حٰمٓعٓسٓقٓ حُمِيْتُ اور چاہیے کہ داہنے ہاتھ کی ہر انگلی کو بند کرے، لفظ اول کے ہر حرف کے تلفظ کے ساتھ اور بائین ہاتھ کی ہر انگلی کو قبض کرے، لفظ ثانی کے حرف کے نزدیک پھر دونون ہاتھون کی انگلیاں بند کیے چلا جاوے، پھر دونوں کو کھول دے، اس کے سامنے جس سے ڈرتا ہے، اور مین نے سنا ہے حضرت والد ماجد سے فرماتے تھے کہ چھ آیتین ہین قرآن کی جن کا آیات شفا نام ہے، بیمار کے واسطے ان کو ایک برتن پر لکھے اور پانی سے دھو کر پلا دے، وہ یہ ہیں:

وَ يَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَاهُوَ شِفَآءٌ وَّ

[1] معمول حرت شاہ عبدالعزیز اور مولانا اسحٰق صاحب رحمہما اللہ کا فقط اس دعا کے لکھنے کا تھا اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من شر کل شیطان وہامۃ ومن کل عین لامۃ ۱۲

Marfat.com

رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَ إِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنَ قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّ شِفَآءٌ

اور مین نے حضرت والد سے سنا فرماتے تھے تینتیس آیتین ہین کہ جادو کے اثر کو دفع کرتی ہین اور شیطان اور چورون اور درندے جانورون سے پناہ ہو جاتی ہین۔ (وہ آیتین قول الجمیل یا چہار باب مین کامل طور سے مفصل ملین گی اور اس کتاب کے حصہ دوم مین مجملاً مندرج ہین) اور مین نے حضرت والد سے سنا فرماتے تھے کہ جب چیچک کی بیماری ظاہر ہو تو نیلا تاگا لے اس پر سورہ رحمٰن پڑھے اور جب فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ پر پہنچے تو اس پر پھونک کر گرہ دے، جب تمام کر چکے تو بچے کی گردن مین ڈال، حق تعالیٰ اس کو اس بیماری سے آرام دے گا اور سنا مین نے حضرت والد سے فرماتے تھے کہ اصحاب کہف کے نام امان ہین ڈوبنے اور جلنے اور غارتگری اور چوری سے حملاً و تلاوتاً اِلٰهِىْ بِحُرْمَةِ يَمْلِيْخَا مَكْسَلْمِيْنَا كَشْفُوْطَطْ اَذَرْفَطْيُوْنُسْ كَشْفَطْيُوْنُسْ تَبْيُوْنُسْ بُوَانَسْ بُوْسُ وَ كَلْبُهُمْ قِطْمِيْر وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ اور سنا مین نے حضرت والد سے فرماتے تھے کہ تجھ کو کوئی حاجت پیش آوے تو یَابَدِیْعَ الْعَجَائِبِ بِالْخَیْرِ یَابَدِیْعَ کو بارہ سو بار پڑھ، بارہ دن تک کہ حق تعالیٰ تیری حاجت بر لائے گا اور ان اعمال مذکورہ کی اول سے یہان تک مجھ کو میرے والد مرشد نے اجازت دی ہے، منجملہ اور اعمال کے کہ جن مین مجھ کو اجازت فرمائی ہے، حاجات مشکلہ کے برآنے کے واسطے چار رکعتین پڑھے پہلی رکعت مین سورہ فاتحہ کے بعد لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ[1] فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِى الْمُؤْمِنِيْنَ کو سو بار پڑھے اور دوسری رکعت مین بعد فاتحہ کے رَبِّ اِنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ۔ سو بار پڑھے اور تیسری رکعت مین بعد فاتحہ کے وَاُفَوِّضُ اَمْرِىْ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ سو بار پڑھے اور چوتھی رکعت مین بعد فاتحہ کے قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ سو بار پڑھے، پھر سلام پھیر کر کہے رَبِّ اَنِّىْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ سو بار۔ ف مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد کیا کہ یہ چارون آیتین اسم اعظم ہین کہ ان کے وسیلے سے جو سوال کرے پاوے اور جو دعا کرے قبول ہو اور مجھ کو تعجب آتا ہے اس شخص سے کہ بواسطے ان کے دعا کرے اور قبول نہ ہو۔ اور جس کو شیطان باؤلا کر ڈالے یعنی آسیب کا خلل ہو تو

[1] مشائخ معتبرین اور شاہ صاحب نے آیہ کریمہ کو تریاق مجرب لکھا ہے اور دو طریق ہین، ایک تو یہ ہے کہ سوا لاکھ بار بہئیت اجتماعی ایک مجلس مین پڑھے، دوسری یہ کہ ایک شخص تن تنہا اس آیت کو ۳۰۰ بار بعد نماز عشاء کے تاریک مکان مین بیٹھ کر ساتھ شرائط طہارت اور استقبال قبلہ کے پڑھے اور پیالہ پانی کا بھر کر اپنے پاس رکھا کیوے اور لحہ لحہ اس پانی مین ہاتھ اپنا ڈال کر اپنے بدن اور منہ پر پھیرتا رہے، تین روز یا ۷ روز یا ۴۰ روز تک اسی ترتیب سے پڑھے۔

Marfat.com

اس کے بائین کان میں یہ آیت ۷ بار پڑھے، وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَیْمَانَ وَاَلْقَیْنَا عَلٰی کُرْسِیِّہٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ، اور دفع آسیب کا یہ بھی عمل ہے کہ اس کے کان مین ۷ بار اذان دے اور سورہ فاتحہ اور قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس اور آیۃ الکرسی اور سورہ طارق اور سورہ حشر کی آیتین یعنی ھو اللہ الذی سے آخر تک اور سورہ صافات ساری پڑھے، آسیب جل جاوے گا اور آسیب زدہ کے واسطے یہ عمل بھی ہے کہ اس کے کان مین سورۂ مومنون کی آیتین پڑھے یعنی اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ سے آخر سورہ تک اور دفع آسیب کا یہ بھی عمل ہے کہ پاک پانی پر سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی[1] اور پانچ آیتین اول سورہ جن کے پڑھے اور اس پانی کا اس کے منہ پر چھینٹا مارے کہ ہوش مین آ جائے گا اور جب کسی مکان مین جن معلوم ہو اسی پانی سے اس مکان کی نواحی میں چھینٹے مارے تو وہاں پھر نہ آوے گا اور واسطے قریب ہونے شیطان کے گھر سے اور ان کے پتھر پھینکنے کے لیے یہ آیت پڑھے اِنَّھُمْ یَکِیْدُوْنَ کَیْدًا وَّاَکِیْدُ کَیْدًا...... فَمَھِّلِ الْکٰفِرِیْنَ اَمْھِلْھُمْ رُوَیْدًا چار لوہے کی کیلون پر ہر کیل پر پچیس پچیس بار پھر ان کو گھر کے چارون کونون میں گاڑ دے اور یہ بھی دفع جن کا عمل ہے کہ اصحاب کہف کے نام گھر کی دیوارون مین لکھے، اور بانجھ عورت کے واسطے ہرن کی جھلی پر زعفران اور گلاب سے یہ آیت لکھے وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِہِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِہِ الْاَرْضُ اَوْ کُلِّمَ بِہِ الْمَوْتٰی بَلْ لِّلّٰہِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا، پھر اس تعویذ کو اس کی گردن مین باندھے اور یہ بھی عقیمہ کے واسطے ہے کہ ۴۰ لونگون پر سات سات بار اس آیت کو پڑھے اَوْ کَظُلُمٰتٍ سے نور تک اور ایک لونگ کو ہر روز کھائے اور شروع کرے حیض کے غسل سے اور ان دنون مین ان کا زوج اس سے صحبت کرتا رہے ف مولانا شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے فرمایا اور شرط اس عمل کی یہ بھی ہے کہ لونگ رات کو کھاوے اور اس پر پانی نہ پیئے اور جو عورت بچہ اسقاط کر دیتی ہو تو ایک تاگا کسم کا رنگا اس کے قد کے برابر لے اور اس پر ۹ گرہین لگاوے اور ہر گرہ پر وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ اور قل یا ایھا الکافرون پڑھ کر پھونکے اور جس عورت کو دردزہ ہو یعنی لڑکا پیدا ہونے کا درد تکلیف دے تو پرچہ کاغذ پر یہ آیت لکھے وَاَلْقَتْ مَافِیْھَا وَتَخَلَّتْ وَاَذِنَتْ لِرَبِّھَا وَحُقَّتْ اِھْیًا اَشْرَاھِیًا اور اس پرچے کو پاک کپڑے مین لپیٹے اور اس کی بائین ران میں باندھے تو وہ جلد جنے گی، اور مولانا شاہ عبدالعزیزؒ صاحب نے فرمایا کہ اگر اول سورۃ سے حقت تک شیرینی پر پڑھے اور حاملہ کو کھلاوے تو بھی جلد جنے اور جو عورت سوائے لڑکی کے لڑکا نہ جنتی ہو تو حمل پر تین مہینے گزرنے سے پہلے ہرن کی جھلی

---

[1] قل اوحی الی سے علی اللہ کذبا تک ۱۲۔

Marfat.com

زعفران اور گلاب سے اس آیت کو لکھے۔ اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَ کُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِمِقْدَارٍ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ الْکَبِیْرُ الْمُتَعَالِ یَا زَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامِ اسْمُہٗ یَحْیٰ لَمْ نَجْعَلْ لَہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا بِحَقِّ مَرْیَمَ وَعِیْسٰی ابْنًا صَالِحًا طَوِیْلَ الْعُمَرِ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ۔ پھر اس تعویذ کو حاملہ باندھے رہے اور اس شخص نے جس پر مجھ کو اعتماد ہے خبر دی کہ جس عورت کا لڑکا نہ زندہ رہتا ہو تو اجوائن اور کالی مرچ لے دونون چیزون پر دوشنبہ کے دن دوپہر کو چالیس بار سورۂ والشمس پڑھے ہر بار درود پڑھ کر شروع کرے اور اسی پر ختم کرے اس کو ہر روز عورت کھایا کرے حمل کے دن سے لڑکے کے دودھ چھڑانے تک اور یہ بھی اسی شخص معتمد نے مجھ کو خبر دی کہ جو عورت سوائے لڑکی کے لڑکا نہ جنتی ہو تو اس کے پیٹ پر گول لکیر کھینچے ۷۰ بار اور ہر انگلی کے پھیرنے کے ساتھ یا متین کہے، اور اعمال چشم زخم وغیرہ طوالت کے سبب سے یہان نہین لکھے گئے عاملین قول الجمیل کو ملاحظہ فرمائین اور جس پر جادو کا اثر ہو اور اس بیمار کے واسطے جس کی بیماری نے طبیبوں کو عاجز کر دیا ہو چینی کے سفید برتن پر یہ اسم لکھے۔ یَا حَیُّ حِیْنَ لَا حَیَّ فِیْ دَیْمُوْمَۃِ مُلْکِہٖ وَبَقَآئِہٖ یَا حَیُّ پھر اس کو پانی سے دھو کر چالیس دن پیئے، مین کہتا ہون کہ مین نے حضرت والد کو دیکھا کہ اس اسم پر سورۂ فاتحہ زیادہ کرتے تھے اور جس کی کوئی چیز کھوئی جائے پھر کہے یا حفیظ ۱۱۹ بار بدون زیادتی اور کمی کے، پھر یہ آیت یَا بُنَیَّ اِنَّھَآ اِنْ تَکُ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَکُنْ فِیْ صَخْرَۃٍ اَوْ فِی السَّمٰوٰتِ اَوْ فِی الْاَرْضِ یَاْتِ بِھَا اللّٰہُ ۱۱۹ بار پڑھے تو حق تعالیٰ اس کی گم ہوئی چیز کو اس کے پاس پھیر لاوے گا اور چور کے پہچاننے کے واسطے دو شخص آمنے سامنے بیٹھین اور بدھنی کو اپنے درمیان مین تھامے رہین اور اس کو کلمے کی دونون انگلیون سے اٹھائے رہین اور جس پر چوری کی تہمت ہو اس کا نام بدھنی مین لکھے اور سورۂ یٰسین کو من المکرّ مین تک پڑھے سو اگر وہی شخص چور ہوگا تو بدھنی گھوم جائے گی پھر اگر نہ گھومی تو اس کا نام مٹا کر دوسرے شخص کا نام لکھے اور وہین تک پڑھے اور اسی طرح ہر شخص متہم کا نام لکھتا جاوے، یہان تک کہ بدھنی گھوم جائے مین کہتا ہون کہ جو شخص یہ عمل یا ایسا کوئی اور عمل کر کے چور پر مطلع ہو تو اس پر واجب ہے کہ اس کے چرانے پر یقین نہ کرے اور اس کو بدنام نہ کرے بلکہ قرائن کی پیروی کرے کہ یہ عمل بھی اتباع قرائن کا ایک طریقہ ہے، حق تعالیٰ نے سورۂ بنی اسرائیل مین فرمایا اور نہ پیچھے پڑ اس چیز کے جس کا تجھ کو یقین نہین، مقرر کان اور آنکھ اور دل ہر ایک کا سوال کیا جاوے گا۔ (براوۂ[1] گریختن کا

[1] معمول مولانا اسحٰق صاحبؒ کے یہ تھا کہ گم شدہ چیز کے لیے کہ کسی کے لڑکے وغیرہ گم ہوئے کے لیے یہ درود لکھ کر دیتے تھے کہ اونچی جگہ لمبے درخت یا کسی ٹہنی میں لٹکاوے، بسم اللہ الرحمن الرحیم اللّٰھم صلی علیٰ محمد و علیٰ آل محمد و بارک وسلم الف الف مرۃ و الف الف ذرۃ ۲،ق

Marfat.com

عمل اصل کتاب سے لین) اور جب تو چاہے کہ حق تعالیٰ تیری مراد برلا وے تو سورہ فاتحہ کو پڑھ اس طرح کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے میم کو الحمد کے لام سے ملا وے یکشنبہ کے دن سے فجر کی سنت اور فرض کے درمیان شروع کرے ۷۰ بار اور دوسرے دن اسی وقت ۶۰ بار اور تیسرے دن ۵۰ بار اسی طرح ہر روز دس دس بار کم کرتا جاوے یہاں تک کہ ہفتے کے دن دس بار پڑھے، اور جب تو چاہے کہ اپنے خواب مین وہ حال دیکھے جس مین تیری نکاسی ہے اس تنگی سے جس مین تو مبتلا ہے تو وضو کر اور پاک کپڑے پہن اور قبلہ رو داہنی کروٹ پر لیٹ اور سورۂ والشمس کو سات بار اور سورۂ واللیل کو ۷ بار اور قل ہو اللہ کو ۷ بار پڑھ اور دوسری روایت مین قل ہو اللہ کے عوض سورہ والتین کا ۷ بار پڑھنا آیا ہے، پھر یون کہہ خداوندا مجھ کو میرے خواب مین ایسا اور ایسا دکھلا دے اور میرے اس حال مین کشادگی اور نکاسی کر دے اور میرے خواب مین وہ چیز دکھا دے جس سے مین اپنی دعا کے قبول ہو جانے کو دریافت کر جاؤن اگر اسی رات وہ خواب مین دیکھے جس کو تو چاہتا ہے تو خوب ہوا اور نہین تو اسی طرح دوسری رات کو اگر مطلب حاصل ہوا، فہو المراد، نہیں تو تیسری رات بھی اسی طرح کر ساتوین رات تک ان شاء اللہ تعالیٰ کامیاب ہوگا، اس سے آگے نہ بڑھے گا کہ حال کھل جائے گا، اس عمل کا ہماری صحبت والون نے تجربہ کیا ہے (افسون، تپ اصل مین دیکھین) واسطے دفع تپ کے ہر روز عصر کے بعد سورہ مجادلہ تپ والے پر تین بار پڑھے معمول مولانا شاہ عبدالعزیز قدس سرہ اور مولانا اسحٰق رحمۃ اللہ کا تپ کے دفع کے لیے یہ تھا کہ گلے کے باندھنے کے لیے یہ لکھ دیتے تھے۔ قُلْنَا يَانَارُ كُوْنِىْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ اور پینے کے لیے ہر بیماری کے دفع کے لیے یہ لکھ دیتے تھے سَلَامٌ قَوْلاً مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ، اور جس کی گردن مین کنٹھ مالا ہو تو چمڑے کے تسمے پر جو مریض کے قد کی برابر ہو ۴۱ گرہ دے اور ہر گرہ پر یہ دعا پھونکے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَةِ اللّٰهِ وَعَظْمَةِ اللّٰهِ وَبُرْهَانِ اللّٰهِ وَ سُلْطَانِ اللّٰهِ وَ كَفِ اللّٰهِ وَجَوَارِ اللّٰهِ وَاَمَانِ اللّٰهِ وَحِرْزِ اللّٰهِ وَ صُنْعِ اللّٰهِ وَكِبْرِيَآءِ اللّٰهِ وَ وَبَهَآءِ اللّٰهِ وَجَلَالِ اللّٰهِ وَكَمَالِ اللّٰهِ لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ مِنْ شَرِّ مَآ اَجِدُ، اور جس کے بدن پر سرخ بادہ ظاہر ہو وہ افسون کرے اس دعا سے ۷ بار اور اشارہ کرتا جاوے پڑھنے کے وقت چھری سے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ، بِسْمِ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ الْحَكِيْمِ الْكَرِيْمِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَ قُدْرَتِهٖ وَسُلْطَانِهٖ اَيَّتُهَا الْحُمْرَةُ جَآءَتْكِ جُنُوْدٌ مِّنَ السَّمَآءِ وَقَالَ سُلَيْمَانُ اَيَّتُهَا الرِّيْحُ اَجِيْبِىْ دَاعِىَ اللّٰهِ وَمَنْ لَّمْ يُجِبْ دَاعِىَ

Marfat.com

اللّٰهِ فَمَالَهٗ مِنْ مَلْجَاءٍ وَّ مَالَهٗ مِنْ ظَهِيْرٍ بِسْمِ اللّٰهِ وَ بِالثَّنَاءِ الطَّيِّبِ عَلَى اللّٰهِ
اَللّٰهُ يُكْفِيْكَ وَاللّٰهُ يُشْفِيْكَ مِنْ كُلِّ دَآءٍ يُّؤْذِيْكَ وَمِنْ كُلِّ اٰفَةٍ تَعْتَرِيْكَ
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْرًا كَثِيْرًا بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ
الرَّاحِمِيْنَ۔

اور جو صنف بصارت سے نالان ہو وہ یہ آیت پڑھا کرے بعد ہر نماز کے فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَائَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ اور جو مرگی میں مبتلا ہو تو تانبے کی ایک تختی لے سوا س میں یکشنبہ کی پہلی ساعت میں اس تختی کے ایک طرف یہ کھدوادے يَا قَهَّارُ اَنْتَ الَّذِىْ لَا يُطَاقُ اِنْتِقَامُهٗ يَا قَهَّارُ اور دوسری طرف کھدوا دے يَا مُذِلُّ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ بِقَهْرِ عَزِيْزِ سُلْطَانِهٖ يَا مُذِلُّ اللہ توفیق دینے والا ہے اور مددگار یعنی اعمال کا اثر توفیق اور اعانت ربانی پر منحصر ہے، فقط۔

تَمَّتْ

Marfat.com

ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

تلخیص و ترجمہ

مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی

ماخوذ از

تذکرۂ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث

مطبوعہ لکھنؤ

Marfat.com

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ۱۳۱۴ھ میں قاضی بشیر الدین صاحب صدیقی میرٹھی مرحوم نے مطبع مجتبائی میرٹھ سے طبع کرایا تھا، اس کا پہلا ترجمہ مولوی عظمت الٰہی میرٹھی نے کیا جو مطبع ہاشمی میں طبع ہوا، اس ترجمہ کے مطالعہ کا موقع مجھے نہیں ملا، قاضی صاحب نے ملفوظات کے شروع میں بطور پیش لفظ اس نسخے کے متعلق جو کچھ فارسی زبان میں ارقام فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

کمترین بشیر الدین صدیقی ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مجھ کو طالب علمی کے زمانے سے حصول ملفوظات اولیاء کرام کا شوق تھا، خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اور دیگران اکابر ملت کی تصانیف جمع کرنے اور پڑھنے کا ذوق تھا، جن سے اس قلیل البضاعت کو اور اس کے بزرگوں کو ارادت وتلمذ کا تعلق ہے، میں اسی جستجو میں رہتا تھا کہ جس طرح ہو سکے ان تصانیف کو حاصل کروں، جہاں کہیں پتہ چلتا تھا بسعی کثیر اور بصرف زرخطیر ان بے بہا موتیوں کو دستیاب کرتا تھا، اس طرح میں نے اس سلسلے کی بہت سی کتابیں اور رسائل جمع کر لیے جن کو حسب ضرورت وقتاً فوقتاً شائع کرنے کا قصد ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ مدت مدید سے دل کی یہ آرزو بھی تھی کہ اگر حضرت شاہ عبدالعزیز کے کسی مرید یا شاگرد نے ملفوظات جمع کیے ہوں تو وہ بھی حاصل ہو جائیں، الحمدللہ کہ جوئندہ یابندہ کے بموجب آرزوئے دل بر آئی، یعنی نسخہ ملفوظات طیبات بہم پہنچ گیا مگر افسوس صد افسوس کہ کتاب کی بوسیدگی اور کرم خوردگی کے باعث جامع ملفوظات کا نام دریافت نہ ہو سکا البتہ بعد مطالعہ اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ ان ملفوظات کا جامع حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا کوئی بہت ہی خاص مرید ہے، اپنے طبیعت کے تقاضے اور بعض اخوان واحبا کے اصرار کی بنا پر میں نے اس گوہر بے بہا کو مخفی رکھنا مناسب نہ سمجھا اور اس کو طبع کرانے کے لیے کمر ہمت باندھ لی، مجھے اس کتاب کی طباعت میں کافی محنت کرنا پڑی ہے، دریدگی اور بوسیدگی کی وجہ سے اصل کتاب میں جو کلمات پڑھے نہ جا سکے اور جن میں اپنی سمجھ اور رائے سے جوڑ لگانا نامناسب تھا، ان مقامات کو مجبوراً اپنے حال پر چھوڑ دیا گیا ہے، علاوہ بریں کچھ اغلاط کارکنان مطبع کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہیں، ان کو آخر کتاب میں غلط نامہ کے عنوان سے لگا دیا گیا ہے[1]۔''

---

[1] احقر کے پاس جو مطبوعہ نسخہ ہے اس کے آخر میں غلط نامہ نہیں ہے۔

Marfat.com

میں نے اب سے تقریباً تیس ۳۰ سال پہلے قاضی صاحب مرحوم سے میرٹھ جا کر معلوم کیا تھا کہ ان کو اصل نسخہ کہاں سے دستیاب ہوا؟ یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا کہ متھرا سے مجھے یہ نسخہ ملا تھا، معلوم نہیں کہ ان کے صاحبزادے مکرمی قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی کے پاس اب بھی وہ اصل نسخہ محفوظ ہے یا نہیں؟

جواہر میوزیم اٹاوہ میں (جو ڈاکٹر بشیرالدین احمد مرحوم کا جمع کردہ ذخیرۂ کتب ہے اور اب کچھ عرصے سے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی آزاد لائبریری میں شامل ہو گیا ہے) ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ کا ایک قلمی نسخہ ہے، مولانا ابرار حسین فاروقی گوپاموی ایم اے علیگ نے اس نسخے پر تبصرہ کرتے ہوئے جواہر زواہر میں تحریر کیا ہے۔

''یہ ملفوظات سوال و جواب کی شکل میں ہیں جن میں مسائل تصوف و سلوک مسائل فقہ، تفسیر و حدیث اور بعض واقعات تاریخی کا پراز معلومات درس ہے، کتاب قابل مطالعہ ہے۔ کتابت بخط معمول نستعلیق ہے لیکن کاتب کا نہ صرف خط نسخ بہت معمولی ہے جس سے عربی عبارتیں غلط ہو گئی ہیں بلکہ...... کافی خراب ہے۔ جس کی وجہ سے بعض الفاظ مشکل سے پڑھے جاتے ہیں۔'' ص ۹۶

مجھے علی گڑھ میں اس نسخے کو مطالعہ کرنے کا کئی مرتبہ اتفاق ہوا ہے۔ جمادی الثانیہ ۱۲۹۴ھ میں بدست محمد عطا علی یہ مخطوط تیار ہوا ہے، میں نے ایک مرتبہ مطبوعہ نسخے کا اس قلمی نسخے سے مقابلہ بھی کیا، دو تین دن کئی گھنٹے صرف کر کے، چوتھائی کتاب کا مقابلہ کر چکا ہوں، اتنے ہی حصے میں درجنوں غلطیاں مطبوعہ نسخے میں نکلیں، بعض جگہ مطبوعہ نسخے میں الفاظ صحیح ہیں مخطوطہ میں غلط ہیں، اس سے اندازہ ہوا کہ قاضی بشیرالدین صدیقی میرٹھی مرحوم کا نسخہ اس نسخے کی نقل نہیں ہے۔

ملفوظات کا دوسرا ترجمہ ڈاکٹر معین الحق ایم اے پی ایچ ڈی کی تحریک سے کراچی میں شائع ہوا، دو فاضل مترجموں نے اس کام کو انجام دیا، ڈاکٹر صاحب نے اس کا پیش لفظ لکھا، جس میں میرٹھ والے ترجمے کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ اس میں ترجمے کی بیشمار غلطیاں ہیں اور اکثر عبارتیں ترجمے سے چھوٹ گئی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ دوسرا ترجمہ، کتابت، طباعت اور کاغذ کے لحاظ سے دیدہ زیب ہے، مقدمہ بھی مبسوط و مفصل لکھا گیا ہے مگر اس میں بھی ترجمے کے اغلاط کثرت سے موجود ہیں، میرے سامنے اگر پہلا ترجمہ بھی ہوتا تو مجھے اس امر کا پتہ چلانا آسان ہوتا کہ دوسرے ترجمے میں کن کن غلطیوں کا ازالہ اور کن کن غلطیوں کا اضافہ ہوا ہے، کراچی والے ترجمے میں بہت سی ایسی اغلاط ہیں کہ بے اختیار ہنسی آنے لگتی ہے، مطبوعہ

Marfat.com

فارسی نسخے میں یقیناً بہت سی غلطیاں ہیں، لیکن جو عبارت پڑھی جا سکتی ہے اور غور کرنے سے جس کا مطلب نکل سکتا ہے اس کا سرسری طور پر بغیر سوچے سمجھے ایک گول مول ژولیدگی آمیز ترجمہ کر دینا شان ترجمانی کے مناسب نہیں، نسخہ ملفوظات اور اس کے ترجمے پر مستقل طور پر ایک مضمون لکھنے کا ارادہ ہے، فی الحال دو نمونے مشتے نمونہ از خروارے پیش کیے جاتے ہیں۔

ملفوظات مطبوعہ میں ہے خسر بندہ کہ شاگرد و خلیفہ والدم بودند الخ۔ اس عبارت کا ترجمہ سیدھا سادہ یہ ہے کہ بندے کے یعنی خُسر جو کہ میرے والد کے شاگرد و خلیفہ تھے۔ الخ اب ذرا کراچی والے ترجمہ کو ملاحظہ فرمائے ایک شخص خیزندہ؟ (سوالیہ علامت ترجمے میں لگی ہوئی ہے) کہ میرے والد کا خلیفہ اور شاگرد تھا الخ، دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ دلچسپ ترجمہ ہے۔

ملفوظات میں ہے، ارشاد فرمایا کہ مثل والد صاحب حافظ ندیدہ ام مگر شنیدہ رام، چنانچہ شعبی کہ ذکر او در بخاری جا بجا آمدہ...... ظاہر ہے کہ اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ...... میں نے والد صاحب کی مثل کسی کا حافظہ نہیں دیکھا، مگر ہاں سنا ہے چنانچہ شعبیؒ کا حافظہ جن کا ذکر بخاری میں جا بجا آتا ہے۔ الخ

اب کراچی کے ترجمے کو پڑھیے...... میں نے اپنے والد ماجد کے برابر کسی کا حافظہ نہیں دیکھا مگر ایک شیعہ[1] کا حال سنا ہے بخاری میں اس کا ذکر جا بجا مذکور ہے۔

کتنا مزیدار ترجمہ ہے، دھوکا کہاں سے لگا؟ شعبی کو شیعی پڑھنے اور سمجھنے سے...... اتفاق سے مطبوعہ نسخے میں اس لفظ پر شوشے اور نقطے بھی اس انداز سے الگ گئے ہیں کہ سرسری ترجمہ کرنے والے کا امتحان ہو جائے...... میں کہتا ہوں کہ یہ کیا ضرور تھا کہ تمام ملفوظات کا ترجمہ کر دیا جائے، ملفوظات کی تلخیص کر کے سمجھ میں آنے والی عبارات کا ترجمہ کر دیا جاتا، کافی تھا۔

اصل ملفوظات کے متعلق اتنا لکھنا ضروری ہے کہ اس کے جامع نے جن کا نام اور جن کی علمی حیثیت معلوم نہیں چند ایسی باتیں بھی ملفوظات کے مجموعے میں شامل کر دی ہیں جن کو شاہ صاحبؒ نے اپنے بے تکلف احباب کے سامنے بعض مجالس میں بیان فرمایا تھا، ان کو جامع صاحب شامل مجموعہ نہ کرتے تو اچھا تھا، یہ کیا ضروری ہے کہ ایک بزرگ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کو نقل کر دیا جائے، بزرگوں کے بعض ملفوظات میں تفرد کی شان بھی ہوتی ہے، اس نسخے میں بھی بعض ملفوظات تفرد کی شان لیے ہوئے ہیں، بعض ارشادات محققانہ ہیں مگر ہر ایک کے سمجھنے کے نہیں، کم علمی اور کم فہمی کی بناء پر بعض اشخاص اس سے

---

[1] قاضی بشرالدین میرٹھی مرحوم نے حالات شاہ عبدالعزیز میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں ملفوظات کا بھی کچھ حصہ شامل کیا گیا ہے، اس ملفوظ کا یہاں بھی یہی ترجمہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میرٹھ والے ترجمہ سے منتقل ہو کر غلطی کراچی پہنچی اور وہاں کے فاضل مترجموں نے بھی اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کی۔

Marfat.com

الجھن میں پڑ سکتے ہیں، بعض باتیں ایسی ہیں کہ جن کی حیثیت فتوے کی نہیں ہے۔

برسبیل تذکرہ یونہی بیان فرمادی گئی ہیں، پھر زمانے اور ماحول کے محرکات و موثرات کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہیے، جذبہ اصلاح کے باوجود بعض بزرگ خود بھی غیر محسوس طریقے پر کچھ نہ کچھ ان محرکات سے متاثر ہو سکتے ہیں، بعض باتوں کا معلوم ہوتا ہے کہ جامع صاحب خود نہیں سمجھے، یا بعد کو ملفوظ لکھا ہے، پوری بات یاد نہیں رہی یا پوری بات یاد ہے لیکن فی الحال اپنے مسودے میں اشارہ کر دیا ہے اور ارادہ یہ ہے کہ اس بات کو بعد میں وضاحت سے لکھوں گا، بعض جگہ پڑھنے والے کو شبہ ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے بات اس طرح شک کے ساتھ فرمائی ہوگی، مگر وہ شک جامع کا ہے شاہ صاحبؒ کا نہیں، مثلاً حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تاریخ وفات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے ۲۹ محرم الحرام بیان فرمائی، جامع صاحب نے اس تاریخ کو بعد میں لکھا ہے اور ۲۹ محرم لکھنے کے بعد یہ بھی لکھ دیا کہ یا ۱۲ محرم کو یعنی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی وفات ۲۹ کو ہوئی، یا ۱۲ کو ظاہر ہے کہ اپنے والد ماجد کی تاریخ وفات حضرت شاہ عبدالعزیز کا حافظہ کیسے فراموش کر دیتا، یہ ایک عظیم جاں گداز سانحہ تھا، اس کی تاریخ اس طرح شک کے ساتھ شاہ صاحبؒ بیان نہیں کر سکتے تھے، لامحالہ جامع صاحب کو شک ہوا کہ یہ تاریخ فرمائی تھی یا یہ اور بعد کو معلوم کیا نہیں، غرضکہ کچھ جامع نے کچھ کاتب نے کچھ مترجمین نے مل ملا کر ایسی کیفیت پیدا کر دی کہ بعض اہل علم حضرات کو ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ کے کل یا جز کے الحاقی یا مصنوعی ہونے کا شبہ ہونے لگا، میں نے ان ملفوظات پر کافی غور کیا ہے، میں اس کے تمام مندرجات کو صحیح سمجھتا ہوں، بس بات یہی ہے کہ جامع سے لے کر مترجم تک کے تصرفات سے بعض ملفوظات کا نقشہ تبدیل ہو گیا ہے جس سے ایک ذہین و ذکی ناظر سخت الجھن محسوس کرتا ہے۔

مجموعی حیثیت سے یہ ملفوظات بہت دلچسپ اور بہت سی معلومات کے حامل ہیں، جامع نے اپنا نام اگرچہ نہیں بتایا لیکن کچھ محنت کرنے کے بعد ان کے دیباچے کی روشنی میں اتنا معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کس جگہ کے یا کم از کم کس علاقے اور خاندان کے شخص تھے۔

جامع ملفوظات نے شروع میں لکھا ہے کہ میں بتاریخ ۱۳ رجب ۱۲۳۳ھ بروز شنبہ دوسری مرتبہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوا، احباب و اعزاء کا سلام پہنچایا، حضرت نے ”بعد استفسا و خیر و عافیت جسمانی و روحانی و اہلی و مالی“ میرے مشاغل کو معلوم فرمایا اسی دن میں نے ملفوظات لکھنے کی اجازت حاصل کی، پھر عارضی سکونت کے لیے ایک مکان (غالباً کرائے پر) بہم پہنچایا بعدہٗ ۱۷ رجب ۱۲۳۳ھ (یوم الجمعۃ) سے ملفوظات کا سلسلہ شروع کر دیا۔

Marfat.com

داخلی قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ شوال ۱۲۳۳ھ تک یہ کام جاری رہا اور تقریباً تین ماہ کے ملفوظات جمع کر لیے گئے ہیں اس لیے ۶ شوال ۱۲۳۳ھ کو حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا وصال ہوا ہے اس مجموعہ ملفوظات کے آخر میں ان کے مرض اور وفات سے متعلق بھی چند واقعات ہیں اور پھر چند ورق کے بعد ملفوظات ختم ہو جاتے ہیں۔

ان ملفوظات میں علاوہ مجلس خاص کے چہل قدمی کے وقت کی گفتگو بھی کہیں کہیں قلم بند ہوئی ہے، ان میں حدیث وتفسیر کے کچھ پہلو، مسائل فقہ، رموز طریقت، ادبی نکات، اپنی اور اپنے والد ماجد نیز دیگر بعض مشاہیر کی غزلیں موقع ومحل کی ابیات اور معلومات عامہ کا ذخیرہ اپنے حافظہ کی مدد سے پیش فرمایا گیا ہے، سنجیدگی کے ساتھ ساتھ کہیں کہیں ایسی ظرافت بھی جھلک رہی ہے کہ گلستان سعدیؒ کے باب پنجم وششم کا مزہ آ جائے، ان ملفوظات کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ۶۷۔۶۵ سال کی عمر میں جب کہ گوناگوں امراض لاحق ہیں، بصارت کبھی کی جا چکی ہے، ضعف بڑھ رہا ہے لیکن حافظہ شباب پر ہے، طبیعت جوان ہے اور دل زندہ ہے، وہ شاہ عبدالعزیزؒ، جن کا دل مدت سے مسلمانوں کے انتشار مسلم حکومت کے زوال نیز غلط طاقتوں کے غلبہ واقتدار کی وجہ سے غمگین ہے اور جو عالم شباب میں اپنے چچا کو خطوط تحریر فرماتے تھے تو صفحہ قرطاس پر ان کا سوز دروں نمایاں ہو جاتا تھا، عالم پیری میں ان کا ضبط غم کمال کو پہنچ گیا ہے اور وہ اپنی مجلس کے اندر ''خندہ برلب'' اور ''آتش پارہ دردل'' نظر آتے ہیں بہر حال اب میں ملفوظات کی تلخیص پیش کرتا ہوں۔

فرمایا کہ باعتبار سورۃ آخری سورۃ اِذَا جَآءَ ہے جس کو سورہ نصر اور سورہ فتح بھی کہتے ہیں، اس سورۃ میں معناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ہے، یعنی جب ہر طرح کی نصرت ہماری طرف سے آپ کو پہنچ گئی اور مقصد بعثت انجام پا گیا تو اب ہمارے پاس آ جایئے۔

فرمایا کہ مقصد چشتیاں، قوت عشق کا بروئے کار لانا اور ابھارنا ہے، اس کے لیے جو امور، ممد ومعاون ہوں ان کو اختیار کرتے ہیں، جیسے ذکر جہر وغیرہ اور اس کے لیے جو چیزیں مضر ہیں ان سے اجتناب کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب عشق حاصل ہوگا تو ''حضور وانکسار'' وغیرہ سب کچھ حاصل ہو جائے گا۔ مقصود نقشبندیاں...... احضار نقش دلدار اور تصحیح خیال ہے لہٰذا جو چیزیں اس کے لیے معاون ہیں ان کو اختیار کرتے ہیں اور جو مضر ہیں ان سے پرہیز کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ''ستقراء حضور'' سے فنا وبقا اور عشق سب کچھ حاصل ہو جائے گا...... مقصود قادریاں...... تفصیل (تصفیل کرنا) اور انکسار نفس ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب دل صاف ہو گیا تو اس کے مقابل میں جو کچھ ہے وہ جلوہ گر ہو جائے گا۔

Marfat.com

سید احمد (شہید رائے بریلوی) جو کہ بزرگ زادۂ سادات قطبی ہیں اور حضرت شاہ صاحبؒ کے مرید و خلیفہ ہیں جن کے بارے میں حضرت والا فرمایا کرتے ہیں کہ حضرت سید آدم بنوریؒ کی نسبت ''استقرار تام'' اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہے اور بہت سے لوگ دہلی میں ان کی روحانیت سے مستفیض ہوئے ہیں، انہوں نے حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت کیا کہ لفظ اللہ کیا معنی رکھتا ہے؟ جواباً ارشاد فرمایا کہ منگل کے دن میں نے قُلْ ھُوَ اللہ کی تفسیر میں کہا تھا کہ اللہ ایسی ذات کا نام ہے جو جامع جمیع صفات کمالیہ ہے اور وہ حضرت حق جل مجدہٗ کی ذات ہے...... حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ یہی اسم اعظم ہے، بشرطیکہ اس نام کے پڑھنے والے کے دل میں ماسوا کا دخل نہ ہو، پھر انہوں نے (سید احمد قطبی شہید نے) عرض کیا کہ مجھے تمام اسماء الٰہی میں اسی اسم اللہ) سے اطمینان وسکون زیادہ حاصل ہوتا ہے، ارشاد فرمایا کہ شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ جو کہ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے چچا اور پیرومرشد ہیں، ان کا معمول تھا کہ جب کوئی مرید شغل باطن کی درخواست کرتا تھا تو اس کو اپنے سامنے بٹھا کر اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام تلاوت کرتے تھے، معانی کے ساتھ اور ان معانی کی تشریح کے ساتھ...... اور جس نام سے مرید زیادہ لذت یاب اور مانوس محسوس ہوتا تھا اس کو وہی نام تلقین کرتے تھے، پھر رفتہ رفتہ اسم اللہ تک پہنچاتے تھے، ورنہ فرمادیتے تھے کہ (علاوہ فرائض کے) تم تسبیح وتلاوت نفل اور خدمت فقراء میں مشغول رہو۔

پھر فرمایا کہ تمام اسماء اسی اسم میں داخل ہیں...... پھر یہ آیت پڑھی۔

الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب آگاہ باش کہ اللہ کے ذکر سے دل اطمینان پذیر ہوتے ہیں۔

ایک مرید نے عرض کیا حضرت، اطمینان کے کیا معنی ہیں...... فرمایا: دل کا چین اور خطراتِ پریشان سے دل کا یکسو ہو جانا یعنی خاطر جمعی۔

ایک مرید مشی (چہل قدمی) کے وقت آپ کے راستے سے اینٹ پتھر کے ٹکڑے (جن سے ٹھوکر لگنے کا خوف تھا) دور کرتا جاتا تھا، فرمایا میاں تکلیف نہ اٹھاؤ، پھر فرمایا حدیث میں اس عمل کو شعبۂ ایمان اور موجب ثواب فرمایا گیا ہے۔

رات کے وقت چہل قدمی فرمارہے تھے، ایک جوان اس وقت ملاقی ہوا، شفقت کے ساتھ اس کی طرف ملتفت ہوئے اور چند لطائف بیان فرمائے، منجملہ ان کے ایک یہ لطیفہ بیان فرمایا کہ عبداللہ نامی ایک (سنی) امیر نواب شجاع الدولہ کا رفیق ومصاحب تھا، ایک دن نواب صاحب نواح جون پور میں شکار کھیلنے گئے ایک خرگوش کے پیچھے ایک شکاری کتا چھوڑ دیا گیا، کتے نے خرگوش کو پکڑ لیا اور چونکہ وہ کتا

Marfat.com

سکھایا ہوا تھا، اس لیے اس نے خرگوش کو خود نہیں کھایا فقط سونگھا، نواب شجاع الدولہ نے (خرگوش کے بارے میں اپنے مسلک یعنی حرمت کو پیش نظر رکھ کر بطور طعن) کہا عبداللہ دیکھو خرگوش کو کتا بھی نہیں کھاتا۔ عبداللہ نے برجستہ جواب دیا جی ہاں میں نے دیکھ لیا، بیشک خرگوش کو کتا نہیں کھاتا، فرمایا۔ اولیاء چار قسم کے پائے جاتے ہیں:

(۱) مستغرق۔ جیسے شیخ عبدالحق ردولویؒ اور شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ۔

(۲) اہل خدمات جیسے اقطاب۔

(۳) اہل تجرید وتفرید۔

(۴) عرفاء جو کہ ہر مظہر میں حق کا مشاہدہ اور تحقیق اشیاء کرتے ہیں، جیسے شیخ اکبرؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ بعض اعمال برائے رفع حاجات دینی و دنیوی جو احادیث میں آتے ہیں، مثلاً نماز (حاجت) یا دعائیں وہ اعمال اس زمانے میں فوراً اپنی تاثیر کیوں نہیں دکھاتے؟ ارشاد فرمایا کہ علماء نے اس کا جواب تین طریقے سے دیا ہے:

(۱) شرائط قبولیت مفقود ہیں۔ جب شرط نہ پائی گئی تو مشروط بھی فوت ہوا۔

(۲) ان احادیث میں یہ آیا ہے کہ یہ اس دعا کا یہ خاصہ ہے یہ نہیں ہے کہ ضرور ایسا ہو جائے گا۔ (کبھی کبھی مصلحت کے ماتحت اس دعا کو قبول نہیں بھی فرماتے) اگر (سائل کی مرضی کے مطابق) ہر دعا قبول کر لی جائے تو ایک محذور عظیم لازم آئے گا مثلاً ایک شخص دعا کر کے آب و بارش چاہتا ہے، دوسرا اپنی کسی وقتی مصلحت کی وجہ سے بارش نہیں چاہتا ہے اسی پر اور باتوں کو قیاس کرلو۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے اور یہی تحقیقی جواب ہے کہ کثرت ظلمات گناہ کے سبب سے نورانیت دعا اپنا کھلا ہوا نتیجہ اور فائدہ برآمد نہیں کر رہی ہے۔

دیکھو موسم برسات میں اگر اندر خشک جگہ میں بھی سامان رکھا ہو تو اس میں (کچھ نہ کچھ) نمی اور تری کا اثر آجاتا ہے۔ یبوثت، چنداں اپنا کام نہیں کرتی اور موسم گرما میں اس کے برعکس ہے، اسی طرح جب فضا ظلمات معاصی سے پُر ہوتی ہے تو استجابت دعا کم ہوتی ہے، یا ہوتی ہے مگر مفہوم نہیں ہوتی، یا کبھی اللہ تعالیٰ قدرے دعا قبول کر لیتا ہے۔

میر احمد علی شاہ نے عرض کیا کہ حضرت والا نے بعد ختم قرآن متصلاً پھر قرآن شروع فرمایا اس کی اصل کیا ہے؟ ارشاد فرمایا حدیث میں آیا ہے بہترین عمل (منزل پر) اترنا اور پھر سفر کے لیے کمر کس لینا

Marfat.com

ہے، یعنی جب قرآن شریف ختم کرے تو پھر شروع کردے (اذکار نووی میں یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اور اس حدیث کے آخر میں ہے کہ بعض صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اترنے اور سفر کرنے سے کیا مراد ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قرآن کا ختم کرنا اور پھر شروع کرنا) اسی دوران میں فرمایا کہ مجھ کو قرآن مجید کے اندر جو معنی ہائے عجیب وغریب بہم پہنچتے ہیں اور ان کی جس قدر آمد ہوتی ہے، حدیث میں اتنے معانی کی آمد نہیں ہوتی، حدیث شریف کا مطلب و مفہوم (زیادہ تر) موافق کتب وشارحین حدیث بیان کرتا ہوں۔

ایک مرید نے عرض کیا، تین دن ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب کے اندر آپ کی شکل میں دیکھا ہے، میں نے محسوس کیا کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر توجہ مبذول فرمارہے ہیں، میں بہت ہی لذت یاب اور مسرور ہوا اور قلب اس وقت سے سبک اور ہلکا ہو گیا ہے (ابھی اس خواب کے متعلق حضرت شاہ صاحب کچھ فرمانے نہ پائے تھے کہ) ایک دوسرے مرید نے خواب ہی کے بارے میں ایک اور بات دریافت کر لی، حضرتؒ نے اس کا جواب دیا، پھر پہلے شخص نے جس نے اپنی خواب بیان کی تھی، عرض کیا، حضرت میرے جواب کی تعبیر کیا ہوئی؟ فرمایا، بھائی میں تو سگ کوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، یعنی فی نفسہٖ تمہارا خواب صحیح ہے، لیکن میری شکل میں جو تم نے زیارت کی میں اس قابل کہاں تھا؟...... یہ تمہارے اس حُسنِ ظن کی بات ہے جو میرے ساتھ رکھتے ہو اور خواب کا اتنا حصہ حُسنِ ظن کا اثر ہے۔)

فرمایا...... کچھ عرصہ ہوا ایک شیعی درگاہ سلطان المشائخ میں وارد ہوا، شہر کے فضلاء، علماء، فقراء اور عوام وخواص درگاہ میں حاضر ہوتے ہی ہیں، اس نے شہر کے بعض فضلاء سے سوال کیا کہ ایک نو مسلم ہے وہ بعد قبول اسلام آخر کس مذہب و مسلک کو اختیار کرے اور وہ کیسے جانے کہ کون سا مذہب، حق ہے؟ اگر طلب علم کرے تو ایک مدت درکار ہے اور انجام کے لحاظ سے خطرات ہیں، بعض نے اس کا جواب کچھ دیا، بعض نے کچھ، ایک جواب یہ دیا گیا کہ فریقین کی متفق علیہ اور مختار باتوں کو اختیار کر کے تحصیل علم کرتا رہے اور تحصیل علم کے بعد جس کے راستے کو اچھا جانے اس پر چلے...... آخر یہ مسئلہ بندے کے سپرد کیا گیا، جب لوگ میرے پاس آئے تو اس (نو وارد) شخص کو بھی اپنے ہمراہ لائے، میں نے کہا کہ وہ نو مسلم چھ باتوں سے جان لے کہ (مسلمانوں میں) مذہب حق کون سا ہے، اول یہ دیکھے کہ مکہ جہاں خانہ خدا ہے وہاں کون سا طریقہ جاری ہے اور کون سا طریقہ ناپید ہے، دوسرے مدینہ میں کون سا مسلک و مذہب ہے؟ تیسرے قرآن کس کو محفوظ ہوتا ہے اور کس کو نہیں، چوتھے بعد نبوت، ولایت کس فرقے میں

Marfat.com

جاری ہے، پانچویں عید و جمعہ (کا اہتمام) کہاں ہے، چھٹے ہندوستان میں جہاد فی سبیل اللہ کس نے رائج کیا اور یہ سلطان محمود غزنویؒ اور شہاب الدین غوریؒ کون تھے؟

ارشاد فرمایا کہ غازی الدین خاں جو اچھے شاعر تھے، کہا کرتے تھے کہ جس شعر میں معنی نہ ہوں (مہمل ہو) اس کو (خواہ مخواہ کھینچ تان کر کے) تصوف میں لے جاؤ معنی پیدا کر لے گا۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ بعد عصر سورہ عم تیسالون کی تلاوت کو بزرگوں نے مورث و موجب محبت الٰہی بتایا ہے کیا حدیث میں بھی یہ بات آئی ہے یا فقط بزرگوں کا تجربہ ہے؟ فرمایا کہ یہ بات حدیث میں نہیں ہے۔

سید احمد (شہید) کے بارے میں جو کہ حضرت کے بڑے خلفاء میں سے ہیں اور جن کا ذکر خیر اس سے پہلے بھی آ چکا ہے، بعض حاضرین مجلس نے عرض کیا کہ ان کو جو حضرت والا کے ساتھ فنائیت و عشق ہے اس کی وجہ سے ہم کو بھی ان سے بہت محبت پیدا ہو گئی ہے، ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ بندے سے خالص محبت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، یہ خالص محبت ہونا اختیاری بات نہیں ہے چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے ؎

یا دل بکہ باید داد ، یا دل ز کہ باید برد
دل دادن و دل بردن ایں امر خدا داد است

(یعنی کسی کو دل دینا چاہیے اور کسی سے دل لے لینا چاہیے، یہ دونوں باتیں خداداد ہیں بندے کے اختیار میں نہیں ہے۔)

ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو علم کی دولت یا کوئی اور نعمت عطا فرمائے تو اس کو چاہیے کہ اس نعمت کی ترویج و اشاعت کا اہتمام کر کے اس نعمت کو مزید کر لے، مولوی[۱] امام الدین جو کہ روساء کٹرہ مانک پور سے تھے اپنے بھائی مولوی نظام الدین کی تلاش میں آئے تھے، انہوں نے فراق پسر میں اپنی والدہ کی بیقراری کا تذکرہ کیا تو فرمایا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام اپنے والد ماجد حضرت یعقوب علیہ السلام سے جدا ہوئے تو صرف اس جدائی کا قلق اتنی کشش نہیں رکھتا تھا کہ بیٹے کو کھینچ لیتے اور پا لیتے، پھر جب دوسرے بیٹے کی جدائی کا قلق بھی شامل حال ہو گیا تو پھر اتنی قوت پیدا ہو گئی کہ دونوں سے ملاقات ہو گئی (مطلب یہ کہ تمہارے فراق کا اثر بھی تمہاری والدہ پر ہوا ہو گا، اس سے امید ہے کہ نظام الدین تمہارے ہمراہ والدہ کے پاس پہنچ جائیں) فرمایا کہ مثل والد ماجد صاحب (حضرت شاہ ولی اللہ

[۱] ترجمہ کراچی میں اس نام پر فٹ نوٹ دے کر ظاہر کیا ہے کہ یہ مولانا قاری امام الدین بخشی امروہی ہیں۔ کہاں کٹرہ مانک پور کہاں امروہہ کوئی تک بھی ہو۔

Marfat.com

کے میں نے کسی کا حافظہ نہیں دیکھا، ہاں سنا ضرور ہے، چنانچہ شعبی کے حافظے کے واقعات، جن کی روایت بخاری میں جا بجا آتی ہے...... عبدالملک ابن مروان حاکم وقت نے ایک مرتبہ ان کے حافظے کا امتحان اس طرح لیا کہ ان کو اپنے پاس بلوایا اور ملک عراق کے چار صوبوں کے دیہات و پرگنات کا حساب جمع وخرچ کاغذ سے ان کے سامنے پڑھا اور چند دن کے بعد ان کو طلب کر کے اس جمع وخرچ کی تفصیل زبانی دریافت کی، مطابق رجسٹر کے ان کے حافظے میں تفصیل موجود تھی، سب سنا دی...... اس کے بعد امام ترمذیؒ کے حافظے کا واقعہ سنایا...... اسی ضمن میں کسی نے مولوی راشد بنگالی کا ذکر کیا کہ وہ اس قدر ملکہ رکھتے تھے کہ سبق بھی پڑھاتے جاتے ہیں اور مسودہ بھی لکھتے جاتے ہیں، فرمایا کہ یہ بات کثرت مزاولت اور مشق سے تعلق رکھتی ہے اگرچہ حافظہ اور ذہن بھی شرط ہے، پھر اسی ضمن میں ایک حیرت انگیز واقعہ اپنے بچپن کا سنایا۔ پھر فرمایا کہ شاہ محمد عاشق (پھلتی) جو کہ والد ماجد کے شاگرد اور خلیفہ اعظم تھے اور سبیل الرشاد وغیرہ کتب کے مصنف بھی تھے ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ ایک شاگرد کو بڑی محنت سے پڑھا رہے ہیں اور عین مشغولیت درس میں ان کی نسبت باطنی انتہائی جوش پر ہے، ارشاد فرمایا کہ میں جس زمانے میں دہلی کہنہ میں رہتا تھا کوچہ انبیاء میں ایک سید کے گھر ایک پوربی باندی رہتی تھی جو بالکل جاہلہ تھی اور نماز کی بھی پابند نہ تھی چونکہ وہ عمر رسیدہ ہوگئی تھی اور گھر کے تمام صاحبزادوں پر اپنا حق رکھتی تھی اس لیے وہ لوگ اس کی بڑی خدمت اور دیکھ بھال کرتے تھے جب اس کا آخری وقت ہوا تو وہ ایک آواز پوربی لہجے میں بلند کرتی تھی جس کا مطلب ومفہوم کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا حکماء وصلحاء کو بلا کر دریافت کیا گیا، کچھ نہ معلوم ہوا آخر میرے چچا شاہ اہل اللہؒ کے بلانے کی نوبت آئی وہ تشریف لے گئے انہوں نے معلوم کر لیا کہ اس کی زبان سے لَا تَخَائِی لَا تَحْزَنِی (اے عورت مت خوف کر مت غمگین ہو) نکل رہا ہے، چچا صاحب نے اس کے تیمارداروں سے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کہ یہ الفاظ کس وجہ سے کہہ رہی ہے؟ بڑی کوشش کے بعد اس نے جواب دیا کہ ایک جماعت (فرشتوں کی) آئی ہوئی ہے اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل رہے ہیں (جو میری زبان پر آگئے) پھر آپ نے دریافت کرایا کہ کیا تو ان الفاظ کا مطلب سمجھ رہی ہے؟ اس نے کہا مجھے تو بس اتنا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ جماعت مجھے تسلی دے رہی ہے، پھر چچا صاحب نے فرمایا کہ اس سے دریافت کرو کس عمل کی وجہ سے یہ تسلی دی جا رہی ہے؟ اس نے کچھ دیر کے بعد کہا کہ یہ حضرات کہہ رہے ہیں کہ تیرے پاس اور اعمال خیر تو نہیں ہیں البتہ ایک دن موسم گرما میں گھی لینے کے لیے بازار گئی تھی۔ جب تو نے گھی لا کر گھر میں جوش دیا تو اس میں سے ایک روپیہ نکلا اول تو نے چاہا کہ اس روپے کو چپکے سے اپنے پاس رکھ لے، اپنے کام میں لائے اس لیے کہ کسی کو اس راز کی خبر نہ تھی، پھر یہ

Marfat.com

خیال کر کے کہ حق تعالیٰ تو دیکھ رہا ہے تو نے وہ روپیہ دکاندار کو لوٹا دیا تیرا یہ عمل اللہ کے یہاں پسند ہوا اسی کی وجہ سے ہم تجھ کو بشارت دے رہے ہیں۔

ارشاد فرمایا کہ اسی زمانہ اور اسی محلے کی بات ہے کہ وہاں ایک بزرگ تھے جب ان کے انتقال کا وقت قریب آیا اور نزاع کا عالم ہوا تو میں اپنے چچا صاحب کے ساتھ وہاں گیا وہ بزرگ تسبیح گردانی کے طور پر انگلیوں کو حرکت دے رہے تھے اور سو دانوں کے شمار کے بعد جس طرح شمارے کو ایک خاص انداز میں کھینچا جاتا ہے وہ اتنی دیر کے بعد انگلیوں کو ایک خاص حرکت دیتے تھے، جب چچا صاحب نے (تسبیح ہاتھ میں لے کر) غور کیا تو ٹھیک سو دانوں کے شمار کے بعد انگلیوں کی وہ خاص حرکت ہو رہی تھی (حالانکہ نہ تو اس وقت ان بزرگ کے ہاتھ میں تسبیح تھی اور نہ شمار کا ہوش تھا) اس وقت چچا صاحب نے فرمایا کہ اچھے کام کا محاورہ بھی کام میں آتا ہے (یعنی اچھے کام کی عادت ڈال لینا بھی اچھی بات ہے) مشق ہو جانے کے بعد فعل، بلا ارادہ بھی وقوع میں آجاتا ہے۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ اگرچہ حضرت والا کو گوناگوں امراض گھیرے ہوئے ہیں اور مجلس میں گفتگو بھی فرماتے رہتے ہیں اس کے باوجود اکثر اوقات حضرت کے برکات قلبیہ ہم کو محسوس ہوتے ہیں، بصد انکسار فرمایا کہ توجہ چار قسم کی ہوتی ہے۔

(۱) انعکاسی ...... یہ تمام طرق میں ہے ...... جب ایک قلب دوسرے قلب کے مقابل ہو تو اس کا اثر ہوتا ہی ہے جیسا کہ آئینہ جب کسی چیز کے مقابل ہو تو وہ چیز بے ارادہ اس میں جلوہ گر ہو جاتی ہے، اس توجہ انعکاسی کے لیے فقط مرید کی صفائی قلب درکار ہے۔

(۲) القائی ...... جیسے ایک شیشی کی چیز دوسری شیشی میں انڈیلیں، اس میں قصد و ارادہ شرط ہے۔

(۳) جذبی ...... اس میں قلب طالب کو کھینچ کر اپنے قلب کے نیچے رکھتے ہیں وہ اس ترکیب و تدبیر سے متاثر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ایک خشک کپڑا ایک تر کپڑے کے نیچے آجائے تو ضرور تر ہو جاتا ہے۔

(۴) اتحادی ...... کہ مرشد کے اوصاف بھی مرید میں سرایت کر جاتے ہیں، حتیٰ کہ یہ توجہ مرید کی صورت ظاہر پر بھی اثر انداز ہو جاتی ہے (یعنی مرید صورتاً بہت کچھ پیر و مرشد کے مشابہ ہو جاتا ہے۔)

فرمایا ...... کہ بزرگ چار قسم کے ہیں۔

(۱) سالک مجذوب ...... کہ اول سلوک اختیار کیا بعد ازاں جذب کی نوبت آئی یہ بہترین قسم ہے۔

(۲) مجذوب سالک ...... کہ پہلے ایک قسم کے جذب سے سرفراز ہوئے بعد ازاں سلوک اختیار کیا۔

(۳) سالک محض ...... جو جذب سے مشرف نہیں ہوئے۔

Marfat.com

(۴) مجذوب محض ...... جن کی عقل، غلبہ تجلی الحق کی بناء پر سلب ہو جاتی ہے، ایک مرید نے عرض کیا کہ سلوک و جذب کے کیا معنی ہیں؟

فرمایا ...... سلوک تو اجتہادات کسب (کوشش و جدوجہد) کا نام ہے اور جذب عنایت خداوندی ہے، جو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے چنانچہ ایک شاعر نے کہا ہے

تا کہ از جانب معشوق نباشد کششی
کوشش عاشق بیچارہ بجائے نرسد

(یعنی جب تک محبوب حقیقی کی طرف سے کشش نہ ہو بیچارے عاشق کی کوشش ناکام رہتی ہے۔)

ایک مرید نے ...... دریافت کیا تمام افعال خلاف شرع، راہ سلوک کو بند کرتے ہیں یا بعضے؟ ارشاد فرمایا کہ تکدّر تو خلاف شرع اعمال سے پیدا ہو جاتا ہے لیکن بعض اعمال ایسے ہیں کہ نسبت مع اللہ کا بیج بھی نہیں چھوڑتے۔

جیسے مکر، فریب، نخوت، تکبر، خودنمائی، طلب دنیا، طلب جاہ وغیرہ اور بعض کبائر ایسے ہیں کہ اگر وہ بطور ندرت کے کبھی کبھی سرزد ہو جائیں تو (بعد توبہ) نسبت کو ختم نہیں کرتے ...... بعض وہ اعمال ہیں جن سے نسبت کی نورانیت، قدرے ظلمت میں تبدیل ہو جاتی ہے، جیسا کہ صغائر بے قصد و ارادہ۔

ارشاد فرمایا ...... کہ نیت کا بہت زیادہ اعتبار ہے، نیت کا دخل ہر امر میں ہے اور سلوک میں تو خاص طور پر نیت کو دخل ہے۔

ارشاد فرمایا ...... ایک بزرگ تھے ان کا نام عبدالقادر تھا وہ بہت کم کھاتے پیتے تھے (ان کی یہ خصوصیت تھی کہ) وہ جس کو دیکھتے زبردستی اصرار کے ساتھ اپنا مرید کرتے تھے بلکہ ایک ایک دن میں ایک شخص کو دو دو مرتبہ مرید کرتے تھے، لوگ ان سے تنگ آ گئے اور ان کو دیکھ کر بھاگنے لگے ...... کسی نے ان بزرگ سے اس شوق بیعت کا سبب دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا تھا کہ ''اے علیؓ! تمہارے ذریعہ سے اگر ایک شخص بھی ہدایت پا جائے تو سرخ اونٹوں سے بہتر ہے (اسی وجہ سے میں لوگوں کو مرید کرتا ہوں کہ کسی کے راہ راست پر آ جانے سے مجھے اجر مل جائے۔)

فرمایا کہ برہان الدین ابوالخیر بلخیؒ بچپن کے زمانے میں اپنے باپ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے راستے میں برہان الدین مرغینانیؒ صاحب ہدایہ کا گزر ہوا، صاحب ہدایہ نے برہان الدین بلخیؒ کو خوب غور سے دیکھا اور فرمایا کہ میرا خدا مجھ سے کہلوا رہا ہے کہ یہ بچہ (بڑا ہو کر اپنے کمالات کے باعث) مرجع خلائق ہو

Marfat.com

گا، باپ نے جو ساتھ تھے آمین کہی (چنانچہ ایسا ہی ہوا) یہی برہان الدین بلخیؒ ایک شعر میں فرماتے ہیں۔

گر کرمت عام شد رفت ز برہان عذاب
در بہ تعمل کار شد کہ چہا دیدنیست

(یعنی اے اللہ اگر تیرا لطف وکرم شامل ہوگیا تو مجھ برہان الدین سے عذاب دور ہو جائے گا اور اگر میرے اعمال کے مطابق کارروائی ہوئی تو نہ معلوم مجھے کیا کیا مصیبتیں دیکھنی اور جھیلنی پڑ جائیں۔

فرمایا کہ ہر دین مذہب میں احوال خمسہ کی حفاظت ورعایت ضروری سمجھی گئی ہے، حفظ عقل، حفظ نفس، حفظ دین، حفظ نسب، حفظ مال۔

ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ اگر کوئی خواب میں ڈرتا ہے تو اس کو یا شدید بہت زیادہ پڑھنا چاہیے۔

فرمایا کہ خانقاہ، خان گاہ کا معرب ہے یعنی بادشاہوں کی جگہ۔

ایک شخص کے سوال کرنے پر فرمایا ہر بھوکے محتاج کو کھانا کھلانا چاہیے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔

فرمایا کہ حضرت نظام الدین اولیاء کے عہد میں تین ضیاء تھے۔ ایک ضیاء الدین سنامی جو حضرت کے منکر ومخالف تھے، دوسرے ضیاء الدین نخشی بدایوئیؒ جو نہ معتقد تھے اور نہ منکر تھے، تیسرے ضیاء الدین برنی (بلندشہری) صاحب تاریخ ہند (تاریخ فیروز شاہی) یہ حضرت کے مرید تھے۔

ارشاد فرمایا کہ عزیز و اقارب اکثر معتقد نہیں ہوتے ہیں اور (بعض) ہم عصر لوگ بھی خواہ مخواہ نفرت وعداوت کا اظہار کیا کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر قسم کے رلواں ملواں اعمال اپنی نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں اور ان سے ہر قسم کا معاملہ پڑتا رہتا ہے بس وہ اسی بناء پر ناخوش ہو جایا کرتے ہیں کہا گیا ہے۔ اَلْمُعَاصِرَۃُ اصل المنافرۃ یعنی ہمعصری منافرت کی جڑ ہے۔

ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک ایک حافظ اگر دو چار جگہ تراویح پڑھے تو سب ادائیگی سنت ہو جائے گی چنانچہ میرا بچہ (نواسہ) میاں محمد یعقوب ایسا ہی کرتا ہے، وہ ہر رات ایک پارہ مدرسے میں تراویح کے اندر سناتا ہے پھر گھر جا کر وہی ایک پارہ جماعت سے پڑھتا ہے، اس طرح وہ رمضان میں دو قرآن ایک دو دن کے فرق سے ختم کر لیتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ میں نے بارہ گھنٹے سے کچھ کھایا نہیں، درد سر وغیرہ لاحق ہے اور ضعف بہت ہے (یہ تو میرا حال ہے اور) بہت سی عورتیں (گھر میں) آئی ہوئی بیٹھی ہیں اب وہ مجھ سے ذکر سے متعلق نیز فقہی مسائل کی بابت بہت سے سوالات کریں گے۔

Marfat.com

حاضرین مجلس میں سے ایک نے عرض کیا کہ حضرت! عورتیں بہت خوش عقیدہ اور با اخلاص ہوتی ہیں فرمایا ہاں ...... اسی بناء پر تو حضرت سفیان ثوریؒ کا قول ہے عَلَيْكُمْ بِدِيْنِ الْعَجَائِزِ (تم بوڑھی عورتوں کے طریقے کو لازم پکڑو) یعنی جس طرح وہ اپنے معاملات میں پختہ ہوتی ہیں تم بھی اسی طرح اپنے اندر دینی پختگی پیدا کرو۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ یہ جو ہوتا ہے کہ کبھی کسی سے طریقہ چشتیہ میں مثلاً بیعت ہوتے ہیں، پھر اسی بزرگ سے یا کسی دوسرے بزرگ سے قادریہ نقشبند میں بیعت ہو جاتے ہیں، جائز ہے یا نہیں ہے؟ فرمایا کہ اول جس طریقے میں بیعت ہو اس کا سلوک طے کرے چاہے اس میں کمی رہ جائے اور مکمل نہ ہو سکے، پھر بعد کو دوسری جگہ دوسرے طریقے میں اخذ فیض کرے تو مضائقہ نہیں ہے طریقہ اول کا سلوک طے کیے بغیر دوسری جگہ بیعت جائز تو ہے لیکن بیعت کو بازیچۂ اطفال نہ بنائے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ میں ملک دکن سے اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کی زبان مبارک سے رہنمائی حاصل کروں اور مستفید ہوں۔

ارشاد فرمایا کہ بعد نماز صبح لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمُلْكُ الْحَقُ الْمُبِيْنُ پڑھا کرو ظاہر و باطن کا فائدہ محسوس کرو گے۔

فرمایا...... تمام سلسلے اچھے ہیں اور ہر ایک سلسلے والا اپنے سلسلے پر ناز کرتا ہے اور سب نے ہی آداب وقواعد سلوک بیان کیے ہیں لیکن بزرگان نقشبند نے قواعد سلوکیہ کو خوب درست کیا ہے (کے طور پر) یوں سمجھو جیسے انگریزوں کی جنگ کہ وہ پوری تیاری اور بندوبست کے ساتھ میدان جنگ میں آتے ہیں، مولانا جامی نے نقشبندیہ سلسلے کے ابتدائی دور میں جب کہ اس سلسلے پر اعتراضات ہوتے تھے ایک غزل کہی ہے اس کا ایک شعر یہ ہے۔

نقشبندیہ عجب قافلۂ سالارند   کہ برند از رہ پنہاں بحرم قافلہ را

ایک (لطیفہ) ارشاد فرمایا...... کہ ایک شخص جو نقشبندی سلسلہ سے تعلق رکھتے تھے، سماع سنتے تھے اور وجد کرتے تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ تم تو نقشبندی ہو یہ وجد و سماع کہاں سے آ گیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ میری سسرال والے چشتی ہیں، وجد و سماع جہیز میں آیا ہے۔

فرمایا کہ فن طبابت بھی ہمارے خاندان کا معمول تھا، دادا صاحب (شاہ عبدالرحیمؒ) اور چچا صاحب (شاہ اہل اللہ) مطب کرتے تھے، والد ماجد (شاہ ولی اللہؒ) نے اس مشغلے کو موقوف کر دیا مگر میں کتب طب کو پڑھتا ہوں، پہلے ایسا ہوتا تھا کہ شرح داؤد انطاکی وغیرہ بعض کتب میں شہر دہلی کے اطباء کو اشکال

Marfat.com

پیدا ہوتا تھا تو وہ مجھ سے تحقیق کرلیا کرتے تھے، اب تو کتاب (دانی) موقوف ہوگئی (اس لیے کوئی تحقیق کرنے نہیں آتا) اب اس امر سے بھی نجات مل گئی (کہ کتب طب کے مشکل مقامات حل کروں)۔

فرمایا کہ ہندو سینکڑوں کی تعداد میں بندے کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں۔

ایک شخص نے سوال کیا کہ کیا ان قصبات وقریات کے (جاہل) لوگوں کا یعنی نام کے مسلمانوں کا جن کا کلمہ وکلام بھی درست نہیں ذبیحہ درست اور جائز ہے؟...... فرمایا اگر ضروریات دین کا انکار نہیں کرتے تو ان کا ذبیحہ جائز ہوگا۔

فرمایا پسر محمد علی[1] خان (فاروقی) ارکاٹی نے ترجمہ تحفہ اثنا عشریہ عربی زبان میں مولوی سلمی[2] (مدراسی) سے کرا کے ملک عرب میں بھیجا ہے، میرے پاس بھی ایک نسخہ بھیجنے کا قصد تھا مگر وہ بھیج نہ سکے۔

فرمایا کہ تحفہ اثناء عشریہ[3] کی تاریخ تصنیف ایک شخص نے یوں کہی ہے:

تحفہ را یک فن مداں کہ درو سوئے ہر معرفت سراغ آمد
سوئے الفاظ و معانیش بنگر ہست دریا کہ در ایاغ آمد
بسکہ نور ہدایت است درو سال تاریخ او ''چراغ'' آمد
(۱۲۰۴ھ)

بہ سبیل تذکرہ فرمایا کہ ایک شاعر نے (بندے کے متعلق) یوں کہا ہے۔

---

[1] گوپامئو، ضلع ہردوئی کے فاروقی خاندان نے مدراس میں اپنی حکومت قائم کی تھی، محمد علی خان غالباً اس حکومت کے بانی ہیں، مولانا محمد ابرار حسین فاروقی گوپاموی ایم۔اے علیگ جواہر زواہر میں فرماتے ہیں۔ ''تحفہ اثناعشریہ'' نے کافی شہرت حاصل کی جس کا عربی میں بھی ترجمہ ہوا تھا، جس کو نواب اول والئی مدراس کے صاحبزادے اور جانشین نواب عمدۃ الامراء والا جاہ ثانی نے عرب ممالک کے لیے کرایا تھا یہ نا معلوم ہوسکا کہ وہ ترجمہ طبع ہوا یا نہیں۔ (یہ ترجمہ شائع ہوا تھا، مرتب)۔

[2] مولوی اسلمی مدراسی کا نام محمد سعید ہے، نہایت فاضل تھے، ملک العلماء مدراس کے ارشد تلامذہ میں سے تھے ۱۲۷۲ھ میں انتقال ہوا، ترجمہ تذکرہ علماء ہند مطبوعہ کراچی ص ۱۱۰)

[3] ان تینوں شعروں کا مفہوم ومطلب یہ ہے تحفہ اثنا عشریہ کو صرف ایک فن کی کتاب نہ سمجھو، اس میں ہر علم ومعرفت کی رہنمائی موجود ہے، اس کے الفاظ ومعانی پر نگاہ کروایسا معلوم ہوتا ہے گویا کوزے میں دریا کو بند کردیا ہے چونکہ یہ کتاب نور ہدایت ویقین ہے اس لیے اس کی تاریخ تصنیف لفظ چراغ سے نکلتی ہے، انتہیٰ۔

Marfat.com

جامع[1] علم و عمل ، شیخ الوریٰ عبدالعزیز
آنکہ او اندر جوانی کار پیراں می کند
بسکہ استمداد دارد از سحاب معنوی
بحر مواج است چوں تفسیر قرآں می کند

ایک شخص نے سوال کیا کہ قدم شریف کے نقش کی اصل احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئی ہے؟ جواباً ارشاد فرمایا کہ سوائے جلال الدین سیوطیؒ کے تمام محدثین اس کو صحیح نہیں جانتے میں نے بھی اس کی سند ہر چند تلاش کی نہیں پائی۔

فرمایا کہ زیارت قبر کے بارے میں بہت سی ایسی بدعات رائج ہوگئی ہیں جن کو فقہاء منع کرتے ہیں۔

فرمایا ہر جانور کا بچہ جلد دوڑنے لگتا ہے اور آدمی کا بچہ بعد دو سال کے چلتا ہے اور وہ بھی ضعف اور آہستگی کے ساتھ، اس کا سبب یہ ہے کہ آدمی کا سر اس کے قد کے تناسب سے بڑا ہوتا ہے برخلاف دوسرے حیوانات کے کہ ان کا سر ان کے قد و قامت کے لحاظ سے چھوٹا ہوتا ہے، آدمی کو یہ بڑا سر اس لیے دیا گیا ہے کہ اس میں قوت فکر یہ زیادہ چاہیے تاکہ جمیع امورات کو انجام دے سکے۔

(اسی بات کے ساتھ یہ بھی فرمایا) ایک بات یہ بھی غور کرنے کی ہے کہ اگر کوئی چیز داہنے ہاتھ پر رکھی جائے تو بوجھل معلوم ہوتی ہے، برخلاف بائیں ہاتھ، اسی وزن کی چیز اس پر ہلکی معلوم ہوتی ہے، آخر اس کا کیا سبب ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ داہنا ہاتھ بہت سے کام انجام دیتا ہے، اس پر ایک چیز رکھ کر اس کو گویا مقید کر دیا گیا، بایاں ہاتھ زیادہ تر بیکار و معطل رہتا ہے اسی وجہ سے وہ چیز اس کو گراں نہیں معلوم ہوتی۔

ارشاد فرمایا کہ بعض امور، تجربے کے بعد معلوم ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ مطالعہ کتب (عربیہ) وہ شخص اچھی طرح کر سکتا ہے جس کو علم نحو خوب یاد ہو اور مناظرے میں وہ غالب رہتا ہے، جو اصول خوب یاد رکھتا ہو اور گھر میں تنہا بیٹھ کر فکر وہ اچھی طرح کر سکتا ہے جو منطق میں ماہر ہو۔

فرمایا کہ پختہ عالم وہ ہے جس کی چار چیزیں پختہ ہوں، مطالعہ، درس، تحریر و تقریر، مناظرہ۔

ارشاد فرمایا کہ ہر علم کے درس کا طریقہ ہمارے یہاں جداگانہ ہے اس کو تفصیل سے بیان کر کے فرمایا کہ درس تصوف میں میرا طریقہ یہ ہے کہ اول لوائح جامی بجائے میزان الصرف کے بعدہٗ لمعات اور شرح لمعات اس کے بعد درہ فاخرہ، تصنیف صدر الدین قونوی شاگرد شیخ محی الدین بن عربی، بعدہٗ نصوص

---

[1] (ترجمہ) جامع علم و عمل شاہ عبدالعزیز وہ ہیں جو جوانی کے اندر عمر رسیدہ علماء کا کام انجام دے رہے ہیں چونکہ وہ سحاب معنوی سے استمداد کرتے ہیں اس لیے تفسیر قرآن کرتے وقت ٹھاٹھیں مارنے والا سمندر معلوم ہوتے ہیں (اس قطعہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے تفسیر فتح العزیز جوانی کے زمانے میں لکھی ہے۔)

Marfat.com

پھر فتوح الغیب۔

ارشاد فرمایا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں چار بری عادتیں اپنے اندر رکھتا ہوں اگر آپ فرمائیں تو ان میں سے ایک کو چھوڑ دوں چاروں کا چھوڑنا مشکل ہے، دریافت فرمایا وہ کون کون سی بری عادتیں ہیں؟ عرض کیا: چوری، زنا، دروغ گوئی اور شراب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ (چوری وغیرہ کی) سزاؤں کا حال تجھ کو معلوم ہے اس نے عرض کیا جی ہاں معلوم ہے، فرمایا کہ بس جھوٹ چھوڑ دے، اس نے قبول کیا، پھر جب کسی حرکت کا ارادہ کرتا تھا وہ جھوٹ نہ بولنے کا اقرار اور فعل بد کی سزا کو یاد کرتا تھا اور باز رہتا تھا پھر اس نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ہر چہار طرف سے مقید کر دیا۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ کیا رسمی طور پر مرید ہونا بھی خالی از فائدہ نہیں؟

ارشاد فرمایا کہ ہاں تجربہ ہے کہ مرید رسمی بھی پیران طریق کی توجہات کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ سمرقند کی جانب سفر کرنے کا ارادہ رکھتے تھے ان سے فرمایا کہ سفر میں یا حفیظ نو سو اٹھانوے بار اور سورہ لایلاف بے تعیین کثرت سے پڑھتے رہنا۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ انزال کتب اور ارسال انبیاء سے مقصود، بالذات و بالاصل، وصول الی اللہ ہے یا احکام ظاہر کا بجالانا؟ ارشاد فرمایا کہ تم نے میرے درس میں سنا ہوگا کہ اسلام، ایمان اور احسان کی حقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیان فرمائی ہے (اس کے پیش نظر) مقصود اصلی یقیناً احسان ہے جس طرح اسلام بے ایمان معتبر نہیں، نزد امام غزالیؒ، ایمان بے احسان معتبر نہیں ہے مگر ہاں نجات فقط ایمان سے بھی ہو جائے گی، پھر فرمایا کہ بے احسان کے عبادات، جسد بے روح کی طرح ہیں، پھر فرمایا کہ اسلام، ایمان اور احسان ان تینوں میں سے ہر ایک کا ایک خاصہ ونتیجہ ہے جو اسلام لایا یعنی انقیاء ظاہر رکھتا ہے، اس کا مال اور اس کی حرمت سلطان اور طاعن سے محفوظ ہوگئی اور جو ایمان سے ملا ہوا اسلام رکھتا ہے نجات اس کے حصے میں آگئی اور جو مرتبہ احسان پر پہنچ گیا، قرب الٰہی اس کو حاصل ہوگیا گویا کہ احسان کمال مرتبہ ایمان ہے، ایک مرید نے عرض کیا کہ نوشتہ امام غزالی سب صحیح و درست ہے؟ فرمایا ہاں۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ...... امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ عوام کو جو عقیدہ سکھایا جاتا ہے وہ عقیدہ باطن کا پوست ہے اور یہ بھی انہوں نے فرمایا ہے کہ وہ ''قرارگاہ جو بمطابق مراد عوام، بہشت ہے، خواص

Marfat.com

اس سے درگاہ الٰہی مراد لیتے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ امام غزالیؒ بہشت ظاہر کا ابطال وانکار کر رہے ہیں، جواباً ارشاد فرمایا کہ نہیں امام غزالیؒ کا یہ مطلب نہیں ہے، ان کا مقصد یہ ہے کہ خواص کا نصب العین اور مطمح نظر اونچا ہوتا ہے، امام غزالیؒ نے خود عبادات کے سلسلے میں ایک مثال بیان فرمائی ہے کہ بعض بندے مثل ان غلاموں کے ہیں جو محض آقا کے زدوکوب سے بچنے کے لیے غلامی اور اطاعت کرتے ہیں، یہ مثال اس کی ہے جو صرف مسلم کہلانے کا مستحق ہے، اور کچھ لوگ ان نوکروں کی طرح ہیں جو بامید خلعت اور بامید اضافہ تنخواہ اطاعت کرتے ہیں، یہ مثال اس مومن کی ہے جو بہشت کا امیدوار ہے اور ایک گروہ عشاق کا ہے جو محض رضامندی باری تعالیٰ حاصل کرنے کے لیے اطاعت کرتا ہے، خود بیان فرمائی امید اور خوف سے قطع نظر کر کے اسی اثناء میں ایک مرید نے عرض کیا کہ میں نے ایک فاضل شخص سے دریافت کیا تھا (کہ مقصود اصلی کیا ہے؟) اول تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ مقصود اصلی خدارسی ہے اور یہی افضل ہے، پھر انہوں نے کہلا کر بھیجا کہ مقصود اور افضل، اعمال ظاہر ہیں کیونکہ بعثت انبیاء علیہم السلام اسی غرض سے ہوئی ہے چنانچہ قرآن مجید اس پر ناطق ہے، شاہ صاحبؒ نے فرمایا: نہیں ...... بلکہ افضل اعمال روح ہیں، جس طرح قلب وروح کو قالب وجسم پر فضیلت ہے (اسی طرح اعمال قلب وروح کو اعمال ظاہر پر فضیلت ہے) چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ''اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور ظاہری اعمال پر نظر نہیں رکھتا بلکہ وہ تمہارے قلوب اور تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے۔''

ارشاد فرمایا کہ تین لطائف کو حکماء بھی مانتے ہیں:

(۱) لطیفہ نفس ...... اس کو طبیعت کہتے ہیں، چیزوں کا اچھا لگنا مثلاً طعام، سبزہ، خوشبو اور خوش رو وغیرہ کا اچھا لگنا اسی سے تعلق رکھتا ہے، اس کے حقائق ودقائق وہ لوگ اچھی طرح سمجھتے ہیں جو امارت وریاست کے خاندان میں پلے بڑھے ہیں۔

(۲) لطیفہ عقل ...... علم وفہم کا تعلق اسی سے ہے، اکثر یہ لطیفہ علماء میں قوت کے ساتھ ہوتا ہے۔

(۳) لطیفہ قلب ...... یہ لطیفہ فقراء میں اکثر موجود ہوتا ہے، کیفیات سے متاثر ہونا اور ان کیفیات کو سمجھنا اسی سے متعلق ہے۔

لوگ کہا کرتے ہیں کہ فلاں چیز ہم کو اچھی لگی حالانکہ یہ طبیعت کا خاصہ ہے (طبیعت کو اچھی لگی) یا کہتے ہیں کہ میں ایسا جانتا ہوں یا سمجھتا ہوں حالانکہ یہ عقل کا کام ہے (عقل نے جانا یا سمجھا) یا کہا جاتا ہے کہ کیفیت غم وسرور سے متاثر ہوا حالانکہ یہ کار قلب ہے (قلب کیفیت سے متاثر ہوا کرتا ہے) ان تینوں

Marfat.com

لطائف میں زکاوت و بلادت (یعنی عدم ذکاوت) بھی پائی جاتی ہے۔ حکماء اس کو بھی جانتے ہیں...... پھر ارشاد فرمایا کہ سید احمد رائے بریلوی بہت ذکی القلب ہیں (اور غالباً جامع سے مخاطب ہو کر فرمایا) تم بھی ذکی القلب معلوم ہوتے ہو۔

ارشاد فرمایا...... ایک فاضل جو اکابر[1] علماء میں سے تھے (دہلی) آئے تھے، ان سے میں نے تحقیق توریت، بلسان عبرانی کی تھی، پھر شاہ صاحبؒ نے توریت کی چند آیات پڑھیں اوران کا ترجمہ بھی کیا اور فرمایا کہ یہ آیات بلاشبہ کلام خدا ہیں ان میں جلالت محسوس ہو رہی ہے۔

پھر فرمایا کہ لسان زبور و انجیل ایک تھی، نیز فرمایا کہ عربی و عبرانی میں فرق ایسا ہے جیسا کہ ہندی اور بنگالی زبان میں...... نیز فرمایا کہ ہر چہار انجیل جو نصاریٰ کے پاس موجود ہیں وہ کلام خدا نہیں ہیں بلکہ یاران حضرت عیسیٰ علیہ السلام (حواریین) نے بطور خود ان کو لکھا ہے، کلام خدا ان کے پاس سے گم ہو گیا ہے۔

اسی وقت ذکر حافظ شیرازیؒ چھڑ گیا جو تیمور لنگ کے ہمعصر تھے اور شیخ سعدی شیرازیؒ سے ڈیڑھ سو سال بعد ہوئے تھے...... فرمایا کہ جب تیمور نے شاہ شجاع کو قتل کر دیا تھا تو حافظ شیرازیؒ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ سمرقند[2] و بخارا جو ہمارا وطن ہے آپ نے ان دونوں شہروں کو (اس بیدردی کے ساتھ) کس طرح بخش دیا؟ حافظ شیرازیؒ نے جواب دیا کہ ہم اسی سخاوت کی وجہ سے تو فقیر ہو گئے۔

نواب نوازش علی خاں صاحب نے ہزاری روزے کے متعلق دریافت کیا، ارشاد فرمایا کہ حدیث میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے...... نیز فرمایا کہ ہر ماہ کے تین روزے سنت ہیں، شروع مہینے کے تین دنوں کو غرر کہتے ہیں اور آخر ماہ کے تین دنوں کو سرر کہتے ہیں اور درمیانی ایام (۱۳، ۱۴، ۱۵) کو ایام بیض کہتے ہیں، ذکر ایام بیض (حدیث میں) بہت آیا ہے اور ذکر غرر و سرر بھی آیا ہے۔

ایک مرید نے دریافت کیا کہ حضرت عائشہؓ یا فاطمہؓ نے کبھی عورتوں کی امامت کی ہے؟ فرمایا نہیں...... بلکہ یہی وجہ کراہت امامت نساء کی ہے (کہ ان جیسی تقدس مآب خواتین نے بھی عورتوں کی امامت نہیں کی) مگر عہد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا ضرور ہوتا تھا کہ اگر کسی کو مسجد میں نماز باجماعت

---

[1] بیاض رشیدی میں ان فاضل کا نام ملا فیض اللہ بتایا گیا ہے، نیز یہ بھی اسی بیاض سے معلوم ہوا کہ وہ کابل کے تھے، بیاض میں خود شاہ صاحبؒ کی ایک تحریر موجود ہے جس میں توریت کی بعض آیات اعراب کے ساتھ مع ترجمہ درج ہیں، ملفوظات میں عبارت توریت بہت غلط چھپی ہے، تعارف بیاض کے موقع پر شاہ صاحبؒ کی یہ تحریر بھی پیش کی جائے گی۔

[2] حافظ شیرازیؒ کا ایک شعر ہے ؎
اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا

Marfat.com

نہیں ملتی تھی تو وہ شخص اپنے گھر آ کر اپنے اہل وعیال کے ہمراہ نماز باجماعت ادا کر لیتا تھا، عندالتذکرہ فرمایا کہ میں اپنے بچپن کے زمانے میں قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد دوہرا رہا تھا (ایک دن) سورہ طٰہٰ کی آیت سَیُبْطِلُہٗ[1] پر پہنچا کہ ایک عورت اور اس کا مرد، جو ایک شیر کو (عمل کے زور سے) مسخر کر کے تماشہ دکھاتے ہوئے انعام کی طلب میں گھروں پر گھوم رہے تھے ہمارے مکان پر بھی آ گئے، عورت شیر کو ہمارے گھر کے اندر لے آئی (میں سورہ طٰہٰ کے مقام مذکور کو پڑھ رہا تھا) تھوڑی دیر میں اس عورت نے کہا کہ اس شیر کا حال (دیکھتے ہی دیکھتے) بے طور اور بے ڈھب ہو رہا ہے، مجھے جلد انعام دے کر رخصت کیا جائے چنانچہ اسے کچھ دے دیا گیا، وہ عورت باہر نکل کر اپنے مرد سے کہنے لگی کہ اس شیر پر ہمارے جادو کا جو اثر تھا وہ اتر رہا ہے (جلد) کوئی تدبیر کرنی چاہیے چنانچہ وہ اس کو کسی نہ کسی طرح قبضے میں کر کے باہر لے گیا۔

ایک مجلس میں چند اشعار پڑھے جن میں دو شعر یہ ہیں۔

شورش[1] اہل جنوں را مرگ ہم تسکیں نداد
گرد باد خاک مجنوں تا فلک پیچیدہ رفت
خانہ[2] زرین است دنیا ، عیش او پا در رکاب
شہسوار ست آنکہ زیں جانہ رود دامن چیدہ رفت

فرمایا خوارج سوائے حضرت شیخین کے باقی سب سے عداوت رکھتے ہیں مگر حضرت حسینؓ اور دیگر سادات کے معتقد ہیں اور ناصبی حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ دونوں سے دشمنی رکھتے ہیں۔

فرمایا کہ خارجیوں کا تسلط کبھی کسی ملک میں نہیں ہوا، عمان اور مسقط وغیرہ مقامات میں رہتے ہیں...... میں نے کسی خارجی کو نہیں دیکھا...... مگر ناصبی دیکھے ہیں۔

فرمایا کہ بعض روہیلے ایسے ہیں کہ ان کے سامنے فقط ذکر حضرت علیؓ کیا جائے تو ناراض ہوتے ہیں

---

[1] غالباً جامع ملفوظات کو یا خود شاہ صاحبؒ کو یہاں سہو ہو گیا اِنَّ اللّٰہَ سَیُبْطِلُہٗ کا لفظ سورۂ یونس میں وارد ہوا ہے۔ فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کے سامنے جب جادو کے زور سے لکڑیوں اور ڈنڈوں کو سانپ بنا دیا تو حضرت موسیٰؑ نے فرمایا تھا کہ یہ صرف جادو ہے، اللہ کے حکم سے یہ بھی ختم ہو گا۔ ملفوظ میں قرآن کے اس لفظ کی تاثیر کا تذکرہ ہے۔ ''مرتب''

[1] شورش اہل جنوں کو مرگ نے بھی تسکین نہیں دی، خاک مجنوں کا بگولہ آسمان تک پہنچ کھاتا ہوا گیا۔

[2] دنیا خانہ زرین کی مانند ہے اس کا عیش پا در رکاب ہے یعنی جلد ختم ہونے والا ہے۔ شہسوار وہ ہے جو یہاں سے دامن بچائے ہوئے جلد ہی چلا گیا۔ ملفوظات میں یہ اشعار بالکل مختلف طور سے درج ہیں۔ (مرتب)

Marfat.com

چنانچہ حافظ آفتاب جو ہمیشہ میرے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے، ایک دن حضرت علیؓ کا ذکر تھا، ہم سنیوں کی عادت ہے کہ جو صحابی بھی سامنے آئے ہم اس کے مناقب بجان و دل بیان کرتے ہیں، میں نے بھی حضرت علیؓ کے مناقب خوب بیان کیے اس پر وہ ناراض ہو گئے اور مجھے شیعی سمجھ کر میرے درس میں آنا چھوڑ دیا...... ایک واقعہ حضرت والد ماجدؒ کے ساتھ بھی ایسا ہی گزرا ہے، ایک شخص نے تکفیر شیعہ کے بارے میں والد صاحبؒ سے سوال کیا، حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اس بارے میں حنفیہ کا جو اختلاف ہے اس کو بیان فرمادیا، جب مکرر دریافت کیا تو پھر وہی جواب دیا، میں نے خود اپنے کانوں سے سنا کہ وہ شخص (محفل سے باہر نکل کر) یہ کہہ رہا تھا کہ یہ شیعہ ہیں۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ کیا مرغ وغیرہ تمام جانوروں کے لڑانے کا ایک ہی حکم ہے؟

فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جانوروں کو آپس میں بھڑکانے اور لڑانے کی ممانعت فرمائی ہے خواہ وہ وحشی جانور ہوں یا پرندے ہوں البتہ جانوروں کا پالنا اگرچہ وہ صحرائی ہوں، ممنوع نہیں ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے چھوٹے بھائی ''ابوعمیر'' نے ایک لال چڑیا پالی تھی جب وہ چڑیا مرگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: يَا اَبَا عُمَيْرُ مَافَعَلَ النغير (یعنی اے ابوعمیر تمہارا وہ لال کیا ہوا)

فرمایا کہ اطباء نے کبوتر کے بہت سے فوائد وخواص لکھے ہیں (اگرچہ ان کا اڑانا منع ہے) منجملہ ان فوائد کے ایک یہ ہے کہ کبوتروں کے پروں کی ہوا سے خفقان دفع ہوتا ہے اور لقوہ وفالج بھی...... کتاب خواص الحیوان میں تمام حیوانات کے عجیب عجیب حالات تاثیر اور خواص بیان کیے گئے ہیں۔

فرمایا کہ بعض اطباء علاج بالخاصیۃ جس کو ٹوٹکہ کہتے ہیں، کرتے ہیں چنانچہ مجھے نقرس (رانگن) کا مرض تھا اچھا نہیں ہوتا تھا ایک کتاب میں دیکھا کہ ایسے بچے کے سر کے بال، جو چالیس دن سے زیادہ اور چھ مہینے سے کم عمر کا ہو...... موضع درد پر باندھیں درد جاتا رہے گا، میں نے ایسا ہی کیا مرض جاتا رہا۔

ہندی کا ایک دوہا پڑھ کر فرمایا کہ واقعی بات تو یہ ہے کہ جب کوئی باخدا ہو جائے تو کسی اور کی طرف کیوں نظر کرے (ایک دن) یہ شعر پڑھا۔

زاہد بیا بمیکدہ دنیائے دیگر است
آبے دگر ، ہوائے دگر، جائے دیگر است

پھر اس شعر کے معنی بطور تصوف بیان فرمائے...... پھر ارشاد فرمایا کہ میکدہ سے مراد سلوک ہے اور ایسا مقام مراد ہے کہ جہاں پہنچ کر اس عالم سے بے خبر ہو جائیں۔

ایک شخص نے دریافت کیا کہ کیا گنجفہ اور چوسر، شطرنج کی طرح حرام ہیں؟

Marfat.com

ارشاد فرمایا کہ گنجفہ اور چوسر میں شطرنج سے بھی زیادہ حرمت ہے، اس لیے کہ بعض ائمہ نے (شرائط کے ساتھ) شطرنج تو مباح بھی کیا ہے، پھر فرمایا کہ جامع صغیر میں شطرنج کے کھیلنے اور دیکھنے والے پر لعنت کی حدیث لکھی ہے لیکن وہ بہت ضعیف ہے۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت علیؓ کے انیس صاحبزادے تھے، پانچ صاحبزادے حضرت حسینؓ کے ہمراہ شہید ہوئے اور حضرت حسنؓ کے نو صاحبزادے تھے، جن میں قاسم لاولد تھے دوسرے صاحبزادوں میں سے اکثر کی اولاد کا سلسلہ اب تک باقی ہے۔

ارشاد فرمایا کہ حضرت ابوحنیفہؒ، حضرت صادقؒ سے اکثر اور حضرت محمد باقرؒ اور حضرت زین العابدینؒ سے کمتر روایت کرتے ہیں اور زید شہیدؒ سے بھی بہت روایت کرتے ہیں...... ان کے شاگرد بہت ہیں جیسے فضیل بن عیاضؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہما اور ان کا مذہب، اسہل ہے، پھر حضرت ابوحنیفہ کے تقویٰ اور کرامت کے واقعات بیان فرمائے۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ کیا بیعت نیابتہً بھی درست ہے؟ ارشاد فرمایا۔ ہاں حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ بہت سی عورتوں نے قصد بیعت کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرصت نہ تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھیجا تاکہ نیابتہً بیعت لے لیں۔

ایک مرید نے دریافت کیا کہ حضرت[1] شاہ نجم الحق چائیلدہؒ کی قبر کہاں ہے؟

ارشاد فرمایا کہ فرید آباد (علاقہ دہلی) کے قریب غرب کی جانب سہنہ ایک مقام ہے وہاں ان کی قبر ہے۔

ایک مرید نے تانبے اور پیتل کے برتنوں کا مسئلہ معلوم کیا...... فرمایا ان کا استعمال درست ہے لیکن تانبے کے برتن پر احتیاط و حفاظت کی غرض سے قلعی کرالینا چاہیے تاکہ کھانا خراب نہ ہو قلعی نہ ہونے کی صورت میں کراہت ہے، پیتل کے برتن پر اگر قلعی نہ ہو تو مشابہت ہنود کی وجہ سے مکروہ و خلاف اولیٰ قرار دیا ہے، خصوصاً پیتل کی تھالی اور لٹیا کہ ایک قوم کے ساتھ مخصوص ہیں، (اور اسی وجہ سے مکروہ ہیں) برخلاف پتیلی کٹورے کے کہ سقوں کے ہاتھ میں ہو بنابریں کسی خاص قوم کے ساتھ اس کی تخصیص نہیں رہی پیتل کی سلفچی اور لوٹے کے استعمال میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

ایک مرید نے عرض کیا کیا ایک حنفی، امام شافعیؒ یا کسی اور امام کے موافق عمل کرسکتا ہے؟ فرمایا ہاں ضرورت کے وقت کسی دوسرے امام کے مذہب پر عمل کرسکتا ہے، میں نے ایک استفتاء کے جواب میں اس مسئلے کو مفصل لکھا ہے۔

---

[1] شیخ عبدالعزیز شکر بارؒ کے خلیفہ تھے۔

Marfat.com

فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلاف کی عمروں میں اور ان کے وفات میں بڑی برکت دی تھی چنانچہ علامہ جلال الدین سیوطی مصری شافعیؒ جو کہ صاحب تصانیف کثیرہ تھے ان کے اوقات کا حساب لگایا گیا ہے پندرہ سال نکالنے کے بعد کہ وہ ان کے بچپن کا اور تحصیل علوم کا زمانہ ہے روزانہ دہ ورق ان کی تصنیفات کے بیٹھتے ہیں، کب حج بیت اللہ کیا ہوگا اور کب درس علوم اور تدریس وغیرہ کا مشغلہ رکھا ہوگا؟

فرمایا کہ رسالہ عزیز یہ شاہ[1] عبدالعزیز شکر بار دہلویؒ کی تصنیف ہے بڑا اچھا رسالہ ہے، رسالہ عینیہ بھی بیان وحدت وجود میں انہیں کا رسالہ ہے اور خوب ہے...... ان کے علاوہ ان کی دوسری تصنیفات، آداب السلوک وغیرہ بھی ہیں اور سب اچھی ہیں۔

فرمایا کہ کتاب مفتاح الفیض شیخ حسن طاہرؒ[2] کی تصنیف ہے انہوں نے سلوک میں یہ بڑی اچھی کتاب تحریر فرمائی ہے۔

فرمایا کہ وہ علوم جن کا میں نے مطالعہ کیا ہے اور اپنی بساط کے مطابق ان کو یاد بھی رکھتا ہوں، ڈیڑھ سو علوم ہیں۔

ایک عالم نے عرض کیا کہ (عام طور پر) ۱۴ علوم بتائے جاتے ہیں، فرمایا یہ تحصیل علم کے اعتبار سے ہیں...... (نہ کہ مطالعہ کے اعتبار سے)

ایک شخص نے عرض کیا کہ ایک روز ذکر تھا کہ منظوم خطبہ ہندوستان میں رواج پا گیا ہے، تو کیا یہ جائز

---

[1] شیخ عبدالعزیز بن شیخ حسن طاہرؒ، میاں قاضی خاں کے خلیفہ اور متاخرین مشائخ چشتیہ میں مشہور شخصیت، شریعت، طریقت اور حقیقت کے عالم تھے، شروع ہی سے عبادت و ریاضت میں مشغول رہے، یہاں تک مرتبہ مشیخت کو پہنچے، انتہا درجے کے پابند اوقات تھے، اپنے زمانے میں تواضع، حلم، صبر و رضا، رحم و شفقت بر خلق اور رعایت فقراء کے اندر اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، غرضیکہ یادگار مشائخ چشت اور آپ کے وجود مبارک کے ذریعے دہلی میں سلسلہ ارشاد و مشیخت قائم رہا ۸۹۸ھ میں جونپور میں آپ کی ولادت ہوئی ڈیڑھ سال کے تھے کہ اپنے والد ماجد شیخ حسن طاہرؒ کے ساتھ جونپور سے دہلی آگئے جمادی الاخریٰ ۹۷۵ھ کو وفات پائی (اخبار الاخیار)

[2] راجی حامد شاہؒ کے مرید و خلیفہ تھے، آپ کے والد شیخ طاہرؒ ملتان سے طلب علم کے سلسلے میں نکلے تھے وہ ایک مدت تک بلدۂ بہار میں رہے، شیخ حسنؒ بہار ہی میں پیدا ہوئے، عالم شباب میں طلب علم کے زمانے ہی میں درد طلب معرفت دامنگیر ہوگیا تھا، بنا بریں درویشوں کی خدمت میں رہنے لگے بعدۂ راجی حامد شاہؒ کی خدمت میں پہنچے اور علماء میں سب سے پہلے یہی وہ شخص ہیں جو حضرت راجی حامد شاہؒ کے مرید ہوئے، جون پور میں سکونت اختیار کر لی تھی، بعدۂ سلطان سکندر لودھی کی درخواست پر اول آگرہ، پھر دہلی تشریف لے آئے، کوشک بجے منڈل میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ سکونت اختیار کر لی تھی ۲۴ ربیع الاول ۹۰۹ھ کو وصال ہوا (اخبار الاخیار)

Marfat.com

ہے؟ فرمایا مکروہ ہے مگر اس صورت میں مکروہ ہے جبکہ بالکل نظم ہی نظم ہو خواہ وہ نظم اردو میں ہو خواہ فارسی میں خواہ عربی میں...... اگر بعد نثر (عربی) کچھ اشعار (عربی، نصیحت آمیز) پڑھ دے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

فرمایا کہ...... فوائد الفواد (ملفوظات سلطان المشائخ) سلوک کا دستور العمل ہے، بہت ہی اچھی کتاب ہے، ہر چند کہ امیر خسرو نے بھی ملفوظات سلطان المشائخ جمع کیے ہیں لیکن وہ اس قدر مقبول نہیں ہیں۔

فرمایا کہ سلطان المشائخ عظیم الشان بزرگ تھے، اور ان کے خلفاء بھی کیسے کیسے عالیشان ہوئے ہیں جیسے حضرت اخی سراج (یعنی شیخ سراج الدین عثمان اودھیؒ) حضرت نصیر الدین (چراغ دہلی)

فرمایا کہ حضرات قدماء چشتیہ نے سماع، مزامیر کے ساتھ نہیں سنا، چنانچہ سلطان المشائخ (حضرت نظام الدین اولیاءؒ) جو کہ سماع کے عاشق تھے، فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص مزامیر سنے وہ میری محفل میں نہ آئے۔

ارشاد فرمایا کہ...... شیخ سدوؒ[1] کے نام کا کھانا نہ کھانا چاہیے اس لیے کہ اس کھانے کو لوگ بھوگ کے طور پر کرتے ہیں، سدو کی ایذا رسانی کے خوف سے۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ بعض جگہ بعض جنات کی پختہ یا خام چیز پر نیاز دلاتے ہیں صرف اس خیال سے کہ یہ جن فلاں بزرگ سے تعلق رکھتا تھا۔

فرمایا...... ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

ارشاد فرمایا کہ میرے شاگردوں میں دو شاگرد خوب ہیں ایک مولوی رفیع الدین (شاہ رفیع الدین

---

[1] امروہہ میں سلطان معز الدین کیقباد کے زمانے میں اب سے ٹھیک سات سو سال پہلے سب سے پہلی جامع مسجد حکومت کی جانب سے بنائی گئی، عہد اکبری میں سید محمد میر عدل امروہیؒ نے اس کی شان و شوکت میں اور اضافہ کیا۔ اس مسجد میں ایک مدرسہ بھی تھا جو مدرسہ معزیہ کہلاتا تھا، اس مسجد کے ایک موذن صدر الدین (جو سدو کہلانے لگا) کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ عملیات کا ماہر تھا اور غلط طریقے پر یہ بھی مشہور ہے کہ اس کی روح ماری ماری پھرتی ہے، ہوس پرستوں اور شرک پسندوں نے مدد کے نام پر کھانے پکانے کے دھندے نکال لیے اور مسلمانان امروہہ کی روشن پیشانی پر بدنامی کا ٹیکہ لگا دیا، صحیح طور پر متعین کر کے نہیں کہا جا سکتا مگر کوئی دو سو سال سے یہ شرک کا بازار گرم تھا، مدد کا بکرا تو مشہور ہی ہے جس کو فتاویٰ اور تفسیر میں حضرت شاہ صاحبؒ نے حرام قرار دیا ہے۔ شرک پسندوں نے جن میں سنی اور شیعہ کے دونوں ہیں مسجد سے باہر میلا کرتے کرتے یہ چاہا کہ اس قدیم مسجد کو اپنے مشرکانہ رسوم کا مرکز بنائیں، امروہہ کے حساس مسلمانوں نے ان کے مقصد کو پورا نہ ہونے دیا، اس کا مقدمہ چل رہا ہے، ناظرین دعا کریں کہ اہل حق کو کامیابی ہو۔

Marfat.com

دہلویؒ) اور دوسرے مولوی الٰہی بخش (مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ) یہ دونوں بقیدِ حیات ہیں (مولوی) مراد علی (جو کہ میرے شاگرد ہیں) کلکتہ میں رہتے ہیں مگر شغل تدریس چھوڑ دیا ہے، تجارت میں مشغول ہو گئے ہیں۔ باقی (اکثر شاگرد) انتقال کر گئے۔

فرمایا کہ...... مولوی رفیع الدین (دہلویؒ) نے ریاضیات میں اتنی ترقی کی ہے کہ ریاضی کے موجد محمد علی نے شاید اسی قدر ترقی کی ہو۔

فرمایا کہ...... والد ماجدؒ نے ہر ایک فن میں ایک ماہر شخص تیار کیا تھا اور ہر فن کے طالب کو اس فن کے ماہر کے سپرد کر دیتے تھے، خود معارف گوئی اور معارف نویسی میں مشغول رہتے تھے اور درس حدیث دیتے تھے (بعض مضامین) بعد مراقبہ اور کشف کے ذریعے معلوم کر لینے کے بعد تحریر فرماتے تھے، بیمار کم ہوتے تھے، عمر شریف ۶۱ سال چار ماہ کی ہوئی ۴ شوال المکرّم کو پیدا ہوئے تھے اور ۲۹ محرم الحرام کو بوقت ظہر وفات پائی...... (اس کے بعد غالباً دوبارہ معلوم کر کے جامع ملفوظات نے وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ) آپ کی تاریخ تولد ۴ شوال ۱۱۱۴ھ روز چہار شنبہ ہے، تاریخ وفات ''او بود امام اعظم دین'' (۱۱۷۶ھ) ہے۔

ارشاد فرمایا کہ سلطنت کفر کے ساتھ قائم رہ سکتی ہے ظلم کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتی۔

ارشاد فرمایا کہ...... فی الحقیقت بیعت، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلکہ خدا سے ہوتی ہے، تمام (مرشد) نائب حضرت رسالتمآب ہیں اور مرید، بشرط اجازت نائب مرشد ہوتا ہے۔

فرمایا کہ مثنوی مولانا روم کل کی کل جواہر نفیسہ کی مانند ہے لیکن اس کا ایک شعر تو لاکھ روپیہ کا ہے

در کند رد لطف او شد بیشتر ~~~ بہر تقریب سخن بار دگر

(یعنی اگر اللہ تعالیٰ بندے کی دعا کو قبول نہ فرمائے تو یہ بھی اس کا ایک بڑا لطف و کرم ہوتا ہے اس لیے کہ اس صورت میں دوبارہ اس سے مناجات کرنے اور گفتگو کرنے کی تقریب پیدا ہو جاتی ہے۔)

ایک شخص کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ میں نے عربی اشعار ایک مدت تک کہے ہیں، اب ۲۵ سال سے کہنے موقوف کر دیئے ہیں، نیز فرمایا کہ عربی نظم ونثر کی خوبی یہ ہے کہ اس میں عجمیت بالکل محسوس نہ ہو چنانچہ ہمارے خاندان میں (عربی نظم ونثر کے اندر یہی بات ہے (کہ بوئے عجمیت نہیں پائی جاتی)

فرمایا کہ والد ماجدؒ کی مثل مجھے کوئی شخص نظر نہیں آیا علاوہ کمال علوم اور دیگر کمالات کے ان کو ضبط اوقات میں بھی کمال حاصل تھا کہ بعد اشراق تحریر وتصنیف کے لیے جا بیٹھتے تھے اور دوپہر تک زانو نہیں بدلتے تھے حتیٰ کہ جسم کو کھجلاتے اور تھوکتے بھی نہ تھے۔

Marfat.com

ایک بزرگ نے عرض کیا کہ میں نے آپ کے جدامجد (حضرت شاہ عبدالرحیمؒ) کوخواب میں دیکھا ہے بالکل آپ کی صورت تھے، فرمایاہاں میں اپنے دادا سے بہت مشابہ ہوں۔

فرمایا میں نے نعت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں بہت سے اشعار کہے ہیں اور والد ماجدؒ کے ہر دوقصیدۂ ہمزائیہ دیائیہ کومخمس کیا ہے یعنی ہر شعر پر تین مصرعے اپنی طرف سے لگائے ہیں، ادبی تذکرے میں بید مجنوں کا ذکر آ گیا تو فرمایا کہ میں نے بھی بید کوایک شعر میں نظم کیا تھا وہ شعر یہ ہے ؎

زنازک طبع غیر از خود نمائیہا نمی آید
درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد

ترجمہ۔ نازک مزاج لوگوں سے سوائے خودنمائی کے اور کچھ نہیں آتا، میں نے درخت بید کو (جوکہ نازک ہوتا ہے) دیکھا کہ ہمیشہ بےثمر رہتا ہے۔

فرمایا کہ...... ہرچند والد ماجدؒ نے مجھے شغل معالجہ اور طبابت سے منع فرمادیا تھا لیکن طب (فی نفسہٖ) اچھی چیز ہے، گویا جاں بخشی ہے۔

نیز فرمایا کہ میں ایک مرتبہ بچپن میں بیمار ہوگیا تھا، ایک حکیم نے میرا علاج کیا (بفضلہٖ تعالیٰ) مجھے شفا ہوگئی، والد صاحبؒ نے ان حکیم صاحب سے فرمایا کہ چونکہ تم نے مجھے خوش کیا ہے اس لیئے بولو میں تمہارے حق میں کیا دعا کروں، اگرچہ اس انداز میں بات کہنی والد صاحبؒ کی عادت کے خلاف تھی (مگر حکیم صاحب سے یہ بات فرمادی) حکیم صاحب نے عرض کیا کہ آپ دعا کردیں کہ میں ملازم ہو جاؤں اسی زمانے میں وہ سو روپے کے ملازم ہو گئے اور سواری بھی ان کو ملی، جب انہوں نے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میں (آپ کی دعا سے) ملازم ہوگیا تو فرمایا کہ تمہاری ہمت بہت کم تھی کہ تم نے فقط دنیا پر اور اتنی حقیر چیز پر اکتفا کیا۔

فرمایا کہ مکہ معظمہ میں اس وقت سلطان مراد (شاہ روم) کی بنوائی ہوئی عمارت ہے جس کو ۱۰۱۶ھ میں تعمیر کرایا تھا۔

فرمایا کہ قطب مینار سات منزل کا تھا، اب چھ منزل رہ گیا ہے، اس پر سے ایک فقیر (تماشے کے طور پر) جست لگایا کرتا تھا اور کمال یہ کرتا تھا کہ اپنے لمبے اور گھیردار لباس کے ساتھ ہوا میں معلق ہو جاتا تھا، پھر انتہائی کمال یہ دکھاتا تھا کہ (نیچے کھڑے ہوئے تماشائیوں کے مجمع میں سے) کوئی انعام کے لیے روپیہ دکھاتا تو اس روپئے کو لینے کے لیے اوپر سے نیچے جست لگا کر اترتا تھا اور اس مجمع کثیر میں سے اسی روپیہ دکھانے والے کو پکڑ لیتا تھا، حالانکہ اتنے جمگھٹے میں ایک مخصوص شخص کا شناخت کر لینا مشکل بات

Marfat.com

ہے، میں نے اس کا یہ کمال اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

فرمایا کہ (ایک مرتبہ رمضان کے مہینے مین) ایک رات میں نے دہلی کی جامع مسجد میں شمار کیا تھا ۳۵ جگہ حفاظ جماعت کے ساتھ تراویح پڑھا رہے تھے۔

فرمایا کہ اگر آدمی کردار کا سچا اور پکا ہو تو بڑی اچھی بات ہے کتب سلوک میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک چور تھا اس نے اپنے گروہ سے یہ عہد کیا تھا کہ میں سوائے بادشاہ کے گھر کے کسی کے یہاں چوری نہیں کروں گا چنانچہ ایک رات موقع پا کر وہ بام بادشاہ پر چڑھ گیا، دیکھا کہ بادشاہ جاگ رہا ہے اور اپنی بیوی سے لڑکی کی شادی کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے، درمیان گفتگو میں بادشاہ نے کہا کہ میں گردونواح کے شاہوں میں اس لڑکی کا رشتہ نہیں کروں گا، میں تو یہ چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص سے اس کی شادی کروں جو صالح ہو اور دین کا بادشاہ ہو، بیوی نے کہا کہ آپ کس طرح پہچانیں گے کہ یہ دین کا بادشاہ ہے، جواب دیا کہ جو شخص ایک سال تک تکبیر اول فوت کیے بغیر نماز باجماعت پڑھے گا وہ بلاشبہ صالح ہوگا یہ دوسری بات ہے کہ اس کو کوئی شرعی عذر ہو اور اس کی وجہ سے کبھی تکبیر اول رہ جائے۔

اس چور نے جب یہ سنا تو چوری چھوڑ چھاڑ کر ایک مسجد میں ڈیرا ڈال لیا اور سال بھر تک اس کی تکبیر اول فوت نہیں ہوئی، اب سوائے اس کے کوئی ایسا نہ تھا کہ اس کی تکبیر اول سال بھر تک فوت نہ ہوئی ہو (ایک سال گزرنے پر بعد تحقیقات) بادشاہ اس مسجد کی طرف گیا، سلام و کلام اور تعظیم و تکریم کے بعد بادشاہ نے اس شخص سے دریافت کیا کہ آپ کے پیر و مرشد کون ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے پیر و مرشد تو سرکار ہی ہیں اور پورا قصہ بیان کیا...... پھر (بادشاہ کے کہنے کے باوجود) اس کی لڑکی سے اپنی شادی کرنا منظور نہیں کیا۔

پھر ارشاد فرمایا کہ نیت ہمیشہ ڈانواڈول رہا کرتی ہے، اسی بناء پر بزرگوں نے کہا ہے کہ عمل خیر میں مشغول رہنا چاہیے، انشاءاللہ تعالیٰ کبھی نہ کبھی نیت درست ہو ہی جائے گی۔

فرمایا کہ حکومت نواب وزیر (حکومت اودھ) ابھی تک دارالحرب نہیں بنی اگرچہ دارالرفض ہے...... تجربے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اس حکومت میں بے برکتی بہت ہے اگرچہ یہ بے برکتی انگریزوں کی عملداری والے علاقوں سے کم ہے۔

مولانا عبدالعلیؒ (بحرالعلوم فرنگی محلی) کا اور آصف الدولہ کے ان کو طلب کرنے کا ذکر آیا تو فرمایا کہ غازی الدین حیدر اگر مجھے بلا منصب و جاگیر بھی طلب کرے گا تو میں وہاں جاؤں گا، بشرطیکہ وہ میرے مسلک سے معترض نہ ہو اور پھر ان شاءاللہ تعالیٰ دکھاؤں گا کہ ایک مخلوق راہ ہدایت پر آجائے گی، اپنی

Marfat.com

تقاریر کا ڈھنگ بھی بدل دوں گا، یعنی وہ تقاریر بالکل اچھوتے اور نئے انداز کی ہوں گی، جو سب میں مقبول ہوں گی اور لوگ متوجہ ہو کر دین حق اختیار کر لیں گے۔

ارشاد فرمایا کہ پانی کم پینے سے قوت گویائی بڑھ جاتی ہے چنانچہ حکیم سنائیؒ نے فرمایا ہے ؎

ذہن ہندی و نطق اعرابی
بود از کم خوری و کم آبی

(یعنی ہندوستانی کا ذہن کم کھانے اور عرب کے دیہاتی کی قوت گویائی کم پینے کی وجہ سے ہے)

فرمایا کہ ہر قوم کا ذہن کسی نہ کسی فن میں ہوتا ہے۔ چنانچہ ذہن ہنود، حساب میں اور ذہن انگریز، جزوی صنعت وحرفت میں اور ریاضیات میں خوب ہے، اگرچہ وہ دقائق منطقیہ اور مسائل الہیات و طبعیات کو کم سمجھتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔

فرمایا کہ دو میوے ایسے ہیں کہ تین حواس ان سے لذت یاب ہوتے ہیں۔ ولایت میں سیب اور ہندوستان میں آم قوت باصرہ ان میوؤں کے رنگ سے، قوت شامہ ان کی خوشبو سے اور زبان ان کے ذائقے سے لذت حاصل کرتی ہے۔

فرمایا کہ...... کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے ؎

کیمیا خواہی ، زراعت کن کہ خوش گفت آنکہ گفت
زرع را ثلثین زر است و ثلث دیگر ہم زراست

(یعنی اگر تو کیمیا کا خواہش مند ہے تو زراعت کر، بقول شخصے زرع (کھیتی) کے حروف میں دو ثلث تو زر ہے ہی، آخری ثلث بھی عین ہے جس کے معنی سونے کے ہیں)

چہل قدمی کے وقت نواب فیض محمد خاں وغیرہ امراء، سواری سے اتر اتر کر ملاقات اور مصافحہ کر رہے تھے، ان میں بعض امراء ایسے بھی تھے کہ پھر سوار نہیں ہوئے، حضرت والا کے پیچھے پیچھے چلتے تھے (اسی چہل قدمی کی حالت میں) فرمایا کہ میں اس مرض سے جس کی بناء پر یہ چہل قدمی کر رہا ہوں...... دیگر امراض کے مقابلے میں زیادہ تکلیف محسوس کرتا ہوں...... پھر یہ شعر پڑھا۔

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوانِ عشق
او بصحرا رفت و ما در کوچہا رسوا شدیم

(یعنی میں اور مجنوں دونوں مکتب عشق میں تعلیم پایا کرتے تھے، وہ جنگل کی طرف چلا گیا اور میں گلی کوچوں میں رسوا ہو گیا۔)

Marfat.com

پھر فرمایا، جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا ہو وہی بہتر ہے۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین
خاک ، بر فرق قناعت بعد ازیں

(یعنی اگر سلطان دیں مجھ سے بالفرض، طمع کا مطالبہ کرے تو پھر میں طمع کروں گا اور قناعت کے سر پر خاک ڈال دوں گا۔)

پھر امیر خسروؒ کے وہ اشعار پڑھے جو تعریف دہلی میں ہیں (ان میں کا ایک شعر یہ ہے)

حضرت دہلی کنف دین و داد
جنت عدن است کہ آباد باد

چہل قدمی کے بعد مکان واپس آکر چارپائی پر استراحت فرما ہوئے شاہزادہ مرزا محمد جان تشریف رکھتے تھے وہ چارپائی کے نیچے بیٹھے رہے، ارشاد فرمایا کہ معاف کرنا میں معذور ہوں، میرا خادم بھی مالش اعضاء کے لیے چارپائی کے اوپر بیٹھے گا...... (یہ سن کر) شاہزادے نے تواضع کا اظہار کیا اور اپنے ہاتھ سے بدن مبارک کو دابنا شروع کر دیا حضرت والا نے معذرت کر کے اس کو اس خدمت سے باز رکھا۔

اسی اثناء میں ایک حافظ صاحب وارد ہوئے، ان کی خیریت دریافت کرنے کے بعد فرمایا، میں نے سنا ہے کہ تم اچھی آواز سے اشعار پڑھتے ہو مجھے اشتیاق ہے، کچھ سناؤ، مگر یہ واضح رہے کہ اگر میری مرضی کے موافق نہ ہوئے تو منع کر دوں گا، اس کو معاف کر دینا...... پھر ایک مرید سے ارشاد فرمایا کہ کلمات الصادقین میں سے جو کہ صلحاء دہلی کے حالات پر مشتمل ہے کچھ پڑھو۔ پھر فرمایا کہ ترک اولیٰ یا خطائے اجتہادی کی وجہ سے کسی پر طعن واعتراض کرنا اچھی بات نہیں ہے، ہر معاملے میں خصوصاً کسی پر اعتراض کرنے میں طریقہ اعتدال اختیار کرنا اچھا ہے۔

فرمایا کہ شاہ عبداللطیف گجراتیؒ کے متعلق عالمگیرؒ نے بہت کچھ تعظیمی الفاظ لکھے ہیں، جب عالمگیر نے دکن سے ان کو لکھا کہ اشتیاق قدم بوسی غالب ہے اگر اجازت ہو تو حاضر خدمت ہو جاؤں تو انہوں نے جواب تحریر فرمایا کہ آپ کے یہاں آنے میں ایک قباحت ہے اور وہ یہ کہ آپ مجھ (ناکارہ) کو دیکھ کر یہ سمجھیں گے کہ اولیائے سابق بس اسی طرح کے ہوں گے جیسا کہ یہ ہے، اس صورت میں اولیاء کبار کی طرف سے آپ کا ذہن غلط ہو جائے گا۔

ایک شخص نے دریافت کیا کہ فرض نماز میں امام کو لقمہ دینا درست ہے یا نہیں؟ ارشاد فرمایا کہ...... فقہاء نے اس میں اختلاف کیا ہے، صحیح تر یہ ہے کہ لقمہ دینا چاہیے، اگر امام نے ایسی غلطی کی ہے جس میں

Marfat.com

معنی بدل رہے ہیں تو لقمہ دینا فرض ہے ورنہ مستحب۔

ارشاد فرمایا کہ (سورہ فاتحہ میں) اِھْدِ نَا سے پہلے نَسْتَعِیْنُ کا جو نون ہے اس میں وصل کر کے (یعنی اِھْدِنَا سے ملا کر) پڑھنا اچھا نہیں ہے اگر چہ نماز میں کوئی خلل نہیں آتا۔

ارشاد فرمایا کہ...... کسی بزرگ کے بارے میں ایسا عقیدہ قائم نہ کرنا چاہیے جو خلاف کتاب وسنت ہو، سمجھ کر عقیدت کرنی چاہیے اور سوچنا چاہیے کہ اولیاء کے حالات لکھنے والا سوائے کرامت اور خرق عادات کے اور باتیں کب لکھتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ...... انبیاء معصوم اور اولیاء محفوظ ہیں، معصوم وہ ہے کہ اس سے باوجود استعداد گناہ، گناہ کا سرزد ہونا محال ہو اور محفوظ وہ ہے کہ گناہ اس سے ممکن ہو اگر چہ واقع نہ ہو۔

پہلی صورت مستلزم محال ہے، دوسری ممکن غیر واقع ہے۔

ارشاد فرمایا کہ...... ۱۵ شعبان کی رات (شب برات) کو مغرب کے وقت سے لے کر صبح صادق تک تجلیات الٰہی کا نزول آسمان دنیا پر ہوتا ہے اگر ہو سکے تو تمام رات ورنہ اکثر حصہ شب میں عبادت کرے۔

ارشاد فرمایا کہ...... فن ریاضی میں مولوی رفیع الدین (دہلوی) سے بہتر (شاید) ہند اور بیرون ہند میں کوئی نہ ہوگا، اہل قصبات کو اس قسم کے فنون سے مناسبت نہیں ہوتی ہاں مولوی عبدالعلی صاحب (بحر العلوم فرنگی محلیؒ) کو مناسبت و مہارت ہے۔

فرمایا...... آج کی رات (شب برات میں) سب مومنین کی بخشش ہوگی مگر مشرک، کینہ ور، طوائف، زناکار، والدین کا نافرمان، رشتے داری کو منقطع کرنے والا، ناحق قتل کرنے والا اور متکبر وغیرہ، یہ لوگ نہیں بخشے جائیں گے۔

امیر خسروؒ کا یہ شعر پڑھا: حضرت دہلی کنف دین و داد لخ پھر فرمایا کہ جس وقت امیر خسروؒ نے یہ اشعار دہلی کی تعریف میں کہے اس زمانے میں دہلی ایسی ہی تھی، حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ موجود تھے، کہتے ہیں کہ اس وقت جب کوئی شخص غیاث پور (بستی حضرت نظام الدین اولیاء) میں داخل ہوتا تھا تو اس کی حالت دگرگوں ہو جاتی تھی۔

فرمایا کہ...... سید حسن رسول نماؒ میرے جد امجد (حضرت شاہ عبدالرحیمؒ) کے ہمعصر تھے، باہم بہت دوستانہ تھا اور آپس میں ہنسی دل لگی کی باتیں بھی ہوتی تھیں۔ چنانچہ ایک دن جد امجد ان کی ملاقات کو گئے وہ قصداً چارپائی پر چڑھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم سمجھے بھی کہ میں چارپائی پر تم سے اونچا ہو کر کیوں بیٹھ

Marfat.com

گیا اس لیے بیٹھ گیا کہ تمہارے مرید مجھ سے ناراض ہو جائیں، میرے دادا نے فرمایا کہ میرے مرید ناراض نہیں ہوں گے اس لیے کہ بلی وغیرہ کی عادت ہوتی ہے کہ بالائے بام چڑھ جاتی ہے اور گھومتی رہتی ہے، وہ اس بات کو سن کر بہت خوش ہوئے۔

(ایک محفل میں) یہ شعر پڑھے۔

یا رسول اللہ نمی گویم کہ مہمان تو ام
ما فقیرے طعمہ خوار ریزہ خوان تو ام
بر لب افتادہ زباں، گر گیں سگے ام تشنہ جاں
آرزومندے نمے از بحر احسان توام[1]

ایک صاحب نے دریافت کیا کہ (بعض) اعمال سفلی، قوی التاثیر اور (بعض) اعمال علوی ضعیف التاثیر پائے جاتے ہیں اس کا کیا سبب ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا کہ شرع شریف میں اعمال سفلی سے جو منع کیا گیا ہے وہ اس بنا پر ہے کہ ان سے دین کو نقصان پہنچتا ہے، ان کی تاثیر سے انکار نہیں کیا گیا ہے جیسے زہر ہے کہ وہ حرام ہے مگر اس کی تاثیر کی قوت بھی بالکل ظاہر و مسلم ہے۔

ایک دن حضرت شاہ صاحب حسب دستور چہل قدمی کر رہے تھے، (چھوٹے چھوٹے بچوں نے بھی بڑوں کی دیکھا دیکھی راستے میں حضرت والا سے مصافحہ کیا اس پر) ارشاد فرمایا کہ بچے بڑوں کو بوقت چہل قدمی مصافحہ کرتے ہوئے دیکھتے ہیں تو خود بھی ایسا ہی کرتے ہیں، مقلد اور محقق کا فرق یہی ہے، محقق جو کچھ کرتا ہے سمجھ کر کرتا ہے، پھر فرمایا کہ (اچھے کام کی تقلید بھی اچھی ہے بسا اوقات کام آجاتی ہے۔

فرمایا کہ...... حضرت شاہ عبدالعزیز شکر بار دہلویؒ کے برادر کلاں خیالی تخلص کرتے تھے پھر ان کے چند خلفاء کے نام بیان فرما کر ان کی ایک مشہور غزل پڑھی جس کا پہلا شعر یہ ہے۔

اے تیر غمت را دل عشاق نشانہ
خلقے بتو مشغول، تو غائب ز میانہ

تراویح پڑھتے وقت زور کی بارش آگئی مگر امام نے قرأت کم نہیں کی، لوگ تربتر ہو گئے اس کو سن کر ارشاد فرمایا کہ ایسے وقت میں نماز توڑ کر سائبان یا چھت کے نیچے چلا جانا بہتر ہے، خصوصاً بعض بیماروں کا

---

[1] آقائے نامدار میں یہ نہیں کہتا کہ میں آپ کے دربار میں مہمان بن کر آیا ہوں۔ میں تو آپ کے دسترخانِ کرم کا ایک ریزہ چیں اور معمولی فقیر ہوں، میں ایک ایسا بیمار کتا ہوں جس کی زبان پیاس کی وجہ سے ہونٹوں پر آگئی ہے، میں آپ کے بحر احسان سے تھوڑی سی تری کا آرزومند ہوں۔

Marfat.com

خیال کر کے (جو جماعت میں ہوں گے) نیز ایسے وقت میں کم پڑھنا چاہیے اور سورۂ کوثر (جیسی سورتوں) پر اکتفا کرنا اچھا ہے۔

فرمایا کہ دو واقعے ہمارے سامنے عجیب پیش آئے، جن میں سے ایک قاضی سونی پت کا ہے کہ وہ روزہ کی حالت میں حقہ پیتا تھا اور کہتا تھا کہ دھواں کھینچنا بموافق روایت ہدایہ درست ہے کیونکہ اس میں لکھا ہے کہ اگر خاک وغبار اور دھواں حلق میں چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا، بہت سے لوگ اس (نادان جاہل) قاضی کا اتباع کرتے تھے، میں نے ہر چند اسے سمجھایا کہ بھائی دخل وادخال (دھواں داخل ہونے اور داخل کرنے) میں بہت بڑا فرق ہے مگر اس قاضی کی سمجھ میں نہیں آیا۔

ارشاد فرمایا کہ...... اصل چیز کیفیت ونسبت ہے اس کو حاصل کرنا اور اس میں مشغول رہنا چاہیے باقی موافق استعداد جو کچھ مقدر ہے ظہور میں آئے گا۔

حدیث مطرب و مے گو و راز دھر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا[1]

ارشاد فرمایا کہ...... میرے دادا قوت نسبت اور کشف کے جامع تھے، ایسے جامع اشخاص کم ہوا کرتے ہیں، جس کسی میں نسبت قوی ہوتی ہے اس کو کشف کم ہوتا ہے اور جس کو کشف زیادہ ہوتا ہے نسبت کمزور ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ اصل چیز دل کا رنگین ہونا ہے کہ یہی چیز وقت مرگ اور بعد مرگ کام آئے گی، فقط کشف گوئی دنیا کمانے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

ارشاد فرمایا ایک غزل بہت اچھی معلوم ہوئی اس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

ہر جا کہ کنم خانہ ہم خانہ تُرا یابم
آنجا نہ روم ہرگز بہ خانہ تُرا یابم

ارشاد فرمایا...... تعزیت کے واسطے جانے میں بہت ثواب ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تعزیت کے لیے تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(سحری کے متعلق ایک سوال کے جواب میں منجملہ اور ارشادات کے یہ بھی) فرمایا کہ سحری کھانے کا ایک نقد فائدہ تو یہ ہے کہ (صبح صادق سے پہلے) بیدار ہو جائے گا اور کم از کم اتنی بات تو ہو گی کہ اس کی عادت کے خلاف ایک عمل ہو جائے گا (بظاہر) مصلحت شارع یہ معلوم ہوتی ہے کہ (رمضان میں)

---

[1] تم تو ذوق وشوق کی باتیں کرو اور رازِ دہر کو مت تلاش کرو کیونکہ کسی نے بھی ارشاد ناحق عقل وحکمت سے اس معمے کی عقدہ کشائی نہیں کی۔

Marfat.com

کھانے کے وقت تو کھانے نہ دیں اور جو نیند کا اور آرام کا وقت ہے اس میں کھانا کھلائیں (باوجود ضعف کے) اس مضمون کی تقریر اس طرح فرمائی کہ سوال کرنے والے نے اپنے دل میں طے کیا کہ مقتداؤں اور بزرگوں کی سمجھی ہوئی اور فرمائی ہوئی بات پر ہی عمل کرنا چاہیے، ان کی سمجھی ہوئی بات کو چھوڑا نہ جائے بدل و جان قبول کیا جائے اگرچہ بالفعل اس کی حقیقت ذہن نشین نہ بھی ہو۔

ارشاد فرمایا...... مردم روم و کشمیر بالطبع خوش الحان ہوتے ہیں، میرے بچپن کے زمانے میں ایک خطیب روم سے (دہلی) آئے تھے ان کے خطبے کو سن کر لوگ بیہوش ہو جاتے تھے، بعضے (ہمہ تن گوش ہو کر) بیٹھے رہتے تھے، بعضے دل پکڑ لیتے تھے اور جو لوگ بہت ہی سخت دل ہوتے تھے وہ یہ کہتے ہوئے سنے گئے کہ اس خطیب کی آواز تیر کی طرح براہِ راست دل تک پہونچتی ہے، فرمایا کہ بعض اہل قلم نے لکھا ہے کہاں تک صحیح ہے اس کو خدا جانے کہ ایک دن دارا شکوہ پسر شاہجہاں نے حفاظ لاہور کو جمع کیا، صرف ایک محلے سے پانچ ہزار حافظ نکل کر آئے۔ فرمایا کہ دہلی میں حکیم اور شاعر بہت ہیں، پھر فرمایا کہ اس شہر کو شعر سے اور تاریخ سے طبعی مناسبت ہے اور اسی کو علم سمجھتے ہیں۔ تحفہ اثنا عشریہ کے بارے میں فرمایا کہ ایک شخص نے اس کتاب کی تعریف میں لکھا تھا کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اگر اس کے برابر سونا لے کر اس کو بیچا جائے تو بائع کو خسارہ رہے گا۔''

ارشاد فرمایا کہ...... اگر کوئی شخص دادا صاحب (حضرت شاہ عبدالرحیمؒ) کے مزار پر جا کر مراقب ہوتا ہے تو نسبت ابوالعلائی کے آثار محسوس کرتا ہے۔ اس کی وجہ ہے کہ دادا صاحبؒ نے خلیفہ ابوالقاسم (ابوالعلائی اکبرآبادی) کی بہت کچھ صحبت اٹھائی ہے اور ان سے فوائد حاصل کیے ہیں، رمضان المبارک میں افطار کے بعد اور سحری میں پانی (زیادہ) پینے اور معمول کے مطابق عرق بادیان وغیرہ کا استعمال نہ کرنے کی وجہ سے حضرت شاہ صاحبؒ کے چہرۂ اقدس پر اور آنکھوں پر ورم بہت آ گیا تھا اور یہ ورم کچھ دنوں رہا، حکماء و احباء جب حالات مزاج دریافت کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ میری صورت دیکھ لو میرا حال نہ دریافت کرو، میرا ظاہر حال تو یہ ہے جو تم دیکھ رہے ہو اور میرا باطن اس سے بھی زیادہ خراب ہے، ایک مرید نے عرض کیا کہ اس زمانے میں، مقامات فنا و بقا میں قوت کیوں نہیں ہے؟ فرمایا کہ میں بارہا کہہ چکا ہوں کہ ہر زمانے کی ولایت اس زمانے کی سلطنت کے مثل ہوتی ہے۔ ایک شخص بادشاہ وقت (اکبر شاہ ثانی) کا بھیجا ہوا آیا۔ اس نے بادشاہ کی طرف بعد سلام التماس کیا کہ چونکہ وبا شدت سے پھیلی ہوئی ہے اس لیے میں کل کو (بغرض دعا) چار گھڑی دن چڑھے جامع مسجد میں آؤں گا، حضرت والا بھی تشریف لے آئیں...... پھر اس قاصد نے سوال کیا کہ وبا کے زمانے میں دوسرے شہر کو چلا جانا جائز ہے؟ ارشاد فرمایا، منع آیا ہے، اس لیے کہ مریض بے تیماردار رہ جائیں گے اور شکستہ دل ہوں گے، ارشاد

Marfat.com

فرمایا کہ قحط وغیرہ مصائب میں ذمی کی بیع اور احراء مسلم کی بیع کو ملا الہداد شارح ہدایہ نے جائز لکھا ہے اور (بعض) علمائے قصبات مشرق (علماء اودھ) نے اس کے مطابق فتویٰ بھی دیا ہے چنانچہ میں نے مولوی نظام الدین (فرنگی محلیؒ) کے دستخط کا فتویٰ خود دیکھا ہے مگر میں اور میرے اکابر اس قول پر فتویٰ نہیں دیتے اور اس بیع کو صحیح نہیں جانتے۔

ایک مرید نے عرض کیا کہ جس دن کے لیے بادشاہ نے آدمی بھیجا تھا اس دن بادشاہ سے آپ کی ملاقات ہوئی تھی؟ میں تو حضرت شاہ غلام علی کے ساتھ تھا (پیچھے رہ گیا) اول تو میں بادشاہ کی سواری اور اس کے تزک واحتشام کا نظارہ (جامع مسجد سے باہر) کرتا رہا، اس کے بعد ہر چند چاہا کہ آپ سے اندر جا کر ملاقات کرلوں مگر (کثرت ہجوم کی وجہ سے) موقع نہ مل سکا، اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ میں جامع مسجد کی سیڑھیوں تک پہنچا تھا کہ بادشاہ بھی پہنچ گئے، سلام ومصافحہ ہوا، بادشاہ نے کہا کہ جناب عالی کو بہت تکلیف ہوئی، میں نے کہا کہ آپ کے پاس خاطر اور خلق اللہ کے نفع کے لیے تکلیف اٹھانے میں کیا مضائقہ ہے؟ پھر میں نے ایک گوشے میں نماز دوگانہ ادا کی اس کے بعد بادشاہ نے مجھے اپنے پاس بلالیا، میں نے چاہا کہ تواضع اور معذرت کر کے بادشاہ سے کچھ دور بیٹھوں مگر اس نے اپنے قریب ہی بٹھایا...... توبہ، کلمہ اور دعا کی تلقین کی گئی ہے، اس کے بعد شاہ غلام علی کی تعریف کر کے میں نے بادشاہ سے کہا کہ ان کو بھی بلائیے چنانچہ وہ بھی بلائے گئے، پھر ہم نے دعا کی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

فرمایا کہ انگریزوں کے شروع زمانے میں ایک سال بارش رک گئی (خشک سالی ہوگئی) بادشاہ پیادہ پا عیدگاہ تک گیا اور مجھ کو بلایا (اتفاق ایسا ہوا کہ) عیدگاہ کی طرف جانے کے وقت آسمان پر کچھ بادل تھا بھی اور واپس آنے کے بعد وہ بھی نہ رہا، ایک نواب صاحب نے سلام کر کے مجھ سے کہا کہ طلب ابرو باراں کے واسطے تشریف لے گئے تھے یا بارش رکوانے کے لیے؟ میں نے جواب دیا کہ وہ بادل جو دکھائی دے رہا تھا ناقص ونا کارہ تھا، ایسے بے فائدہ بادل کو ہٹوانے اور کارآمد ونافع، بادل کی طلب کے لیے گیا تھا، نواب صاحب کہنے لگے کہ جناب کی تقریر کے آگے کون کامیاب ہوسکتا ہے؟ غرضیکہ نواب صاحب نے ایک قسم کا استہزاء کیا تھا (جس کا جواب دے دیا گیا) دوسرے دن بھی (برائے استسقاء عیدگاہ جانا ہوا اور) بارش نہیں ہوئی، تیسرے دن گئے تو خوب ابر آیا اور خوب بارش ہوئی، چنانچہ تر بتر واپس آیا۔ نواب صاحب نے شرم کے مارے اپنے مکان کا دروازہ بند کرلیا، میں نے آواز دی کہ جناب دروازہ تو کھولیے انہوں نے دروازہ کھولا اور کہا کہ واقعی اچھا بادل آیا اور ناقص چلا گیا، ان پر پشیمانی کے آثار تھے، انہوں نے معذرت بھی چاہی۔

Marfat.com

نواب عبدالصمد[1] علی خاں کے نام ...... جو حضرت کے مرید تھے، ایک مرید سے مکتوب گرامی تحریر کرایا، کاغذ صاف اور عمدہ نہ تھا اس پر فرمایا۔

شیشہ صاف ار نبا شد گو سفال کہنہ باش
رند درد آشام را با ایں تکلفہا چہ کار[2]

ایک شخص نے ایسے درود کی درخواست کی جس کے پڑھنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں ہو جائے، فرمایا کوئی سا بھی درود پڑھو اگر زیارت مقدر ہے تو ضرور ہوگی، بارہا تجربہ ہو چکا ہے کہ جو کوئی زیارت کے سلسلے میں زیادہ کوشش کرتا ہے زیادہ دیر میں کامیاب ہوتا ہے اور جس کے نصیب میں زیارت ہوتی ہے وہ آسانی سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔

ارشاد فرمایا کہ...... میں نجیب خاں (نجیب الدولہ) کی عیادت کو (نجیب آباد) گیا ہوں (وہاں کے بعض دلچسپ واقعات بھی سنائے) پھر فرمایا کہ نجیب الدولہ کے یہاں نو سو عالم رہتے تھے، جن کی پانچ روپے سے لے کر پانچ سو روپے تک تنخواہ تھی، تین قاضی۔ حنفی، شافعی اور مالکی مذہب کے موجود تھے، ایک حنبلی قاضی کو بھی بلایا تھا، مگر وہ چلا گیا۔

ارشاد فرمایا کہ...... سلطان عالمگیرؒ نے میر زاہدؒ کے علم وتشرع کا شہرہ سن کر ان کو ہرات سے بلا لیا اور محتسب اکبر آباد (آگرہ) بنایا اور اس کے بعد قاضی کابل...... اکبر آباد کے زمانہ قیام میں میر زاہد نے شرح مواقف وغیرہ تین کتابوں کے حواشی لکھے اور شاگرد بھی تیار کیے چنانچہ دادا صاحب یعنی حضرت شاہ عبدالرحیمؒ نے جن کو میر زاہد اخوند کہا کرتے تھے (معقول کی) تمام کتابیں میر زاہد ہی سے پڑھیں اور شریک مسودہ حواشی بھی رہے...... میر زاہد کو فقہ میں کم دخل تھا، ایک امیران سے شرح وقایہ پڑھنے آتا تھا اس کو دادا صاحب کی موجودگی کے بغیر سبق نہیں پڑھاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میرزا[3] جان کی تقریر میری جان ہے اور اخوند کی تقریر جانِ جان ہے۔

ایک محفل میں تحریر کی معنوی حیثیت سے اقسام بیان فرمائیں، پھر فرمایا کہ والد ماجد (حضرت شاہ ولی اللہؒ) کی تقریر درس وغیرہ میں وجد انگیز ہوتی تھی، مولوی[4] احمد اللہ نے عرض کیا کہ حضرت والا کی تقریر

---

[1] نسخہ خطیہ کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں نواب عبداللہ علی خان، نام لکھا ہے۔

[2] اگر صاف اور عمدہ گلاس نہیں تو پرانا مٹی کا پیالہ ہی سہی، بے تکلف اور آزاد مزاج آدمی کو تکلفات سے کیا تعلق؟

[3] میر زاہد کے استاد تھے۔

[4] نسخہ مطبوعہ میں نام کی جگہ بیاض ہے۔ نسخہ قلمی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں احمد اللہ نام درج ہے۔

Marfat.com

بھی وجد انگیز ہوتی ہے۔عوام وخواص دونوں اس کو سن کر وجد میں آ جاتے ہیں، فرمایا کہ جو چیز ناپائیدار اور فانی ہے اگر اچھی بھی ہو تو کیا ہوتا ہے، پائدار چیز میں خوبی پیدا کرنی چاہیے یعنی نسبت مع اللہ میں قوت پیدا کی جائے۔

ارشاد فرمایا کہ اگر چہ تفسیر (فتح العزیز) بھی اچھی خاصی کتاب ہے لیکن تحفہ اثنا عشریہ میں عجیب و غریب تقاریر درج ہوگئی ہیں۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جد بزرگوار (حضرت شاہ عبدالرحیمؒ) وقت رحلت یہہ دوہڑہ ٔ ہندی بار بار پڑھتے تھے۔

پات[1] جھڑتے یوں کہے کاری بن کے رائے
اب کے بچھڑے نا ملے دور پڑیں گے جائے

ارشاد فرمایا کہ...... جب والد ماجدؒ مکہ معظمہ گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ انہوں نے ایک چادر والد ماجد کے سر پر ڈالی اور ایک قلم عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ میرے ناظ کا قلم ہے پھر فرمایا کہ ابھی ٹھہرے رہو میرے چھوٹے بھائی حسینؓ بھی آ رہے ہیں، حضرت حسینؓ نے وہ قلم اپنے دست مبارک سے تراش کر والد ماجدؒ کو دیا، اس وقت سے حضرت والد ماجد کا حال نسبت اور حال علم و تقریر ہی دوسرا ہو گیا تھا چنانچہ اس سے پہلے جن لوگوں نے آپ سے استفاضہ کیا تھا وہ آپ کے اندر نسبت سابق بالکل محسوس نہیں کرتے تھے، قبر شریف میں بھی (بذریعہ مراقبہ) ان سابقہ نسبتوں میں سے کسی کا احساس نہیں ہوتا، ہر چند وہ طریقت کے ہر سلسلے میں قدرت تعلیم رکھتے تھے لیکن نسبت سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلبہ ہو گیا تھا۔

جب برادر عزیز القدر فخر فضلائے زماں مولانا شاہ رفیع الدین صاحبؒ کو مرض وفات لاحق ہوا تو حضرت والا ایک دن دو بار عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔اثناء راہ میں ایک مرید نے عرض کیا کہ مولوی رفیع الدین صاحبؒ کی زندگی سے تمام خاندان بلکہ دہلی بلکہ ہندوستان کی زندگی وابستہ ہے، خدا

---

[1] مطبوعہ وقلمی نسخوں میں یہ دوہڑہ قریب قریب انہیں الفاظ میں درج ہے، اس کے پہلے مصرعے کے بعض الفاظ کا مفہوم بھی معلوم نہ ہو سکا، بعض لوگوں کی زبانی پہلا مصرعہ اس طرح سنا گیا: پتا ٹوٹا ڈال سے لے گئی پون اڑائے، بہر صورت خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب پتے ہوا کے جھونکوں سے درخت سے گرتے ہیں تو منتشر ہو جاتے ہیں کوئی کہیں اور کوئی کہیں، ایسے ہی موت بھی جدائی کا پیغام لے کر آتی ہے۔

Marfat.com

خاندان کو سلامت رکھے، یہ سن کر فرمایا کہ وہ جاہل بھی ہوتے تو مجھے ان کا ایسا ہی درد ہوتا مگر جب کہ وہ ایک عالم کے لیے فیض رساں ہیں تمام عالم کو ان کا درد ہے، پھر فرمایا کہ ہماری زندگی تو برائے نام ہی ہے، اس وقت جو کچھ فیض ہے ان ہی کا ہے، پھر فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ کے نزدیک تمام بندے چھوٹے ہوں یا بڑے یکساں ہیں وہ حیات و رزق کے معاملہ میں غنی مطلق ہیں، ان کو کیا پرواہ، ان کے سامنے کسی کی لیاقت اور قابلیت نہیں چلتی (کوئی لائق و فاضل ہوا کرے) شاہ رفیع الدینؒ کی رحلت کے وقت بہت سے لوگ جمع تھے، حضرت والا نے حفاظ سے فرمایا کہ وہ تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہیں، نیز سورۂ یٰسین پڑھتے رہیں، علماء بخاری شریف کا ختم کر رہے تھے، خود مراقبے میں دوزانو بیٹھے تھے (کچھ وقفے کے بعد) استفسار حال کر لیتے تھے، جب کانوں میں یہ خبر پہنچی کہ مولوی رفیع الدین نے اپنی جان، جان آفریں کے سپرد کر دی تو غمناک ہوئے اور دوسروں کو تسلی دینے کے لیے باہر تشریف لائے، قبر کے لیے جگہ تجویز ہوئی (بعد غسل) جنازہ باہر لایا گیا، چہرۂ اقدس پر لگاتار آنسو بہہ رہے تھے، جنازے کو خود بھی اپنے ہاتھ سے پکڑا، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت والا جنازے کے آگے چلیں، ارشاد فرمایا کہ میں یہی چاہتا تھا مگر جنازہ اٹھانے والوں کے ہجوم نے سبقت کی، لوگ آگے بڑھ چکے ہیں۔ میں پیچھے رہ گیا ہوں جو کچھ منظور الٰہی ہوتا ہے وہی ہوتا ہے، میرے تمام حالات اضطراری ہیں، کوچوں میں پھراتے، میں پھرتا ہوں، مرضی مولیٰ، از ہمہ اولیٰ۔ اس کے بعد نماز جنازہ ادا کر کے لوگوں کو اذن عام دیا کہ جو جانا چاہے چلا جائے، پھر مقبرہ میں گئے، لحد تیار کی جا رہی تھی، شاہ صاحبؒ جنازے کے قریب اپنے والد ماجد (حضرت شاہ ولی اللہؒ) کی قبر کے سامنے مراقبے میں بیٹھ گئے، دفن کے بعد لوگوں کو ہٹا کر قبر پر مٹی ڈالی، جب قبر درست ہو گئی تو بغیر چالیس قدم چلے دعا کر کے اور السلام علیک کہہ کر رخصت ہوئے، بے حد غمگین تھے، پہلے زنانے مکان میں تشریف لے گئے پھر مدرسہ میں آئے، لوگوں کو رخصت کیا اور تسکین دی، یہ بھی فرمایا کہ میرے مرحوم سے چار رشتے تھے، ایک تو برادر حقیقی تھے، دوسرے والد ماجدؒ نے ایک موقع پر یہ فرما کر میرے سپرد کیا تھا کہ یہ تمہارا فرزند ہے، تیسرے میری دایہ کا دودھ انہوں نے پیا تھا، چوتھے میرے شاگرد تھے۔

حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا کہ مرحوم، حضرت والا کے مظہر علم تھے، فرمایا کیا کہوں طاقت گفتار نہیں ہے بس اب سوائے وقت درس کے مجھ سے کچھ سوال نہ کرو، یہ کہہ کر گریہ طاری ہو گیا، جب پس جنازہ گریہ کناں جا رہے تھے تو اس وقت بھی لوگوں سے مولانا رفیع الدین کے حالات بیان کرنے سے

Marfat.com

منع فرمارہے تھے اور فرماتے تھے کہ بس اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھو۔

شاہ رفیع الدینؒ کی وفات کے بعد ایک دن فرمایا کہ ہمارے (حقیقی) بھائیوں کی وفات میں ترتیب منعکس واقع ہوئی ہے، یعنی سب سے پہلے مولوی عبدالغنی (حضرت شاہ محمد اسمٰعیل شہیدؒ کے والد ماجد) جو سب سے پہلے تھے، فوت ہوئے، بعدازاں مولوی عبدالقادر جوان سے بڑے تھے، اس کے بعد مولوی رفیع الدینؒ جوان سے بڑے تھے، فوت ہوئے اب میری باری ہے، میں سب میں بڑا تھا۔

ایک موقع پر ایک مرید سے دریافت فرمایا کہ تم نے اچھے صاحب (مارہریؒ) کو دیکھا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں ڈھاکہ سے لے کر دہلی تک اکثر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں اور ان کے ارشادات وتوجہات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملا ہے ان میں سے ممتاز اکابر کے چند طبقات بھی میں نے قائم کیے ہیں، اس سلسلے میں کچھ احوال، بزرگان ڈھاکہ نیز حضرت شاہ غلام علیؒ کے بیان کر کے کہا کہ طبقہ ثانیہ میں شاہ اچھے[1] صاحب کو باعتبار علم وعمل اس فن طریقت کا ماہر سمجھتا ہوں، دوسرے شاہ نعمت[2] اللہ صاحبؒ (قادری) ساکن پھلواری کو بھی ایسا ہی تصور کرتا ہوں، پھر تھوڑے تھوڑے حالات ہر مقام کے اکابر کے مع ان کی نسبت اور کیفیت کے بیان کیے۔

ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ عالم کو حافظ پر فضیلت حاصل ہے، جس طرح الفاظ کو معانی پر فضیلت ہے لیکن (خواہ مخواہ) کسی کو کسی پر فضیلت دینا کچھ اچھا مشغلہ نہیں ہے۔ بس خدا بہتر جانتا ہے، میں نے جو عالم کو حافظ سے افضل کہا وہ موافق ظاہر ہے، ورنہ حدیث میں آیا ہے کہ بہت سے تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت کرتا ہے یعنی وہ ظلم بھی کرتے ہیں اور قرآن بھی پڑھتے ہیں اور بعضے علماء ہیں کہ جو بے عمل ہیں ان کے حق میں بھی مذمت آئی ہے، پھر فرمایا کہ علم دین غذا کی مانند ہے اور دیگر علوم مسالے کے مثل ہیں۔

---

1. سید آل احمد عرف اچھے صاحب مارہرویؒ اپنے والد ماجد شاہ حمزہ مارہرویؒ کے مرید وسجادہ نشین اور اپنے وقت کے مشائخ عظام میں سے تھے، آپ نے اپنے وصیت نامے میں شریعت کی پابندی کی خاص طور پر تاکید فرمائی ہے ۱۷ ربیع الاول ۱۲۳۵ھ کو انتقال فرمایا اور مارہرہ میں اپنے اب وجد کے قریب مدفون ہوئے۔ (انوار العارفین ونزہتہ الخواطر جلد ۷)

2. الشیخ المعارف الکبیر نعمۃ اللہ بن مجیب اللہ بن ظہور اللہ الہاشمی پھلواردی ۴ محرم الحرام ۱۱۶۰ھ میں پیدا ہوئے، اکثر کتب درسیہ مولانا وحید الحق پھلوارویؒ سے پڑھیں، پھر اپنے والد ماجد سے طریقت کو حاصل کیا اور ان کے جانشین ہوئے۔ بہت سے علماء ومشائخ نے آپ سے استفادہ کیا، آخر ماہ شعبان ۱۲۴۷ھ میں انتقال فرمایا، پھلواری میں آپ کا مزار مبارک ہے (نزہتہ الخواطر)

Marfat.com

ارشاد فرمایا کہ ایک شخص وجد و رقص کی حالت میں کہہ رہا تھا ''عشق بازی مشکل ہے۔'' اس کے قریب ایک ایسا شخص تھا جو فکر معاش اور عیالداری میں پھنسا ہوا تھا اس نے بھی وجد کر کے کہنا شروع کیا کہ ''کنبہ داری اور عیالداری مشکل ہے۔''

ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی امام لوگوں کے جماعت میں شامل ہونے کی غرض سے قرأت کو کچھ طویل کر دے تو جائز ہے جیسا کہ اس کا عکس یعنی قرأت کو کم کرنا بھی جائز و ثابت ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بعض اوقات میں چاہتا ہوں کہ قرأت کو طویل کروں مگر کسی عورت کے بچے کے رونے کی آواز میرے کان میں آتی ہے تو قرأت کو کم کر دیتا ہوں۔

ارشاد فرمایا کہ والد ماجدؒ نے مدینہ منورہ سے رخصت ہوتے وقت اپنے استاد سے عرض کیا تھا کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا اس کو فراموش کر چکا ہوں مگر ہاں حدیث دوست کی برابر تکرار کرتا ہوں اور اسے یاد رکھتا ہوں، فرمایا کہ والد ماجد عاشق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے...... وہ ۱۴ مہینے حرمین شریفین میں رہے اور وہاں کی سند حاصل کی، بعض وقت ان کے استاد فرماتے تھے کہ اس حدیث کے معنی تم بیان کرو اور سند اجازت میں لکھا ہے کہ اگرچہ انہوں نے سند مجھ سے حاصل کی ہے لیکن (فہم حدیث میں) مجھ سے بہتر ہیں۔

فرمایا کہ...... شاہ عالمگیرؒ کے حفظ قرآن شروع کرنے کی تاریخ ایک مورخ نے اس آیت سے نکالی ہے۔ سفر تلك فلاتنسى پھر تاریخ ختم حفظ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ سے نکالی۔

شاہ صاحبؒ کی پہلی محراب سنانے کی تاریخ کسی نے اس طرح کہی ہے (جو ایک محفل میں خود ہی بیان فرمائی ہوگی۔)

عبدالعزیز آں خلف خاندان فضل
کز کود کیست لطف ازل را باو شمول
درگا ہوا ربود کہ باشیر دایہ کرد
انوار ایزدی بدل روشنش حلول
......................................[1]
گفتند قدسیاں کہ تراویح تو قبول
(۱۱۶۹ھ)

[1] مطبوعہ و قلمی دونوں نسخوں میں تیسرے شعر کا پہلا مصرعہ درج نہیں ہے، ممکن ہے کہ خود شاہ صاحبؒ کو یہ مصرعہ یاد نہ رہا ہو۔

Marfat.com

ارشاد فرمایا کہ...... حضرت راجے[1] حامد شہ مانک پوری ہمارے پیران عظام میں سے ہیں اور ہمارا سلسلہ طریقت ان تک پہنچتا ہے، قریباً ساٹھ سال کا عرصہ ہوتا ہے ان کے مزار شریف پر ایک درخت (بے ڈھب طریقے پر) اگ آیا تھا اس وجہ سے قبر کے کھولنے اور اس رحمت کی جڑوں اور لمبی لمبی آنسوں کے نکالنے کی ضرورت پیش آئی، مردم شہر مانکپور بلکہ اطراف و جوانب کے آدمی جمع تھے، دیکھا گیا کہ حضرت مانکپوریؒ کی لاش بالکل سالم ہے اور کفن بھی سفید ہے عجب تر یہ کہ ریش مبارک دراز ہوگئی تھی اور سر کے بالوں میں بھی قوت نامیہ کام کر رہی تھی...... اس واقعے کو بہت سے اشخاص نے مجھ سے نقل کیا ہے، چنانچہ محمد نعمان[2] صاحب ساکن رائے بریلی جو خاندان سادات قطبیہ کے متقی بزرگ، پیرزادے ہیں وہ بھی اس دیکھنے والے مجمع مین موجود تھے۔ (انہوں نے بچشم خود یہ واقعہ دیکھا ہے اور مجھ سے بیان کیا ہے) راجے حامد شہؒ کی اولاد میں جو لوگ شیعہ ہو گئے تھے انہوں نے اس کرامت کے معائنے کے بعد ترک رفض کیا۔

فرمایا کہ قرآن شریف کی اس آیت سے کسی صاحب نے بندے کا تاریخی نام نکالا ہے فبشرناہ بغلام حلیم

توصیف حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ اپنی شہادت کے وقت چھ ہزار غلام ہتھیار بند رکھتے تھے، جو مستعد جنگ تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے جو اپنے ہتھیار ڈال دے میں نے اس کو آزاد کیا، بعض دیگر صحابہؓ سے بھی جو مقابلے میں جنگ کے لیے آمادہ تھے، فرمایا کہ میں نہیں چاہتا کہ کلمہ پڑھنے والوں پر تلوار اٹھاؤں، صبر و ثبات حضرت عثمانؓ اور ان کے

---

[1] مانکپور کے خاندان سادات گردیزی میں سے تھے، ان کا خاندان قدیم سے معزز و مکرم چلا آتا تھا اور اس علاقے کے لوگ اس خاندان کے افراد کو راجے کے لقب سے یاد کرتے تھے، آپ کا حال بھی شروع شروع میں دنیادارانہ اور سپاہیانہ تھا، بالآخر شیخ حسام الدین عمری مانکپوریؒ کی خدمت میں پہونچے بیعت ہوئے اور مدتوں ان کی صحبت میں رہ کر ان کے خلیفہ مجاز ہوئے اگرچہ علم ظاہری کے لحاظ سے کم علم بلکہ بقول صاحب نزہۃ اُمّی تھے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کشف و شہود کے ابواب کھل گئے تھے بہت سے علماء آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہو کر کامیاب ہوئے اپنے زمانے کے کبار مشائخ چشتیہ میں سے تھے اور اپنی روحانیت کی بناء پر مرجع خاص و عام بن گئے تھے۔ ۲۵ شعبان المعظم ۱۱۰۱ھ کو شہر مانک پور میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے (اخبار الاخیار، انوار العارفین، نزہۃ الخواطر جلد ۳) یہ واقعہ جس کو حضرت شاہ صاحبؒ نے بیان فرمایا انتقال سے ڈھائی سو یونے تین سو برس بعد پیش آیا، تاریخ آئینہ اودھ میں بھی اس واقعہ کا ذکر ہے اور مکرمی شہاب الدین فریدی مانکپوری نے بھی شہرت بلدی کے مطابق یہ واقعہ سنایا۔

[2] مولانا سید محمد نعمان، سید محمد نور کے صاحبزادے اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی چچا تھے، متعدد بزرگوں کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ سے بھی فیضیاب تھے، حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے وقت یہ دہلی میں موجود تھے، غالباً ۱۱۹۳ھ میں انتقال فرمایا۔

Marfat.com

''عدم قصد ایذائے کلمہ گویاں'' کی تعریف و توصیف بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ بزرگ (یعنی صحابہؓ) سب کے سب آفتاب و ماہتاب اور اپنے اپنے کمالات میں یکتا تھے...... سبحان اللہ...... سبحان اللہ...... پھر فرمایا کہ حضرت عثمانؓ نے سب کو قتال و جدال سے منع فرمادیا اور خود مشغول تلاوت ہوگئے اور اسی حالت میں سر کٹوادیا، اُف نہ کی۔

فرمایا کہ مولوی عبدالحکیم کے جواب میں جو منکر وحدت تھے (مولوی) رشید الدین خان (دہلوی) نے بندے کی مرضی اور اشارے سے کچھ لکھا ہے، اس کو نقل کر لینا چاہیے، میں بھی اس بارے میں عندالفرصت مختصر طور پر کچھ لکھواؤں گا، فرمایا کہ ملا جلال الدین دوانی نے اپنے زمانے کے (صوفیاء و علماء پر اعتراض کرتے ہوئے) یہ رباعی لکھی ہے

در خانقاہ و مدرسہ گشتیم بسے انصاف کہ در پردہ مدیدیم کسے
دیدیم بلے بیہدہ گوئے چندے قانع شدہ از دوست بہ بانگ جرسے

''میں خانقاہ و مدرسہ بہت کچھ گھوما ہوں، سچ یہ ہے کہ میں نے وہاں کسی کو اہل نہیں پایا، دونوں جگہ میں نے دیکھا کہ کچھ خواہ مخواہ کی باتیں بنانے والے جمع ہوگئے ہیں اور مادیت کی طرف راغب اور حقیقی دوست سے غافل ہیں۔''

میرے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس رباعی کا جواب اس طرح دیا ہے۔

در صحبت اہل دل رسیدیم بسے دریوزہ کناں زہر کسے یک نفسے
از چشمہ آب زندگانی قدحے وز آتش وادی مقدس قلبے

''یعنی میں اہل دل حضرات کی خدمت میں بہت کچھ حاضر ہوا ہوں۔ میں نے ہر بزرگ سے ان کے انفاس طیبہ کے فیوض میں سے ایک فیض کا سوال کیا ہے۔ ان کی برکات کے چشمہ آب حیات سے ایک پیالہ پانی طلب کیا ہے اور ان کی روحانیت کی وادیٔ مقدس کی آگ سے ایک چنگاری مانگی ہے۔''

فرمایا کہ...... (حضرت شاہ ولی اللہ طریقہ مجددیہ سے بواسطہ حضرت شیخ آدم بنوریؒ منسلک تھے) ایک مرتبہ دوسری شاخ کے بعض اشخاص نے حضرت شیخ آدم پر اور ان کے سلسلے پر کچھ اعتراض اور اظہار ناراضگی کیا تو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا۔

شخصے بخوردہ گیری ماعاجزاں فتاد زاں رہ کہ در طریقہ مخدوم آدمیم
گفتم کہ حرف راست بگویم زما مرنج تو آدمی نبودی و ما آدمی شدیم

ایک شخص نے ہمارے اوپر اعتراض کرنے کو اپنا وطیرہ بنالیا، صرف اس بناء پر کہ ہم حضرت مخدوم

Marfat.com

آدم بنوریؒ کے طریقے میں داخل ہیں، میں نے اس عجیب گر معترض سے کہا کہ میں ایک سچی بات کہتا ہوں رنجیدہ مت ہو جانا، وہ یہ ہے کہ تو آدمی نہیں ہم آدمی ہیں (یعنی تو سلسلہ آدمیہ میں داخل نہیں ہم اس میں داخل ہیں۔)

ایک شخص نے دریافت کیا کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کیا حدیث ہے؟ فرمایا اس مقولے کو میں نے کتب صوفیاء میں دیکھا ہے (حدیث نہیں ہے) پھر اس نے اس مقولے کا مطلب دریافت کیا تو فرمایا اس وقت ضعف غالب ہے...... پھر فرمایا کہ خیر مختصر سی بات کو تمہارے پاس خاطر سے کہتا ہوں اسی سے سب مضمون سمجھ لینا، جس طرح تمہاری روح ہے کہ بدن کے کسی ایک حصے کے ساتھ محدود و مخصوص نہیں اور ہر جگہ ہے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے اور سب سے مبرا ہے۔

نہ تو در ہیچ مکانے نہ ز تو خالی [۱]

اگر اس قدر بھی کسی نے نہ جانا تو بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کو کچھ نہ پہچانا۔

ارشاد فرمایا کہ...... امام ابو حنیفہؒ نے قیاس کو اپنی جیب سے نہیں نکالا کہ وہ ظاہر حدیث پر قیاس کو از خود ترجیح دینے لگے ہوں بلکہ وہ تو اس چیز کو جو خلاف اصولِ کلیہ ہو یعنی قرآن شریف اور احادیث مشہورہ کے خلاف ہو اس کو اختیار نہیں کرتے اور اصل کو برہم نہیں ہونے دیتے، خلافِ اصول کلیہ کی تاویل کرتے ہیں، پھر فرمایا کہ دنیا کے معاملات میں بھی اسی طرح کیا کرتے ہیں کہ جو کچھ فرمان میں اور آئین سلطنت میں لکھا ہوتا ہے (اس پر عمل درآمد ہوتا ہے) فرمان و آئین کے خلاف گو بادشاہ کی روایت ہی کیوں نہ بیان کی جائے اس کی تاویل کرتے ہیں، پھر فرمایا کہ اپنے اپنے قواعد کے لحاظ سے چاروں مذہب خوب ہیں، بلحاظ قواعد کلیہ مذہب حنفی اور بلحاظ قواعد حدیث و تنقیح حدیث مذہب شافعی ہے۔

سید احمد (شہیدؒ) رائے بریلوی سے جو کہ حضرت والا کے اکابر خلفاء میں ہیں، عند التذکرہ فرمایا کہ دنیا بکھیڑے کی جگہ ہے (جو کام ہو) اللہ کے لیے ہو، یہی بہتر ہے۔

ایک شخص نے نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْد کا مفہوم دریافت کیا تو فرمایا کہ علماء قرب علمی اور صوفیہ قرب وجودی مراد لیتے ہیں۔ بعض لوگوں نے محفل مبارک میں عرض کیا کہ اس زمانے میں حضرت والا جیسا بزرگ (شاید) تمام دنیا میں نہ ہوگا، اولیاء اللہ کو امراض لاحق ہوتے ہیں، حضرت والا کو بھی متعدد امراض لاحق ہیں، حضرت نظام الدین اولیاءؒ کی تعریف میں یہ بات بھی لکھی گئی ہے کہ وہ اتنے مشہور ہوئے کہ ان کے حالات کتب ولایت میں مندرج ہیں، فضل الٰہی سے حضرت والا کا نام بھی روم، شام،

---

[۱] علامہ سیوطیؒ نے اس ابن احسان کے حوالے سے اس کو یحییٰ بن معاذ آہرائی کا کلام بتایا ہے (مجموعہ رسائل سیوطی ص ۲۱)

Marfat.com

بلخ، بخارا، سمرقند، دمشق، مکہ و مدینہ، مصر و عراق بغداد اور علاقہ فرنگ میں مشہور ہے اور وہاں کی کتابوں میں آپ کا ذکر خیر ہے، حضرت والا نے یہ سن کر تواضع اور انکسار کا اظہار کیا۔ اسی اثناء میں فیض یاب ہونے کی بات بیان فرمائی اور یوں فرمایا کہ محمد شاہ بادشاہ کے عہد میں بائیس بزرگ دہلی میں تھے جو ہر خانوادے سے تعلق رکھتے تھے اور صاحب ارشاد تھے، اور ایسا اتفاق کم ہوتا ہے (کہ ایک وقت میں اتنے مشائخ ہر سلسلے کے موجود ہوں) منجملہ ان بزرگوں کے ایک شاہ دوست محمد قادریؒ بھی تھے، ایک دن ان سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کا سلسلہ کون سا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ اگرچہ میں (ایک سلسلے میں) ایک بزرگ کا مرید ہوں اور ان سے سلوک کو طے کیا ہے لیکن اصل بات یہ ہے کہ میں نے خدا کو ایک خرمہرہ کے ذریعہ پایا ہے اور اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ میں بادشاہ کا ملازم تھا، اس کے ایک کام کو انجام دینے کے لیے گرمی کے زمانے میں نکلا۔ پیاس لگی۔ صراحی دار سے پانی مانگا اس کے پاس بھی پانی نہ تھا۔ سقہ بھی کوئی نظر نہ پڑا، قریب بہ ہلاکت تھا، ناگاہ اجمیری گیٹ کے قریب ایک سقے سے ملاقات ہوئی ایک کٹورہ پانی ایک خرمہرہ کے عوض دستیاب ہوا، میں پانی پینا ہی چاہتا تھا کہ ایک سائل نے بڑی لجاجت سے اپنی تشنگی کا اظہار کر کے وہ کٹورا مجھ سے طلب کیا، اگرچہ نفس نہیں چاہتا تھا مگر اس پر قابو پا کر وہ کٹورا سائل کو دے دیا، جب اس پیاسے نے پانی پینا شروع کیا اسی وقت مجھے ایک خنکی، ایک سرور کی کیفیت اور تجلی الٰہی کی ایک جھلک اپنے اندر محسوس ہوئی، بعد کو میں نے جو ترک دنیا کا شیوہ اختیار کیا اس کی اصل بنیاد یہی پیاسے کو پانی پلانا ہے، مابعد کی سب باتیں اسی کی طفیلی ہوئیں۔

ایک صاحب جو حج بیت اللہ سے فارغ ہو کر آئے تھے، حضرت والا کی خدمت میں آب زمزم لائے، حضرت والا برائے تعظیم چارپائی سے نیچے اتر کر کھڑے ہوئے اور بعد دعا قدرے آب زمزم نوش فرمایا اور ایک مرید کو دیا انہوں نے دیگر حاضرین مجلس کو بھی وہ تبرک دیا، ایک صاحب نے فرمایا آب زمزم قدرے کھاری ہوتا ہے اور یہ میٹھا پانی تھا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس میں دوسرا پانی زیادہ ملا لیا ہوگا، ارشاد فرمایا کہ ہم تو معتقد غائبانہ ہیں، ہمارے حق میں ہر وہ پانی جو زمزم کے نام سے ہو (اور اس سے تھوڑا بہت تعلق رکھتا ہو) زمزم ہی ہے، یعنی اس کا ثواب ہم پائیں گے، پھر ارشاد فرمایا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے کہ آب زمزم جس نیت سے پیا جائے گا حصول مطلب کی امید ہے اور جو شخص آب زمزم شکم سیر ہو کر

Marfat.com

پیئے گا آتش دوزخ اس پر اثر نہ کرے گی۔

ارشاد فرمایا۔ دو ماہ ہوئے روضہ سلطان المشائخ پر حاضر ہوا تھا، عجیب کیفیت نمودار ہوئی، وہاں کوئی شخص مزامیر گا رہا تھا، میں اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور مجھے کوئی ظلمت بھی اس وقت محسوس نہیں ہوئی، پھر کسی نے مزار پر سجدۂ تعظیمی کیا اس کی ظلمت مجھے محسوس ہوئی۔

ایک صاحب نے جنہوں نے اپنے مقاصد میں کامیاب ہونے کے لیے دعا کی درخواست کی تھی۔ فرمایا کہ دعا کرتا ہوں، اختیار بدست مختار......

شیخ علی حزیں کا جو کہ مذہباً شیعہ تھے ذکر کرتے ہوئے فرمایا جس وقت وہ دہلی آئے اور ایک حویلی کرائے پر لی تو اس حویلی کے دروازے پر ایک فقیر رہتا تھا وہ بدستور فقراء صبح کے وقت اپنے سلسلے کے بزرگوں کے نام پڑھتا تھا (شیخ علی حزیں کے کانوں میں بھی آواز پہونچتی تھی) ایک دن صاحب خانہ نے شیخ علی حزیں سے حویلی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہاں ہر قسم کا آرام ہے مگر دروازے پر ''تذکرۃ الاولیاء'' جو بیٹھے ہوئے ہیں ان کو ہٹاؤ۔

فرمایا کہ میں ۲۵ رمضان کی رات میں بوقت سحر پیدا ہوا تھا چونکہ والدین کے بہت سے بچے مجھ سے پہلے انتقال کر چکے تھے اس لیے میرے پیدا ہونے پر مجھ سے ان کی بہت سی آرزوئیں وابستہ تھیں، اس وقت بہت سے بزرگ اور اولیاء حضرت والد ماجدؒ کے خلفاء میں سے مثل شاہ محمد عاشق پھلتی وغیرہ کے مسجد میں معتکف تھے، مجھ کو غسل دے کر محراب مسجد میں لا کر ڈال دیا تھا گویا کہ نذر خدا کر دیا تھا۔

ہاتھی کی چالاکی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے زمانے ہی میں اب سے کچھ عرصہ پہلے ایک فیلبان تھا جو ایک درزی سے دوستی رکھتا تھا ایک دن درزی سرخ کپڑا سی رہا تھا، ہاتھی کو سرخ کپڑے سے طبعاً محبت ہوتی ہے، اس لیے اپنی سونڈھ کو بار بار اس کپڑے کی طرف لے جاتا تھا، درزی سوئی اس کی سونڈھ میں چبھو دیتا تھا، اس کے بعد ہاتھی جب دریا پر سے لوٹ کر اس درزی کی دکان پر سے گزرا تو (انتقاماً) وہ پانی جو سونڈھ میں بھر کر لایا تھا اس کی طرف پھینکا جس سے دکان کے تمام کپڑے تر بتر ہو گئے، درزی نے اقرار کیا کہ جرم میرا ہی تھا (کہ میں نے اس کی سونڈھ میں سوئی چبھوئی تھی) پھر فرمایا کہ میرے ہی زمانے میں ایک بادشاہ کا فیلبان مر گیا بادشاہ نے چاہا کہ کوئی دوسرا فیلبان اس کی جگہ مقرر

Marfat.com

کرے اس لیے کہ فیلبان سابق کا لڑکا کم عمر تھا اور ہاتھی بہت بڑا اور جنگی تھا مگر ہاتھی نے کسی دوسرے فیلبان کو قابو نہیں دیا، مستی وشوخی آغاز کی اور آب ودانہ نہیں کیا، تمام فیلبان حیران ہوئے اور انہوں نے یہ سب ماجرا بادشاہ سے بیان کردیا، بادشاہ بھی حیران تھا کہ کیا کرے، ایک سمجھدار شخص بات کی تہ تک پہنچ گیا، اس نے بادشاہ نے عرض کیا کہ فیلبان سابق کے بچے کو لایا جائے، اس بچے کو لایا گیا تو پھر وہ ہاتھی قابو میں آگیا۔

اہل دہلی کے بے جا خرچ اور اسراف کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ نواب قمرالدین خان کی عورتیں پانی سے غسل کرنے کے بعد عرق گلاب سے غسل کرتی تھیں اور دوسرے نوابوں کے گھروں کے فقط پھول اور پان (غالباً یومیہ) عورتوں کے خرچے میں آتے تھے۔

ایک شخص نے عرض کیا کہ باوجود استشداد امراض، حضرت والا کے ہوش وحواس بالکل بجا اور صحیح ہیں، یہ قوت ملکیہ ہے طاقت بشری نہیں ہے، ارشاد فرمایا کہ مشہور بات ہے اور تجربے میں بھی آئی ہوئی ہے کہ خادم علم حدیث کے ہوش وحواس خراب نہیں ہوتے اگرچہ اس کی عمر سو سے بھی متجاوز ہو جائے۔ بندے کا تو بچپن ہی سے علم حدیث کا مشغلہ ہے۔

ایک شخص نے اثناء گفتگو میں عرض کیا کہ حضرت والا، قطب زمانہ ہیں؟ ارشاد فرمایا، استغفر اللہ، پھر فرمایا کہ اسی وجہ سے تو زمانہ خراب ہے کہ مجھ جیسے قطب اس زمانہ میں ہیں۔

Marfat.com

مکتوبات شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

مبنی بر

بیاض مولانا رشید الدین دہلوی

شاگرد

شاہ عبدالعزیز محدث

تحقیق و ترجمہ

مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی

ماخوذ از

تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث

مطبوعہ لکھنو

Marfat.com

مکتوبات، علمی وادبی تبرکات

Marfat.com

شروع میں صرف بیاض رشیدی کے اہم مندرجات کو ترجمے کے ساتھ ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ تھا، پھر خیال آیا کہ اس سے پہلے حضرت شاہ صاحبؒ کا مختصر تذکرہ ہو جائے۔ تذکرہ کے بعد ملفوظات عزیزیہ کا سلسلہ چلا وہ اگرچہ مطبوعہ ہیں لیکن نسخہ مخطوطہ سے مقابلہ کرنے اور اس کے تراجم دیکھنے کے بعد ضروری سمجھا گیا کہ اس کی تلخیص بھی اس طرح کر دی جائے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مجلسی ارشادات کے صحیح مطلب ومفہوم سمجھنے میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو اور اس کے خاص اور اہم نمونے دیکھ کر مجلس مبارک کی تصویر نظروں کے سامنے آجائے، صاحب ملفوظات سے رابطہ قائم ہو اور جس مقصد کے ماتحت بزرگوں کے اقوال جمع کیے جاتے تھے وہ مقصد بھی حاصل ہو، ملفوظات کی تلخیص سے فارغ ہونے کے بعد اب بیاض رشیدی کا نمبر آیا ہے۔

بیاض رشیدی کا مطالعہ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں میں نے دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کے زمانے ۵۵، ۱۳۵۶ھ میں کیا تھا، اس کے کچھ عرصہ بعد بریلی کے زمانہ قیام میں جب کہ الفرقان کا شاہ ولی اللہ نمبر نکل رہا تھا مجھے دوبارہ اس کے مطالعہ کی اہمیت محسوس ہوئی، اس مرتبہ میں نے اس بیاض کے کچھ حصے کو نقل کر لیا تھا اور اس میں جو مکتوبات، علمی تحریرات اور سوالات کے جوابات ہیں ان کی ایک فہرست بنالی تھی، درمیان میں توفیق نہ ہوئی کہ اس بیاض پر کوئی مقالہ لکھتا اب تقریباً تیس سال کا زمانہ گزرنے پر یہ کام کر رہا ہوں، خود اصل بیاض ہی میں بعض مقامات کرم خوردہ تھے اور بعض بمشکل پڑھے جاتے تھے، پاؤ صدی کے اندر میری نقل کردہ عبارات میں بھی کہیں کہیں تغیر آگیا اور کاغذ کی دریدگی نے بھی دو ایک جگہ اہم معلومات کو نظروں سے غائب کر دیا، یہ بیاض جواب کتب خانہ دارالعلوم دیوبند کے کثیر التعداد قلمی نسخوں کے ذخیرے میں مل نہیں رہی ہے (خدا کرے مل جائے) مشہور مناظر ومحقق مولانا رشید الدین خاں دہلویؒ کے آثار قلمیہ میں سے ہے، اس پر جمعیۃ الانصار کی مہر بھی ثبت ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دلدادۂ خاندان ولی اللہی، حضرت مولانا سندھی کو کہیں سے دستیاب ہوئی ہوگی، انہوں نے ہی جمعیۃ الانصار کے دفتر سے دارالعلوم کے کتب خانے میں داخل کیا ہوگا، مکرمی مولانا سلطان الحق صاحب قاسمی ناظم کتب خانہ اور محترمی سید محبوب رضوی کی مہربانی اور رہنمائی سے میں نے اس بیاض کا

Marfat.com

مطالعہ کیا تھا۔

بیاض کے شروع میں دو ورق پر ایک اہم سوال کا جواب ہے، یہ دراصل شاہ صاحب کی ایک علمی تقریر ہے جس کو مولانا رشید الدین دہلوی نے ضبط کیا ہے۔

اس کے بعد چوالیس ورق پر مکتوبات ہیں، جن کی مجموعی تعداد ۸۰ ہے تفصیل حسب ذیل ہے:

مکتوبات حضرت شیخ جمال الدین ابوالطاہر محمد بن ابراہیم الکروی المدنیؒ۔

مکتوبات حضرت شاہ ابوالرضا محمد عمری ہندیؒ۔۲

مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔۹

مکتوبات شاہ اہل اللہ فاروقی دہلویؒ بنام شاہ عبدالعزیزؒ۔۵

مکتوبات ومراسلات شاہ عبدالعزیزؒ۔۵۴

مکتوبات شیخ احمد الجبار و بابا عثمان ابن فاروق الکشمیریؒ، بنام شاہ عبدالعزیزؒ۔

ایک مکتوب کے متعلق پتہ نہ چل سکا کہ کس کا ہے؟ مجموعہ اسّی ہوا۔

ان میں حضرت شاہ ابوالرضاء محمدؒ کے دونوں مکتوب حاجی رفیع الدین فاروقی مرادآبادیؒ کے پردادا مُلا عصمت اللہ المرادآبادیؒ (قاضی مرادآباد) کے نام ہیں، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے مکتوبات ان حضرات کے نام ہیں۔

(۱) الفاضل العلامہ المخدوم معین[۱] الملۃ والدین السندھیؒ۔۱

(۲) شارح معارفِ ولی الٰہی شیخ محمد عاشق پھلتیؒ۔۱

(۳) شیخ عبدالقادر[۲] جونپوری۔۱

(۴) قدوۃ المحدثین شیخ ابوالطاہر کردی المدنیؒ اُستاد حضرت شاہ ولیؒ اللہ۔۳

(۵) استاذ حرمین شیخ وفداللہ المالکی المکی استاذ حضرت شاہ ولی اللہ۔۱

(۶) شیخ ابراہیم ابن شیخ ابوطاہر مدنیؒ، استاذ کے صاحبزادے۔۱

---

[۱] (علامہ محمد معین ابن محمد امین سندھی علم حدیث وکلام اور علم ادب میں بڑے پائے کے عالم تھے، حضرت شاہ ولی اللہ سے نسبت تلمذ حاصل تھی، شیخ ابوالقاسم نقشبندیؒ سے سلسلہ نقشبندی کی تعلیم حاصل کی، شاعر بھی تھے کئی کتابوں کے مؤلف مصنف تھے ۱۱۶۱ھ میں وفات پائی (نزہتہ الخواطر جلد ۷)

[۲] (مولانا عبدالقادر ابن خیر الدین العمادی الجونپوری سے شیخ حقانی امیٹھوی سے غالباً لڈہ ضلع فیض میں پڑھا، شیخ وحید الحق پھلوارویؒ سے سلوک طے کیا، نیز شیخ باسط علی الہ آبادی سے بھی فیض حاصل کیا، قریہ سوگھر پور میں ۱۲۰۲ھ میں انتقال فرمایا۔ (نزہتہ الخواطر جلد ۷)

Marfat.com

ایک مکتوب ولی الٰہی کے متعلق بیاض سے یہ معلوم نہ ہوا کہ کس کے نام ہے؟

قدوۃ المحدثین حضرت شیخ ابو طاہر مدنیؒ نے جو دو مکتوب حضرت شاہ ولی اللہ کے نام اُن کے حجاز کے زمانہ قیام میں مکہ معظمہ روانہ کئے ہیں ان میں سے ایک مکتوب کی تاریخ تحریر ۱۶ شوال ۱۱۴۴ھ ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مکتوبات جن حضرات کے نام میں ان کے ناموں کی فہرست یہ ہے۔

شاہ اہل اللہ دہلویؒ، شاہ نوراللہ پھلتی (خسر شاہ عبدالعزیزؒ) بابا عثمان ابن فاروق الکشمیری، محمد جواد پھلتی، صاحب الحق ئق والمعارف شیخ محمد عاشق پھلتی، جامع الفضائل مولانا حضور اللہ الکشمیری، صدرالا فاضل مولانا محمد مغربی مفتی دہلی، جناب فریدالدین بن عبدالسلام الکشمیریؒ، رشید الملۃ مولانا رشیدالدین دہلویؒ، سید طٰہٰ بغدادی، (ان کے نام کے بعد بیاض میں یہ عبادت ہے: من ولد غوث الثقلین وارد فی الدھلی ۱۲۱۴ھ یعنی یہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد سے ہیں ۱۲۱۴ھ میں دہلی تشریف لائے تھے)

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مکتوبات ان حضرات میں سے بعض کے نام گئے ہیں، بہت سے مکتوبات کے شروع میں اس طرح لکھا ہوا ہے:

مکتوب الشیخ عبدالعزیزؒ الی بعض خلّانہ

" " " اِلیٰ بعض الافاضل

" " " اِلیٰ بعض الاکابر

" " " اِلیٰ بعض اصحابہ

" " " اِلیٰ بعض اصحابہ من فضلاء الافاغنہ

" " " اِلیٰ بعض احبابہ

" " " اِلیٰ بعض اصدقایۂ

مکتوب الشیخ عبدالعزیزؒ الی بعض الشعراء۔

ان چون تحریرات میں وہ تین تحریریں بھی شامل ہیں جن میں ایک کا عنوان ہے فصل، دوسری کا عنوان ہے من رشحات اقلام قدوۃ الا دبآء الشیخ عبدالعزیز مد ظلہ۔ تیسری کے شروع میں ہے من عبارات الشیخ الاجل عبدالعزیز مد ظلہ، فی تعریف الدھلی۔

تقریباً ۲۷ صفحات پر حصہ نظم ہے جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے عربی کلام پر مشتمل ہے، شاہ صاحبؒ کا کلام بڑا کیف آور اور وجد انگیز ہے، افسوس کہ میں کل اشعار نقل نہ کر سکا، چند اشعار نقل کئے ہیں جو اپنے

Marfat.com

موقع پر پیش کئے جائیں گے۔

چار ورق پر سوالات و جوابات ہیں جو استفتا اور فتویٰ کی شکل میں ہیں۔

۳۲ صفحات پر تحقیقات و تدقیقات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا سلسلہ ہے۔ تفصیل حسب ذیل ہے۔

(۱) ایک سوال کا جواب جو بعض اعزائے کول (علی گڑھ) سے بھیجا تھا۔

(۲) قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کے سوال کا جواب (مدت سلطنتِ بنی امیہ کے بارے میں)

(۳) جواب سوال قاضی صاحب مذکورؒ (ہندوستان کی زمین کس قسم کی ہے؟

(۴) سجدہ سہو کے بارے میں ایک تحقیق۔

(۵) جوابِ سوال حاجی رفیع الدین خاں فاروقی مرادآبادیؒ (وضع میران درمحشر سے متعلق)

(۶) سید صاحب عالی مراتب کے مرسلہ ایک استفتاء کا جواب (سید صاحب کا نام درج نہیں ہے)

(۷) ایک مسئلہ (محرم کے انتقال کے بعد اس کے ساتھ محرم کا معاملہ کیا جائے یا نہیں؟)

(۸) ایک سوال کا جواب جو قطع ید سے متعلق ہے اور جس میں روایت عالمگیری کے تعارض کو رفع کیا گیا ہے۔

(۹) مولانا رشید الدین دہلویؒ کے ایک سوال کا جواب

(سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ حنفیہ بعض مسائل میں صاحبین کا تو اقتدار کرتے ہیں اور تقلید امام شافعی نہیں کرتے اس کی کیا وجہ ہے؟)

(۱۰) ایک صفحہ پر توریت کی ایک عبارت اور اُس کی تشریح و توضیح اُسکے شروع میں شاہ صاحبؒ کی یہ عبارت ہے: قَدْ نَزَل علینا رجل کان اسمه ملا فیض اللّٰه بن ۔و کان من فضلاء کابل عالم بالتوراه فما للّٰه عن بعض قواعد العبرانیه فا جا بنی فحفظها فاذا هی اوفق بلسان العرب یعنی ہمارے پاس ایک عالم مہمان کی حیثیت سے آئے جو توریت سے اور عبرانی زبان سے واقف تھے اُن کا نام ملا فیض اللہ تھا، وہ فضلاء کابل سے تھے، میں نے اُن سے کچھ قواعد عبرانی زبان کے معلوم کئے انھوں نے مجھے بتائے میں نے ان کو یاد کرلیا، عبرانی زبان عربی زبان سے بہت قریب ہے۔

(۱۱) بعض علماء کرام رام پور کے سوال کا جواب، یہ سوال بوساطت حاجی رفیع الدین فاروقی مرادآبادیؒ آیا تھا۔

(۱۲) ایک کتاب کے بعض مقامات کا رد (تقریباً چار ورق پر)

Marfat.com

(۱۳) جواب سوال قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (عبارت صواعق سے متعلق)
(۱۴) جناب [1] غلام حیدر خاں کاکوروی کے سوالات کے جوابات۔
(۱۵) مولانا عبدالحی بڈھانوریؒ کے ایک سوال کا جواب۔
(۱۶) خواجہ حسن [2] مودودی لکھنویؒ کا استفسار اور اس کا مفصل جواب، اس سوال و جواب پر بیاض ختم ہوگئی ہے۔

اس بیاض میں ایک تحریر حضرت شاہ ولی اللہ کی ہے، اس کے آخر میں ہے:

من افادات الشیخ الا جل ولی اللہ قدس سرہٗ نقلها من خط الشریف

یعنی یہ شیخ اعظم حضرت شاہ ولیؒ اللہ کے افادات میں سے ہے جس کو میں نے اُنکی دستخطی تحریر سے نقل کیا ہے۔
بیاض کے دو صفحوں میں تفسیری و تجویدی مضامین و تحقیقات ہیں، ایک مراسلہ قاضی محمد اعلیٰ تھانویؒ (مؤلف کشاف اصطلاحات الفنون) کے نام ہے جس میں قرأت سے متعلق ایک تحقیقی جواب تحریر فرمایا ہے، اس کے آخر میں ہے۔

هٰذاما قال بفهمه و کتبَ بقلمهِ الفقیر الی اللّٰه عبدالعزیز الد هلوی العمری عفی اللّٰه عنه۔

اس کے بعد مولانا رشید الدین دہلویؒ کی یہ عبارت ہے:

هٰذهٖ مراسلة کتبها الشیخ الا جل الا بجل الشیخ عبد العزیز الیٰ قَاضِی محمد اعلیٰ

اس بیاض کا جتنا حصہ میں نے نقل کیا ہے اس میں انتخاب و تلخیص کرتے ہوئے اصل فارسی یا عربی عبارت کو درج کر کے اسکا ترجمہ پیش کروں گا، یہ بھی عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس بیاض کی جتنی تحریریں ہیں وہ نادر و غیر مطبوعہ ہیں سوائے چند کے جو فتاویٰ عبدالعزیزؒ، حیات ولی اور آثار الصنادید میں موجود ہیں اگر ایسے ایک دو مضمون نظم و نثر آئیں گے تو یا تو مطبوعہ کی غلطی کا اظہار کرنے کے لئے یا اسکی افادیت اور اہمیت کو پیش نظر رکھ کر ناظرین کو اس کے مفہوم سے واقف کرانے کے لئے۔

اب میں بیاض کے مندرجہ مکاتیب شاہ عبدالعزیزؒ میں سے ان مکاتیب کو سامنے لا رہا ہوں جو شاہ اہل اللہ (عم شاہ عبدالعزیزؒ) و شاہ نور اللہ (خسر شاہ عبدالعزیزؒ) کے نام ہیں، اُن کے بعد شاہ اہل اللہ کے مکتوبات بنام شاہ عبدالعزیزؒ کا اندراج ہوگا، ان خطوط سے تاریخ کے بہت سے گوشے واضح ہونگے۔

---

[1] اعتماد الدولہ غلام حیدر خاں ابن رفعت الدولہ بخشی رفعت اللہ خاں بہادر نصرت جنگ عباسی کاکوروی مولانا محمد فاخر الہ آبادی سے علم حاصل کیا، سرکار اودھ میں بڑے منصب پر فائز تھے ۱۲۵۲ھ میں وفات پائی۔ (تذکرہ مشاہیر کاکوری)

[2] شیخ حسین بن ابراہیم الحسینی المودودی لکھنوی طریقہ قادریہ کے مجاز اور کئی کتابوں کے مصنف تھے ۱۲۴۱ھ میں لکھنؤ میں انتقال ہوا۔ (نزہتہ الخواطر جلد ۷)

Marfat.com

مکتوب شاہ عبدالعزیزؒ اپنے چچا شاہ اہل اللہ کے نام (بزبان عربی منظوم)

الی المجلس المحذوف بالمكارم والمعالی
اعنی به سید نا وسندنا و معتمدنا مكان
الروح فی جسدنا وذ خيرة يومنا ولغدنا سيدنا
العم سلمه اللّٰه تعالیٰ ظلاله عن الا قول واحد
محال القبول ۔ آمین

سیدنا وسندنا عم محترم حضرت شاہ اہل اللہ مدظلہ کی خدمت میں ۔۔۔

بعد رفع السلام والا كرام فيقول الفقير ذو الآثام
ان هذا الفقير محفوظ عن شرور الزمانِ والا
سقام يسئل اللّٰه بعد كل صَلوٰةِ ان يعافيه فائض
الا نعام و يعا فی جميع رفقهٖ من ذكود و نسوة
و غلامٍ خصوصاً جناب حضر تكم من
جميع البلاء والآ لام ثم ان البلاد فاسدة
من ايادی الغموم والظلام غير[1] خاف
عليك ماصنعت قوم سكه بجانب النو
شام خنضو كل قرية و مضوا بفتحون
الحصون والا طام غير اعُدة من الا
موال اوثقوا عدة الانبار[1]

بعد سلام مسنون یہ گنہ گار فقیر عرض کرتا ہے۔ کہ میں بحمد اللہ زمانے کے شرور سے محفوظ ہوں۔ ہر نماز کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتا ہوں۔ نیز یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ رفقاء و متعلقین کو عافیت سے رکھے۔ خصوصاً جناب عالی کو تمام بلاؤں نا در مصیبتوں سے محفوظ رکھے اسکے بعد عرض ہے کہ ہماری طرف کے علاقے ظلم وستم کے ہاتھوں برباد ہو رہے ہیں۔ آپ پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ ایک قوم نے تو شام کی جانبکیا کچھ کیا ہے۔ اس نے آبادیوں کو پست کر دیا ہے اور قلعے تسخیر کر لئے۔ کتنا کچھ مال لوٹ لیا اور کتنے ہی نفوس قید کر لئے۔

---

[1] (حیات ولی ۳۳۵، ۳۴۶ پر یہ منظوم مکتوب پورا درج ہے مگر اس میں کاتب کے قلم سے اور غالباً کچھ مؤلف کے تصرفات سے اغلاط ہیں چنانچہ اس شعر کے دوسرے مصرعے کو یوں لکھا ہے:۔ قوم سیکہ کا یت التو شام۔ بجانب کا کایت بنا دیا گیا۔ تو شام مغربی پنجاب کا ایک شہر ہے، ملاحظہ ہو معیار الاوقات مؤلف پروفیسر عبدالواسع مرحوم شعر کے غلط چھپنے اور تو شام کے معنی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس کا سمجھنا مشکل تھا، حضرت مولانا گیلانیؒ کو بھی شعر کا مطلب سمجھنے میں اسی بنا پر دقت پیش آئی، مولانا گیلانیؒ نے اپنی ذہانت کی مدد سے اسکا مطلب کرنیکے بعد یہ فرمایا دیا ہے جہاں تک تصحیح عقلاً ممکن تھی کی گئی، اس لفظ کا صحیح مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ (الفرقان شاہ ولی اللہ صفحہ نمبر ۱۰۸) حضرت گیلانی رحمتہ اللہ علیہ کی زندگی میں یہ تصحیح سامنے آجاتی تو کس قدر مسرور ہوتے۔

Marfat.com

مکتوب شاہ عبدالعزیزؒ۔ بنام شاہ اہل اللہ (کچھ حصہ)

وبعد فانی احمد اللّٰه علی ما کسانی سرابیل الصحة وقمص العافیة واطعمن اقرات الامن وارزق الرفاهیة وانها نعمة عظمة منحة جسیمة کما قیل ؎
وما العیش الا فی الخمول مع الغنیٰ وعافیة یغدو بها و یروح
بیدان قرة العین عائشة سلمها اللّٰه تعالیٰ کانت ذات علة فضل اللّٰه تعالیٰ بازالة اکثرها وهو الموجود لا زاله غیرها للخ

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اس احسان پر کہ اس نے مجھے صحت و عافیت کا لباس پہنایا اور امن و عافیت سے نوازا، دراصل یہ ایک بڑی نعمت ہے۔
جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے نصیب ہے ایک شاعر کہتا ہے:۔
اصل زندگی تو یہ ہے کہ گوشہ گمنامی ہو اور غنیٰ و عافیت صبح و شام نصیب ہو۔
نور چشمی عائشہ سلمہا اللہ تعالیٰ بیمار تھی اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا کہ بیماری کا بڑا حصہ زائل ہو گیا اور جو کچھ بیماری کا اثر باقی رہ گیا ہے اللہ سے امید ہے کہ وہ اس کو بھی زائل فرما دے گا۔

مکتوب شاہ عبدالعزیزؒ بنام شاہ نور اللہ

(بعد السلام)

قدورو علینا مکتو بکم المکرم

(سات سطروں کے بعد)

ان الا کابر تدا ستفرت ارائهم۔ متوکلا علی اللّٰه الی البدهانه بعدان کانت طائفة منهم لا یطبع للا قامة هناك لانها تدعی البغضاد الشحا الی اهالی تلك الا طراف والا ملاك و طائفة رحج تلك المواضع علی کل مکان سواها و تغمض عن مفاسد هاو منانع غیر ها واما الفقیر فا لبلدان عنده هماما هما الخ

بعد سلام۔

بڑوں کی رائیں متوکلا علی اللہ بڈھانہ رہنے کی ہو رہی ہیں البتہ ان کا ایک طبقہ وہاں کی اقامت کو اس لئے پسند نہیں کرتا کہ کہیں وہاں کی سکونت وہاں کے رہنے والوں کے بغض و حسد کا باعث نہ بن جائے، ایک گروہ ہر حال میں انھیں مقامات (بڈھانہ وغیرہ) کو ترجیح دیتا ہے، فقیر کے نزدیک دو شہر ہیں اور وہ ذہن میں ہیں۔

Marfat.com

مکتوب شاہ عبدالعزیزؒ بنام شاہ نوراللہ صدیقی پھلتیؒ

......من الفقیر عبدالعزیز بعد رفع السلام والغرام ...... ان ھذا الفقیر مع جمیع تو ابعہ والوا حقہٖ داخل فی حوزۃ العافیہ نائم فی مھد الرفا ھیۃ بید ان قرۃ العین فلاں سلمہ اللّٰہ الصمد قدمارت علیٰ یدیہ الحمرہ والجرب وعرضت لہ بذالک الحمیٰ وما یتبعھا من الا ذیٰ و التعب و اما قرۃ العین فلانۃ سلمھا اللّٰہ تعالیٰ فقد کان احاطت بھا الا مراض من کل جانب منھا الا سھال وسوء القنیہ[1] والنفخ عند تناول الغذاء وسوء الھضم فازال اللّٰہ بفضلہ اکثرھا وھوالمرجو لا زالۃ غبرھا، فالملتمس من مجلسکم السامی لازال سامیا ان یدعو اللّٰہ لشفائھا ومن اجل نعم اللّٰہ فی ھٰذہٖ الا یام مارد اللّٰہ کیدالکفرۃ فی غور ھم حفظنا من شررو ھم رولک ان جاعۃ من السکھۃ قصدوا او طانھم بعذا ماقضوا من بلا دجات اقطارھم فی اثناء السبیل علی ھٰذا البلدا الذی لیس لہ سوی اللّٰہ حافظ ولا کفیل فار اددمنہ مایر یدون من غیرہٖ من البلاد فحال اللّٰہ تعالیٰ بینھم مایشتھونہ من النھب دالفساد وَنھض افضل خاں وغیرہ من رؤ ساء البلد لمقا بلتھم و دفھم

فقیر عبدالعزیز بعد سلام واظہار اشتیاق عرض پرداز ہے کہ میں تمام متعلقین ولاحقین کے ساتھ امن وعافیت سے ہوں، البتہ برخوردار...... سلمہ اللہ الصمد کے دونوں ہاتھوں پر سُرخی اور کھجلی ہوگئی ہے اور اُسی کے باعث اس کو بخار ہوگیا ہے، نور چشمی...... سلمہا اللہ تعالیٰ کو بہت سے امراض نے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا، ان میں سے چند یہ ہیں، اسہال، سورالقنیہ کھانا کھانے کے بعد نفخ، بدہضمی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے امراض کو زائل کردیا، جو باقی رہ گئے ان کو بھی امید قوی ہے کہ وہی رفع فرمادے گا، آپ سے یہ التماس ہے کہ آپ ان دونوں کی شفاء کیلئے دعا فرمائیں، ان دونوں اللہ تعالیٰ کے بڑے انعامات میں سے ایک انعام یہ ہے کہ اس نے دشمنانِ دین کے حیلوں کوانھیں کی طرف پلٹ دیا اور ہم کو ان کے شرور سے محفوظ رکھا، ایک جماعت سکھ نے جاٹوں کے علاقے پر کامیاب چھاپہ مارنے کے بعد جب اپنے وطنوں کا قصد کیا تو اثنائے راہ میں ہمارے اس شہر سے ہوکر گذرے جس کا حافظ ووالی سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں، اس شہر میں پہونچ کر انھوں نے حسب عادت غازتگری کا ارادہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کا ارادہ پورا نہ ہونے دیا، افضل خاں وغیرہ رؤسا شہران کے مقابلے کے لئے کھڑے ہوگئے، پھر تو ان کو مجال مقاومت نہ ہوئی اور اپنا راستہ اختیار کیا ''اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قتال کی نوبت نہ آنے دی، اللہ تعالیٰ زبردست اور غالب ہے

Marfat.com

فلم يتعرضو هم و مضوا بسبيلهم و كفى الله المومنين القتال وَ و كان الله قويا عويزاً ولكن مرور هم فى تلك الا طراف و عبور هم علىٰ بلاد المسلمين الصعاف يشو سئنا ويد فعه ماشاهداناه من لطيف صُنعِ الله و عمىٰ ان لايكوْن لهم سلطان عليهم ان شاء الله تعالىٰ

اگر چہ دشمنان دین کا ان اطراف سے گزرنا اور ضعیف مسلمانوں کے شہروں سے عبور کرنا تشویش پیدا کرنا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی اس طرح کی نصرت دیکھ کر تشویش ختم ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اسلام پر غلبہ نہیں ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

مکتوب شاہ عبدالعزیزؒ کسی عزیز کے نام

امابعد المرسوم بين الاحباء من التحية والدعاً فقد طالعت رقيمتكم الا ينقد التى صدر نحونا باسم خواجه محمد امين دوستموها غلاف ديوان الحزين واطلعت مافيها من المضامين المتنوعة وكان من جملتها الا ستفسار و الا ستكشاف عماً تقرر من احتمالى القامة والا رتحال فا علموا ان الفقير ايضاً غذا او بعد غدٍ قاصد وذالك و

بعد سلام و دعا کے واضح ہو کہ میں نے آپ کے اس مکتوب گرامی کا مطالعہ کیا جو خواجہ محمد امین کے نام تھا اور جس کو دیوان حزین کے غلاف میں آپ نے رکھا تھا، میں نے اسکے تمام مندرجہ مضامین پڑھے، اس میں میری اقامت اور سفر کے بارے میں بھی سوال تھا، آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ فقیر بھی آج کل میں جانے کا قصد کر رہا ہے، میری والدہ اور بھائی مجھے یہاں تنہا چھوڑ نے پر راضی نہیں ہیں، میں نے بھی سفر کی اس مشقت کو جو سب کے ساتھ ہو اپنی

Marfat.com

لا تذ لان الوالدة والاخرة لاتذعونی
ان قیم ھھنا منفردا
یجی تعب السفر الذی
فی الا جتماعی اولیٰ
من لذة الا قامة
التی فی الا نفرار فقبلت
منھم ذالك وقد تقرر التوجه
الی البدھا نه بالفصل
ثم ان طلعت شموس الفتن
من المشرق او المغرب
نر تحل من ھناك رانی
الموضع المعلوم اسمه
ان سکنت ریلھا الجنوبیه
والشمالیه اخترنا العود
انی ھذابلد المالوف
عمره اللّٰه۔ واما
طلب الکتب المرقومة
فالقول الفصل فیھا
انھا سدف فی الغرائر
لا یطاق اخراجھا الآن
وسا بلغھا ان شاء اللّٰه
تعالیٰ بعدا لا ستقرار
فی موضیع......واماّ
رسالة الجمع بین وحدتی

ترجیح دے کر ان کے فیصلے کو قبول کر لیا، اب بالفصل بڈھا نہ کی سکونت طے پائی ہے، فتنے پھر اگر مشرق یا مغرب سے نمودار ہوئے تو ہم وہاں سے ایک اور مقام پر چلے جائیں گے جو ذہن میں ہے اگر جنوبی اور شمالی فتنے دب گئے تو پھر ہم اسی بلد مالوف (دہلی) کی طرف لوٹنا پسند کریں گے، اللہ تعالیٰ اس کو آباد رکھے۔

اور آپ نے جو مجھ سے چند کتابیں طلب کی ہیں اس کے بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ تمام کتابیں باندھ کر صندوقوں وغیرہ میں رکھ دی گئی ہیں، اس وقت ان کا نکالنا بہت مشکل ہے کسی جگہ استقرار نصیب ہونے پر ان شاء اللہ تعالیٰ ان کتابوں کو جلد بھیج دوں گا

Marfat.com

الوجود رسالة المع بين وحدتى و
الشهود فهو
مكتوب سيدنا الوالد
قدس سره ---- الى
افندى اسمعيل الرومى و
لقبه بالمكتوب المدنى و
كذالك مقدمه ازالة الخفاء
مسودة فى الغرائر واما
ديوان الحزين فقد طالعت
بعضه من ذروة النهار
اليهذا لوقت وارسله على
يدى حامل الرقيمة۔ والسلام

جو دراصل والد صاحب قدس سرہ
کا آفندی اسمعیل رومی کے نام
ایک مکتوب ہے، جسے مکتوب
مدنی کا نام دیا گیا ہے، نیزا ازالۃ الخفاء
کا مقدمہ، یہ دونوں بھی دیگر کتابوں
کے ساتھ بند ہیں، آپ نے جو
دیوان حزیں کا نسخہ بھیجا تھا اس کا
بعض حصہ آج دیکھ لیا ہے۔ حامل
رقعہ کے ہاتھ اس کو واپس کر رہا ہوں
۔

والسلام

مکتوب شاہ عبدالعزیزؒ بعض افاضل کے نام

السلام عليكم و رحمة
الله وبركاته۔
وبعد۔ فقد طال انتظار
شرح الغمنيه الى الان
ولم يصل بعد۔ فكانه
لم يتفق لاهل فلت
ارساله۔ قدا شتغل
به الشيخ رفيع الدين سلمه
ربه والنسخة منفرة
عليها يعتمد فى الصحة
والسقم ومع ذالكْ فهى

بعد سلام مسنون واضح ہو کہ شرح
چغمنی کا انتظار بہت طویل ہوگیا۔
ابھی تک یہ کتاب نہیں پہونچی۔
ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہل پھلت
اس کتاب کو بھیجنے کا موقع نہیں
پاسکے، یہ کتاب برادر عزیز شیخ
رفیع الدین سلمہ کے مطالعہ میں ہے
صرف ایک ہی نسخہ ہے جس پر صحیح اور
غلط کا دار و مدار ہے پھر وہ بھی اکثر
غلط ہے، آپ اچھی طرح کوشش
کرکے دوسرا نسخہ تلاش کریں اگر

Marfat.com

سقیمه فی الغالب فالواجب
ان یبلغ اقصی الجهدفی
الطالب فان اتفق فیها
(وَاِلاَّ) فالیاس احدی الرّاحتین والسلام

مل جائے تو بہتر ہے ورنہ نا امیدی بھی ایک قسم کی راحت ہے۔

مکتوب شاہ عبدالعزیزؒ بعض افاضلِ کے نام

اما بعد السلام المسنون
فقد وصلت صحیفتکم
الشریفه محتویة علیٰ
عافتکم و عافیة اهل
بیتکم، فشکرنا اللّٰه علی
ذالك، وان سالتم عنا
فنحن ایضابحمد اللّٰه بعافیة
ور فاهیة غیران ماجری
فینامن تقدیرات اللّٰه
تعالیٰ (رحلة) الولد العزیز
احمد[1] واختلال الا نظام المنزلی۔

بعد سلام مسنون۔ آپ کا گرامی نامہ بلا جو آپ کی اور آپ کے متعلقین کی عافیت پر مشتمل تھا۔اس پر اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ اور ہماری حالت دریافت طلب ہو تو ہم بحمداللہ عافیت در فاہیت سے ہیں۔ البتہ تقدیرات الٰہیہ کا ظہور میاں احمد کے انتقال اور انتظام منزلی کے اختلال کی شکل میں ہوا۔

---

[1] (اس مکتوب سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ایک صاحبزادے کا نام احمد تھا۔)

Marfat.com

مکتوب شاہ عبدالعزیزؒ بنام شاہ نوراللہ

(خسر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ)

......فهما شاع و ذاع
ملاء السماع و تواتر بل
وقع علیه الاجماع
نهوض مرکب الدرانی
الی تسخیر هذه البلاد
والاربعاع وان مقدمة
جیشه عبرت النهراو
کاوت و شوکة التی
فارقته قد عادت و
انه بنفسه وصل الی
جلال آباد و حصل من
رؤسآء الافاغنة له
الانقیادهذا هوالخیر
المحقق المنقح بحسب الظن
والذی سارنی الاطراف
کالمثل السائر۔ والعلم

وہ بات جو بہت شائع مشہور اور گوش زد خاص و عام ہو رہی ہے بلکہ تواتر کی حد تک پہونچ گئی ہے یہ ہے کہ لشکر احمد شاہ درانی[1] اٹھ کھڑا ہوا ہے، یہاں کے شہروں اور علاقوں کو مسخر کرنے کے لئے ،اس کے مقدمۃ الجیش نے نہر کو عبور کر لیا ہے۔ یا عبور کیا چاہتا ہے اور اس کی وہ پہلی شوکت جو اس سے جاتی رہی تھی اب پھر لوٹ آئی ہے۔ اور وہ بنفس نفیس جلال[1] آباد......تک پہونچ گیا ہے، افغان روساء اس کے تابع فرمان ہو گئے ہیں، یہ خبر بحسب الظن اور شہرت کے لحاظ سے محقق اور منقح ہے، باقی اصل علم خدائے علیم و خبیر ہی کو ہے

۱؎ جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ درانی تین مرتبہ اور ہندوستان میں اپنا لشکر لے کر آیا جن میں ایک مرتبہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حیات میں اور دو مرتبہ ان کے بعد، ان دو میں ایک حملہ ۱۷۶۲ء اس وقت یہ مشہور ہو گیا تھا کہ درانی کا مقصد اس حملے سے انگریزوں کو بنگال سے نکالنا ہے چنانچہ انگریزوں نے بھی ایک دستہ الہ آباد بھیج دیا تھا کہ اودھ ہی میں مقابلہ ہو جائے، اسکے بعد ۱۷۶۹ء میں آخری بار سکھوں سے نبرد آزما ہوئے اس مکتوب میں ان آخری دو حملوں میں سے کسی کا ایک ذکر ہے، اس مکتوب سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ پانی پت کے بعد درمیان میں درانی کی شوکت میں کچھ خلل آ گیا تھا۔ بعد کو یہ خلل دور ہوا۔)

Marfat.com

عند العليم الخبير

واما كفار مرهٹہ فهم على ما كانوا عليه من السكون جامدون فى خيم الادبار ومعسكر الخسران۔

گروہ مرہٹہ اسی حال میں ہے، جس حال پر تھا یعنی سکون وجمود میں مبتلا ہے اور ادبار و خسران کے خیموں میں سکونت پذیر ہے

مکتوب شاہ اہل اللہ بنام شاہ عبدالعزیزؒ

يامن هو عزيز عند القلوب ويا من فضله بالعلم علام الغيوب۔ نسأل الله لنا ولكم ان يجينا واياكم من شرور الزمان خصوصاً من غلبة اهل الطغيان فى البلد ان وقد وصل الينا مكتوبكم المرغوب واطلعنا على مَا فى مطوياته من تلاقى الفتين ومصاف الفرقتين فيه تقاتل فى سبيل الله واخرى كافرة يردهم مثليهم رأى العين والمرجو من فضل الله سبحانه ان ينصر المسلمين ويخذل الكافرين۔۔ فكم من فئة

اے وہ کہ جو سب کے دلوں کو عزیز ہے اور جس کو علام الغیوب نے علم کے ساتھ فضیلت بخشی ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اور تم کو شرورِ زمانہ سے محفوظ رکھے، خصوصاً اس فتنے سے جو اہل طغیان کے غلبے کی صورت میں شہروں میں رونما ہے، تمہارا مکتوب مرغوب پہونچا اور اس کے مندرجات سے آگاہی ہوئی، اس میں دو گروہوں اور جماعتوں کی نبرد آزمائی کا بھی ذکر ہے، ایک جماعت فی سبیل اللہ قتال کرنے والوں کی ہے اور دوسری مخالفین اسلام کی جن کی تعداد دیکھنے میں دو گنی نظر آتی ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے امید ہے کہ وہ مسلمین

Marfat.com

قلیة غلبت فئة کثیرة
باذن اللّٰه، والذی یسمع
من اخبار جنود الشجاع الدولة
من کفار فرنكَ فالی اللّٰه
المشتکی۔الایام ایام
الفتن والحوادث ونحن
فقراء المسلمین مثل
حشرات الارض من اتی
علیها ید سها بالا قدام
لا نستطیع الا نتقال الارتحال
من بلدانی بلدٍ واین المفر
لا ملجاء ولا منجأ من اللّٰه الا
الی اللّٰه، کان ما کان
لکن الرفعة التی فیها اخبار
السکهان اوحشاعایة
الوحشة۔ فان شرورهم
اجزر ان یخاف منها القربیهم

کو کامیاب اور ان سے مقابلہ کرنے والوں کو نا کامیاب کر یگا، کتنی کچھ کم تعداد کی جماعتیں ایسی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑی تعدا والی جماعتوں پر غالب آئیں‘‘ اور وہ خبر جو کفار فرنگ (انگریزوں) کے ہاتھ شجاع الدولہ [1] کے لشکر کی شکست سے متعلق سنی جا رہی ہے (اس سے صدمہ ہے) بس اللہ ہی سے ہماری فریاد ہے، یہ زمانہ حوادث کا زمانہ ہے اور ہم فقراء مسلمین بے وقتی میں حشرات الارض کی مانند ہو رہے ہیں کہ جو آتا ہے ہم کو پا مال کر جاتا ہے، ہم نہ کہیں جا سکتے ہیں نہ کسی جگہ منتقل ہو سکتے ہیں۔اور بھاگنے کی جگہ بھی کہاں ہے؟ کوئی ملجاء اور نجات کا ٹھکانہ اللہ

---

[1] ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد ہندوستان میں انگریزوں نے اپنی سلطنت کی گویا بنیاد رکھ دی تھی، کلکتہ پر تو انگریز پہلے ہی قبضہ کر چکے تھے، اس کے بعد انھوں نے پٹنہ پر بھی اپنا قبضہ جما لیا، امیر قاسم نے بھاگ کر اودھ کے نواب شجاع الدولہ کے پاس پناہ لی، پھر شجاع الدولہ، امیر قاسم اور مغل بادشاہ شاہ عالم ان تینوں نے مل کر پٹنہ پر حملہ کیا مگر کامیابی نہ ہوئی، پھر تینوں دوسری مرتبہ ۱۳۔اکتوبر۱۷۶۴ء کو بکسر کے میدان میں جمع ہوئے، انگریز فوج لے کر مقابلہ کے لئے آیا، بڑی بھاری جنگ ہوئی، جس میں شجاع الدولہ وغیرہ کو شکست ہوئی، شاہ عالم نے اپنے آپ کو انگریزوں کے حوالے کر دیا، شجاع الدولہ دوبارہ کچھ دنوں بعد اپنی فوج جمع کر کے مقابلے کے لئے نکلے، پھر شکست ہوئی اور انگریزوں سے معافی مانگی، اس مکتوب میں غالباً بکسر کی شکست کا ذکر ہے جس کا سال ہجری ۱۱۷۸ھ ہے اور جو حضرت شاہ ولی اللہ کی وفات سے دو سال بعد ہوئی تھی اور ممکن ہے کہ بکسر کے بعد والی جنگ کا ذکر ہو جس میں شجاع الدولہ کا لشکر نبرد آزما ہوا تھا اور جو بکسر سے تھوڑے عرصے بعد ہوئی تھی۔

Marfat.com

وهجومهم بغتة كما وقع
مرارا وعدد انهم شديد
يفعلون بهم مالا يفعلون
بغير هم خصوصامن
كان معروفافى العلم
والمشيخة اعاذنا الله
وجميع المسلمين من
شرور هم و خبث صدورهم،
والسلام

سے بچ کر نہیں، بس اسی کی طرف رجوع کرنے میں نجات ہے، یہ واقعہ تو ہوا سو ہوا، تمہارے اس خط نے جس میں سکھوں سے متعلق لکھا تھا بہت زیادہ فکر میں ڈال دیا، ان کے شرور سے خوف ہوتا ہی چاہیے، اس لیے کہ یہ قریب کے ہیں اور ان کا ہجوم اچانک ہوتا ہے جیسا کہ کئی مرتبہ ہو چکا ہے اور (اس وقت) ان کی دشمنی بھی دوسروں کی بہ نسبت اہل اسلام سے شدید قسم کی ہے خصوصاً ان حضرات سے جو علم و مشیخیت میں معروف و ممتاز ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو اور جمیع مسلمین کو ان کے شرور اور خبث صدور سے محفوظ رکھے، والسلام

Marfat.com

مکتوب شاہ اہل اللہ بنام شاہ عبدالعزیزؒ

ےؔ(۱) یا من لدی اهل الصفا فیك مقبول
ثم الذی یا تیك من بضل فمامول
(۲) ان السعادۃ کھلا فی کلم مشهورۃ
والخیوفی اصلا بکم واللّٰه مجبول
(۳) یاتی من الا خبار ماید هش قلوبنا
فالحفظ من کان آلافات مسؤل
(۴) اللّٰه یحفظ و ایا کم من البلاء
فی اللین والدنیا لبعض الخلق مقبول

(۱) اے وہ کہ اہل صفاء کے نزدیک تمہارے اندرون کی خوبیاں مقبول پسندیدہ ہیں اور امید کی جاتی ہے کہ تم پر فضل الٰہی سایہ فگن ہوگا۔

(۲) سعادت کلیتہ تم سب میں ظاہر اور روشن ہے اور خیر تو خدا کی قسم تمہارے خاندان کی سرشت میں ہے (۳) خبریں اس قسم کی آرہی ہیں جس سے قلوب خوف زدہ ہیں، آفات سے حفاظت کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کی جا رہی ہے۔ (۴) اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم سب کو بلاؤں سے محفوظ رکھے، دین میں بھی اور دنیا میں بھی، بعض مخلوفات بہت ہی پریشان اور تباہ حال ہے۔

ےؔ (یہ منظوم مکتوب غالباً شاہ عبدالعزیزؒ کے اس منظوم خط کے جواب میں ہے جس کا ایک شعر یہ ہے۔

ایام بر دا تت والقلب متجزع — من قوم سکھ وان الخوف معقول

اور جو حیات ولی کے ۳۳۳، ۳۳۴ پر درج ہے۔)

Marfat.com

مکتوب شاہ عبدالعزیز بنام مولانا رشیدالدین خاں دہلویؒ

خانصاحب عالی مراتب جامع الفنون
والفضائل سَلالة العلماء و
الا فاضلِ مرضی السجایا والشمائل
سمله اللّٰه و ابقاه والی معارج
الکمال الدارین رقاه
اما بعد اهداء السلام المسنون
واتحاف الدعاء الذی هو
با لا خلاص معجون و بکمالِ
المودة مشحون فقد وصلت
رقیمتکم الکریمة و دلت علیٰ
عافیتکم من جمیع الوجوه
وکانت لداء الا نتظار تمیة
وان سالتم عن حالی
فلا استطیع شرحها
خونا من ملالة الا صدقاء
وکابة الا حباء امّا
مرض القدیم فقد
اشتد جذالا سیما
قصور البصارة و هیجانالعین
فان ذالك منع عن
اکثر اشغالی والی اللّٰه المشتکی
وهو المستعان

خان صاحب عالی مراتب جامع الفنون والفضائل۔۔۔کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے اور کمالات دارین کی بلندیوں پر فائز کرے، بعد سلام مسنون اور ایسی دعا کے بعد جو اخلاص سے مرکب اور کمال محبت سے بھری ہوئی ہے، واضح ہو کہ تمہارا مکتوب آیا اور اس نے تمہاری ہر طرح کی عافیت سے مطلع کیا، یہ مکتوب مرض انتظار کے لئے تعویذ ثابت ہوا، اب اگر تم مجھ سے میراحال دریافت کرتے ہو تو بھائی میں اپنی داستان کو مفصل بیان کرنے سے قاصر ہوں، ڈرتا ہوں کہ کہیں طول تحریر دوستوں کی الجھن اور تکلیف کا باعث نہ بن جائے، مختصر یہ ہے کہ جو بیماری پہلے سے چلی آ رہی تھی اس نے اب شدت اختیار کرلی ہے، بالخصوص ضعف بصارت اور آشوب چشم نے مجھے اکثر اشغال سے روک دیا، بس اللہ ہی سے فریاد کرتا ہوں اور وہی ایسی ذات ہے جس سے مدد طلب کی جاتی ہے

Marfat.com

من رشحات اقلام قدوۃ الا دبآء الشّیخ عَبدالعزیزؒ

ولمّا تم تحریر الجواب و
حان تختم الکتاب دار
فی خلدی ان اخبر کم
ببعض النعم التی انعم
اللّٰہ علی وثبت اسا سھا
واختار برأسھا لنی
عنھا ان سیدی والدی
رضی اللّٰہ عنہ لما توفی
والحق با لملاء الا علیٰ
ترکنی صغیر السن الاّ انی
ثم اغاد ر مع صغر سِنی
علماً من علومہ وشانا من

شیونہ الا وقد اخذف منہ بحملۃ کا فیۃ
و تشبشت من
اذ یالہ بقطعۃ وافیۃ واذالك
من فضل اللّٰہ علینا وَعلی
الناسِ وکان من اسباب ذالك
عازلت منذ امیت عنی التمائم
ونیطت بی العما ثم مشغوفا
بمصاحبۃ مولعا بقربہ
ومجالستہٖ ۔وبھا یظھر
محاسن المناسبات الروحیۃ

اب جبکہ جو اب لکھا جا چکا اور مضمون
خط ختم ہو رہا ہے، میرے دل میں یہ
بات آئی کہ میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی
بہت سی نعمتوں میں سے ان چند نعمتوں
سے مطلع کروں جو اس نے میرے
اوپر خاص طور پر کی ہیں،منجملہ اُن
نعمتوں کے ایک یہ ہے کہ حضرت
والد ماجد رحمتہ اللہ علیہ نے جب وفات
پائی اور ملاء اعلیٰ سے ملحق ہوئے
انھوں نے مجھے صغیرالسن چھوڑا تھا مگر
میں نے باوجود اپنی کم عمری کے ان کے علوم
میں سے کوئی علم نہ چھوڑا جس کو حاصل نہ کیا ہو،اتنی عمر
میں نے ان سے

کافی استفادہ کیا، یہ محض اللہ کا فضل تھا
میرے اوپر اور تمام انسانوں پر
کم عمری میں استفادہ کرنے کے اسباب
میں سے ایک سبب ظاہر یہ بھی تھا کہ
میں نے جب سے ہوش سنبھالا میں برابر
حضرت والد ماجدؒ کی صحبت اقدس
میں رہنے اور انکی مجلس اقدس میں
بیٹھنے کا بے حد شوق رکھتا تھا، صحبت
و مجالست سے مناسبات روحانی کے
محاسن اور استعداد علمی کے کمالات

Marfat.com

والا ستعدادية و تبرز
حسنا تھا وترك اخونی
کلھم لم یمضو اثدی علومه
الخاصة والا اخذ وامنه
مما یعد ھم لا خذ علومہٖ
حتی ان اخی رفیع الدین
سلمه اللّٰه کان مشغولاً
بالفوائد الھنیائبة و تعلیقات
الکافیه اذھحمت لفوائد الضیائیه و تعلیقات
ھٰذہِ الواقعه
التی اطارت الاا لبّاب و اسطالت
علی القلوب والا کبار
فوفقنی اللّٰه تعالیٰ بضبطھم
در عیتھم الٰی ھٰذا لشان
وحثم علی تحصیل العنم و
اخذہٖ بکل لسان۔ فائر
ذالك فیھم واشتغلوا بقراۃ
الکتب و سماء علیٰ ھذا
الفقیر فجاء و الحمد للّٰه کما
تشتیه القلوب وتلذه
الا عین اما رفیع الدین
نقد حفظ القران کله وفرغ
بحمد اللّٰه من تحصیل العلوم
کلھا لا سیما الا دبیه والفلسفة
والاصلین من العلوم الدینیة

جلوہ گر ہوا کرتے ہیں، والد ماجدؒ نے میرے بھائیوں کو اس حال میں اور اس عمر میں چھوڑا تھا کہ انھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علوم خاصہ کو بالکل ہی نہیں چھوا تھا اور نہ ضروری علوم خاصہ کو حاصل کرنے کا ذریعہ بن جاتے حتیٰ کہ رفیع الدین سلمہ فوائد ضیائیہ (شرح جامی) اور تعلیقات کافیہ پڑھ رہے تھے کہ والد ماجدؒ کی وفات کا جانکاہ اور ہوش ربا واقعہ پیش آگیا، اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق دی کہ میں نے اپنے سب بھائیوں کو ہر (رائج الوقت)، زبان میں تحصیل علم کی ترغیب دی، چنانچہ ان پر میری ترغیب کا اثر ہوا اور وہ اس فقیر کے پاس کتابوں کے پڑھنے اور سننے میں مشغول رہے تا آنکہ الحمد للہ حسب دلخواہ ایسی استعداد پیدا کی جس سے آنکھیں ٹھنڈی ہوئی ہیں، بہر حال رفیع الدین نے قرآن مجید حفظ کر لیا ہے اور وہ بحمد اللہ تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہو چکے ہیں، خاص طور پر

Marfat.com

بل اخذمن العلوم العربية كهية والنجوم والحساب والهندسة و مايجرى مجرلها من الرمل والجفر دالتا ريخ وعلم الفرائض والشعر وى رسائل التصوف بحظ الشعر وافرٍ ويقى له العبور على الصحاح الستة وغير هامن كتب الحديث وفقه، الله تعالٰى لذالك ايضا وهو بحمد الله مشغول بتفسير البيضاوى و مشغوف بالتد ريس۔۔ ولد تعليقات و تد قيقات تقربها العين وتسر بها الصد ور فا لحمد الله علٰى ذالك۔

واما عبد القادر فهوا يضاً فرغ بحمد الله من حفظ القران كله واسمع فى التراويح مرّات وهوا لان مشغول با لقطبغى وحواشى السيدعليه۔

واما عبدالغنى فقد حفظ نصف القرآن وهو مشغول بهٖ

علوم ادبیہ اور فلسفہ اور علوم دینیہ کی دونوں اصلوں (قرآن و حدیث) میں ان کو تخصص حاصل ہے بلکہ انھوں نے علوم غریبہ بھی حاصل کئے ہیں ۔ جیسے ہیئت، نجوم ، حساب ہندسہ، رمل، جفر نیز رسائل تصوف بھی پڑھے ہیں اور ان کو ان علوم میں پورا پورا حصہ ملا ہے، ابھی ان کا صحاح ستہ دغیرہا پر عبور یعنی دورۂ حدیث باقی ہے، امید ہے کہ اللہ تعالٰی عنقریب توفیق عطا فرمائے گا بحمد اللہ فی الحال وہ تفسیر بیضاوی پڑھ رہے ہیں اور درس و تدریس سے بھی شفقت رکھتے ہیں، ان کے قلم سے تعلیقات اور تد قیعات بھی ہیں، جس کو دیکھ کر آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔

عبدالقادر بھی بحمداللہ حفظ قرآن سے فارغ ہو چکے ہیں اور کئی مرتبہ تراویح سنا چکے ہیں، اس وقت وہ قطبی اور اسکے حواشی سید پڑھ رہے ہیں، عبدالغنی نصف قرآن مجید حفظ کر چکے ہیں ابھی اسی میں مشغول ہیں......

Marfat.com

مِن عبارات الشیخ الا جل فی تعریفِ الدّھلی

الدھلی و ما الدھلی......ھی	دہلی کیا ہے؟ دہلی ایک بہترین شہر
خیر البلاد منفعة العباد	ہے، لوگوں کی منفعت کا مرکز ہے،
یوقھا اھل الا لباب من کل	عقلمند لوگ دُور دُور سے یہاں آتے
مکان سحیق......یشھدوا	ہیں، تا کہ اپنے منافع کو پہونچیں اور
منافع لھم ویا خذوا الا دب	یہاں علم وادب سکھیں اور یہاں رہ
فیھا ویخو صوفی کل من العلم	کر ہر علم کے اندر غور وخوص کریں،
غر ھمین......اھلھا خیر	یہاں کے باشندے بہترن آدمی ہیں،
اھل ولسا نھا اسھل من کل سھل	ان کی زبان بڑی سہل اور آسان ہے،
تری العربی فیھا لایتضجرمن	عرب کے باشندے کو دیکھو گے کہ اپنی
لسانہٖ والا صفھانی یظنھا	زبان کی وجہ سے یہاں پریشان نہیں
خیراً من اصفھانه والتو رانی قدالتی	ہوتا، اصفہانی اس شہر کو اپنے اصفہان
فیھا بجرانه دالا فاعنۃ	سے بھی اچھا سمجھتا ہے اور تورانی نے
من اقل عبیدھا والکشا مرة	تو اس کو اپنا وطن بنالیا ہے، افاغنہ
من طار فھا وتلید ھا تجدُ	دھلی کے آراستہ کرنے کے
فیھا اشیاء لم تعرف لھا	لحاظ سے، خدام ہیں اور کشمیری (اپنے
اسما تنظر بھارجا لا لم	تعلق کی بناء پر) یہاں کا مال جدید و
تدرك منھم رسما لعمرك	قدیم ہیں، تم یہاں پر کچھ ایسی چیزیں
انھا زیدة جمیع الا قالیم	دیکھو گے جن کے تم کو نام بھی معلوم
ومسکن ارباب الدول والنعم	نہیں اور ایسے اشخاص بھی یہاں پاؤ گے جن کے رسم و
	رواج تک سے تم
المال فیھا یمیل عند العیون بل یدر که الظنون	واقف نہیں بقسم کہتا ہوں کہ یہ شہر تمام
و الذھب قدذھب	
عن القیاس	اقالیم میں (بعض لحاظ سے) ایک عمدہ
والفضه قل فضضت عقول	اور منتخب شہر ہے، یہ ارباب دول

Marfat.com

الناس والحرير تجاوز
من الا حرار الى العبيد
فالنا ظريشيه كل يوم فيها بالعيد
قٓ والقرآن المجيد لو اصغبت الى
محامدها لتعجب
وقلت ذالك امر بعيد متى ماخرجت
الى سوقهاو
تسللت الى مجا معهالما
ارتبت انك لقى خلق
جديد فينادى لك هاتف
من فلك فكشفنا عنك
غـطـاءك فبـصـرك اليـوم حـديـد

ونعم کا مسکن ہے، یہاں مال اس کثرت
سے ہے کہ نظریں اس سے اعراض
کرتی ہیں اور اس کی مقدار سمجھ میں
نہیں آسکتی، یہاں سونا قیاس سے
باہر ہے اور چاندی کی فراوانی نے
لوگوں کی عقلوں کو حیران کر رکھا ہے
یہاں ریشم، احرار سے متجاوز ہوکر
غلاموں تک پہونچ گیا ہے، ناظر کو
روز آنہ یہاں عید کا شبہ ہوتا ہے،
قسم ہے قرآن مجید کی اگر تم اس شہر
کی تعریفوں کی طرف کان لگاؤ گے
تو تعجب کرو گے اور کہو گے کہ یہ امر بعید
ہے، اور جب تم اس کے بازاروں
اور مجمعوں کی طرف جاؤ گے تو تم کو
بالکل شک نہ ہوگا کہ تم خلق جدید کے
اندر ہو اس وقت فلک سے ہاتف
غیب تم کو ندا دیگا اور یہ آیت
پڑھے گا۔ ”ہم نے آج کے دن تیری آنکھوں سے پردہ ہٹادیا
اب تیری نگاہ تیز ہے۔“

Marfat.com

ایک اہم مکتوب اور اس کا جواب

خواجہ حسن مودودی لکھنویؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کو ایک مکتوب فارسی زبان میں تحریر فرمایا جس کا ترجمہ بطور خلاصہ یہ ہے۔

حقائق آگاہ معارف پناہ جامع علوم یقینی وحاوی فنون رسمی مولانا مولوی شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، فقیر عاصی پر معاصی حسن مودودی عفا اللہ عنہ کی طرف سے بعد سلام ملاحظہ فرمائیں:

کل حافظ عبدالملک نواب محمد خاں بہادر ابن حفاظ الملک حافظ رحمت خاں بہادر شہید مغفور میرے پاس تشریف لائے تھے، اثنائے گفتگو میں انھوں نے فرمایا کہ آپ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی کو لکھیں کہ انھوں نے اپنی کتاب مستطاب، تحفہ اثناء عشریہ میں حضرات شیعہ کے اس اعتراض کا کوئی جواب نہیں دیا کہ آنحضرت ﷺ نے اکثر غزوات میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ تمام خلفاء راشدین کو دوسرے امراء کا تابع کر کے روانہ فرمایا ہے حضرت علیؓ کو کسی کا تابع کر کے کسی لشکر میں نہیں بھیجا، اس سے تینوں خلفائے راشدین کے مقابلے میں حضرت علیؓ کی ترجیح ثابت ہوتی ہے۔

اگر شاہ صاحبؒ ایسا جواب تحریر فرمادیں جو تسکین بخش اور دافع خطرات وشبہات ہو تو بڑی مہربانی ہوگی، اسی وجہ سے خدمت عالی میں لکھ رہا ہوں اگر آپ اس کا جواب عنایت فرمائیں گے تو باعث اجر ہوگا اگرچہ میرے پاس بھی اس سوال کا جواب دلائل قویہ کے ساتھ موجود ہے لیکن چونکہ نواب صاحب آپ ہی سے دریافت کرنا چاہتے ہیں، میرے جواب سے ان کو تسکین نہ ہوگی اسی بناء پر میں نے ان کو خود اس کا جواب نہیں دیا۔

مولانا رفیع الدین صاحب، مولوی عبدالقادر صاحب سے سلام مسنون فرمادیں، حاجی شرف الدین آپ تینوں حضرات کو سلام مسنون پہونچاتے ہیں۔

جواب از جانب حضرت شاہ عبدالعزیزؒ

......خدمت سلالۃ الا سلاف الکرام ونتیجۃ الآباء العظام سباق مضمار البلاغۃ واللسن المسمیٰ باسم الحسن المتخلق بالخلق الحسن مودویۃ الطریقہ والنسب

...... موصوف باوصاف حمیدہ مسمی باسم حسن متخلق بخلق حسن، طریقت اور نسب میں مودودی، حسن بصریؒ کے ہم نام یعنی خواجہ حسن لکھنوی، فقیر

Marfat.com

بصری الاسم والادب سلمہ اللہ تعالیٰ
ازیں فقیر بے ہیچ و نا چیز مسمی
بہ عبد العزیز عفا اللہ عنہ تحیۃ السلام
مقرون با لا شتیاق مالا کلام قبول فرمایند
بعدہٗ آنکہ صحیفہ شریفہ ونمیقہٗ اینقہ
درو قتے وصول عزت شمول آورد
وبہجت آمور فرمود اگرچہ سبب امراض
گونا گوں و عوارض بو قلموں حواسِ خمسہ
رو بہ انتشار و مدرکات باطنی در
مجاہدہ اقسام و آلام گرفتار، مع
ہذا امتثالاً لامر الشرلف بتحریر جواب
سوال نواب حافظ الملک می سپردارد
درتحفہ اثنا عشر یہ گفتگوئے شیعہ
وسنی است مبحث تفصیل در آں
اندراج ندارد و ایں سوال متوجہ
بر مسئلہ تفصیل است ، لا جرم در تحفہ
مذکورنشدہ۔

ازیں سوال دو جواب گفتہ اند اول
جواب اہل سیر وروایت است و
دوم جواب اہل بصرو روایت
حاصل جواب اول آنکہ امر تتبع سیر
آنسر در معلوم است کہ آنسرور ہیچ
کس را ازبنی ہاشم بلکہ نبی امیہ نیزدر
اکثر اوقات تابع دیگرے نفرمودہ اند

بے ہیچ و نا چیز عبدالعزیز عفا اللہ عنہ
کی طرف سے ایسا سلام مسنون قبول
فرمائیں جو اشتیاق بے حد سے مقرون ہے
اس کے بعد واضح ہو کہ آپ کا
مکتوب گرامی موصول ہو کر مسرت کا
باعث ہوا اگرچہ امراض گونا گوں
اور عوارض بو قلموں کی وجہ سے حواس
خمسہ ظاہری انتشاء پذیر ہیں اور مدرکات
باطنی اسقام و آلام کی مشقت میں
گرفتار ہیں، پھر بھی نواب حافظ الملک
(محبت خاں) کے سوال کا جواب دیتا
دیتاہوں:

(دراصل) تحفہ اثنا عشر یہ میں بحث
شیعہ وسنی ہے، تفصیل کا مبحث اس کے
اندر نہیں ہے اور یہ سوال مسئلہ تفصیل
سے تعلق رکھتا ہے، اسی وجہ سے تحفہ
میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا،
اس سوال کے دو جواب دیئے گئے
ہیں، پہلا جواب اہل سیروروایت کا،
پہلے جواب کا خلاصلہ یہ ہے کہ کتب

سیرت آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کے
مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے
بنی ہاشم بلکہ بنی امیہ میں سے بھی

Marfat.com

دریں امر، حضرت حمزہ ابو عبیدہ بن الحارث بن عبدالمطلبؓ و حضرت عباسؓ و حضرت جعفرؓ و حضرت عقیلؓ وفضل بن عباسؓ و ابو سفیان بن الحارثؓ و حضرت عثمان بن عفانؓ اموی و خالد بن سعید بن العاص امویؓ شریک اند اگربایں امتیاز رجحا نے ہست نیز ہمہ راست، وجہش آنست کہ ایں ہر دو قبیلہ از قدیم ریاستِ قریش داشتند و بسببِ قربت قرابت انہا یا جنات رسولؐ شرف دیگر اینہارا افزود لنعم ماقیل

کنند خویش ناز تو ناز می زیبد،
بحسن یک کس اگر یک قبیلہ ناز کند۔

پس اگر اینہارا تابع دیگری می فرمودند خیلے شاق و گراں بر طبائع و امزجہ اینہا می آمد و نزدیک تکلیف مالا یطاق می رسید و شارع حکیم است بتیسر در ہر تکلیف مراعات می فرماید وایں وجہ راکسا نے کہ ور خاندان ریاست پیدا شدہ اند واخوان و بنی اعمام خود راتجربہ وامتحان نمودہ کراہی العین می فہمند۔ع

حاجت تنبیہ نیست عارف آگاہ را

و حاصل جواب ثانی مسبوق بتمہید مقدمہ

کسی شخص کو اکثر اوقات میں کسی

دوسرے خاندان کا تابع نہیں بنایا اس معاملے میں حضرت حمزہؓ حضرت ابو عبیدہ بن الحارثؓ بن عبدالمطلب حضرت عباسؓ، حضرت جعفرؓ، حضرت عقیلؓ، حضرت فضیل بن عباسؓ، حضرت ابو سفیان بن الحارثؓ حضرت عثمان بن عفان امویؓ اور حضرت خالد بن سعید بن العاص امویؓ بھی شریک ہیں اگر اس امتیاز کی بنا، پر کسی کو ترجیح ہے تو ان سب کے لئے ہے۔ ان دونوں قبیلوں کو کسی کا تابع نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دونوں قبیلے قدم سے قریش کی سرداری کے وارث و حامل تھے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت قریبہ کی وجہ سے ایک اور شرف بھی ان دونوں قبیلوں کو حاصل ہوگیا، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کنند خویش، بناز تو ناز الخ

(یعنی اے محبوب تیرے خویش و اقارب تیرے ناز کی بناء پر ناز کرتے ہیں۔ اگر کسی ایک فرد کے کمال کی وجہ سے پورا قبیلہ ناز کرے تو یہ بات ایک حد تک زیبا ہے اگر ان کو کسی

Marfat.com

است و آں مقدمہ این است کہ
سنت اللہ جاری است کو بلوغ
با قصیٰ درجات کمال بے مراتب
تحتانی آں، نمی شود اگر ابتداء ہر شخص
را مرتبہ علیا از کمال، القا کنند
بے آنکہ طے مراتب سافلہ کردہ باشد
حوصلہ اش تنگی می کند و عہدہ ایں مرتبہ
کماینبغی برنمی تواند آمد غیر از انبیاء
ہمہ کس دریں امر یکساں اند اولیاء
تا وقتے کہ مشق ازادب و اتباع
پیران خود نکردہ مرتبہ ارشاد نرسیدہ
و علماء تاوقتے کہ سالہا را خود
استاداں نگشتہ و گرد مدرسہ نخوردہ اند
بمرتبہ تدریس و تعلیم نرسیدہ اند
وہمچنین و در فرقہ امراء دیگر اہل
حرف و صنائع مجرب و ممتحن است
و قاعدۂ حکمیہ نیز ہمیں را اقتضاء
می کند بر دو وجہ، اول آنکہ بلوغ
نفوس باقصیٰ کمال خود تدریجی است،
دوئم آنکہ ریاست متضایف
مروسیاست تاوقتیکہ شخصے مدتے
دراز مروس و تابع نشدہ باشد در
وقت ریاست بحق الیقین نمی تواند
کہ حسن معاملہ را با مرسلین بفہمد و بداند
کہ مروس و رعیت رابکدام کدام

دوسرے قبیلے کے کسی فرد کے تابع
بنایا جاتا تو اس کا امکان تھا کہ مزاجا
اور طبعًا ان کو بہت شاق و گراں
گزرے اور بات تکلیف مالا یطاق
کی حد تک پہونچ جائے، شارع کے
سارے اصول و قوانین مبنی بر حکمت ہیں
اور ہر تکلیف میں تیسیر کی رعایت ملحوظ
رکھی گئی ہے، یہاں بھی یہی لحاظ رکھا
گیا، اس بات کو وہ لوگ جو خاندان
ریاست میں پیدا ہوئے ہیں اور آپنے
سگے بھائیوں اور چچا زاد بھائیوں کا
تجربہ و امتحان کئے ہوئے ہیں بد یہی
طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ ''عارف آگاہ
کو تنبیہ کی ضرورت نہیں ہوتی''۔
دوسرے جواب کا حاصل ایک مقدمہ
کی تمہید پر موقوف ہے وہ مقدمہ یہ
ہے کہ سنت اللہ اس طرح جاری
ہے کہ منتہائے کمال پر پہونچا تحتانی
مراتب کو طے کئے بغیر کما حقہ میسر نہیں
ہوتا اگر ہر شخص کو ابتداء ہی میں
کمال کا مرتبہ عالی دے دیا جائے
بغیر اس کے کہ وہ نیچے کے درجات
و مراتب طے کرے تو ایسی صورت
میں اس کا حوصلہ تنگ ہو جائیگا
اور اس مرتبے کی ذمہ داری سے

Marfat.com

سلوک استمالت و جلب قلوب، تو اں کرد واز کدام کدام بسلوک متنفر می شوند نہ رم می کنند، پس ریاست اولیٰ جہتہا تمکن نمی پذیر وچوں ایں مقدر ممہد شد میگوئم کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم را چناں چہ ازا احادیث بسیار مستفاد می شود، خلافت ایں چہار بزرگ علی ترتیبہا از غیب معلوم شدہ بود وچوں خلیفہ رابع را بست و چہار سال مزولیت و تعبیت و فرمان کس مختلف الامزجہ برداشتن مقدر بود، حاجت مشق کنانیدن اس کار بحضور خود یود خلیفہ ثالث راکہ تا دوازدہ سال مشق ایں کار، مقدر بود وزیر فرمان دو کس ندن ایشاں ہم محتاج مشق ایں کار نشدند، بخلاف شیخین کہ لہنہارا بلا فیصل بعداز وفات آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم ریاست مقدر بود لہنہا را مشق ایں کار بحضور خود کنانیدن ضرر افتاد وز یراکہ خلیفہ اول بمجبرد وفات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم برمنصب ریاست نشستند و خلیفہ دوئم بفاصلہ

کما حقہ عہدہ برآنہ ہو سکے گا، حضرات انبیاء علیہم السلام کے علاوہ تمام انسان اس امر میں مساوی ہیں اولیاء کو دیکھئے جب تک انھوں نے ادب کی مشق اور اپنے مرشدوں کی ابتاع نہیں کی، مرتبہ ارشاد کو نہیں پہونچے، اسی طرح علمانے تاوقتیکہ سالہا سال اپنے استادوں کی ماریں نہیں کھائیں اور مدتوں مدرسے کی خاک نہیں پھانکی تدریس وتعلیم کی مسند پر فائز نہ ہوئے یہی بات فرقہ امراء اور دیگر اہل حرفہ د اہل صنعت میں آزمائی جا چکی ہے اور حکمت کا قاعدہ بھی اسی کا اقتضاء کرتا ہے، دو سبب سے دل حد کمال تک نفوس کا پہنچنا تدریجی ہے (۲) ریاست و سرداری تا بعداری سے وابستہ ہے، جب تک کہ کوئی شخص طویل عرصے کسی کا تابع نہ رہا ہوگا ریاست و سرداری کے منصب پر پہونچنے کے بعد رعیت کے حقوق اچھی طرح ادا نہ کر سکے گا اور نہ یہ سمجھ سکے گا کہ رعیت کے دلوں کو کس کس طرز عمل اور تدبیر سے اپنی طرف کھینچا جا سکتا ہے اور کن کن باتوں سے

Marfat.com

دو سال و سہ ماہ و بحضور خلیفہ اول من حیث المشورۃ و الوزارۃ شریک خلافت بودہ اند بلکہ از تتبع تواریخ معلوم می شود کہ خلیفہ اول را نیز بحضور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کمتر اتفاق بیعت واقع شدہ و خلیفہ دوئم را بیشتر تعینات و از تابعین دیگراں فرمودہ اند بنا برآنکہ مزاجِ خلیفہ اول سہل الانقیاد بود و ایشاں رامشق تبعیت چنداں ضرور نبود بخلاف خلیفہ دوئم کہ در مزاج ایشاں از قدیم، اشتداد و حکم رانی مجبول بود و الطبیب بعالج الشئی بالضد بنا بریں امورات ایشاں را بحق الیقین کیفیت تبعیت وزیر فرمان کسے بو دن چشائیدن ضرور افتاد، حاجی شرف الدین خاں صاحب از اصحاب ثلثہ کہ رابع غیر منفک نیز ہمراہ دارند بحکم ما یکون من نجویٰ ثلثہ الایۃ اند متحف اند

رعیت اپنے سردار سے متنفر ہو جایا کرتی ہے، جب وہ اس گر کو نہ سمجھ سکے گا تو اس کی ریاست بھی قوت نہیں پاسکتی، جب یہ مقدمہ بطور تمہید لکھا جا چکا تو اب میں کہتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ وسلم کو جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے، چاروں خلفاء کی خلافت ترتیب کیساتھ غیب سے معلوم ہوگئی تھی ،خلیفہ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے چوں کہ چوبیس سال تک تین مختاف المزاج خلفاء کے تابع رہنا مقدر تھا، اس لئے ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات ظاہری میں کسی کا تابع بننے کی مشق کرانی ضروری نہیں سمجھی خلیفۂ ثالث (حضرت عثمان غنیؓ) جن کو بارہ سال تک شیخین کے تابع رہنا مقدر تھا وہ بھی چنداں اس مشق کے محتاج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہیں ہوئے۔ بخلاف شیخینؓ کے کہ ان کے لئے چونکہ بلا فصل بعداز وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خلادفت و ریاست مقدر تھی اس لئے ان کو اس کام کی مشق اپنے سامنے کرانی ضروری سمجھی کیونکہ خلیفہ اول (حضرت ابوبکر

Marfat.com

صدیقؓ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد منصب خلافت وریاست پر فائز ہوئے اور خلیفہ دوئم (حضرت فاروق اعظم) دو سال تین ماہ کے فاصلے سے منصب پر قائم ہوئے اور خلیفہ اول کی خلافت کے زمانے میں وہ مشیر و وزیر تھے، اور شریک خلافت کی حیثیت لکھتے تھے۔ خلیفہ اول کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کسی کی تبعیت کا موقع کم ملا، البتہ خلیفہ دوئم منجانب رسول اکرمؐ اکثر و بیشتر دوسروں کے تابع کئے گئے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ خلیفہ اول کا مزاج قدرتی طور پر نرم اور انقیاد و پذیر تھا، اس لئے ان کو تابعداری کی زیادہ مشق کی ضرورت نہ تھی، بخلاف خلیفہ دوئم کے کہ ان کے مزاج میں پہلے سے شدت اور حکمرانی کا مادہ تھا اور طبیب علاج بالضد کیا کرتا ہے، اس بناء پر خلیفہ دوئم کو کیفیت تبعیت سے واقف کرانا اور دوسروں کے زیرفرماں رہنے کا مزہ چکھا دینا ضروری ہوا حاجی شرف الدین خان صاحب کو ہم تینوں بھائیوں کا سلام پہونچے۔

ایک استفتاء کا جواب

ایک سید صاحب نے حضرت شاہ صاحبؒ کو ایک مکتوب استفتاء کی شکل میں بھیجا تھا، اس کا جواب مع ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، جواب کا کچھ حصہ آخر سے حذف کر دیا گیا ہے جس سے اصل مطلب و مفہوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا، استفتاء کرنے والے یہ سید صاحب کون ہیں؟ بیاض سے ان کا نام معلوم نہیں ہو سکا، جواب استفتاء کے آغاز میں ان کو حضرت شاہ صاحبؒ نے ان الفاظ سے مخاطب فرمایا ہے: ''سید

Marfat.com

صاحب عالی مراتب جامع الفضائل والمناقب الشدید فی دین اللہ کالسیف القاضب'' الخ

بعد السلام والتحیہ و السنونہ رقیمہ کریمہ شرف ورود یافت حمد الٰہی بجا آوردہ شد۔ کہ دریں زمانہ ہم عمیت دینی درمیان اکابر موجود است و شدت فی امر اللہ غیر مفقود، زاد اللہ اُشالکم فی العالم

......مہربان من اچند مقدمہ رااول خاطرنشین باید ساخت۔اول آں کہ تکفیر کلمہ گوا مربست محفور، در صحیح دار داست کہ من قال لاخیہ یا کافر فقد بانبا حدہما۔ حتی اللقدو اقدام براں نباید کرد۔ لہٰذا افقہا باجمعہم چنیں قرار دادہ اند کہ ہرگاہ (کلام) یک وجہ محتمل صحت باشد وچند وجہ دیگر محتمل کفر آں کلام را برہماں محمل صحیح عمل باید نمودولب تکفیر قائل بناید کشود، دوئم آنکہ تکفیر، موافق قاعدہ متعلق یا نکارِ ضروریات دین است بسبب سوء ادب یا استخفاف بجز داز انکار یا فعل شیفع داز تکاب کبیرہ استخراج بہ خت و تحلیل حرام مختلف فیہ و تحریم حلال مختلف فیہ کفر لازم نمی آید زیرا کہ تعریف ایمان ہمیں

بعد سلام مسنون واضح ہو کہ آپ کا مکتوب گرامی صادر ہوا(اس کو پڑھ کر) اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا کہ اس زمانے میں بھی بڑے لوگوں میں حمیت دینی اور اللہ کے احکام کے بارے میں مضبوطی موجود ہے، اللہ تعالیٰ آپ جیسے حضرات کی تعداد دنیا میں اور زیادہ کرے، مہربان من جواب سے پہلے چند مقدمات کو ذہن نشین کر لینا ضروری ہے (۱) کسی کلمہ گو کی تکفیر ایک ممنوع امر ہے، صحیح حدیث میں وار د ہے کہ جس کسی نے اپنے بھائی (کسی کلمہ گو) سے مخاطب ہو کر کافر کہا تو یہ کلمہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی طرف رجوع کرے گا یعنی اگر مخاطب دراصل کافر نہیں ہے تو کہنے والے کی طرف یہ کلمہ پلٹے گا حتی الا مکان تکفیر میں پیش قدمی نہ کرنی چاہیے، اسی لئے تمام فقہا اس بات پر متفق ہیں کہ جب کسی کے کلام کے اندر ایک صورت ایسی نکلتی ہے جس سے مطلب صحیح کا احتمال اور چند صورتیں ایسی ہیں جو احتمال ہے

Marfat.com

مقر راست کہ ہو تصدیق جمیع علم مجیٔ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہ ضرورۃ۔ وشے از ضروریات دین شمردن موقوف بر تواتر و ثبوت آن بالقطع است پس ہر چہ ازیں قبیل باشند مثل انکار فرضیت صلوات و زکوٰۃ و تحلیل الخمر و تحریم العیذ و تحقیر الشیخین وغیر ذالک، البتہ کفراست سوم آنکہ در (عدم) تکفیر و تعدیل یعنی حکم بعدالت کردن و سائط بسیار است، ایں نباید فہمید کہ ہر کہ را حکم تکفیر نکردیم او را پسند نمودیم، یا قول او را جائز داشتیم، بلکہ اکثر اوقات شخص کافر نمیشود ومبتدع و فاسق می گردد اکثر؟ ہمیں می دانند کہ ہرگاہ از تکفیر کسے علماء سکوت کنند، تصویب عقیدۂ او لازم آید، چنیں نیست، ایں قاعدہ بوجہ احسن ملحوظ بایدداشت، چوں ایں ہرسہ قاعدہ ممہد شد حالا انچہ ازروئے دلائل قویہ در حق ایں شخص کہ اقوال...... او مرقوم قلم صواب رقم است

کفر رکھتی ہیں، تو کلام کو اسی محمل صحیح پر رکھا جائے اور قائل کی تکفیر میں لب کشائی نہ کی جائے۔

(۲) قاعدے کے مطابق تکفیر ضروریات دین کے انکار سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا محض سوء ادب یا انکار سے خالی استخفاف کے باعث یا کسی فعل بد اور ارتکاب کبیرہ پر یا استخراج بدعت اور مختلف فیہ حرام کے حلال کرنے یا مختلف فیہ حلال کے حرام کرنے کے سبب کفر لازم نہیں ہوتا، اس لئے کہ ''ایمان'' کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ: جن احکام و ہدایات کے متعلق بالیقین اور بالبداہت یہ معلوم ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم لے کے آئے ان سب کے ماننے اور ان کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے (اور انہی چیزوں کو اصلاح میں ''ضروریات دین'' کہا جاتا ہے) اور کسی امر کا ضروریات دین سے شمار کرنا موقوف ہے تواتر اور ثبوت قطعی پر، جب اس قسم کے متواتر اور قطعی الثبوت امور دینیہ سے انکار ہوگا

Marfat.com

ظاہر می شود، التماس می نماید قول اول بسب صحابہؓ کافر نگردد اگر مراد اواز صحابہ جمیع صحابہؓ اند حتی خلفاء راشدین وازواجِ مطہراتؓ، پس ایں قول او خطاء صریح است، زیرا کہ نزد حنفیہ بسب شیخین و قذفِ عائشہ صدیقہؓ کفر لازم می آید و اگر مراد او آنست کہ سب ہر صحابی کفر نیست ،پس ایں خود خطاء نیست زیرا کہ فقہاء حنفیہ نیز سب ہر صحابی راکفر نمی دانند بلکہ بدعت و فسق می انکارند بحد کبیرہ می رسانند۔

وقول ثانی او کہ ہر چند شخص گناہ کند رحمت زیادہ گردد، خطاء فہمی است منشاء غلط او آن است کہ بعضی لطیفہ گویاں و شاعراں در مقام دفع نا امیدی خود بایں لطیفہ تمسک کردہ اند چنانچہ صاحب قصیدہ بردہ میگوید

یا نفس لا تقنطی من زلة عظمت
ان الكبائر فی الغفران كاللمم
لعل رحمة ربی حين يقسمها
تاتی على حسب العصيان فی القسم

کفر یقینی طور پر لازم ہوگا، مثلاً فرضیت صلوٰۃ و زکوٰۃ کا انکار اور شراب کا حلال قرار دینا اور (اسی طرح) نبید کا حرام کر دینا، یا شیخینؓ کی تحقر کرنا وغیرہ ذالک (۳) تکفیر نہ کرنے اور تعدیل کرنے یعنی عدالت کا حکم لگانے وبالفاظ دگر عادل قرار دینے) کے درمیان بہت سے درجے اور کڑیاں ہیں، اس لئے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ جس کسی پر ہم نے حکم تکفیر نہیں لگایا تو اس کے قول کو ہم نے پسند کر لیا یا اس کی بات کو جائز کہہ دیا بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک قول سے کافر تو نہیں ہوتا البتہ بدعتی وفاسق ہو جاتا ہے، اکثر ظاہر میں یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ جب علماء نے کسی کی تکفیر میں سکوت کیا تو اس سے اس شخص کے عقیدے کی تائید و تصویب لازم آگئی ایسا نہیں ہے اس بات کو اچھی طرح ملحوظ رکھنا چاہئے۔

جب یہ تینوں باتیں بطور مقدمہ وتمہید بیان ہو گئیں تو اب اس

Marfat.com

وبدعائے آنہا آن ست کہ از بزرگی گناہ خود نباید اندیشید ونا امید نباید شد، زیرا کہ رحمت الٰہی نیز بقدر عصیاں مقسوم است گناہ کبیرہ را ازالہ برحمت کثیرہ تواند کرد ایں شخص از غلط فہمی چنیں انگاشت کہ عصیاں سبب رحمت است داین نفہمیدہ کہ اگر با لفرض عصیاں سبب رحمت ہم باشد خاص یک نوع رحمت راسبب خواہد بود کہ آں رحمت غفاریست دیگر انواعِ رحمت، بسیا رازیں رحمت بزرگ ترو عالی تراند ہمہ از عاصی موقوف خواہند شد مثل درجات عالیات بہشت ، درخول بلا حساب دسرخ روئی در عرصات......

الحاصل کہ از رحمت متقیان و معصومان و محفوظان بہرہ نیافت لیکن ایں ہمہ غلط فہمی است نوبت بکفر نمی رساند۔ تاآں کہ صریحاً قائل ایں کلام نگوید طاعت و تقویٰ اصلاً موجب رحمت نیست و عصیان حقیقۃً سبب رحمت است۔ وظاہراست

شخص کے بارے میں جس کے اقوال آپ نے تحریر فرمائے ہیں جوبات ظاہر ہوتی ہے دلائل کے ساتھ لکھی جاتی ہے۔

قائل کا قول اول یہ ہے کہ ''سب صحابہؓ سے کوئی شخص کافر نہیں ہوتا''۔ غور طلب یہ امر ہے کہ اس کی مراد کیا ہے؟ اگر صحابہؓ سے جمیع صحابہؓ مراد ہیں حتی کہ خلفاء راشدین اور ازواج مطہرات بھی ......اس صورت میں اس کا یہ قول خطاء صریح ہے، اس لئے کہ نزدیک حنفیہ سب شیخین اور حضرت عائشہ پر ''تہمت'' دھرنے سے کفر لازم آتا ہے اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ سب ہر صحابی کفر نہیں ہے تو یہ قول خطا و صریح نہیں ہے اس لئے کہ فقہاء حنفیہ بھی سب ہر صحابی کو کفر نہیں جانتے بلکہ بدعت و فسق سمجھتے ہیں اور گناہ کبیرہ کی حد تک پہونچاتے ہیں، قائل کا دوسرا قول یہ ہے کہ ''جو شخص جتنا گناہ کرے گا اس پر رحمت زیادہ ہوگی۔'' یہ قول غلط فہمی کی بناء پر ہے اور اس کی بنیاد ان لطیفہ گو اور نازک خیال

Marfat.com

کو متکلم کلمہ اسلام تصریح ایں ہر دو مضمون نخواہد کرد، و قول ثالث اوکہ حضرت ام المومنین بی بی عائشہ صدیقہ طبانچہ زد .... افترائے محض است، حاکم شرع میاید کہ اول او را از سندایں افترا پرسد وظاہر است کہ از بیاں سندش عاجز خواہد شد و وہرگاہ عاجز شود اورا تعزیر بر اوسی و نہ تا زیانہ بکمال شدت وایجاع نماید و آیندہ از و توبہ نصوح گیرد کہ ایں قسم افتراہا بر بزرگان نکر دہ باشد حاصل آں کہ مفاد ایں قول نسبت ظلم شفیع بجانب صدیقہؓ است و نسبت ظلم بغیر معصوم موجب کفر نیست آرے نسبت آں (بہ) بزرگان کہ عدالت و تقویٰ آنہا بثبوت پیوستہ، موجب فسق و ضلالت است۔ و از باب قذف نیست کہ باجماع کفراست۔

و قول رابع کہ سید اگرچہ

شعراء کا کلام ہے جنھوں نے بطور لطیفہ گوئی و نکتہ سنجی اپنی مایوسی کو دفع کرنے کے لئے اس بات کو ظاہر کیا ہے چنانچہ صاحب قصیدہ بردہ (علامہ بو صیریؒ) کے بھی اسی مضمون کے دو شعر ہیں۔ (جن کا ترجمہ یہ ہے)

(۱) اے نفس اپنے گناہوں کے باعث جو اگرچہ بہت بڑے ہیں مایوس نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے سامنے بڑے بڑے گناہ بھی چھوٹے ہیں

(۲) جب اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی بارگاہ سے تقسیم ہوگی تو ممکن ہے کہ رحمت، بقدر گناہ ہر ایک کے حصے میں آئے

مدعا یہ ہے کہ گناہ کی بڑائی سے اپنے کو فکر مند نہ کیا جائے اور نا امید نہ ہوا جائے۔ اس لئے کہ رحمت الٰہی بقدر عصیاں، مقسوم ہے، گناہ کبیرہ کا ازالہ رحمت کثیرہ کے ذریعے کیا جاسکتا ہے، اس شخص نے اپنی غلط فہمی سے یہ تو سمجھ لیا کہ گناہ، سبب رحمت ہے مگر یہ نہ سمجھا کہ اگر بالفرض گناہ سبب رحمت بھی ہو تب بھی ایک نوع رحمت کا سبب ہے اور وہ "رحمت غفاری" ہے (یعنی گناہ کی مغفرت والی رحمت)

Marfat.com

سائب صحابہ باشد تعظیم او بر مردمان واجب است غلط محض است، زیرا کہ سید چوں مرتکب ایں قسم امر شنیع گردد تعظیم اوواجب نمی ماند، و اصل ایں ست کہ در انکار بر منکر و امر با لمعروف و اقامۃ حدود گرفتن قصاص و ادائے شہادت و ادائے امانت و عدل او حکومت تخصیص، ہیچ فرقہ، و ہیچ قبیلہ نیست سید و جولاہہ دریں امرا برابر اند، ہر گاہ کا فرشد سید بسب سب صحابہ کا فرشد نما لانہ ، لَیۡسَ مِنۡ اَھلِک نہ عمل غیرصالح، آرے اگر سیدے اتلافِ حق خاص ایں کس کند عزیمت آنست کہ از در گذرد و ترک انتقام نماید بقولہ علیہ السلام ...... اقبلوا عن محسنہم و تجاوزوا عن سیعہم اما اتلاف حقوق دینی ، پس دراں تجاوز مقبول نیست و الحاصل ایں قول او نیز خطاء و بدعت است اما نوبت بکفرنمی رساند زیرا کہ

دوسری انواع رحمت بھی تو ہیں جو اس رحمت سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں وہ رحمتیں تو عاصی وگنہ گار کو حاصل نہ ہوسکیں گی مثلاً بہشت کے در جات عالیات بلا حساب کتاب جنت میں داخلہ اور میدان محشر میں سُر خروی حاصل ہونا وغیرہ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ وہ رحمتیں جو اہل تقویٰ معصومین اور معصومین کے واسطے مخصوص ہیں، عاصی کا ان

میں کوئی حصہ نہیں اور وہ بیچارہ ان کا حقدار نہ ہوگا مگر اس قسم کی تمام باتیں غلط فہمی کی بناء پر کہی جاتی ہیں، ان سے کفر تک نوبت نہیں پہونچتی جب تک صراحۃ یوں نہ کہہ دیا جائے کہ طاعت و تقوی و بالکل موجب رحمت نہیں بس عصیان و گناہ ہی حقیقۃً سبب رحمت ہے، ظاہر ہے کہ کلمہ اسلام کا بولنے والا کوئی آدمی اس طرح کی بات صراحت کے ساتھ نہیں کہے گا۔

قائل کا تیسرا قول کہ ام المومنین حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نعوذ باللہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی

Marfat.com

ایجاب تعظیم بمعنی محبت و ترک ایذاء در حق اہل بیت عموما وارد شدہ و تخصیص این عام در ذہن این قائل نگنجیدہ یا حقوق دینی با حقوق انسانی باہم اشتباہ پیدا کردہ، این حکم از زبان او برآوردہ انکار صریح ضروریات دین ازیں کلمہ فہمیدہ نمی شود۔

گستاخانہ حرکت کی۔

یہ افترائے محض ہے حاکم شرع کو چاہیے کہ اول اس سے اس افترا کی سند طلب کرے، ظاہر ہے کہ وہ کوئی سند پیش نہ کر سکے گا جب وہ سند پیش کرنے سے عاجز ہو تو اس کو انتالیس کوڑے کمال شدت کے ساتھ لگوائے اور آیندہ کے لیے اس سے توبہ نصوح کرائے کہ وہ اس قسم کے بہتان بزرگان دین پر نہ لگائے گا، حاصل کلام یہ ہے کہ اس قول کا منشا حضرت صدیقہ پر ایک ظلم شنیع کا الزام لگانا ہے اور غیر معصوم کو ظلم کے ساتھ منسوب کرنا موجب کفر نہیں ہے البتہ ان بزرگوں کے حق میں ظلم کی نسبت کرنا جن کی عدالت اور جن کا تقوی ثابت ہو چکا ہے، موجب فسق و ضلالت ضرور ہے، یہ قول باب قذف سے بھی نہیں ہے (آیات سورۂ نور کے نزول کے بعد حضرت صدیقہ پر) قذف باجماع کفر ہے

قائل کا چوتھا قول کہ ”سید اگرچہ صحابہؓ کو بُرا بھلا کہنے والا ہو بہر حال اس کی تعظیم لوگوں پر واجب ہے“ یہ غلط بات ہے کہ جب یہ سید اس قسم کی قبیح حرکات کا مرتکب ہوگا اس کی تعظیم واجب نہیں اور اصل یہ

Marfat.com

ہے کہ نہی عن المنکر امر با لمعروف اقامت حدود، قصاص ، ادائے شہادت ، ادائے امانت اور حکومت میں عدل و انصاف کے معاملے میں کسی طبقہ اور کسی قبیلہ کی تخصیص نہیں ہے، ایک سید اور ایک نور باف ان امور میں برابر و مساوی ہیں جب کہ سید سب صحابہ کے باعث کفر کا مرتکب ہو تو پھر سید کب رہا ہے وہ تو "غیر صالح عمل" کی وجہ سے "اہل" سے نکل گیا اور لیس من اہلک کا مصداق ہو گیا، ہاں اگر کوئی سید اس شخص کا کوئی خاص دنیا وی حق ضائع کر دے تو عزیمت اور بلند کرداری کی بات یہ ہے کہ اس سے درگزر کرے اور انتقام نہ لے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی در گذر کے لئے فرمایا لیکن اگر حقوق دینی تلف کئے جائیں وہاں درگذر اور چشم پوشی مقبول و جائز نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ قائل کا یہ قول بھی خطاء و بدعت ہے، اس بات کے کہنے سے کفر تک نوبت نہیں پہونچتی اس لئے کہ اہل بیت کے حق میں تعظیم بمعنی صحبت کا واجب ہونا اور ان کو ایذاء نہ دینے کا حکم عموماً وارد ہوا ہے، قائل کے دماغ میں اس عام کی تخصیص نہیں آئی کہ اس نے صحابہ کرام کو برا بھلا کہنے والے سید کے لئے بھی تعظیم واجب قرار دیدی،

Marfat.com

یا حقوق ذہنی اور حقوق انسانی میں باہم اس کو اشتباہ ہو گیا اور اس نے دونوں قسم کے حقوق میں فرق نہ کرکے یہ بات کہہ دی بہر حال ضروریات دین میں سے کسی بات کا انکار اس قول سے مفہوم نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا عربی کلام

بیاض رشیدی میں ۲۷ صفحات پر حضرت شاہ صاحب کا منظوم کلام درج ہے، میں نے اس حصہ نظم میں سے دو نظمیں نقل کر لی تھی، ان نظموں کی وفصاحت و بلاغت، سلاست وروانی، سوز وگداز اور کیف و دل آویزی ادب عربی سے ادنیٰ مناسبت رکھنے والے کو بھی محسوس ہو جائے گی، الفاظ کی بندش میں ترنم انگیزی اور وجد آفرینی کی کیفیت نمایاں ہے؟ کتنا کچھ کلام ہوگا جو دست برد زمانہ سے ضائع ہو گیا، اب جتنا بھی مل جائے غنیمت ہے، ترجمہ اشعاء کے ساتھ لکھا جائے گا لیکن حق بات یہ ہے کہ اُردو میں اس کلام کی پوری کیفیات منتقل کرنے میں کم از کم میں تو کامیاب نہ ہوسکوں گا پہلی نظم عاشقانہ ہے اور مجازی رنگ میں ہے، کہیں کہیں حقیقت ومعرفت کا رنگ بھی جھلک رہا ہے، دوسری نظم کے چھ اشعار قصیدہ نعتیہ کی تشبیب اور تمہید کے طور پر ہیں، اس کے بعد نعتیہ اشعار ہیں، یہ نعتیہ قصیدہ یا تو لکھا ہی مختصر ہوگا یا اس کے اور اشعار بھی ہوں گے جو بیاض میں شامل نہیں کیے گئے۔

(۱)

ایا نسیم الشمال ذکر لقصة الشوق فی حماة

فان قلبی یذوب غما وحال جسمی کما تراہ

اے باد شمال تو میرا قصہ شوق محبوب کی بارگاہ میں سنا دے، میرا قلب غم سے پگھل رہا ہے اور میرے جسم کا جو حال ہے وہ تجھے نظر آ ہی رہا ہے۔

(۲)

ینبت خفی بلا منام و ورائمعی علی السجام

ونار شوقی علی ضرام ولیس لی منیة سواہ

میری پلکیں بغیر نیند کے رات گذارتی ہیں، میرے آنسو چشم تر پر ہیں، میری آتش شوق بھڑک رہی

Marfat.com

ہے اور میری کوئی آرزو محبوب کے علاوہ نہیں ہے۔

(۳)

اغوص بالدمع فی بحارو مهجتی فی خلال ناری
فکیف اشکولی عداه علی ماقد جنت یداه

آنسوؤں کی کثرت کے باوجود میری جان آگ کے درمیان ہے میں اس جور وستم کا شکوہ کسی غیر سے کیسے کروں جو اس نے میرے اوپر روا رکھا ہے۔

(۴)

اتی رسولی بلا جواب و سلام ولا خطاب
فسار حالی کمابدالی دلت ادری القراما هو

میرا قاصد بغیر جواب لئے اور اس کی جانب سے سلام و پیام کا تحفہ لئے بغیر واپس آگیا، میرا حال خود مجھ پر منکشف ہے اور مجھے معلوم نہیں کہ قرار کیا ہوتا ہے۔

(۵)

سلوه عنی بای ذنب اباح قتلی وبتك سری
ولیس وبنی سوی هواه مذهبی غیران اراه

اس سے دریافت کرو کہ اس نے میرے کس گناہ کی پاداش میں میرا قتل مباح کر دیا اور میرا راز فاش کر دیا، میرا گناہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور دیدار کے علاوہ میرا کوئی مسلک نہیں۔

(۶)

اقوم شوقاً اذابدت لی کلاب حی لا مقام
ولو عدوی حبری بقیه لذیذ ذکره لشمت فاه

میں کوئے محبوب کے کتوں کو بھی دیکھتا ہوں تو فرط شوق میں کھڑا ہو جاتا ہوں، میرا دشمن بھی میرے محبوب کا ذکر شیریں کرے تو میں اس کا منہ چوم لوں۔

(۷)

فلی غرام لَه دَوام بلا تمام وَلا انفِصَام
وَلی فوادی خیال وجه تنور الکون من ساه

Marfat.com

میری شیفتگی دوامی ہے ختم ہونے والی نہیں ہے اور میرے دل میں ایک ایسے چہرے کا خیال ہے جس کی روشنی سے عالم کون ومکاں جگمگا گیا۔

(۸)

الی متی الصرفی صیل دفی بکاء فی نیاح

والا استماع ولا التفات و لا اعتذار ولا انتباہ

میں کب تک غم میں روتا، چیختا چلاتا ہوں اور دوسری طرف سے استماع، التفات اعتذار اور انتباہ کا معاملہ بالکل نہ ہو۔

(۱) الَایا عَازلی ذم فی ملای فانی لا احُول عَن العزام

اے ملامت کرنے والے تو خوب ڈٹ کر مجھے ملامت کرلے، میں عشق وعاشقی سے باز آنے والا نہیں ہوں۔

(۲) فجفنی ساھر مادمت حیا وقلبی ھائم الدمع ھائم

جب تک میں زندہ ہوں میری آنکھ انتظار دوست میں جاگتی رہے گی، میرا قلب حیران اور آنسو جاری رہیں گے۔

(۳) فیاریح الصبا عطفاً وَرفقا الی ذاك الحمیٰ بلغ سلامی

اے بادصبا نہایت محبت اور نرمی کے ساتھ اس کی بارگاہ میں میرا اسلام پہونچادے۔

وقل یا اھل ودی فی ھوا کم مَضیٰ شھری وَایاً می وعَامی

اور یہ بھی کہہ دے کہ اے دوستو تمہارے عشق وفرمان میں میرے سال وماہ اور دن گزر رہے ہیں۔

(۵) صرت یبعد کم کالعود جسمی علی نارود معی فی استجام

میں تمہاری جدائی کے غم میں سوکھی لکڑی کے مانند ہوگیا ہوں، میرا جسم آتش سوزاں پر ہے اور میری آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے ہیں۔

(۶) فان عدتم بوصلی والتیام فا ھلابا لعناق و باللزام

اگر تم اپنی ملاقات سے شاہ کام کرتے ہو تو فبہا

(۷) وان جرتم علی، فلی غیاث بباب المصطفےٰ، خیرا لانام

اور اگر تم بدستور سابق میرے اوپر جدائی کا ظلم وجور جاری رکھنا چاہتے ہو تو میں خیرالانام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے باب عالی پر فریاد کروں گا۔

Marfat.com

(۸) والیہ توجھی ولہ استنادی وفیہ مطامعی وبہ اعتصامی

دراصل ان کی ذاتِ عالی میری توجہ کا مرکز ہے اور وہی میرا سہارا ہیں اور انھیں سے مجھے غرض ہے اور انھیں کا دامن میرے ہاتھ میں ہے۔

(۹) ومن لی بعد مادھنت عظامی واشتد البلاء سواک حامی

اے سرکار رسالتماب میری ہڈیاں جب کہ کمزور ہو گئیں اور مجھ پر سخت بلاؤں کا ہجوم ہے ایسے وقت میں میرا کون حامی ہے سوائے آپ کے۔

(۱۰) فان اک ظالما عظمت ذنوبی فحبک سیدی ماحی الا ثام

میں نے مانا کہ میں اپنے نفس پر ظلم کرنے والا ہوں اور میرے گناہ بہت بڑھے ہوئے ہیں مگر آپ کی صحبت بھی تو گناہوں کو مٹانے والی ہے۔

(۱۱) فقداعطیت مالم یعط خلق علیک صلوۃ علیک با لسلام

حضور! آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کچھ عطا کیا گیا ہے جو اولین و آخرین میں سے کسی کو نہیں دیا گیا۔ آپ پر (لاکھوں) دُرود اور (لاکھوں) سلام۔

Marfat.com

مکتوب شاہ صاحبؒ بنام مولانا کفایت اللہ مرادآبادیؒ[۱]

مولوی صاحب عالی مراتب مجمع حسنات و مناقب مہربان فقراء سلمہ اللہ تعالیٰ .... وافاض علیم برکات، بعد السلام والتحیہ والا رعیہ الصافیہ الز کیہ۔ مکشوف خاطر اصفا ذخائر یاد کہ عنایت نامہ بہجت شامہ پس از وقوع فترات طویلہ کہ اسباب آہنارا خود درر قیمہ کریمہ تحریر فرمودہ اند وازیں طرف نیز ہمان اسباب بعینہا صورت تحقیق گرفتہ، وصول عزت شمول نمود...... بدریافت نوید، عافیت، کسب جمعیت کردہ حق تعالیٰ مدام مشمول عافیت و

مولوی صاحب عالی مراتب مجمع حسنات ومناقب، مہربان فقراء۔ اللہ تعالیٰ تم کو سلامت رکھے اور تم پر پے در پے برکات نازل فرمائے، بعد سلام و تحیۃ اور بعد دعائے مخلصانہ واضح ہو کہ عنایت نامہ بہجت شامہ بڑی مدت کے بعد پہونچا، تاخیر تحریر کے جو اسباب تم نے اپنے خط میں تحریر کئے ہیں، اس طرف بھی بالکل ایسے ہی اسباب تھے (جو مانع تحریر بنے رہے) عافیت کی خوشخبری پاکر اطمینان ہوا حق تعالیٰ ہمیشہ تم کو عافیت سے رکھے اور اپنے انعامات سے نوازے بطفیل حضرت محمد مصطفیٰ

۱؎ مولانا کفایت اللہ حنفی مرادآبادی ایک جید نعت گو عالم تھے، نسیم خلد (شرح منظوم شمائل ترمذی) اور نسیم جنت (منظوم درفضیلت درود شریف) نیز ایک دیوان نعتیہ اور چند رسائل مدح رسولؐ اور ذکر رسول اللہ ﷺ میں اُردو زبان کے اندران کی تصنیفات میں سے ہیں ۱۲۷۳ھ میں وفات ہوئی۔ نزہتہ الخواطر اجلد ہفتم بحوالہ مہر جہاں تاب عام طور پر یہ مولانا کفایت علی کے نام سے مشہور ہیں کافی تخلص تھا ۱۸۵۷ء مطابق ۱۲۷۳ھ میں انگریز نے بغاوت کے جرم میں ان کو پھانسی دی تفصیلی حالات باوجود تفتیش کے معلوم نہ ہو سکے یہ مکتوب احقر نے مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی مرحوم کے ذخیرہ مخطوطات میں رکھے ہوئے ایک کاغذ سے نقل کر لیا تھا، اس مکتوب کو بعض اور کتب خانوں میں بھی مجموعہ افادات شاہ عبدالعزیز میں دیکھ چکا ہوں بیاض رشیدی کے مندرجات ختم کرنے کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ اس کو بھی یہاں تبرکات عزیزیہ میں شامل کردوں، ابھی تھوڑا سا یہ خلجان ہے کہ مولانا کفایت اللہ اور مولانا کفایت علی کافی مرادآبادی کہیں علیحدہ علیحدہ دو شخصیتیں تو نہیں؟ اگرچہ صاحب نزہتہ الخواطر نے مہر جہاں تاب کے حوالے سے جو تحریر فرمایا ہے اس سے دونوں نام ایک ہی شخصیت کے معلوم ہوتے ہیں۔

Marfat.com

انعام بالنبی بالنسی والہ الامجاد......
تحریر احوال مزاج فساد امتزاج دتزاید اعراض و استحکام امراض ازآنجا کہ مورث ملال خاطر محبان و مشفقان است قلم انداز ساختہ عنان اوہم قلم بصوب مقصود اصلی معطوف می نماید، مہربان من وقت رویت ہلال شعبان تراکم (ابر) سخت و غلیط روداده بود لہذا بست ونہم رجب، اتفاق رویت ہلال شعبان در شام آنروز علی العموم ممکن نشد تا ششم شعبان بحساب آنکہ ماہ رجب سلخ داراست عدتاریخ نمودند، من بعد بحضور بادشاہ ثابت شد کہ غرہ شعبان روز پنجشنبہ بود یعنی ماہ رجب بست و نہ روز شد بار سلخ نداشت چنانچہ رسوم شب برأت روز چہار شنبہ درتمام شہر اتفاق افتاد فقیر ہم بنا بر مزید تحقیق شخصے را نزد اللہ بندہ نام کفش دوز (کہ) بحضور بادشاہ شہادت او

صلی اللہ علیہ وسلم و آل و اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب میں اپنے نا ساز مزاج کے احوال اور زیادتی و استحکام امراض کے حالات اس بناء پر قلم انداز کرتے ہوئے کہ ان کو پڑھ کر سوائے اس کے کہ دوستوں کے قلب کو صدمہ ہو اور کچھ حاصل نہیں، اسپ قلم کی لگام کو مقصود اصلی کی طرف موڑتا ہوں، مہربان من! رویت ہلال شعبان کے وقت یہاں (دہلی میں) ابر غلیظ محیط تھا۔ ۲۹ رجب کو شام کے وقت رویت ہلال کا ہونا علی العموم ممکن نہ ہوا ۶ شعبان تک اس حساب سے کہ ماہ رجب پورے تیس دن کا ہوا ہے تاریخ کا شمار کیا گیا، اس کے بعد بادشاہ کے سامنے یہ بات ثابت ہو گئی کہ رجب کا مہینہ ۲۹ دن کا تھا چنانچہ شب برأت تمام شہر میں بدھ کے دن کی گئی

فقیر نے بھی مزید تحقیق کے لئے ایک شخص کو اللہ بندہ کفش دوز کے پاس بھیجا، جس کی شہادت بحضور بادشاہ گزری تھی، اس نے اقرار کیا کہ میں نے بچشم خود ہلال شعبان بدھ کا

Marfat.com

گزشتہ بود فرستاد او اقرار کر دکہ من بچشم خود ہلال شعبان را بشام چہار شنبہ دیدہ بودم و مقارنِ ایں حال شخصے دیگر ازوارد ِ سکندر آباد نیز بحضور برادر عزیز مولوی رفیع الدین ہمیں نوع اقرار کرد و نصاب شہادت بتکامل پذیرفت اما ہلال رمضان پس شام جمعہ مکشوف و ظاہر و نمودار گشت وکسانیکہ غرہ شعبان روز پنجشنبہ می گفتند حمل بر تمامی شہر نمودند یعنی سیروز کامل برآمد وکسانیکہ غرہ شعبان روز جمعہ قرار دادہ بودند موافقاً لتقادیم ماہ شعبان را ناقص العدد اعتبار کردند۔ غرضیکہ پردہَ ہردہ فریق فرو ہشتہ ماند وخطاء کسے متعین نشد۔ چوں بیشتر کار بہمیں ماہ بود و دریں ہلال ارتفاع شبہ مطلقا شد دیگر صاحب تفتیش حال شعبان فضول نمود۔

اما جواب مسئلہ مرقوم پس بالفصل فتویٰ بریں روایت است کہ رویت ہر بلد بر مردم دیگر بلد لازم

دن گزار کر شام کو دیکھا تھا، اسی زمانہ میں ایک شخص سکندر آباد سے وارد ہوا، اس نے برادرِ عزیز مولوی رفیع الدین کے سامنے یہی اقرار کیا (کہ میں نے بدھ کی شام کو شعبان کا چاند دیکھا ہے) اس طرح نصاب شہادت کا مل ہو گیا، بہر حال ہلال رمضان شام جمعہ کو نمودار ہوا، جو لوگ غرہ شعبان بروز پنجشنبہ کہتے تھے انھوں نے شعبان کو تیس دن پر محمول کیا، اور جو لوگ جنتریوں کی موافقت میں غرہ شعبان روزِ جمعہ کو قرار دیتے تھے انھوں نے ماہ شعبان کو ناقص العد (یعنی ۲۹ دن کا) اعتبار کیا، غرضکہ ہر دو فریق کا پردہ ڈھکا رہا اور کسی کی خطا متعین نہیں ہوئی چونکہ زیادہ کام اسی ماہ (رمضان) سے تھا اور اس کے ہلال میں شبہ مطلقاً اٹھ گیا تھا، اس لئے ہلال شعبان کی مزید تحقیقات کرنی فضول سمجھی گئی،

رہا جواب مسئلہ مرقوم کا پس اس کا مدار اس روایت پر ہے کہ رویت ہر شہر کی دوسرے شہر والوں پر

Marfat.com

است، ہر گاہ خبر رسد قضا نمایند ...... در فتاوی عالمگیری می نویسند ولا عبرۃ لا ختلاف المطالعِ فی ظاھر الروایۃ کذافی فتاویٰ قاضی خان: علیہ الفتویٰ...... وبہ کان یفتی شمس الائمۃ الحلوائی قال لورای اھل مغربٍ ھلال رمضان یجب الصوم علی اھل مشرق کذافی الخلاصۃ......

بعضے فقہا حنفیہ ہم موافقا للشافعیۃ اختلاف مطالع را اختیار کردہ اند و گفتند کہ اگر اہل دہلی ہلال رمضان رابہ بینند و بآں حساب روزہ گیرند اہل مراد آباد و رام پور راکہ ہلال ندیدہ باشند بآں حساب روزہ گرفتن لازم نیست بلکہ ایشاں را رویت خود کافیست لیکن ایں قدر ملاحظہ (باید) داشت کہ بلد مقدم الرویت جانب مغرب باشد و بلد متاخر الرویت جانب مشرق باشد......

...... زیرا کہ ہلال

لازم ہوتی ہے فتاویٰ عالمگیری میں ہے...... اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں جیسا کہ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے...... اور اسی پر فتوی ہے، شمس الائمہ حلوائی بھی یہی فتوی دیا کرتے تھے...... ان کا قول ہے کہ اگر اہل مغرب رمضان کا چاند دیکھ لیں تو اہل مشرق پر روزہ واجب ہو جاتا ہے، جیسا کہ خلاصہ میں مرقوم ہے۔ جیسا کہ خلاصہ میں شافیہ کی موافقت میں اختلاف مطالع کا اعتبار کیا ہے اور کہا ہے کہ اگر مثلاً اہل دہلی رمضان کا چاند دیکھ لیں اور اس حساب سے روزہ رکھیں تو اہل مراد آبا اور اہل رامپور کو (جو مشرق میں ہیں) جنھوں نے چاند نہیں دیکھا اس حساب سے روزہ رکھنا لازم نہیں بلکہ ان کو اپنی رویت کافی ہے، یہ بات ملحوظ رکھنا چاہئے کہ وہ شہر جس میں رویت پہلے ہوئی ہے جانب مغرب میں ہو اور وہ شہر جس میں رویت بعد کوئی ہوئی ہے جانب مشرق میں ہو، اس لئے کہ ہلال

Marfat.com

جانب مغرب است، پس ایں معنیٰ ممکن نیست کہ مغربیاں بہ بینند و مشرقیان مشاہدہ نمائند، دوئم آنکہ فاصلہ درمیان بلد مغربی و بلد مشرقی بقدر تفاوت...... باشد تا تفاوت افق بہم رسد دبدون ایں شرط اختلاف بلدان را اعتبار رنیست و قری وقصبات ہر شہر بالاجماع تابع آں شہر اند......صحیفہ شریفہ مولوی رعایت علی خاں بنام نامی آں مہربان ورود یا بداز طرف فقیر ہم بکمال اخلاص دِلی سلام و دعا باید آورد، والسلام علیکم	جانب مغرب میں ہوتا ہے، لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ مغرب والے نہ دیکھیں اور مشرق والے دیکھ لیں دوسرے یہ کہ فاصلہ بلاد مغربی اور بلادِ مشرقی کے درمیان اس قدر ہو......کہ تفاوتِ افق ثابت ہو سکے بغیر اس شرط کے اختلافِ بلاد کا اعتبار نہیں...... ......مولوی رعایت علی خاں کا خط تمہارے پاس آتا ہے فقیر کی طرف سے بھی ان کو بکمال اخلاص دِلی سلام و دعا لکھدینا...... والسلام علیکم۔

اختلاف مطالع

رویت ہلال کے سلسلے میں اختلاف مطالع کا مسئلہ ایک اہم اور قابل غور مسئلہ ہے، حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مسئلے پر اپنے مکتوب گرامی کے اندر اختصار کے ساتھ روشنی ڈالی ہے، اس مکتوب کا ایک جملہ پڑھا نہیں گیا اور ایک دو جملے قصداً حذف کر دیئے تا کہ ناظرین کو اصل مسئلہ سمجھنے میں دقت نہ ہو، حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ نے اس مسئلہ پر اپنے فتاوی میں کئی جگہ تفصیلی بحث کی ہے، ملاحظہ ہو فتاوی عبدالحیؒ جلد اول ۲۶۶ تا ۲۶۸ و ۲۷۴ تا ۲۷۸۔

مولانا فرنگی محلیؒ کے ایک جواب کا کچھ حصہ فارسی سے اُردو میں ترجمہ کر کے یہاں پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

''اختلاف مطالع کے بارے میں فقہاءِ حنفیہ چند اقوال پر مختلف ہیں۔ بعض کا قول یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہے اور ایک شہر کی رویت کا اعتبار دوسرے شہر میں نہیں ہوتا بلکہ ہر شہر کی رویت اسی شہر

Marfat.com

کے لئے معتبر ہے اور پس ایک شہر کی رویت کا اعتبار دوسرے شہر میں نہیں ہوتا بلکہ ہر شہر کی رویت اسی شہر کے لئے معتبر ہے اور اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک ظاہر روایت کی رُو سے اختلاف مطالع کا مطلقاً اعتبار نہیں ہے، پس ایک شہر کی رویت دوسرے شہر کے لئے اگرچہ دونوں کے درمیان فاصلہ کثیر ہی کیوں نہ ہو، معتبر ہوگی۔ بشرطیکہ ثبوت شرعی بہم پہونچ جائے لیکن محققین حنفیہ کے ایک گروہ کا یہ قول ہے کہ وہ دو شہر جو بسبب قواعد علم ہیت اخلاف مطالع رکھتے ہیں، یعنی ایک ماہ کی (پیدل) مسافت رکھتے ہوں ان میں ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لئے معتبر نہ ہوگی اس سے کم فاصلے میں معتبر ہوگی۔ (مجموعہ فتاوی عبدالحی جلد اول ۲۷۶)

مکتوبِ گرامی بنام سید امیر حیدر حسینی بلگرامیؒ

(دربارۂ امتیاز و اختصاص حجۃ اللہ البالغہ)

کِتاب الحجۃ اللّٰہ البالغۃ التی هی عمده تصانیفِ بقیۃ المحدثین الشاہ ولی اللّٰہ الدهویٰ فِی علم اسرار الحدیث ولم یتکلم فی هذا العلم احد قبلہ علی هذا الوجہ من تاصیل الاصول و تفریع الفروع و تمهید المقدمات والمبادی واستنتاج المقاصد منها الی المجلس والمنادی انما یستشم نفحات قلیۃ من هذا العلم فیکتاب الاحیاء للغزالیؒ و کتاب القواعد الکبری للشیخ عز الدین عبد السلام المقدسی وربما یوجد بعض فواد هذا العلم فی مواضع من الفتوحات

حجۃ اللہ البالغہ بقیہ المحدثین شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی علم اسرار حدیث میں ایک بہترین تصنیف ہے۔ اس علم کے اور آپ سے پہلے کسی نے اس انداز سے کلام نہیں کیا۔ اس کتاب میں تاصیل اصول، تفریع فروع، تمہید مقامات و مبادی اور پھر مقاصد کا استناج و استخراج سب کچھ پایا جاتا ہے۔ اس علم کی کچھ خوشبو امام غزالیؒ کی احیا العلوم میں اور شیخ عزالدین عبدالسلام مقدسی کی کتاب قواعد کبری میں پائی جاتی ہے علم اسرار حدیث کے کچھ فوائد شیخ اکبرؒ کی فتوحات مکیہ اور کبریت احمر میں نیز شیخ اکبرؒ کے شاگرد شیخ کبیر صدر الدین تونوی قدس اللہ سرہما کی تالیفات میں چند مواضع میں پائے

Marfat.com

المکیة للشیخ الاکبر والکبریت الاحمر للشیخ ابن عربی وکذا فی مولفات تلمیذہ الشیخ الکبیر صدرالدین القونوی قدس اللّٰہ سرھما وقد جمعھا الشیخ عبدالوھاب الشعرانی فی کتاب المیزان ص ۱

جاتے ہیں جن کو شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ نے کتاب المیزان میں جمع کر دیا ہے

ل یہ مکتوب گرامی کتاب حجۃ البالغہ، قلمی کتب خانہ دارالعلوم (دیوبند) نمبر ۴۷۵ کے اول ورق پر درج ہے، وہیں سے نقل کیا گیا ہے، مکتوب کے آخر میں یہ عبارت ہے جو مکتوب الیہ کے قلم کی لکھی ہوئی ہے: هذا ما کتبه مولانا شاه عبدالعزیز ابن شاه ولی اللّٰه الی عبدالاحقر امیر حیدر حسینی بلگرامی فی صحیفة محرره فی الحادی والعشرین من ذی القعده ۱۲۱۳ یعنی یہ مکتوب حضرت شاہ عبدالعزیز مجھ عبد احقر امیر حیدر حسینی بلگرامی کے نام ہے جو ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۱۳ھ کو تحریر فرمایا گیا ہے، نزہۃ الخواطر جلد ہفتم میں مکتوب الیہ کا تذکرہ درج ہے جس کا خلاصہ یہ ہے المفتی امیر حیدر بن نورالحسنین بن غلام علی الحسینی الواسطی البلگرامیؒ۔ مشہور علماء میں سے ہیں ۱۱۶۵ھ میں پیدا ہوئے بعض کتب درسیہ اپنے وطن میں سید محمد بن عبدالجلیل بلگرامیؒ سے پھر اپنے دادا علامہ غلام علی آزاد بگرامیؒ کے پاس اورنگ آباد پہونچ کر اوران کے زیرتربیت رہ کر تمام کتب درسیہ شیخ نورالہدی بن قمرالدین حسینی اورنگ آبادیؒ سے پڑھیں۔ فن طب کی تحصیل حکیم عبدالسلام برہانپوری سے کی، بعدہ کلکتہ چلے گئے وہاں منصب افتاء پر سولہ برس تک فائز رہے، پھر اپنے وطن بلگرام کا اشتیاق ہوا تو اثنائے سفر میں مرشد آباد پہونچ کر انتقال فرمایا سن انتقال ۱۲۱۷ھ ہے آپ کی چند تصنیفات بھی ہیں۔

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز دہلوی کا ذوقِ ادب

ڈاکٹر معین الدین عقیل
مقالہ مشمولہ بازیافت، شمارہ ۱۱، اورینٹل کالج، لاہور

شاہ عبدالعزیز دہلوی (۱۷۴۶ء-۱۸۲۴ء) اپنی علمی فضیلت، اجتہادی خیالات اور علوم اسلامی کی ترویج و اشاعت میں اپنی سرگرمیوں کے باوصف اسلامی ہند کے اکابر علماء کی صف اول میں ایک ممتاز مقام پر متمکن ہیں، ان کی علمی فضیلتوں کا دائرہ محض روایتی اسلامی اور مروجہ علوم ہیں حصول کمال، اپنے والد شاہ ولی اللہ دہلوی (۱۷۰۳ء-۱۷۶۲ء) کی فکر و تعلیمات کی اشاعت، عربی، فارسی، اردو میں مہارت اور عبرانی زبان سے واقفیت اور عصری مسائل میں اپنے اجتہادی خیالات کے برملا اظہار تک ہی مخصوص نہیں ۔۔۔ بلکہ وہ ایک پختہ، گہرا اور وسیع تر ادبی ذوق وشوق بھی رکھتے تھے، ایک زمانے میں انھیں موسیقی سے بھی لگاؤ تھا اور اس حد تک واقفیت بھی تھی کہ لوگ موسیقی کے بارے میں فنی معلومات کے لیے ان سے رجوع کرتے تھے۔(۱) علم لغت اور صرف ونحو پر بھی انھیں عبور حاصل تھا اور وہ ایک عمدہ ذوقِ شعری بھی رکھتے تھے اور خود بھی شاعر تھے۔(۲) اور فارسی کے علاوہ عربی میں بھی شعر کہتے تھے۔(۳) اپنے ان اوصاف کے باعث وہ بجا طور پر ایک ایسی نابغہ روزگار اور قاموسی شخصیت تھے کہ ان ہمہ جہت و ہمہ صفت فضائل میں اسلامی ہند میں مشکل ہی سے ان کا کوئی ثانی نظر آتا ہے۔

شاعری کا ذوق بھی انھیں اپنے والد بزرگوار شاہ ولی اللہ سے ورثے ملا تھا، شاہ ولی اللہ کے متعدد اشعار انہیں پسند اور از بر تھے۔(۴) حافظہ نہایت قوی تھا۔ دورانِ گفتگو جا بجا متعدد اشعار بطور مثال و حوالہ سناتے رہتیم خسرو، جامی، خیالی، مولانا روم، عطار، سعدی، خاقانی، انوری، نظامی، حافظ، جمالی، فردوسی، بیدل، مرزا مظہر، ارزتی، عنصری، وغیرہ کا ذکر اور ان میں سے متعدد شاعروں کے اشعار ان کے ملفوظات کا جزو ہیں، متعدد مواقع پر نہ صرف برمحل اشعار سناتے بلکہ گاہے ان کی تشریح بھی کرتے

Marfat.com

جاتے، (۵) صرف ونحو اور علم لغت پر ان کی گہری نظر تھی اور مطالعہ بے حد وسیع تھا، لغوی مسائل اور لغوی معاملات بطور ایک مستقل موضوع ان کے ملفوظات میں شامل رہتے تھے۔ (۶)

شاہ صاحب سے عربی و فارسی متعدد تصانیف یادگار ہیں لیکن ان سے قطع نظر، ان کے ملفوظات ان کی بے پناہ وسعت معلومات کا مظہر ہیں، جن میں تاریخی، علمی، ادبی، سائنسی، جغرافیائی اور سوانحی موضوعات پر حیران کن حد تک معلومات شامل ہیں م ادب و شعر کے تعلق سے ان کی کوئی مستقل، ضخیم یا مختصر تصنیف موجود نہیں، جس سے لسانی یا ادبی موضوعات پر ان کے تصورات اور نظریات کا علم ہو سکے۔۔۔ لیکن راقم کو ان کے تحریر کردہ ایک ایسے غیر مطبوعہ و نادر مکتوب کے مطالعہ کا موقع ملا ہے، جو ان کے ذوق شعری کا مظہر اور فن شاعری اور علم لغت سے ان کی واقفیت اور ادب کے ان کے مطالعہ کی وسعت و گہرائی کا ثبوت فراہم کرتا ہے، شاہ صاحب نے یہ مکتوب کسی سائل بریلوی کے نام تحریر کیا ہے، آخر میں نقل کنندہ نے تاریخ درج کی ہے، بستم شوال ۱۲۰۹ ہجری۔ (۷)

شاہ صاحب کا یہ مکتوب ایک ''مجموعاتِ خطوط'' میں شامل ہے، جو INTERNATIONAL INSTITUTE OF ISLAMIC THOUGHT AND CIVILIZATION کوالالمپور (ملیشیا) کے کتب خانے کے ذخیرۂ عبدالرحمٰن بارکر میں بہ ذیل ۳۲۸ (۸) محفوظ ہے، یہ دراصل دستاویزات و مکتوبات کا نہایت اہم مجموعہ ہے، جس میں فارسی و اردو مکاتیب اور سرکاری دستاویزات و معاہدات کو یکجا کیا گیا ہے، مرتب کا نام یا ترقیمہ وغیرہ موجود نہیں لیکن گمان کیا جا سکتا ہے کہ اسے منشی کرم احمد نے مرتب کیا اس کے ذاتی کتب خانے کی فہرست بھی اس میں ورق ۸۲ الف تا ۸۹ ب، شامل ہے، یہ انگریزی ملازمت میں منشی کے عہدے پر فائز تھا (۹) لیکن ریاست اودھ میں نواب تاج محل بیگم کی خدمت پر مامور ہو گیا تھا، اس مجموعے میں اس نے اردو میں چند خطوط تاج محل بیگم کی جانب سے تحریر کیے ہیں قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں نقل ہوا ہے وسط انیسویں صدی تک کی دستاویزات بہ اندراج تاریخ اس میں شامل ہیں نسخہ عمدہ حالت میں اور مضبوط جلد میں محفوظ ہے، کاغذ عمدہ، سفید اور ولایتی ہے۔ سائز بڑا، ۹×۱۴ انچ، فی صفحہ ۲۲ تا ۲۴ سطور، روشنائی سیاہ، چمک دار، خط پختہ، نستعلیق، عمدہ اور شکستہ آمیز، اوراق یا صفحات پر نمبر شمار درج نہیں۔

دستاویزات اور معاہدات کا تعلق دورِ برطانیہ سے ہے اور یہ زیادہ تر عمائدین اودھ بشمول واجد علی شاہ (۱۸۲۳ء۔ ۱۸۸۷ء) سے متعلق ہیں مکاتیب زیادہ تر فارسی میں ہیں، لیکن کچھ خطوط اردو میں بھی ہیں۔ شاہ عبدالعزیز دہلوی کا مکتوب ورق ۷۷، الف تا ۷۸، الف پر تحریر ہے۔ شاہ صاحب کا نادر و منفرد

Marfat.com

مکتوب حواشی تعلیقات کے ساتھ، ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

نقل مکتوب جناب افادیت مآب جامع فضائل صوری و معنوی مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی کہ بہ جواب سائل بریلوی در تحقیق ترکیب لفظ لبِ لعل نوشتہ اند۔

صاحب مہربان فضائل عنوان سلمہ اللہ از فقیر عبدالعزیز بعد ابلاغ تحیات مسنونہ مشہود ضمیر زکا بہ خیر باد کہ صحیفۂ شریفہ ورود مسعود نمود، مرقوم قلم صرف رقم گردیدہ بود کہ روزے در محفل مشاعرہ در حل ترکیب لب لعل اختلاف واقع شدہ مرزا زمان بیگ صاحب ترکیب توصیفی قرار دادند و بزرگے دیگر ترکیب اضافی تشبیہی اختیار نمودند، مہربان من! حقیقت الامر ایں است کہ حمل ایں ترکیب بہ ترکیب، توصیفی تاویلی و تکلفی نمی خواہد و فی الواقع تشبیہہ مانع توصیف نیست ولہٰذا چوں معنی لب لعل کسے خواہد پرسید، ناچار اظہار حرفِ تشبیہہ نمودہ خواہد شد و گفتہ خواہد شد، لب مانند لعل یا لب چوں لعل، لیکن اضمار حرف تشبیہہ امر مبتدع و مستعبد نیست، بساست کہ حروف تشبیہہ مضمر می دارند و کلام را در رنگ استعارہ می برآرند و سر دقیق در ایں جا نیست کہ مدارِ توصیف بر وجود معنی ناعتیت است و جود معنی ناعتیت منحصر در مشتقاتست لانہا تدل علی ذات مبہمۃ ماخوذۃٍ مع بعض صفات، پس ہرگاہ توصیف بمصادر واقع شود۔ آن مصادر را در معنی مشتق باید ساخت، مثل مررت برجل عدل اے عادل، واگر توصیف بشواہد واقع شود، مثل اسماء اجناس یا اسماء اشخاص لابد یعنی اشتقاقی از آن جوامد باید برآورد، اما با ضمار حرف تشبیہہ کمافی مررت برجل اسدای مشابہ الاسد و اما بحمل الجامد علیٰ معنی اشتقاقی بالمجاز کمافی مررت برجل حاتم ای جواد۔

پس ترکیب توصیفی در ایں جا بسبب بودن لعل از اسماء جوامد محتاج بتقدیر حرف تشبیہہ است، چناں چہ گزشت بار خدایا مگر لعل را بر معنی سرخ حمل کردہ شود، نہ بر معنی جوہر مخصوص، پس محتاج بتقدیر نخواہم شد لو جود المعنی الاشتقاقی بلا تکلف اما تصرفات شعراء در مضامین کہ متعلق بایں تشبیہہ است من حیث اللزوم والفرعیۃ از یں حمل ابا میکند، مرزا مظہر (۱۰) مرحوم می فرمانید۔

رنگ لعل پاں نمایاں نست از پشت لبت
ایں بدخشی از کجا در سبزوار افتادہ است

وعلیٰ ہذا القیاس اما حمل بر ترکیب اضافی پس تکلف بسیاری خواہد و معنی مستعمل فیہ ایں لفظ دور از فہم می افتد۔

تفصیل ایں بحال آں کہ، کہ اگر ایں ترکیب، ترکیب اضافی می باشد خالی نیست، از دو حال یا اضافت مشتبہ یا بہ بسوئے مشبہ باشد، وایں باطل استد زیرا کہ لب مشبہ بہ نیست بلکہ امر بالعکس است، یا

Marfat.com

اضافت مشبہ بسوئے مشبہ بہ باشد وآں خلاف قاعدہ استعمال است، بعضی مدعیان صحت اضافت مشبہ بسوے مشبہ بہ تمسک می کنند۔ بشعر یکہ دراول ''بہارِ دانش'' (۱۱) واقع شدہ درمقام حمد وثناء

تو دہی و تو آری از دلِ سنگ
آتش لعل، لعل آتش رنگ

گویند کہ آتش لعل ازقبیل اضافت مشبہ بسوئے مشبہ بہ است، زیراکہ اگرحمل بالعکس کردہ شود ومفاد ایں تشبیہ عین مفاد تشبیہہ دویم گردد، یعنی آتش رنگ۔ پس تکرار بے فائدہ لازم آید، جدابش ہمیں است کہ مرزاقتیل (۱۲) نوشتہ اندایں ترکیب راہم برترکیب توصیفی حمل بایدنمود، بقرینہ تراکیب آئندہ یعنی لعل آتش رنگ کے بلاشبہ ترکیب توصیفی است ودرینجا دقیقہ دیگر بایدفہمید وآن دقیقہ ایں ست کہ چناں چہ محققین نوشتہ اندکہ الاوصاف قبل العلم اخبار بہا کما ان الاخبار بعد العلم بہا اوصاف ہم چنیں برترکیب اضافی بعدازاظہارحرف اضافت ترکیب توصیفی میگردد مثل غلام لزید وخاتم بن فضة وسیرفی یوم الجمعة، پس ھرگاہ تقدیرحرف تشبیہہ اظہارخواہم نمود، ترکیب اضافی ترکیب توصیفی خواہد شد۔ ایں سنت حال ترکیب اضافی واگرلب لعل برترکیب اضافی حمل کردہ شودواضافت راتشبیہی اعتقادنکنند، بلکہ براضافت بیانی حمل نمایندومعنی چنیں گونید کہ لب کہ لعل ھست بنابرادعاء مبالغہ درتشبیہہ ماحمل کنند۔ اضافت مصنوعہ از مادہ بسوے آن مادہ مثل خاتم فضة ای خاتم مصنوع من فضہ یعنی لب کہ ازلعل ساختہ شدہ۔ پس میتواند شد اما استعمال وفہم شعراء ماسبق برارادہ ایں اضافت دلالت نمی کند۔ پس اولیٰ وانسب ہمیں است کہ حمل برترک توصیفی نمایند وازتکلفاتِ باردہ رہائی یابند۔ وآں چہ درلفظ لعل کسے گفتہ است کہ درکتب عربیہ بمعنی جوہراست۔ پس وجہ صحت ندارد۔ زیراکہ ایں لفظ درکتب قدیمہ لغت عربی مذکورنیست، مثل ''قاموس'' (۱۳) و''صحاح'' (۱۴) و''مہذب الاسماء'' (۱۵) وغیرہ۔ وظاہراست کہ درلغت عربی قدیمہ مذکورایں حرف چگونہ باشد کہ حدوث ایں حجردرزمانِ خلافت بنی عباس است۔ بسبب زلزلہ شدیدہ وسابق ازیں یاقوت بود۔ چناں چہ بامثانِ علم۔ احجاروعلم مفردات ادویہ بلکہ بعضے اہل لغتِ فارسی نیزایں معنی رانوشتہ اند۔

''درتحفة المومنین (۱۶) مرقوم است لعل معرب ازلال ہندی وازادویہ متانفہ است ودرکتاب احجارقدیم ذکراونشدہ مولف ''منافع الاحجار ولباب الضاعة (۱۷)'' تصریح نمودہ اندکہ ازسی صدسال متجاوزاست کہ بسبب زلزلہ عظیم کدہ بدخشاں منہدم شدہ ولعل ظاہرگشتہ وازجنس یاقوت وباستحکام امانی اونیست وبجہت اختلاف مکان تکون بعیدنیست۔ چہ قدماء یاقوت رابااقسام مختلفہ ذکرنمودہ اندوقسمے رادر

Marfat.com

رنگ مانند او تصریح کردہ و در منافع بحسبِ تجربہ مثل یا قوتِ احمر و در تفریح و تقویت دل و باصرہ قوی تر از یا قوت است ۔ و معہذا اشرب او حابس خون بواسیر و دافع سموم و در جمیع علل سوداوی واعصاب قوی التاثیر است ۔ انتہیٰ و در ''سراج اللغت (۱۸)'' و ''بہار عجم (۱۹)'' چنیں نوشتہ لعل سرخ و جوہرے قیمتی و در فارسی بالف و بہر دو معنی مشترک است و در ہندی و تاب از صفات اوست ۔ میر صدرالدین محمد در ''جواہر نامہ'' (۲۰) آوردہ کہ معدن لعل خشک است و لعل از متحدثات زیرا کہ معدن آن مخفی بود ۔ تا در زمان خلافتِ اوائل عباسیان در ارض ختلان زلزلہ عظیم پدید آمدہ و کوہ سکیان شگافتہ شد و کان لعل پیدا گشت و لعل از معدن در بدخشاں آوردہ میفروشند و ایں کہ شہرت دارد کہ در بدخشاں می خیزد غلط مشہور است ۔ انتہیٰ و در ''فرہنگ، جہانگیری (۲۱)'' آوردہ لال ۳ معنی دارد ۔ اول گنگ، دوم، رنگ سرخ را گویند، استاد فرخی (۲۲) نظم نمودہ

آں تازہ گلِ لال کہ در باغ بخندد
در باغ بگوہرے چشم شود لال

سیوم، نام جوہریست گراں مایہ کہ رنگ آں سرخ باشد و بہترین اجناس آن از کوہ بدخشاں حاصل شود و معرب آن لعل است انتہیٰ ایں ست کلام اہل لغت فارسی و در بعضے امور اختلاف ہم است ۔ چناں چہ درایں عبارات معلوم می شود و دفع ایں اختلاف ممکن است ۔ چناں چہ پوشیدہ نخواہد ماند ۔ مثلاً گویم کہ لال دراصل لفظ ہندیست بمعنی سرخ، و فارسیان ایں لفظ را گاہے بعینہٖ استعمال نمودہ اند ۔ چناں چہ در شعر استاد فرخی گزشت ۔ وگاہے بہ تقریب یعنی ایں لفظ بطور عرب استعمال نمودہ اند و لعل گفتہ اند ۔ والاحقیقت تعریب دریں لفظ متحقق نیست ۔ زیرا کہ عربان در محاورات خود ہرگز این لفظ را استعمال نکردہ اند ۔ باز چون جوہر شریف پیدا، شد، لال را کہ بمعنی سرخ بود ۔ نقل بالتخصیص نمودہ خاص بآن جوہر کردند ۔ مثل تخصیص لفظ دابہ بذات القوائم الاربع و از بسکہ در نقل ہم وضعی می باشد ۔ عندالمتاخرین گوابتدائے نباشد، بعضے اہل لغت قائل باشتراک شدند ۔ بنا بر وجود اصل وضع شخصی و تعدد آن و نیز باید دانست کہ در ''بہار عجم'' واقع شدہ کہ لفظ لعل ہم در صفات لب مستعمل می شود و ہم در تشبیہات و این امر مناقص است ۔ زیرا کہ صفت با موصوف متحدی شود و محمول بالمواطات میگردد و تشبیہہ را مغائرت بین المشبہ والمشبہ بہ بلک بتاین ضرور است ۔

پس وجہ تطبیق آن ہمیں است کہ لعل بمعنی سرخ از صفات لب است ۔ و لعل بمعنی جوہر از تشبیہات او است ۔ فلا تغافض و نیز باید دانست کہ در بعضی کتب فارسی نوشتہ اند کہ لب لعل و لعل لب کنایت از معشوق

Marfat.com

است۔ و بظاہر ایں معنی درست نمی شود۔ زیرا کہ لب جز خارجی است و معشوق کل والجزء الخارجی لا تحمل علی الکل فلا یصح ان یکون کنایۃ عنہ وتو جیہہ ایں کلام آنست کہ لب لعل بسکون باء وہم چنیں لعل لب بسکون لام شخصی است کہ لب او لعل باشد۔ مثل حسن الوجہ مثل سرو قد وگل عذار و سنگ دل و دل سنگ و نیک بخت و بد بخت وعلیٰ ہذا القیاس۔ ولیکن ہذا آخر الکلام فی ہذا المقام وللہ ولی التوفیق والانعام، تمت الکلام بلاغت نظام، بستم شوال ۱۲۰۹ ہجری۔

حوشی:

۱۔ عبدالعزیز، شاہ ''ملفوظات شاہ عبدالعزیز'' مترجمہ: محمد علی لطفی اور انتظام اللہ شہابی (کراچی ۱۹۶۰) ص ۱۶۴

۲۔ ایضاً، ص ۵۲، ۱۰۰

۳۔ ایضاً، ص ۱۰۰

۴۔ مثلاً مشمولہ ایضاً، ص ۵۲، ۶۶، ۱۰۰

۵۔ ایضاً، ص ۵۸، ۹۸ وغیرہ۔

۶۔ مثلاً، ص ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۷۱، ۲۰۸، ۲۰۹

۷۔ مطابق ۱۷۹۳ء۔

۸۔ حاجی علی بن حاجی احمد

"CATALOGUE OF PERSIAN MANUSCRIPTS IN THE LIBRARY OF THE INTERNATIONAL INSTITUTE OF ISLAMIC CIVILIZATION AND THOUGHT

(کوالالمپور، ۱۹۹۴ء) ص ۸۲

۹۔ یہ جنرل آکٹرلونی (D.B OCHTERLONY ۱۷۵۸ء۔ ۱۸۲۵ء) کا منشی تھا، جو ریاست جودھپور کی خبریں دینے پر متعین کیا گیا تھا۔ عبدالقادر خاں ''وقائع عبدالقادر خانی'' (علم و عمل) ترجمہ: معین الدین افضل گڑھی، مرتبہ: محمد ایوب قادری، جلد دوم (کراچی، ۱۹۶۱ء) ص ۷۲، ۷۵

۱۰۔ نامور شاعر، صوفی، پیدائش، ۲۰ فروری، ۱۷۰۰ء وفات: دہلی، ۸ جنوری ۱۷۸۱ء

۱۱۔ عنایت اللہ کنبوہ لاہوری کی تحریر کردہ ایک فارسی داستان، جو جہاں دار شاہ اور بہرور بانو کے قصہ عشق پر مبنی ہے۔ ۱۰۶۰ھ/۱۶۵۰ء میں تصنیف ہوئی۔ ۱۸۴۴ء سے ۱۹۲۰ء تک متعدد بار شائع ہوئی۔

۱۲۔ نامور شاعر اور نثر نگار، پیدائشی نام دیوانی سنگھ، مذہب اسلام اختیار کرنے پر مرزا محمد حسن نام رکھا۔

Marfat.com

تخلص قتیل تھا۔ پیدائش: دہلی، ۱۷۵۹ء، وفات: لکھنؤ ۳۱ جنوری ۱۸۱۸ء

۱۳۔ مراد، اسی نام کی جامع، مستند اور معتبر عربی لغت۔ مؤلف مجد الدین فیروز آبادی۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے دو ہزار لغات کو سامنے رکھ کر یہ لغت مرتب کی تھی۔ مولوی عبدالرحیم ''لباب المعارف العلمیہ'' (آگرہ، ۱۹۱۸ء) ص ۲۴۴۔۲۴۵، پہلی بار کلکتہ سے ۱۸۱۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

۱۴۔ دراصل ''تاج اللغتہ وصحاح العربیہ'' مولفہ شیخ ابی محمد اسمعیل الجوہری۔ اس کی تالیف کے تین سو سال بعد تک لغت نویسی میں اس سے بہتر کوئی اور لغت وجود میں نہ آئی۔ جان۔ اے ہیوڈ (John A. Haywood) "ARABIC LEXICOGRAPHY" (لائیڈن، ۱۹۶۰ء) ص ۷۷، اس کی ایک مستند اشاعت قاہرہ سے ۱۹۵۸ء میں ۷ جلدوں میں منظر عام پر آئی۔

۱۵۔ پورا نام: ''مہذب الاسماء فی مرتب الاشیاء''۔ عربی فارسی لغت، مولفہ: محمود ابن عمر بن محمود بن منصور القاضی۔ حاجی خلیفہ، ''کشف الظنون'' ج ۲ (بیروت، ۱۹۹۰ء) ص ۱۹۱۲

۱۶۔ علم الادویہ وکیفیت وخصائص الادویہ پر محمد مومن حسینی بن میر محمد زمان کی تصنیف جو ۱۶۶۷ء میں مکمل ہوئی۔ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۱۳ء تک متعدد بار شائع ہوئی۔

۱۷۔ اس کتاب کے بارے میں تفصیلات دستیاب نہیں۔ حاجی خلیفہ، ایضاً ص ۱۸۳۴ میں اس کا اندراج موجود ہے۔ لیکن تفصیلات شامل نہیں۔

۱۸۔ سراج الدین علی خاں آرزو کی مرتبہ فارسی لغت۔ ۱۷۳۴ء میں مکمل ہوئی۔ محض لغت ہی نہیں۔ الفاظ ومعنی اور اشتقاق وتحقیق پر بھی مشتمل تھی جس میں بعض معروف لغات کی تصحیح بھی کی گئی تھی۔

۱۹۔ فارسی لغت۔ مؤلفہ: لالہ ٹیک چند بہار۔ ۱۷۳۹ء میں تالیف ہوئی۔ الفاظ واصطلاحات کا لغت، جس میں قدیم ومعاصر شعراء سے اسناد پیش کی گئی ہیں۔ ۱۸۵۳ء سے ۱۹۱۶ء تک متعدد بار شائع ہوئی ہے۔

۲۰۔ دراصل ''رسالہ شناخت جواہر معدنی وکانی موسوم بہ جواہر نامہ'' مولوی محمد شفیع نے یہ رسالہ، کتب خانہ ریاست کپورتھلہ کے نسخے کے مطابق شائع کر دیا ہے۔ مشمولہ ''مقالات شفیع'' جلد چہارم (لاہور، ۱۹۷۲ء) ۱۔۲۱

۲۱۔ فارسی لغت۔ مولفہ نواب عضدالدین جمال الدین حسین اینجو ۱۶۰۸ء میں تالیف ہوئی اور جہانگیر شاہ کے نام معنون کی گئی۔ کم از کم ایک بار مطبع نولکشور، لکھنؤ سے ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں شائع ہو چکی ہے۔

۲۲۔ ابوالحسن علی نام، متوفی، ۱۰۳۷ء، فارسی کا ممتاز شاعر، سیستان میں نشو ونما پائی۔ اولاً چغانیان کے، پھر محمود غزنوی کے دربار سے منسلک ہوا۔ محمود کی شان میں عمدہ قصائد تخلیق کیے اور انعام اور اعزاز پایا۔ محمود کی لشکر کشی اور مہمات کی تفصیلات بڑی عمدگی سے نظم کیں اور اس کی رحلت پر جو قصیدہ تخلیق کیا فارسی کے موثر ترین قصائد میں شمار کیا جاتا ہے۔ بہت پر گو شاعر تھا۔ ۹۰۰۰ سے زائد اشعار تخلیق کیے۔

Marfat.com

مقالات مولانا نورالحسن راشد کاندھلوی

مشمولہ

برہان (ندوۃ المصنفین، دہلی)

Marfat.com

خانوادۂ ولی اللّٰہی کی زیریں شاخیں اوران کے نسبی سلسلے

حضرت شاہ ولی اللہ (احمد بن عبدالرحیم) محدث دہلوی، ولادت ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء وفات ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء کے اجداد اور خاندانی بزرگوں کے متعلق خود حضرت شاہ صاحب کی تالیفات میں کافی معلومات اور مستند مواد مل جاتا ہے اور بعض تذکرہ نگاروں نے بھی اس سمت میں مفید پیش رفت کی ہے۔

مگر حضرت موصوف کے صاحبزادگان کی اولاد، اوران کے بعد کے سلسلوں سے ناواقفیت عام ہے جس کی وجہ سے مؤرخین اور تذکرہ نگاروں کو بڑی دقتیں پیش آتی تھیں اور سخت مغالطے ہوتے تھے۔

پچھلے دنوں حضرت شاہ ولی اللہ کی جائے پیدائش اور آبائی وطن پھلت (ضلع مظفر نگر یو۔پی) میں ایک قلمی یادداشت راقم سطور کی نظر سے گذری[1] جس میں حضرت شاہ ولی اللہ کے ننھیالی خاندان اور مولانا شاہ عبدالحیٔ بڈھانوی کے خاندان کی شاخوں کا ذکر تھا، اس تحریر سے پہلی بار دونوں خاندانوں کے قریبی رشتوں، باہمی تعلقات اور زیریں سلسلوں کا علم ہوتا ہے۔ اور بعض ایسی نادر معلومات حاصل ہوتی ہیں جن کا کہیں اور سراغ نہیں ملتا۔

راقم سطور کو اس یادداشت کی دونقلوں سے استفادہ کا موقعہ ملا۔ ہرچند کہ دونوں نسخے زیادہ پرانے نہیں تھے مگر دونوں کی عبارتوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس تحریر کو بہت احتیاط سے نقل کیا جاتا رہا ہے۔

---

[1] جن کرم فرما کی عنایت سے یہ تحریر ملی ان کا شکریہ واجب ہے، افسوس ہے اس وقت ان کا نام ذہن کے اتر رہا ہے۔

Marfat.com

یہ تحریر مولانا شاہ عبدالقیوم بڈھانوی[1] کی فرمائش سے شیخ فرحت اللہ بن شیخ سلیم اللہ پھلتی نے رمضان ۱۲۸۳ھ فصلی مطابق ۱۲۹۳ھ/ستمبر، اکتوبر ۱۸۷۶ء میں مرتب کی، اور بعض اہل پھلت کی روایات کے مطابق خود مولانا عبدالقیوم نے اس کی اصلاح اور نظر ثانی کی اور اس میں بعض ترمیمات بھی فرمائی ہیں، مگر اس تصحیح کے بعد بھی اس یادداشت کی بعض اطلاعات درست نہیں ہیں۔

ان فروگذاشتوں کے باوجود یہ تحریر نہایت اہم اور قابل قدر دستاویز ہے۔

اس تحریر کے مطابق شجرہ مرتب کر کے آخر میں شامل کر دیا ہے، اس سے یادداشت کے سمجھنے میں مدد مل سکے گی۔

تاریخ ۴ رمضان المبارک ۱۲۸۳ فصلی کو جو کچھ وقائع و حالات زمانہ سلف بزرگان پھلت و شاہ صاحب شاہ عبدالعزیز قدس سرہٗ کا ہے وہ قائع بموجب فرمانے مولانا صاحب مولانا عبدالقیوم کے تحریر کیا جاتا ہے، یہ سب درست راست ہے، کاتب الحالات فرحت اللہ بن شیخ سلیم اللہ ساکن پھلت۔

اول مسمیٰ شمس الدین فاروقی ملک یمن سے تشریف لاکر رہتک میں مقیم ہوئے اور عہدہ افتتاح ؟ ان

---

[1] مولانا مفتی عبدالقیوم بن مولانا شاہ عبدالحیٔ خلف مولانا ہبۃ اللہ صدیقی بڈھانوی، ۱۹ اصفر ۱۲۳۱ھ ۲۱ جنوری ۱۸۱۶ء میں ولادت ہوئی۔ طفولیت میں حضرت سید احمد شہید سے بیعت ہوئے اور والد ماجد کی معیت میں سید ھا صاحب کے قافلہ کے ساتھ رہے، مولانا عبدالحیٔ کی وفات شعبان ۱۲۴۳ھ/فروری ۱۸۲۸ء کے بعد وطن واپس بھیج دیے گئے تھے۔ صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں مولانا نصیر الدین دہلوی سے پڑھیں، دوسری کتابوں کا درس مولانا نصیر الدین لکھنوی، اور خواجہ نصیر الدین حسینی، اور شاہ محمد یعقوب سے لیا، حدیث وفقہ حضرت شاہ محمد اسحاق سے اخذ کی، بیگم سکندر جہان والئی بھوپال کی ہدایت پر بھوپال میں مفتی مقرر ہوئے، وہیں مستقل قیام رہا، اخیر عمر میں بواسیر کے مرض میں مبتلا ہوئے اور اسی حال میں بھوپال سے بڈھانہ آئے اور بڈھانہ میں ۱۲۹۹ھ میں وفات پائی۔ نزھۃ الخواطر عبدالحیٔ حسنی ۷/۲۹۷ (حیدرآباد ۱۳۷۸ھ) تین کتابیں میں مولانا عبدالقیوم کی علمی یادگار ہیں۔

ترجمہ اردو جامع صغیر۔ مولانا نے اس ترجمہ کا مسودہ نواب محمد علی خان والی ٹونک کو چھپوانے کے لیے بھیجا تھا۔ نواب صاحب نے اس ترجمہ پر نظر ثانی اور احادیث کی شرح کرانے کا ارادہ کیا، اور یہ کام مولوی حنیف آروی، اور مولوی علی اکرم آروی کے سپرد ہوا، بعد میں مولوی عبدالرحمٰن ٹونکی اس کے ذمہ دار قرار پائے اور یہ کام پانچ جلدوں میں مکمل ہوا، مولانا عبدالقیوم کے ترجمہ کا مسودہ، اور اس شرح کا قلمی نسخہ ادارہ شرقیہ ٹونک میں محفوظ ہے۔ رجوع فرمایئے ''قصر علم ٹونک کے کتب خانے اور ان کے نوادر'' مرتبہ صاحبزادہ شوکت علی خاں، ۲۹ (ٹونک۔ ۱۹۸۰ء)

۲۔ رسالہ مسائل حج چھوٹے سائز کے تقریباً چالیس صفحات پر مشتمل ہے، مؤلف کا نسخہ بھوپال میں راقم سطور کی نظر سے گذرا ہے۔ ۳۔ چہل حدیث: ترجمہ اربعین ملا علی قاری ۱۲۷۷ھ میں شائع ہوئی۔ مطبوعہ نسخہ آصفیہ لائبریری حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ قاموس الکتب، مرتبہ انجمن ترقی اردو، ۱۸۶ کراچی ۱۹۶۱ء)

Marfat.com

کو اوران کی اولاد کو قریب چار سو برس کے حوالہ رہا، ان کی اولاد میں ایک مسمی شیخ وجیہہ الدین شہر شاہجہاں آباد میں آکر بہ زمانہ عالمگیر یعنی اورنگ زیب مقیم ہوئے، اور اتفاقات زمانہ سے ان کا نکاح بیٹی شیخ رفیع الدین کہ وہ پوتے شیخ عبدالعزیز شکربار کے تھے ہوا ان سے شیخ عبدالرحیم، شیخ، شیخ ابوالرضا محمد، وعبدالحکیم پیدا ہوئے۔ شیخ عبدالحکیم لاولد مرگئے۔

شیخ ابورضا محمد کی اولاد، میاں رضا حسین کہ بڑے، داماد مفیض اللہ کے تھے چنانچہ اس مسماۃ کا نام نعمت تھا، شیخ رضا حسین بعد عقد بمقام لاہور انتقال کر گئے، اور کچھ نام ونشان باقی نہیں رہا۔ قبر شیخ رضا محمد و شیخ عبدالحکیم صاحبان کی مکان مشہور نورمحلّہ میں ہے، اور پرانی دہلی متصل موضع خیبر پور کے ہے، اور مولوی معین الدین والد مولوی نوراللہ کی بھی قبر اسی جگہ ہے۔

جناب شاہ عبدالرحیم صاحب کی اول شادی خاندان مادری میں ہوئی، مگر ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔[۱] دوسری شادی باون برس کی عمر میں فخر النساء بنت حضرت شیخ محمد، جد شاہ محمد عاشق صاحب پھلتی ہے ہوئی، ان سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک شاہ ولی اللہ صاحب، دوسرے شاہ اہل اللہ صاحب۔

شاہ اہل اللہ صاحب کے بیٹے شاہ مقرب اللہ، جن کا لقب میاں فہکو جی تھا، اوران کے بیٹے مولوی معظم عرف مولوی محمدی صاحب کہ جن کی شادی مسماۃ فاطمہ بنت شیخ محمد فائق صاحب بن شاہ محمد عاشق صاحب سے ہوئی تھی، ان سے ایک پسر محمد مکرم، دوسرے محمد محتشم، اور ایک دختر مسماۃ امت العزیز عرف بی جان تھا، چنانچہ محمد مکرم ومسماہ بی جان لاولد مرگئیں، اور محمد محتشم کا نکاح مسماۃ امت الغفور بنت مولانا محمد اسحاق (سے) ہوا۔ ان سے مولوی عبدالرحمٰن پیدا ہوئے۔ (انھوں نے) مکہ میں بود وباش اختیار کرلی تھی۔

شاہ ولی اللہ کی اول شادی قصبہ پھلت خاندان مادری میں مسماۃ امت الرحیم سے ہوئی ان سے مولوی محمد پیدا ہوئے، مولوی محمد کا نکاح مسماۃ صبیحہ دختر مولوی نوراللہ صاحب سے ہوا تھا، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی لا دمرگئے، اور قبر ان کی قصبہ بڈھانہ مسجد کلاں میں ہے، وفات ''دخل الجنۃ'' ہے۔

اور دوسری شادی شاہ ولی اللہ صاحب کی بہ مقام سنپت (سونی پت) مسماۃ ارادۃ ازنسل سادات

---

[۱] فاضل مرتب کو اس اطلاع میں سہو ہوا، حضرت شاہ عبدالرحیم کے ایک صاحبزادے صلاح الدین پہلی اہلیہ محترمہ سے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ نے انفاس العارفین ۶۳ (مجتبائی دہلی، ۱۳۲۵ھ) اور الجزاء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف میں بھی اس کا ذکر فرمایا ہے، ارشاد فرماتے ہیں۔

''بعدازاں عنقریب والدۂ برادر کلاں ایں فقیر شیخ صلاح الدین قضا کردند''

(انفاس العارفین ۲۰۳)

Marfat.com

حسینی سے ہوئی، ان سے شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ عرف مسیتا، ۲۵ رمضان المبارک شب جمعہ کہ وہ رات نور کی تھی، اس میں ظہور فرمایا، یعنی پیدا ہوئے، اور یہ عادت مبارک تھی کہ اسی شب تاریخ مولود میں ختم قرآن شریف فرمایا کرتے تھے اور شیرینی تقسیم کرتے تھے یعنی ریوڑی، دوسرے بیٹے مولانا عبدالوہاب مشہور بہ شاہ رفیع الدین صاحب، اور تیسرے بیٹے مولانا شاہ عبدالقادر صاحب، اور چوتھے شاہ عبدالغنی، بعمر ہشتاد سال انتقال فرمایا۔[1] اور دو دختر اور ایک پسر چھوڑا، اور زوجہ مسماۃ فضیلت بنت مولوی علاء الدین، اور مسماۃ رقیہ دختر کلاں لاولد ہوئیں، اور مسماۃ خورد مولوی محمد موسیٰ پسر مولانا رفیع الدین سے منکوحہ ہوئی تھیں، اور مولوی اسمٰعیل کہ وہ بیٹے چھوٹے تھے، انھوں نے ایک بیٹا مولوی محمد عمر چھوڑا، ان کا نکاح مسماۃ فاطمہ بنت مولانا مولوی عبدالحی سے ہوا تھا، لاولد مر گئے اور مسماۃ کلثوم نے دو دختر چھوڑیں، مسماۃ امت الرحمٰن اور مسماۃ امت الغفار، اور مسماۃ امت الغفار کے ایک دختر ہوئی جن کا نکاح مولوی محمد یوسف بن مولوی عبدالقیوم سے ہوا تھا، وہ انتقال کر گئیں، اور مسماۃ امت الرحمٰن بمقام شاہجہاں آباد بیوہ موجود ہیں، ان کی ایک دختر، مسماۃ میمونہ اور ایک لڑکا مسمیٰ سعید محمد موجود ہے۔

شاہ عبدالقادر صاحب نے ایک دختر مسماۃ زینب چھوڑی، اور مسماۃ زینب نے ایک نواسہ چھوڑا مسمی مولوی محمد عمر، اور نام والدہ ان کی کا مسماۃ جمیلہ تھا، اور بیٹی محمد مصطفیٰ بن مولوی رفیع الدین صاحب کی تھی۔

شاہ رفیع الدین صاحب کی شادی تین ہوئیں، اول مسماۃ بی بی عارفہ دختر ماموں صاحب سے ہوئی، ان کی قوم سید، باشندہ سونی پت کے تھے، ان سے پنج پسر پیدا ہوئے، مولوی محمد عیسیٰ، مولوی مخصوص اللہ، مولولی محمد مصطفیٰ، محمد حسین، مولوی موسیٰ ایک دختر مسماۃ امت اللہ۔

اور اہلیہ دوم سے سہ دختر (تین لڑکیاں) پیدا ہوئیں، دو دختر روبرو پدر خود فوت ہو گئیں اور ایک دختر مسماۃ بی بی صفیہ باقی رہیں، وہ کعبہ شریف تشریف لے گئیں، اس سبب سے ان کی شادی نہیں ہوئی، وہیں فوت ہوئیں، اور لاولد گئیں۔

تیسری (اہلیہ) مسماۃ کلو، ان سے ایک پسر مولوی محمد حسن کہ جن کی شادی مسماۃ امت الرحمٰن دختر مسماۃ زوجہ عبداللہ دختر فضل اللہ ساکن پھلت سے ہوئی، اولاد دختری و پسری موجود ہے، ایک مسماۃ تقیہ، دوسری نقیہ، مسماۃ تقیہ لاولد گئیں، اور مسماۃ نقیہ کی اولاد عبدالرحمٰن و عبدالوہاب موجود ہیں، مولوی محمد عیسیٰ تو رد

---

[1] یہ اطلاع بھی صحیح نہیں ہے، اگرچہ حضرت شاہ عبدالغنی کے متعلق کوئی واضح اطلاح نہیں ملتی مگر کم از کم یہ بات یقینی ہے کہ شاہ عبدالغنی جوانی ہی میں انتقال فرما گئے تھے۔ (ن۔ر)

Marfat.com

بردوالدین مرگئے، شادی ان کی مسماۃ زینب النساء دختر حضرت شاہ عبدالعزیز سے ہوئی تھی اور محمد حسین لاولد مرگئے، ان کی شادی مسماۃ رقیہ ہمشیرہ مولوی محمد اسماعیل سے اول ہوئی تھی۔ مولوی محمد مصطفٰے کی شادی بی بی زینت بنت مولوی عبدالقادر سے ہوئی تھی، ان سے مولوی محمد یحیٰی صاحب پیدا ہوئے تھے، اور مسماۃ جمیلہ اپنے والدین کے روبرو مرگئیں۔

اور مولوی محمد موسیٰ کی دو شادی ہوئیں، اول شادی مسماۃ کلثوم ہمشیرہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے ہوئی، ان سے اولاد ایک مسماۃ فاضلہ باقی رہیں، مسماۃ کلثوم و مولانا محمد اسمٰعیل کی پیدائش موضع پھلت مکان مولوی علاء الدین سے ہوئی، وہ ان کے نانا ہوتے تھے، دوسری شادی مسماۃ امت السلام قوم سید ساکن سونی پت سے ہوئی، ان سے مسمیٰ عبدالسلام پیدا ہوا جو موجود ہے۔

مولوی مخصوص اللہ کی شادی مسماۃ امت العزیز سے ہوئی کہ وہ ان کے ماموں کی دختر تھیں، ان سے دو دختر پیدا ہوئیں، ایک بی بی نعمت، ان کی شادی ہوئی میاں رضا حسین سے جو اولاد شاہ ابو رضا محمد سے تھے، اور نعمت روبرو والدین اور اپنے شوہر کے مرگئیں اور دوسری مسماۃ امت انفادر ان کی شادی میاں عبدالقاسم سے ہوئی، اور وہ اولاد خاندان نواسگی مولوی مخصوص اللہ سے۔ اور مسماۃ مذکور نے ایک نواسی مسماۃ محمود چھوڑی اور شاہجہان آباد میں موجود ہیں، مسماۃ امت اللہ ان کی شادی حافظ نجم الدین خاندان نواسگی شاہ رفیع الدین صاحب سے یعنی ساکن سونی پت (سے ہوئی) ان سے اولاد ہوئی۔ دو پسر یکے سید ناصر الدین، دوسرے سید نفیس الدین، ایک دختر مسماۃ شاکرہ چھوڑی۔ دو پسر معین الدین، فقیہہ الدین، اور دختر یک نصیرہ بی، ان کی شادی ہوئی حضرت مجدد کی اولاد میں، اور وہ بعد غدر مدینہ منورہ تشریف لے گئیں، وہیں ایک پسر نصیر احمد موجود ہے اور میاں نصیر الدین کی شادی مسماۃ امت الغفار بنت مسماۃ فاضلہ بنت مولوی محمد (موسیٰ ؟) سے ہوئی اور نصیر الدین کی دوسری شادی ہوئی مسماۃ خدیجہ دختر کلاں حضرت مولوی اسحاق صاحب سے اور مولوی سید نصیر الدین متکفل ہوئے امر جہاد کے بعد جناب سید احمد صاحب کے اور ان کا انتقال ضلع ۔۔۔ میں اور حالات، چنانچہ (؟) مشہور ہیں، ان سے دو پسر باقی رہے یکے عبداللہ، دیگرے عبدالحکیم، میاں عبداللہ غرق اثنائے راہ کعبہ شریف سمندر میں ہو گئے، اور میاں عبدالحکیم وبائے ہیضہ کعبہ شریف میں فوت ہوئے۔

اور مسماۃ شاکرہ کی شادی سید باقر علی سے ہوئی تھی کہ وہ خاندان مذکور سے ہیں، ان کے چار پسر ایک ابوالقاسم ان کی شادی مسماۃ امت القادر بنت مولوی مخصوص اللہ سے ہوئی تھی، آخر کار وہ فوت ہو گئیں، دوسرے جعفر تیسرے علی تقی، چوتھے علی نقی، چنانچہ یہ سب سونی پت میں موجود ہیں، اور ایک دختر

Marfat.com

مسماۃ سکینہ لاولد رہیں، بمقام سکندرہ فوت ہوئیں۔

اور مولانا شاہ عبدالعزیز کی شادی ہوئی مسماہ حبیبہ بنت شاہ نوراللہ ساکن بڈھانہ (سے) ان کی اولاد ان کے روبرو مرگئی، مگر دونواسے وقت رحلت کے ایک شاہ محمد اسحٰق دوسرے مولانا یعقوب شاہ صاحب موجود ہیں۔

اور کل حال اولاد شاہ صاحب کا یہ ہے بطن بی بی حبیبہ سے، دو پسر ایک مسمیٰ قطب الدین بعمر دوازدو سالگی فوت ہوئے، دوسرے کا نام معلوم نہیں کہ سن صغیر میں بعمر دوازدہ سالگی فوت ہوئے اور ایک دختر مریم کہ وہ جوان ہوئیں اور ان کی شادی مولوی عبدالغنی سے ہوئی اور دوسری دختر حضرت کی مسماۃ رحمت، ان کی شادی ہوئی مولوی محمد عیسیٰ بن شاہ رفیع الدین صاحب سے، لاولد گئیں، دختر اوسط یعنی مسماۃ رحمت دوسال پیشتر زین الدین سے فوت ہوگئیں۔

مسماۃ عائشہ دختر کلاں، حضرت کے روبرو مرگئیں بحالت جوانی ان کی شادی محمد افضل سے (ہوئی) کہ وہ خاندان اپنے سے تھے کہ بعد پانچ پشت میں جاکر شاہ ولی اللہ صاحب سے مل جاتے ہیں یعنی مسمی منصور بن احمد، شاہ ولی اللہ پر، چنانچہ یہ جداعلیٰ ساکن رہتک ہیں اور مسماۃ عائشہ سے دو پسر ایک مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحب، دوسرے مولانا شاہ یعقوب صاحب، اور ایک دختر مسماۃ مبارک پیدا ہوئیں، اور مسماۃ مبارک کی شادی ہوئی مولانا عبدالحئی صاحب اور ایک دختر مسماۃ مبارک پیدا ہوئیں، اور مسماۃ مبارک کی شادی ہوئی مولانا عبدالحئی صاحب سے بعد فوت ہو جانے مریم کے اور بعد دوسال کے روبروشوہر و نانا خود لاولد مرگئیں۔

اور مولانا محمد یعقوب صاحب نے چند نکاح کیے از خارج برادری چنانچہ ان میں سے ایک عورت مسماۃ ظہوراً بنت کلوخاکروب، مگر بعد مسلمان ہونے کلو کے نام عبداللہ ہوا، اور مکہ معظّمہ میں فوت ہوا اور بطن مسماۃ ظہوراً سے ایک لڑکی مسماۃ فاطمہ باقی رہیں اور مسماۃ ظہوراً کا (بھی) مکہ معظّمہ میں انتقال ہوا اور مسماۃ فاطمہ کا نکاح مرزا امیر بیگ بن مرزا مراد سے ہوا، ان سے اولاد یک پسر مسمی خلیل الرحمٰن اور ان کی شادی ہوئی نظیر بیگ کی دختر سے، وہ خلیل الرحمٰن کا چچا ہوتا ہے اور خلیل الرحمٰن کا پسرا ہوا حبیب الرحمٰن اور شوہر فاطمہ یعنی مرزا امیر بیگ (کا) وطن قدیم قصبہ سردھنہ میں ہے۔

اور حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے چند اولادیں ہوئی، پسر اور دختر اکثر انھیں کے روبرو فوت ہوگئیں الا سہ دختر بعد تک باقی رہیں، دختر کلاں خدیجہ کی شادی مولوی سید نصیر الدین نواسہ شاہ رفیع الدین صاحب سے ہوئی ان کے شوہر بھی فوت ہو گئے اور مسماۃ خدیجہ ان کی زوجہ ضعیفہ مکہ معظّمہ میں موجود اور دختر اوسط مسماۃ امت الغفور، ان کی شادی حافظ محمد محتشم سے (ہوئی) اور ان کی اولاد ہوئی،

Marfat.com

ایک پسر مسمی عبدالرحمٰن اور وہ موجود بمکہ معظّمہ اور مسماۃ مذکور مکہ معظمہ میں فوت ہوگئیں۔

اور دختر خورد مسماۃ امت الرحیم، ان کی شادی مولانا عبدالقیوم بن مولانا عبدالحیٔ صاحب سے ہوئی، ان کے دو پسر ایک مولوی محمد یوسف صاحب، دوسرے حافظ ابراہیم صاحب اور ایک دختر مسماۃ سائرہ اور جوکہ (زوجہ ہیں) مولانا عبدالقیوم صاحب جاگیردار کی، ایک موضع ہتھوڑا، پرگنہ جھتاری علاقہ بھوپال سرکار نواب سکندر جہاں بیگم سے عطا ہوا تھا اور بود و باش معہ خاندان باقی وہاں مقرر ہوئی، چنانچہ مسماۃ امت الرحیم والدہ محمد ابراہیم نے بمقام بھوپال انتقال کیا، غفرہا (۱۲۸۶ھ) ماہ رمضان المبارک تاریخ ۱۴ روز دوشنبہ وقت سات بجے، اور نام امت الرحیم کی والدہ کا لاڈلی بیگم بنت میاں مدد علی، کہ اولاد شاہ عبدالعزیز شکر بار سے تھے۔

اور مولوی اسحٰق صاحب کے دو پسر پیدا ہوئے، ایک سلیمان بعمر ہشت سال فوت ہوا، دوسرا یوسف چار پانچ برس یعنی سن صغیر میں مرگیا، فقط

اور حضرت شاہ صاحب کے نکاح میں یک مسماۃ سعیدہ حرم تھی، اس کی قوم برہمن، اس کے باپ سے خرید کر مسلمان کیا تھا، اس سے ایک دختر پیدا ہوئی تھی مسماۃ سکینہ سن صغیر میں فوت ہوگئی، اس کا شیر اس کی والدہ سے صالح بن کریم اللہ نے پیا تھا اور یہ کریم اللہ زرخرید شاہ صاحب کا تھا، اس کو اور اس کی اولاد کو آزاد کر دیا تھا اور بہت آسودگی حاصل تھی اور حرم حضرت شاہ صاحب کی یعنی مسماۃ سعیدہ، بشہر اندور واپسی سفر حج سے فوت ہوگئی، چنانچہ قبران کی چھاونی نواب غفور خاں میں موجود ہے۔

Marfat.com

نسب نامہ

مولانا مولوی عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہ[1]

مورث اعلیٰ مولوی معین الدین صاحب معروف بہ شاہ اجمیری، ان کے دو پسر یکے مولوی شاہ نور اللہ دوسرے مولوی فقیر اللہ، ایک دختر مسماۃ عائشہ، بیان مسماۃ عائشہ کہ ان کی شادی ہوئی شیخ علیم الدین سے، ازبطن مسماۃ رحمت، مولوی نوراللہ اور ایک دختر عائشہ پیدا ہوئی، مولوی نوراللہ کی شادی ہوئی مسماۃ بی بی امیرہ بنت مولوی شمس الحق سے، مولوی نوراللہ کی بود و باش اور مکان موضع پھلت میں تھا، مگر شرفاء اہل قصبہ بڈھانہ کو اعتقاد و خلوص بہت ہوا، (تو) ان کی بود و باش، وہاں یعنی بڈھانہ کی ہوئی، چنانچہ اس کی تاریخ یہ ہے۔ ''اے آمدنت باعث آبادی ما'' (۱۱۳۸ھ)

انھوں نے چہار پسر اور سہ دختر چھوڑیں، اور اہلیہ ان کی روبروان کے وفات پا گئیں تفصیل اولاد کی یہ ہے: مولوی عطاء اللہ پسر کلاں، ہبۃ اللہ، عطیۃ اللہ، فضل اللہ، ملیحہ، صبیحہ، حبیبہ، مولوی عطاء اللہ کی شادی ہوئی مسماۃ امینہ ہمشیرہ محمد احسان، خاندان مولوی محمد فائق میں، ان کی اولاد ایک دختر مسماۃ امت القادر عرف نھو پیدا ہوئیں، ان کی شادی محمد صادق پسر محمد فائق سے ہوئی اور وہ لاولد گئیں اور مولوی عطاء اللہ صاحب کا انتقال کُرادی متصل سرونج میں ہوا، چنانچہ قبر ان کی وہاں پر موجود ہے، اور سوا زی دوصد بیگہ آراضی وہاں بطور جاگیر سرکار نواب مظفر خاں صاحب سے عطا ہوئی تھی۔

اور میاں عطیۃ اللہ کی شادی ہوئی امینت دختر احمد، ہمشیرہ محمد نواز سے، ان کی اولاد مسماۃ خیر النساء کی شادی ہوئی مسمی جھنڈو، والد مسماۃ فخر النساء زوجہ حمایت علی سے۔۔۔ اور اخیر میں میاں عطیۃ اللہ نے بود و باش شہر ناگپور میں اختیار کی تھی، اور معاش ان کی دو موضع جاگیر سرکار راجہ رگو جی نے عطا کی تھی، انھوں نے وہاں شادی کی، ان سے ایک پسر مسمی مولوی احمد اللہ صاحب، سید صاحب کے ساتھ آخر لڑائی

---

[1] اصل نسخہ میں یہاں مولانا عبدالقیوم صاحب کا نام تھا۔

Marfat.com

میں شہید ہو گئے۔[1] اور ایک دختر رحیم النساء لاولد مرگئی، اور خود میاں عطیۃ اللہ فوت ہو گئے، اور کاروبار درہم برہم ہو گیا۔

میاں فضل اللہ کی شادی ہوئی مسماۃ عزیز أبنت مولوی جعفر، خاندان محمد انور (سے)، اولاد ہوئی ان کے دو پسر ایک جلال الدین دوسرے صلاح الدین، اور سہ دختر فاضلہ، واصلہ، زہرہ، میاں جلال الدین کی شادی ہوئی مسماۃ قمرالنساء بنت محمد انور سے، (دو) لاولد فوت ہوئے، صلاح الدین کی شادی ہوئی مسماۃ حیات النساء بنت حافظ احمد الدین (سے)، اور وہ ہمراہی سید صاحب شہید ہو گئے اور زوجہ ان کی موجود ہیں، کچھ اولاد نہیں ہوئی۔

مسماۃ فاضلہ کی شادی ہوئی مسمی قمرالدین بن محمد انور سے، میاں قمرالدین ہمراہی سید صاحب شہید ہو گئے اور مسماۃ فاضلہ اپنے گھر پر فوت ہوئیں، اور اولاد سہ پسر اور دو دختر ہوئیں، ایک پسر ناصرالدین، اور ایک پسر حافظ محی الدین، اور ایک پسر مولوی محمد ایوب، اور دو دختر ایک مسماۃ امیرہ والدہ مولوی رفیع الدین، ماموں ناقل خود الموسوم بہ عبدالحیؒ (کذا؟) دوسری دختر رابعہ، ناصرالدین کی شادی ہوئی مسماۃ زینب بنت حمید الدین سے، وہ روبرو والدین اور زوجہ اپنی کے ہمراہی جناب سید صاحب شہید ہوئے اور حافظ محی الدین کی شادی ہوئی مسماۃ مریم بنت حافظ نظام الدین سے، ان سے دو پسر ایک عبدالہادی، دوسرے حافظ شمس الدین، اور دو دختر امتہ الرؤف دوسری جنت، مسمی عبدالہادی کی شادی ہوئی، مسماۃ فاطمہ بنت حافظ شہاب الدین سے، ان کے دو پسر ہوئے یکے حافظ الرحمان، دوسرے حافظ عطاء اللہ پیدا ہوئے اور مسمی حافظ شمس الدین کی شادی مسماۃ تقیہ بنت سعید الدین سے ہوئی اور امۃ الرؤف کی شادی ہوئی مسمی محمد عمر بن غلام محمد سے، اور مسماۃ جنت کی شادی ہوئی حافظ فقیہ الدین بن سعید الدین سے۔

بیان ہبۃ اللہ کا:۔ بمقام بڈھانہ پیدا ہوئے اور بعمر قریب ستر برس بقافلہ سید احمد صاحب براہ حج بمقام کلکتہ انتقال فرمایا، اور اندرون کوٹھی منشی امین الدین مدفون ہوئے۔ ان کی شادی مسماۃ ذکیہ بنت علم الدین سے ہوئی تھی، اور مسماۃ ذکیہ کی والدہ کا نام عائشہ بنت مولوی معین الدین تھا۔

اور شیخ ہبۃ اللہ کے ایک بیٹی اور ایک بیٹا پیدا ہوا، بیٹی کا نام واجدہ تھا، اور بیٹے کا نام عبدالحیؒ صاحب تھا، اور مسماۃ واجدہ کی شادی حافظ کمال الدین سے ہوئی تھی اور مولانا عبدالحیؒ صاحب نے تیسری شادی مسماۃ واخلہ بنت شیخ فضل اللہ سے کی، ان سے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا پیدا ہوا، ایک بیٹی کا نام

---

[1] مولوی احمد اللہ صاحب کے تعارف کے لیے رجوع فرمائیے۔ جماعت مجاہدین، چودھری غلام رسول مہر، ۲۳۲، ۲۳۴ (کتاب منزل۔ لاہور) (ن۔ر۔)

Marfat.com

عابدہ تھا، دوسری کا عائشہ بعمر سہ سالہ بسفر حج اندر جہاز انتقال کرگئی، تیسری بیٹی فاطمہ ان کی شادی مولوی محمد عمر بن مولانا محمد اسماعیل سے ہوئی اور وہ لاولد گئیں، مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا، اور مسماۃ عابدہ کی شادی شیخ قیام الدین عرف اللہ دیا بن شیخ کمال الدین سے ہوئی تھی اور مسماۃ عابدہ نے بمقام ٹونک انتقال فرمایا اور ان کی ایک بیٹی امۃ اللہ تھیں، اور مسماۃ امۃ اللہ کی شادی حافظ سلیمان بن حافظ عثمان سے ہوئی، ان سے دو پسر اور ایک دختر، لڑکوں کا نام حافظ محمد داؤد، و مولوی محمد یونس ہے اور لڑکی کا نام امت القادر ہے۔

اور مولوی عبدالحئی صاحب کے لڑکے کا نام مولوی عبدالقیوم صاحب ہے، ان کا تاریخی نام غلام نقی ہے، ۱۹ صفر شب دوشنبہ کو عشا کی اذان کے ساتھ قصبہ بڈھانہ میں پیدا ہوئے، ان کی شادی مسماۃ امت الرحیم بنت مولانا شاہ محمد اسحاق سے ہوئی، اس سے دو پسر مولوی محمد یوسف و حافظ محمد ابراہیم صاحب، اور ایک دختر مسماۃ سائرہ پیدا ہوئی۔

اور مولوی محمد یوسف صاحب کی اول شادی سعید النساء بنت اکبر علی سے ہوئی، ان بیوی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، دوسری شادی خان دوراں خاں کے خاندان میں مسماۃ انجم آرا بیگم (بنت) سید محمد ناصر امیر ساکن دہلی سے ہوئی، ان سے ایک پسر مسمی مولوی محمد سلیمان اور دو دختر مسماۃ میمونہ و مسماۃ صبیحہ پیدا ہوئیں، مسماۃ صبیحہ کا انتقال ہوگیا، میاں محمد سلیمان کی شادی خاندان شیخ عبدالقادر جیلانی میں مسماۃ اصغری بیگم بنت سید جلال الدین ساکن دہلی سے ہوئی، ان سے دو پسر مسمی محمد یحییٰ، و مسمی محمد عثمان او ایک دختر مسماۃ امت الرحمٰن پیدا ہوئیں، اور اپنے والدین کے سامنے انتقال کیا، قلندر شاہ کے تکیہ میں قبر ہے۔

اور حافظ محمد ابراہیم کی شادی مسماۃ امت القادر بنت حافظ سلیمان بن حافظ عثمان سے ہوئی، ان سے ایک پسر حافظ محمد اسمٰعیل، اور دو دختر مسماۃ امنہ و مسماۃ امت الحئی، دونوں لڑکیوں کا صغرسنی میں انتقال ہو گیا، میاں محمد اسمٰعیل کی شادی مسماۃ میمونہ بنت مولوی محمد یوسف صاحب سے ہوئی تھی، ان سے ایک دختر ام سلمٰی اور ایک ام حبیبہ، اور ایک پسر حافظ مولوی مسمی محمد احمد پیدا ہوئے۔

اور مسماۃ واصلہ کا انتقال مکہ معظمہ میں ہوا، اور مسماۃ زہرہؔ ان کی شادی شیخ عبداللہ بن شیخ عبدالرشید سے ہوئی تھی اور وہ مقام مدینہ منورہ فوت ہوئیں۔ ان کی تین دختر تھیں ایک مسماۃ ہاجرہ، عائشہ، امت الرحمان، مسماۃ ہاجرہ نے بچپن میں انتقال کیا، اور مسماۃ عائشہ نے بعد شادی بمقام جھنجانہ انتقال کیا، اور مسماۃ امت الرحمان موجود ہیں۔

بیان دختران مولوی نور اللہ صاحب: مسماہ ملیحہ کی شادی مولوی علاء الدین بن علیم الدین سے ہوئی،

Marfat.com

اوران کی دو بیٹیاں تھیں، مسماۃ بتول اور مسماۃ فضیلت اور مسماۃ بتول کی شادی شیخ محمد مراد بن شیخ محمد رشاد سے ہوئی تھی، اوران کی ایک بیٹی اور سہ بیٹے محمد حماد، وحافظ محمد عثمان، وعبدالرزاق اور دختر مسماۃ نعمت اور شیخ محمد حماد کی شادی مسماۃ راحت بنت شیخ محمد انور سے ہوئی تھی، ان کے دو پسر ہوئے عبدالرحمان و عبدالرحیم، عبدالرحمٰن روبرو والدین بقافلہ سید صاحب شہید ہوئے، اور عبدالرحیم باقی رہے، ان کی دو شادیاں ہوئیں، اول مسماۃ ذاکرہ بنت حافظ محمد عثمان سے (ہوئی)، اول سے دو پسر پیدا ہوئے ایک محمد یوسف دوسرے محمد ابراہیم، دسری شادی مسماۃ فاطمہ بنت عبدالعزیز سے ہوئی، ان سے ایک پسر اور ایک دختر، نام پسر کا رشید احمد، نام لڑکی کا امت الرشید تھا۔

اور حافظ محمد عثمان کی شادی مسماۃ سکھن نبت فضیل سے ہوئی، اوران کے ایک پسر اور ایک دختر ہوئی، نام پسر کا حافظ سلیمان، اور دختر کا نام ذاکرہ اور حافظ سلیمان کی شادی ہوئی مسماۃ امت اللہ بنت قیام الدین عرف اللہ دیے سے، ان کی اولاد کا بیان خاندان مولانا عبدالقیوم میں تحریر ہو چکا ہے۔

اور مسماۃ ذاکرہ کی شادی مسمی عبدالرحیم سے ہوئی تھی، جس کی اولاد کا بیان اوپر ہو چکا ہے شیخ عبدالرزاق کی شادی مسماۃ رقیہ عرف اللہ دی بنت حافظ کمال الدین سے ہوئی تھی، ان کی ایک دختر مسمی ام سلمٰی موجود ہے، ان کی شادی شیخ سعید الدین بن شیخ جمال الدین سے ہوئی، ان کے ایک پسر اور سہ دختر موجود ہیں، ایک حافظ فقیہہ الدین، دوسرے امیر الدین، ایک لڑکی مسماۃ صفیہ، دوسری تقیہ، تیسری نقیہ۔

اور حافظ کمال الدین کی شادی مسماۃ جنت بنت حافظ محی الدین سے ہوئی، ان کے دو پسر اور ایک دختر فی الحال موجود ہے، ایک پسر کا نام کبیر الدین، دوسرے کا نام خلیل الدین، اور دختر کا نام نعمت عرف موتی ہے، اور مسماۃ صفیہ کی شادی محمد عمر بن عبدالواسع عرف شیخ مسیتا سے ہوئی، ان سے ایک پسر ایک دختر موجود ہے اور مسماۃ تقیہ کی شادی حافظ شمس الدین بن حافظ محی الدین سے ہوئی، ان سے دو لڑکیاں باقی رہیں۔

بیان مسماۃ نعمت: یہ روبرو اپنے والدین کے فوت ہوئیں، ان کی شادی محمد سمیع بن مولوی محمد صفی بن حافظ فقیر اللہ بن مولوی معین الدین سے ہوئی، ان سے فقط ایک دختر مسماۃ الفت النساء ہیں، اوران کی شادی شیخ جمال الدین بن شیخ عزیز الدین سے ہوئی، ان کے دو پسر ایک شیخ معید الدین، دوسرے حفیظ الدین ہوئے۔

بیان مسماۃ صبیحہ کا یہ ہے کہ شادی ان کی مولوی شیخ محمد بن شاہ ولی اللہ سے ہوئی، لاولد فوت ہوگئیں، دہلی میں مدفون ہیں، بیان مسماۃ حبیبہ کا: ان کی شادی ہوئی شاہ عبدالعزیز صاحب سے، جن کا

Marfat.com

بیان اس سے پہلے اولاد شاہ صاحب میں تحریر ہو چکا ہے اور بیان اولاد مسماۃ عائشہ ہمشیرہ صاحبہ شاہ نور اللہ یہ ہے کہ ان کی شادی شیخ علیم الدین سے ہوئی، ان سے ایک پسر مسمی مولوی علاء الدین اور سہ دختر یکے سعیدہ، دوسری صالحہ، تیسری ذکیہ۔

بیان مولوی علاء الدین کا: یہ ہے کہ ان کی شادی مسماۃ ملیحہ دختر مولوی نور اللہ سے ہوئی اور بی ذکیہ کی شادی میاں ہبتہ اللہ سے، اور بی صالحہ کی شادی میاں محمد ارشاد سے، ان کے دو پسر یکے حافظ کمال الدین، دوسرے شیخ مراد۔

بیان اولاد مسماۃ سعیدہ کا یہ ہے کہ شادی ان کی میاں احمد پسر محمد حیات سے ہوئی اور میاں احمد کے ایک پسر محمد انور کی شادی کریما بنت میاں محمدی ہمشیرہ سلو اور ان کی ایک لڑکی مسماۃ حمیتہ، ان کی شادی میاں عبدالرشید سے ہوئی فقط۔

نور الحسن کاندھلوی

Marfat.com

حضرت شیخ وجیہہ الدین

- شیخ ابورضا محمد
  - مولانا حسین
  - (شوہر نعمت بن شیخ مفیض اللہ)
- شیخ عبدالرحیم
  - از زوجہ اولیٰ
    - شیخ صلاح الدین
      - لاولد
  - حضرت شاہ ولی اللہؒ
    - (از زوجہ اوّل مسماۃ اُمت الرحیم
      - مولوی محمد
      - (شوہر صبیحہ بنت مولوی نور اللہ)
      - لاولد
    - (از زوجہ ثانیہ محترمہ
    - بی بی ارادت سونی پت)
      - حضرت شاہ عبدالعزیز عرف مسیتا (شوہر مسماۃ حبیبہ بنت شاہ نور اللہ)
        - عائشہ (زوجہ محمد افضل)
        - قطب الدین
        - پسر
        - مریم (زوجہ مولوی عبدالغنی؟)
        - دختر لاولد
        - رحمت (زوجہ مولوی محمد عیسیٰ بن شاہ رفیع الدین
        - جمیلہ
          - مولوی محمد عمر
      - عبدالوہاب معروف بہ شاہ رفیع الدین
      - شاہ عبدالقادر
        - زینب
          - (زوجہ مولوی محمد مصطفےٰ ابن شاہ رفیع الدین)
      - شاہ عبدالغنی شوہر مسماۃ فضیلت بنت مولانا علاء الدین
  - (از زوجہ دوم فخر النساء بنت شیخ محمد پھلتی)
    - شاہ اہل اللہ
      - مولوی معظم عرف شاہ محمدی
      - (شوہر فاطمہ بنت محمد فائق بن شاہ محمد عاشق)
        - محمد مکرم لاولد
        - محمد محتشم (شوہر امت الغفور بنت شاہ محمد اسحاق
          - عبدالرحمٰن
        - امت العزیز عرف بی جان لاولد
- شیخ عبدالحکیم
  - لاولد

Marfat.com

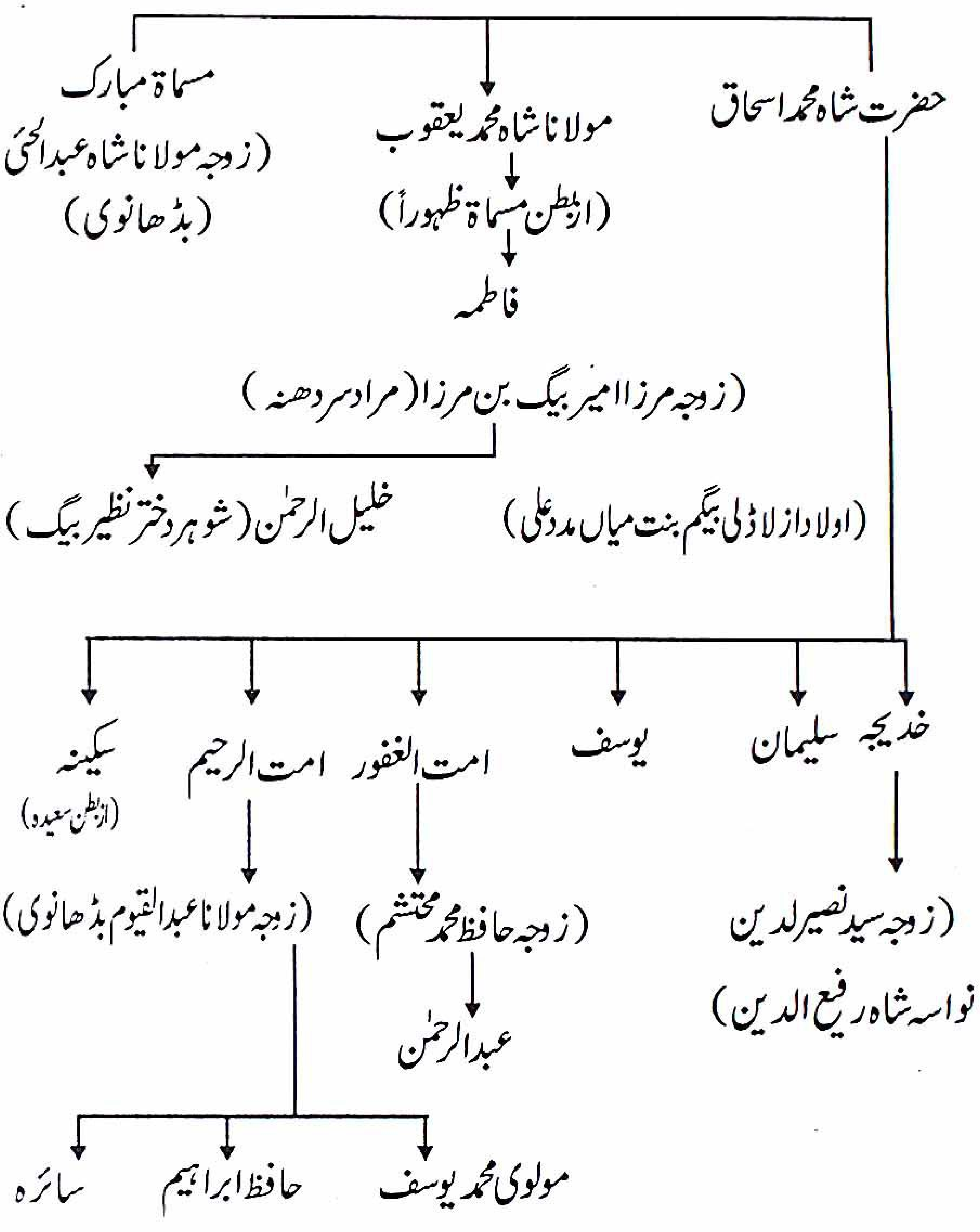
حضرت شاہ محمد اسحاق
مولانا شاہ محمد یعقوب
(ازبطن مسماۃ ظہورا)
فاطمہ
(زوجہ مرزا امیر بیگ بن مرزا (مراد سردھنہ)
خلیل الرحمٰن (شوہر دختر نظیر بیگ)
مسماۃ مبارک
(زوجہ مولانا شاہ عبدالحیٔ
(بڈھانوی)
(اولاد از لاڈلی بیگم بنت میاں مدد علی)
خدیجہ
سلیمان
یوسف
امت الغفور
امت الرحیم
سکینہ
(ازبطن سعیدہ)
(زوجہ سید نصیرلدین
نواسہ شاہ رفیع الدین)
(زوجہ حافظ محمد محتشم)
عبدالرحمٰن
(زوجہ مولانا عبدالقیوم بڈھانوی)
مولوی محمد یوسف
حافظ ابراہیم
سائرہ

Marfat.com

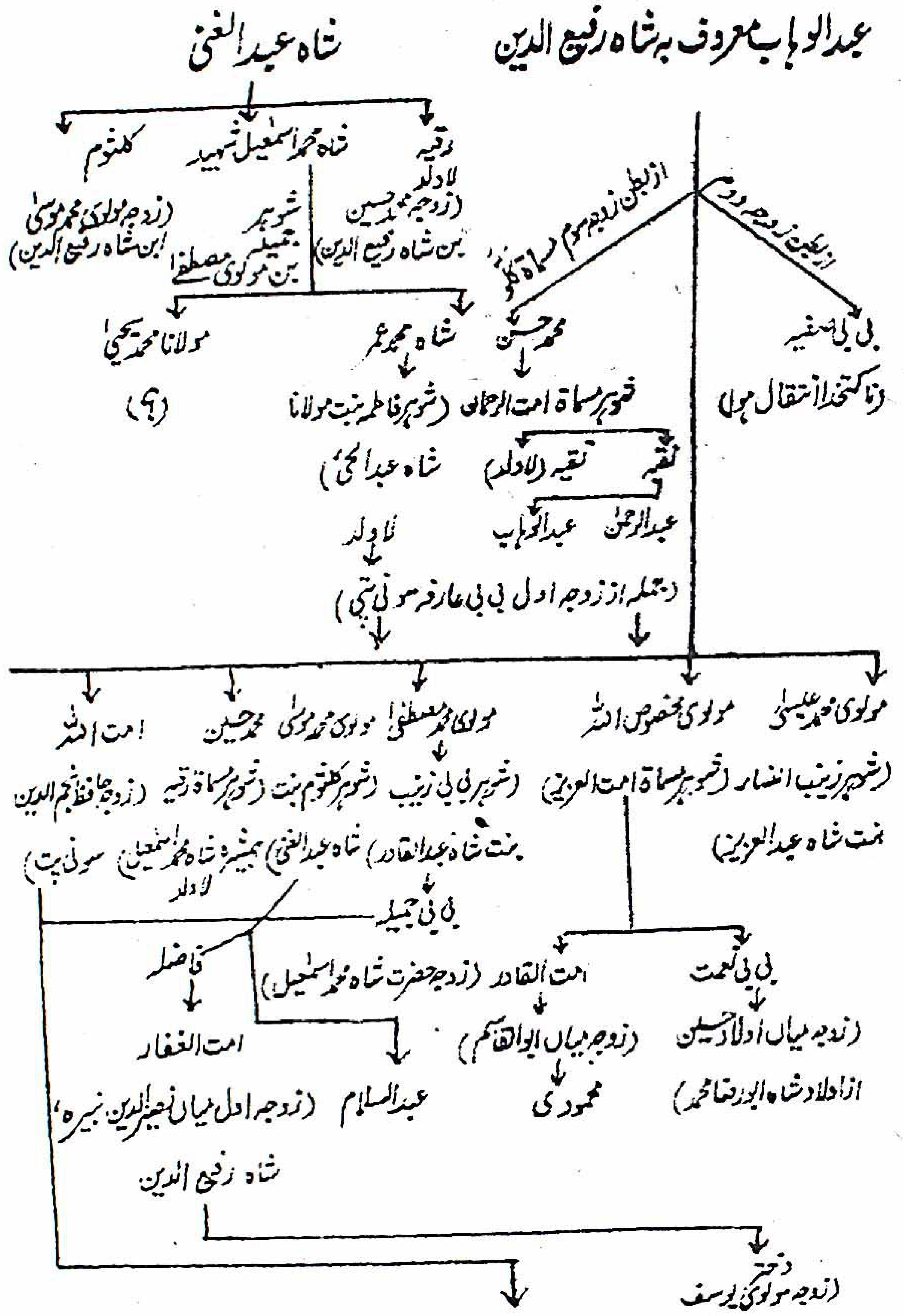

اگلے صفحہ پر

Marfat.com

امت اللہ

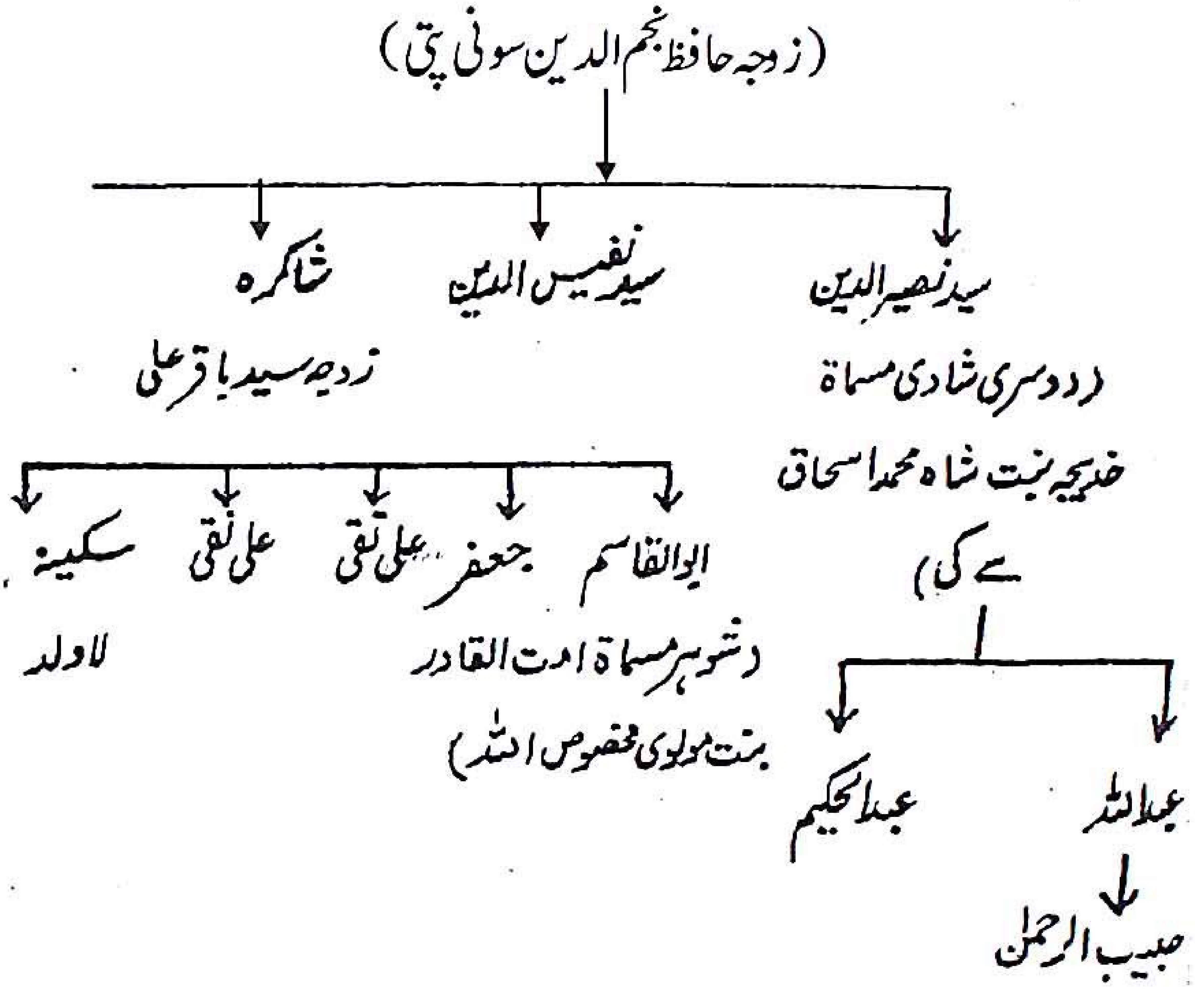

Marfat.com

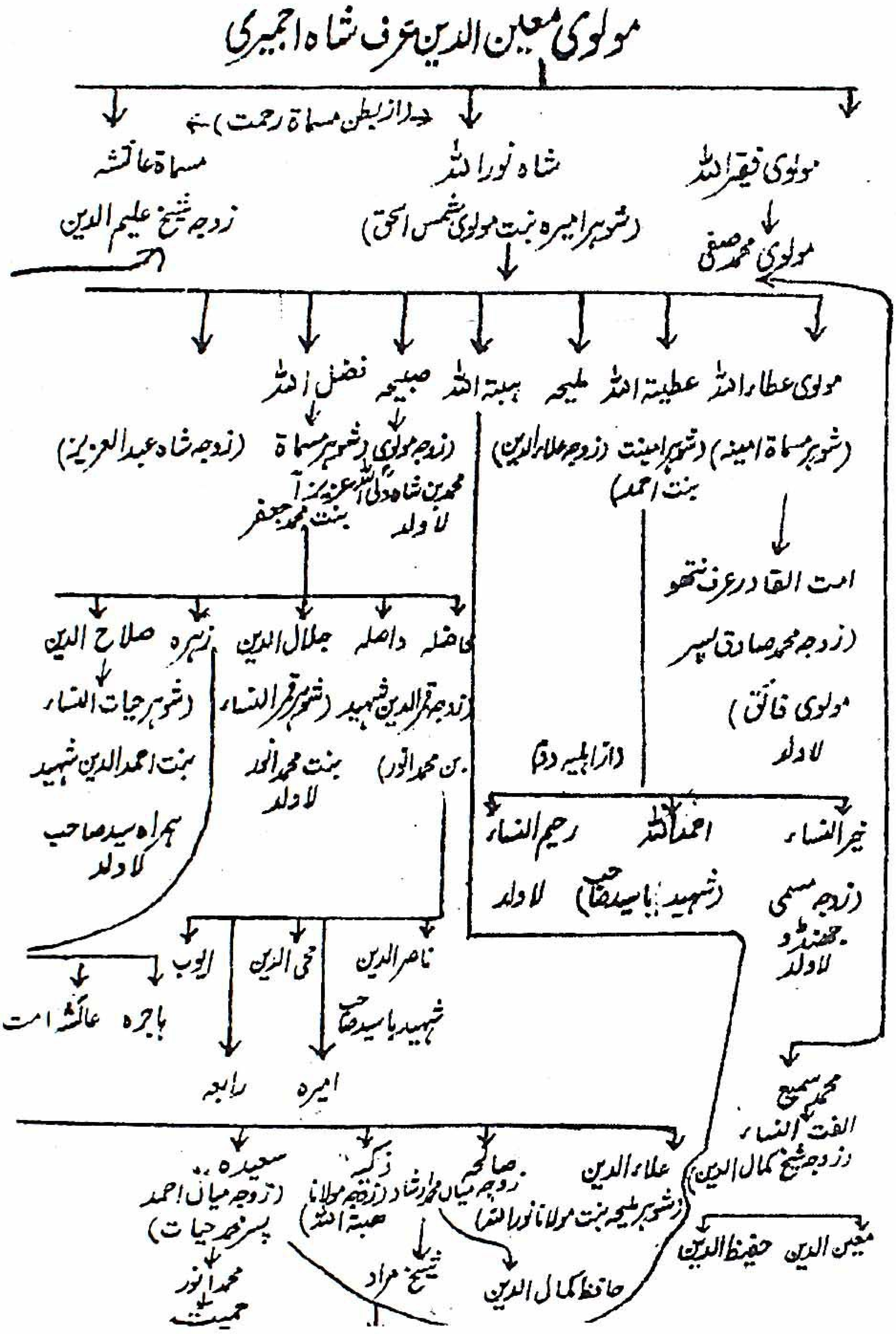

اگلے صفحہ پر ملاحظہ کریں

Marfat.com

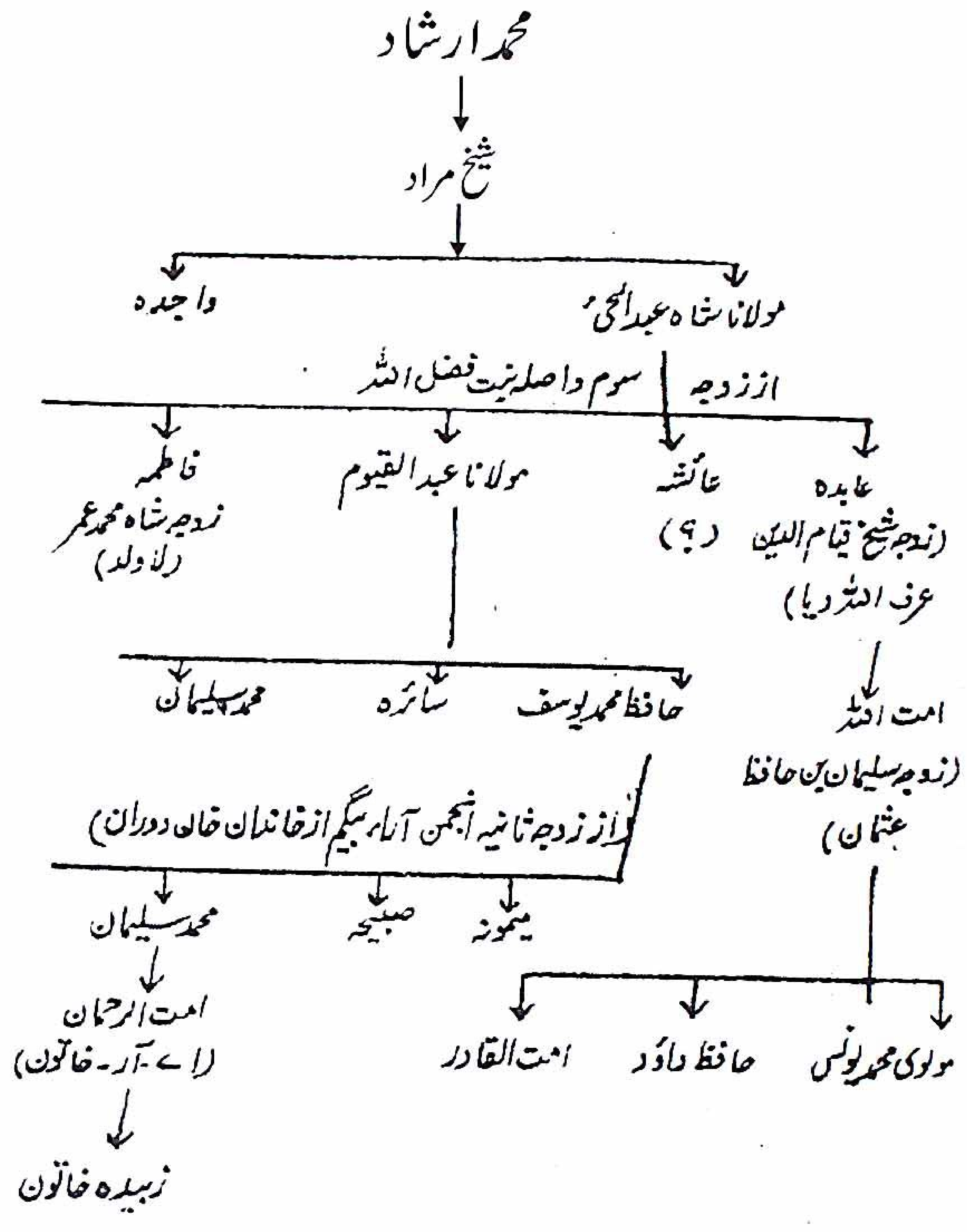

(ماخوذ از برہان، جنوری، فروری ۱۹۸۲ء)

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی تاریخ وفات

اور ان کے اہل خاندان کے مزارات اور ان کے کتبے

حضرت حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ احمد بن عبدالرحیم محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ کی ذات گرامی، ان کے احوال وسوانح، اور علوم ومعارف پر ''القول الجلی فی مناقب الولی[1]'' سے تحقیق و تصنیف کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ اس وقت تک جاری اور روز افزوں ہے، اس موضوع پر مختلف زبانوں میں بے شمار کتابیں اور مضامین شائع ہو چکے ہیں جن سے ایک چھوٹا سا مستقل کتب خانہ مرتب کیا جا سکتا ہے، اور مشرق ومغرب کی متعدد جامعات اور یونیورسٹیز میں بھی اس عنوان پر تحقیقی مقالے اور Thesis مرتب ہوئے ہیں اور زیر ترتیب وتحریر بھی ہیں۔

---

[1] القول الجلی، حضرت شاہ محمد عاشق پھلتی وفات تقریباً ۱۱۸۷ھ/۷۴-۱۷۷۳ء کی تالیف ہے، جو حضرت شاہ ولی اللہ کے صاحب سر، رفیق خاص اور محرم راز تھے، اس کی تالیف حضرت شاہ ولی اللہ کے ارشاد ایما پر ہوئی، حضرت شاہ ولی اللہ نے اپنے خود نوشت احوال ''الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف'' میں اس کا ذکر فرمایا ہے، انفاس العارفین شاہ ولی اللہ ۲۱۰ مطبوعہ مجتبائی، دہلی ۱۳۳۵ھ۔ اس کتاب کا اکثر حصہ حضرت شاہ ولی اللہ کی حیات میں اور آخری باب حضرت شاہ صاحب کی وفات کے بعد اضافہ ہوا، اس اہم تالیف کا واحد معلوم نسخہ کتب خانہ خانقاہ کاظمیہ قلندریہ کاکوری (لکھنؤ) میں ہے، جس سے اہل علم استفادہ کرتے رہے ہیں، یہ نسخہ ۴۹۷ صفحات پر مشتمل ہے اور سنہ ۱۲۲۹ھ/۱۸۱۳ء کا مکتوبہ ہے، بحوالہ مکتوب جناب شاہ مجتبیٰ حیدر صاحب کاکوروی مرقومہ ۱۷ شعبان ۱۴۰۲ھ، پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی نے اس کا سنہ کتابت ۱۲۳۹ھ/۱۸۴۳ نقل کیا ہے (شاہ ولی اللہ اور ان کے سیاسی مکتوبات ۲۱۰ دہلی ۱۳۸۸ھ) جو خلاف واقعہ ہونے کے علاوہ جنتری کی رو سے بھی صحیح نہیں ہے، القول الجلی کا ایک نسخہ ہمارے خاندانی ذخیرہ کتب میں بھی موجود تھا مگر راقم سطور کو اس کا سراغ نہیں ملا، القول الجلی کے ایک اور نسخہ کا نواب صدیق حسن خاں کے کتب خانہ کے حوالہ سے ذکر کیا جاتا ہے، اور نواب صاحب نے بھی اتحاف النبلاء المتقین باحیاء مآثر الفقہاء والمحدثین میں القول الجلی کے حوالہ سے دو واقعات نقل کئے ہیں، ملاحظہ ہو الروض الممطور فی تراجم علماء شرح الصدور مولانا ذوالفقار احمد نقوی ۱۸۸/۱۹۳ (آگرہ ۱۳۰۷ھ) مگر نواب صاحب کے ذخیرہ کتب محفوظ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور نواب صاحب کے کتب خانہ کی مفصل فہرست ۶۷ تا ۱۱۲ سلسلۃ العسجد فی ذکر مشائخ السند تالیف نواب صدیق حسن خاں (بھوپال ۱۲۹۳ھ) میں شاہ محمد عاشق کی القول الجلی کا کہیں ذکر نہیں، تاہم اس فہرست میں اسی نام کی ایک اور کتاب القول الجلی فی ترجمہ شیخ الاسلام ابن تیمیۃ الحنبلی کا اندراج ہے ۸۱ ص سلسلۃ العجد، مقام مسرت ہے کہ نسخہ کاکوری شاہ مجتبیٰ حیدر صاحب کے زیر نگرانی اردو ترجمہ کے بعد اشاعت کے لئے تیار ہو رہا ہے۔)

Marfat.com

حیات ولی اللہ کے وسیع تر سلسلہ کا ایک چھوٹا مگر اہم عنوان تاریخ وفات حضرت شاہ ولی اللہ اور مزارات خاندان ولی اللہ ہے۔ آئندہ سطور میں اس سلسلہ کی معلومات یک جا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے سنہ وفات کے متعلق متعدد روایات ہیں، ۱۱۷۴ھ ۱۱۷۵ھ، ۱۱۷۶ھ ۱۱۷۹ھ اور ۱۱۸۰ھ ان میں صحیح اور معتمد علیہ ۱۱۷۶ھ ہے، اس سنہ اور تاریخ بروز شنبہ/ ۲۱ اگست ۱۷۶۲ء بوقت ظہر، کی قدیم ترین اطلاع مولانا سید محمد نعمان حسنی رائے بریلوی کے مکتوب سے حاصل ہوتی ہے، حضرت شاہ محمد نعمان حضرت شاہ ولی اللہ کے دامنِ فیض سے وابستہ اور آخری ایام میں حضرت شاہ ولی اللہ کی خدمت میں حاضر تھے، وہ مولانا ابو سعید رائے بریلوی کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں:

"وامصیبتا! ایں چہ بے نیازی است کہ ہم چنیں روح مقتدائے را، در کمتر وقت بعمر شصت و دو سالگی نداء ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیہ دادند، و اصحاب بدع وضلال راعشرت آگیں نمودند، و اصحاب دین را اندوہگیں کردند، یعنی بتاریخ سلخ محرم الحرام، یک ہزار ویک صدو ہفتاد و شش، یوم السبت وقت الظہر، بامر داعی حق روح مطہر آنحضرت از قالب مفارقت نمودہ باوج علیین نشیمن ساختہ[1]

آہ، افسوس! حق تعالیٰ کی عجیب شان بے نیازی ہے کہ ایسے رہنما کی روح کو ایسی مختصر مدت میں باسٹھ سال کی عمر میں "اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف راضی اور پسندیدہ ہو کر لوٹ جا کی صدا سنا دی گئی، بدراہ اور طریقہ سنت سے دور افراد کو مسرور، اور دین داروں کو غمگین کر دیا گیا، یعنی محرم الحرام کی آخری تاریخ کو ۱۱۷۶ھ میں شنبہ کے دن ظہر کے وقت، حکم الٰہی کے مطابق حضرت کی پاکیزہ روح نے جسم عنصری سے جدا ہو کر علیین کی بلندی پر اپنا نشیمن بنا لیا۔

اس طلاع کی توثیق و تصدیق حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے ایک ملفوظ سے ہوتی ہے،

---

[1] مکتوب مولانا سید نعمان رائے بریلوی، زیر عنوان وحضرت شاہ ابو سعید حسنی رائے بریلوی کے روابط حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، اور ان کے خاندان سے، از مولانا نسیم احمد صاحب فریدی امروہوی، ماہنامہ الفرقان لکھنؤ، صفر ۱۳۸۵ھ ص ۳۶، حضرت شاہ ولی اللہ کی تاریخ وفات کے لئے صاحب نزہتہ الخواطر مولانا عبدالحئی حسنی کا ماخذ بھی یہی مکتوب ہے، نزہتہ الخواطر ص ۴۱۵ ج ۶ (حیدر آباد ۱۳۷۶ھ) اصل مکتوب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے خاندان مرقع نوادر میں محفوظ ہے، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اس کے لئے کتب خانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا حوالہ دیا ہے (شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ۲۰۲) جو صحیح نہیں ہے۔

Marfat.com

حضرت شاہ صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

"عمر شریف یعنی شصت یک سال و چہار ماہ شد، چہارم شوال تولد گشت، در بست نہم محرم وفات یافت، تاریخ تولد شاہ ولی اللہ چہارم شوال و چہار شنبہ ۱۱۱۴ھ بود، تاریخ وفات او بود امام اعظم دیں، دیگر ماہے دل روزگار رفت، بست نہم محرم وقت ظہر۔"[۱]

عمر شریف (حضرت شاہ ولی اللہ) اکسٹھ سال چار ماہ ہوئی، چار شوال کو تولد ہوئے اور ۲۹ محرم کو وفات پائی۔ تاریخ ولادت شاہ ولی اللہ چار شوال ۱۱۱۴ھ بروز بدھ، وقت ظہر (۲۱ فروری ۱۷۰۳ء) تھی، بود امام اعظم دیں، اور ہائے دل روزگار رفت، کے اعداد سے سنہ تاریخ وفات معلوم ہوتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز نے اس ملفوظ میں جو دو مادہ ہائے تاریخ بیان فرمائے ہیں، ان میں سے پہلا حسن خاں تحسین کشمیری کا اثر ہے،[۲] دوسرا مادہ تاریخ "ہائے دل روزگار رفت" غالباً صحیح نقل نہیں ہوا، اس میں مرتب ملفوظات یا کاتب نسخہ سے کوئی لفظ چھوٹ گیا ہے، موجودہ صورت میں اس کے اعداد ۱۱۶۵ ہوتے ہیں جو حضرت شاہ ولی اللہ کے سنہ وفات سے مطابقت نہیں رکھتے، شاید اسی وجہ سے مرتب تذکرہ عزیزیہ[۳] اور مولانا نسیم احمد فریدی نے ملفوظات عزیزی[۴] میں اس مادہ کو نقل نہیں کیا ہے، مذکورہ مادہ کے علاوہ ایک مصرعہ تاریخ "مقتدا دقیقہ شناس[۵]" اور ایک "آفتاب علم شد زیر زمین" ہے۔[۶]

صحیح تاریخ وفات کے بعد ان سنین کا تذکرہ ہوگا جو متعدد تذکرہ نگاروں نے نقل کئے ہیں، ان سنین میں پہلی روایت سنہ ۱۱۷۴-۷۵ھ کی ہے۔

---

۱ ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز، مولفہ ۱۲۳۳ھ ص۴۰ (مجتبائی، میرٹھ ۱۳۱۴ھ)

۲ مضمون جناب مسعود انور علوی، ماہنامہ برہان دہلی ۱۸۶/۵۸ (مارچ ۱۹۸۳ء)

۳ تذکرہ عزیزیہ، مرتبہ قاضی بشیر الدین میرٹھی ۸۰ (مجتبائی، میرٹھ ۱۹۳۴ء)

۴ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ ۱۴ (جمادی الثانی ۱۳۸۷ھ)

۵ یہ مادہ تاریخ مولانا عبدالحلیم چشتی نے فوائد جامعہ بر عجالہ نافعہ ۲۸۵ (نور محمد کراچی ۱۳۸۳ھ) میں بلاحوالہ ماخذ نقل کیا ہے، مگر جس طرح چشتی صاحب نے نقل کیا ہے "مقتدائے دقیقہ شناس" اس کے اعداد ۱۱۸۶ ہو جاتے ہیں، غالباً ی کا اضافہ سبقت قلم ہے۔

۶ مضمون جناب مسعود انور علوی، ماہنامہ برہان دہلی ۱۸۵/۵۷ (مارچ ۱۹۸۳ء)

Marfat.com

اس روایت کا ماخذ علامۂ محدث شیخ حسین بن محسن یمانی کی تحریر ہے، علامہ موصوف الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنی میں محتاط الفاظ میں لکھتے ہیں:

ویشبہ ان یکون وفات ابو عبدالعزیز[1] فی سنۃ اربع اوخمس وسبعین ومائۃ بعد الف وقبرہ معروف یزار ویتبرک بہ،[2]

اور ممکن ہے کہ ابو عبدالعزیز (شاہ ولی اللہ) کی وفات ۱۱۷۴ھ یا ۱۱۷۵ھ میں کے درمیان ہو، اور ان کی قبر مشہور، اور زیارت گاہ ہے۔

فخر المتاخرین حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی نے بھی ۱۱۷۴ھ کی روایت کو نقل کیا ہے، مگر قبل کے لفظ سے اس روایت کی کمزوری کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے اور اولیت ۱۱۷۶ء کی روایت کو دی ہے۔[3]

۱۱۷۵ھ کی ایک اور روایت نواب محمد علی خاں ٹونک نے سیرالاخیار معروف بہ فرحت الناظرین میں ذکر کی ہے، نواب صاحب لکھتے ہیں:

درسنہ یازدہ صدو ہفتاد و پنج ہجری بعالم آخرت شتافت۔[4]

(حضرت شاہ ولی اللہ) سنہ گیارہ سو پچھتر ہجری میں عالم آخرت کو سدھار گئے

مفتی غلام سرور لاہوری نے حضرت شاہ صاحب کی وفات ۱۱۷۹ھ یا ۱۱۸۰ھ میں بیان کرتے ہیں، مفتی صاحب کا قول ہے:

وفات آنجناب درسال یک ہزار و یک صد ہفتاد و نہ، یا ہشتاد، بوقوع آمد، از مؤلف۔"

آنجناب (شاہ ولی اللہ) کی وفات سنہ گیارہ سوانا سی، یا سنہ گیارہ سو اسی میں واقع ہوئی، تاریخ

وفات از مؤلف

زدنیا چو رخت اقامت بہ نسبت ولی اللہ ولی، ولی متقی
وفاتش بجستم ز شیخ کریم رقم شد دگر شیخ اکبر ولی

---

[1] (الیانع الجنی کے پیش نظر نسخہ میں صرف عبدالعزیز ہے جو یقیناً سہو کاتب ہے، تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ کا ہے، جن کو شیخ یمانی ابوعبدالعزیز سے یاد کرتے ہیں۔

[2] الیانع الجنی ۹۴ (دارالاشاعت دیوبند ۱۳۴۹ھ)

[3] التعلیق المجد علی موطا الامام محمد ۲۵ (مطبع یوسفی لکھنؤ، ۱۳۱۵ھ)

[4] قرۃ العیون فی شرح سرور المحزون ۹ جلد اول (مطبع محمدی ٹونک، بلاسنہ)

Marfat.com

ایضاً

چو از دنیا بجنت گشت راہے ولی اللہ حق آگاہ بہشتی

وفات او یکے خورشید بنداست دگر عارف ولی اللہ بہشتی[۱]

مگر مفتی صاحب نے حدیقۃ الاولیاء میں جو خزینۃ الاصفیاء سے موخر تالیف ہے، حضرت شاہ صاحب کی تاریخ وفات کی صرف ایک روایت نقل کی ہے،[۲] اور صاحب ہدیۃ العارفین نے ۱۱۷۹ھ کی روایت پر اعتماد کیا ہے، مگر حسب معمول ماٰخذ کا ذکر نہیں کیا ہے،[۳] سطور بالا سے یہ معلوم ہو گیا ہے۔۔۔کہ ۱۱۷۶ھ کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ کے جو سنین وفات نقل کئے جاتے ہیں، وہ سب غلط ہیں، مگر حیرت ہے کہ بعض اہل قلم ان سنین کو صحیح خیال کرتے ہیں اور اپنی تالیفات میں ان کو نقل کرنا درست سمجھتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کی تاریخ ولادت حضرت شاہ عبدالعزیز کے حوالہ سے گزر گئی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ نے خودنوشت سوانح ''الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف'' میں بھی یہی وقت معہ زائچہ سیارگان تحریر فرمایا ہے۔[۴] مگر معلوم نہیں کس وجہ سے نواب صدیق حسن خاں نے حضرت شاہ صاحب کا سنہ ولادت ۱۱۱۰ھ گیارسودس لکھا ہے۔[۵] نواب صاحب کے بیان پر خیرالدین الزرکلی نے اعتماد کیا[۶] اور الزرکلی کی اطلاع ہے کہ شیخ عبدالحیٔ کتانی بھی فہرس الفہارس میں اسی کو اختیار کیا ہے۔

حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا مزار مبارک، اور ان کے اہل خاندان کا قبرستان جو مہندیان[۷] کے نام سے مشہور ہے، دہلی میں، دلی دروازے کے بائیں جانب مولانا آزاد میڈیکل کالج کے پیچھے واقع ہے، اس قبرستاں میں علم ومعرفت کے وہ تاجدار، اور حکمت وموعظت کے وہ شہ سوار سوئے ہیں جن

۱۔ خزینۃ الاصفیاء ۳۷۳ جلد دوم (مطبع ثمر ہند لکھنؤ ۱۲۹۰ھ)

۲۔ حدیقۃ الاولیاء، ۱۱۱ (مطبع نولکشور لکھنؤ ۱۲۹۴ھ)

۳۔ ہدیۃ العارفین، اسماء المولفین، اسمٰعیل پاشا بغدادی، کالم ۵۰۰ ج ۲ مکتبۃ المثنی، بیروت۔

۴۔ مشمولہ انفاس العارفین ۲۰۲ (مجتبائی، دہلی ۱۳۳۵ھ)

۵۔ ابجد العلوم ۹۱۶ (صدیقی بھوپال ۱۲۹۵ھ) دلچسپ امر یہ ہے کہ ابجد العلوم میں سنہ وفات کا ذکر نہیں اور الحطہ فی ذکر امہات الستہ (۷۰) نظامی کان پور ۱۲۸۳ھ اور سلسلۃ العسجد ۷) میں سنہ ولادت موجود نہیں ہے، اتحاف النبلا راقم کے سامنے نہیں ہے۔

۶۔ الاعلام ۱۴۹ ج ۱۔ (الطبعۃ الرابعہ، بیروت ۱۹۷۹ء)

۷۔ مہندیان کی تاریخ اور معلومات کے لئے رجوع فرمایئے آثار الصنادید، سرسید احمد خاں ۱۲۰ (طبع اول ۱۸۴۷ء دہلی) اور واقعات دارالحکومت، مولوی بشیر الدین احمد ۵۸۰ تا ۵۹۲ جلد دوم، (آگرہ ۱۳۳۷ھ)

Marfat.com

کے ایمانی وعرفانی کارناموں سے دشت وجبل گونج رہے ہیں اور جن کے دم قدم سے ہندوستان میں اسلام کا ٹمٹماتا چراغ روشن، توحید کا غلغلہ بلند اور اتباع سنت کا ولولہ تازہ ہوا، ان کی کاوشوں کا عکس دل افروز، اور آج بھی ملت اسلامیہ کے لئے مینارۂ نور ہے، اور بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ تحتی برّاعظم (ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش) کے بیشتر تعلیمی وتبلیغی سلسلے انہیں کے سوز دروں کی بازگشت اور ان ہی کاوشوں کا پرتو ہے، جس کے اثر سے برصغیر کا خطہ خطہ منور، اور ذرہ ذرہ درخشاں ہے۔

یک چراغیست دریں خانہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنی ساختہ اند

ان آسودگان خاک کے فکروفن کا دریا آج بھی پورے جوش وخروش سے لہریں لے رہا ہے اور ملکوں ملکوں کے لوگ اپنے اپنے ظرف وصلاحیت کے مطابق اس سے فیض یاب ہو رہے ہیں، کس کا تذکرہ کریں کس کو چھوڑیں، یہاں تو ہر فرد اپنی جگہ مجلس عمل، ایک مستقل کتب خانہ اور دار العلوم ہے،

گوشے گوشے میں یہاں ملت کا سرمایہ ہے دفن
حکمتِ اسلام کا گنج گرانما یہ ہے دفن
اس میں سوتے ہیں محدث اور مفسر بے شمار
عالمانِ دین قیم ہیں قطار اندر قطار

جس جگہ قبرستان خاندان ولی اللہ واقع ہے یہاں کبھی شیخ عبدالعزیز شکر بار کی خانقاہ تھی، بعد میں شیخ رفیع الدین کی قیام گاہ بھی یہی ہوئی، اور اکابر خاندان ولی اللہ کے مکانات بھی اسی جگہ تھے، مگر حضرت شاہ ولی اللہ نے اس جگہ قیام ترک کر کے اندرون شاہجہان آباد قیام فرمالیا تھا، مولوی احمد علی خیر آبادی لکھتے ہیں:

''قبور ایں حضرات در حوالی ہماں خانقاہ بیرون دہلی دروازہ، حصار شاہجہاں آباد، محاذی منارۂ فیروزی، و مکانات شاہ رفیع الدین و شاہ عبدالرحیم در قدیم الایام ہماں خانقاہ بود، شاہ ولی اللہ محدث از روئے تسلط جنات آں را متروک فرموند، الا جائے قبور ہماں	ان حضرات کی قبریں اس خانقاہ کے اطراف میں دہلی دروازہ، شاہجہاں آباد کے حدود کے باہر، فیروز منارے کے سامنے ہیں اور شاہ رفیع الدین وشاہ عبدالرحیم کے مکانات قدیم زمانہ سے یہی خانقاہ تھی، مگر شاہ ولی اللہ نے جنات کے اثر کی وجہ سے وہاں قیام ترک کر دیا تھا

Marfat.com

ماند[1] مگر قبرستان وہی رہا۔

اس قبرستان کی اہم قبور پر گذشتہ تقریباً سو سال سے کتبے نصب رہے، راقم سطور کی معلومات میں کتبات کی موجودگی کی پہلی اطلاع مولوی محمد اکبر دانا پوری کے سفر نامہ سے ملتی ہے، دانا پوری ۱۸ رجب ۱۳۱۱ھ کو قبرستان مہندیاں حاضر ہوئے، اس وقت حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان والا شان کے مزارات پر کتبات نصب تھے، مولوی محمد اکبر نے ان مزارات کے لوح مزار پر کندہ تاریخیں نقل کی ہیں، مگر ان تاریخوں میں حضرت شاہ رفیع الدین کی تاریخ وفات کے علاوہ جملہ سنین غلط لکھے ہوئے ہیں، یہ کتبات ممتاز علی خاں رئیس میرٹھ نے نصب کرائے تھے۔[2]

مولوی محمد اکبر کے سفر دہلی کے پورے ایک سال بعد مولانا عبدالحئی حسنی رائے بریلوی نے دہلی کا سفر کیا، وہ ۱۸ رجب ۱۳۱۲ھ کو قبرستان مہندیاں پہنچے، اس وقت پر بھی مزارات پر کتبے موجود تھے۔ مگر مولانا عبدالحئی نے کتبات کی تفصیل اور سنین نقل نہیں ہیں۔[3]

اس سفر کے بائیس چوبیس سال بعد جب قبرستان و مسجد مہندیاں کی تجدید و مرمت ہوئی تو یہ پرانے پتھر ہٹا کر نئے لوح مزار نصب کئے گئے، مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے نئے کتبات کا تفصیل سے تعارف کرایا ہے، مولوی صاحب نے پہلے ایک نقشہ دیا ہے جس سے قبروں کی ترتیب معلوم ہو جاتی ہے۔ پھر اس احاطہ قبور میں موجود ایک بڑے کتبہ سے ان افراد کے نام نقل کئے ہیں، جو خاندان ولی اللہ سے نسبی تعلق رکھتے ہیں، اس احاطہ میں مدفون ہیں مگر نسبتہً کم مشہور ہیں، قوسین کی عبارات راقم سطور کا اضافہ ہیں:[4]

۱۔ والدہ ماجدہ حضرت شاہ ولی اللہ (فخر النساء بنت شیخ محمد پھلتی)

۲۔ والدہ ماجدہ حضرت شاہ عبدالعزیز (بی بی ارادت سونی پتی)

۳۔ مولانا مخصوص اللہ صاحب (متوفی ۱۲۷۳ھ صاحبزاد حضرت شاہ رفیع الدین)

۴۔ مولانا محمد موسیٰ صاحب (صاحبزادہ شاہ رفیع الدین دہلوی)

۵۔ مولانا محمد عمر صاحب (متوفی ۱۲۶۸ھ صاحبزاد شاہ محمد اسمٰعیل شہید)

۶۔ دختر مولانا شاہ عبدالقادر (زینب زوجہ مولوی مصطفیٰ حلف شاہ رفیع الدین)

---

[1] قصر عارفاں، مولوی احمد علی خیر آبادی ۲۷۷،۲۷ مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر (اورینٹل کالج میگزین، لاہور)۔ ۱۹۶۵ء۔

[2] سیر دہلی ۴۳،۴۷ (مطبع ریاض ہند، آگرہ، ۱۳۱۱ھ)

[3] دہلی اور اس کے اطراف، مولانا عبدالحئی حسنی ۳۴ (انجمن ترقی اردو، دہلی ۱۹۵۸ء

[4] حضرت شاہ ولی اللہ کے خاندان کے مفصل شجرہ کے لئے ملاحظہ ہو، خاندان ولی اللہ کی زریں شاخیں اور ان کے نسبی سلسلے، از راقم السطور نور الحسن راشد ماہنامہ برہان، جنوری، فروری ۱۹۸۲ء، مشمولہ کتاب حاضر

Marfat.com

۷۔ دختر مولانا شاہ رفیع الدین (غالباً بی بی صفیہ مراد ہوں گے)

۸۔ دختر سیاہ عبدالغنی (رقیہ، زوجہ محمد حسین بن شاہ رفیع الدین یا کلثوم زوجہ مولوی محمد موسیٰ خلف شاہ رفیع الدین)

۹۔ دختر مولوی محمد موسیٰ (فاضلہ)

۱۰۔ زوجہ مولوی مخصوص اللہ (مسماۃ امت العزیز)

۱۱۔ مولانا شاہ عبدالسلام (خلف مولوی محمد موسیٰ صاحبزادہ شاہ عبدالعزیز)

۱۲۔ مولوی سید احمد (ولی اللٰہی خلف سید معز الدین احمد صاحبزادہ مولانا نصیر الدین مجاہد)

۱۳۔ سید رؤف احمد[۱] ؟

بڑے کتبے کے بعد حضرت شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادگان عالی مقام کے مزارات کی عبارتیں نقل کی ہیں، ان نئے کتبات میں تمام سنین وفات صحیح لگے گئےہیں، ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ میں اس قبرستان اور کتبات کو سخت نقصان پہنچا، اس ہنگامہ کے کئی سال بعد کتبات کی تجدید ہوئی، تین چار سال پہلے تک یہ کتبے موجود تھے، راقم سطور بھی اس قبرستان میں کئی مرتبہ فاتحہ پڑھنے کے لئے حاضر ہوا ہے، ایک مرتبہ بعض کتبات کی غلطیوں پر جناب علی محمد صاحب متولی درگاہ کو توجہ دلائی تھی اور موصوف نے تصحیح و ترمیم کرانے کا وعدہ بھی کیا تھا، مگر جناب انور علی صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ ان مزارات سے تمام کتبے و سنین وفات ختم کر دیئے گئے ہیں[۲]، اس خبر سے وابستگان سلسلہ ولی اللٰہی کو جو تکلیف پہنچی ہوگی وہ محتاج بیان نہیں ہے، کچھ عرصہ گذرا قبرستان خاندان ولی اللہ کی زوال پذیر صورت حال پر دہلی کے اردو اخبارات میں مراسلے شائع ہوئے تھے مگر اس پر کوئی توجہ نہیں کی گئی، نئی خبر کتبات ہٹائے جانے کی آئی ہے جو یقیناً خوش آیندا اطلاع نہیں ہے، آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔[۳]

ضرورت ہے کہ اس خاندان خورشید نشان سے محبت و تعلق رکھنے والے اس سلسلہ میں عملی قدم

۱۔ واقعات دارالحکومت دہلی، مولوی بشیر الدین احمد ۵۹۰ جلد ۲ (آگرہ ۱۳۳۷ھ)

۲۔ ماہنامہ برہان دہلی، شمارہ مارچ ۸۳ء ص ۵۵

۳۔ حقیقت یہ ہے کہ جناب علی محمد صاحب متولی درگاہ شاہ ولی اللہ نے اس عظیم آستانہ کی قابل قدر خدمات انجام دی ہیں، یہاں ہمارے فاضل مقالہ نگار کو کچھ غلط فہمی ہوگئی ہے۔ (ادارہ)

Marfat.com

اٹھائیں اور سرمایہ ملت کے ان نگہبانوں کے آثار کی حفاظت پر فوراً توجہ دیں، خدانخواستہ اس قبرستان کا بھی وہی حشر نہ ہو جو دہلی اور مشرقی پنجاب کے اکثر ملی آثار و مزارات و مقابر کا ہو چکا ہے، خصوصاً حضرت شاہ ولی اللہ کے عم بزرگوار حضرت شاہ ابوالرضا محمد اور ان کے خاندانی اعزہ کے قبرستان کا، یہ گورستان دہلی میں بستی حضرت نظام الدین کے قریب واقع تھا، مولف واقعات دارالحکومت لکھتے ہیں:

''اگرچہ آپ کی درگاہ بظاہر کچھ عمدہ نہیں، مگر فیض سے مملو ہے، مکان کو مکین سے شرف ہے، آپ نے ۱۷ محرم ۱۱۰۲ھ کو وفات پائی، آپ کے وصال تاریخ آفتاب حقیقت ہے، علاوہ آپ کے مزار کے اور اس جگہ آپ کے اہل و عیال اور دیگر بزرگوں کی قبریں بھی ہیں۔''[۱]

لیکن اس وقت اس قبرستان کے آثار و نشانات بھی موجود نہیں، اس قبرستان کی زمین پر اد برائے ہوٹل Oberai Intercotinental ہے، جناب امداد صابری نے کل ہندسنی اوقاف کانفرنس دہلی میں دہلی کی وقف اراضی، مزارات و مقابر کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا ہے کہ:

''شاہ ابوالرضا صاحب کے اس مزار پر فلک نما او برائے ہوٹل تعمیر ہو گیا ہے اور ان کے خاندان کے بزرگوں کی قبریں بھی او برائے ہوٹل کے نیچے آ گئی ہیں۔''[۲]

صابری صاحب نے ان صاحب کا نام بھی لکھا ہے جن کی عنایت سے اس قبرستان کا سودا طے ہوا۔[۳]

فالی اللہ المشتکی

(ماخوذ از برہان، جولائی ۱۹۸۳ء)

۱۔ واقعات دارالحکومت دہلی ۶۵۸ ج ۲۔

۲۔ خطبہ استقبالیہ، کل ہندسنی اوقاف کانفرنس، منعقدہ دہلی، دسمبر ۱۹۶۱ء، ۲۲، ۲۳۔

۳۔ خطبہ مذکورہ ۴۶۔

Marfat.com

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

کے کچھ غیر فتاوی اور ایک دستاویز

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور ان کے نامور صاحبزادگان کی تالیفات وتحریرات کے متعدد مستند اور قیمتی نسخے مختلف اشخاص کے نجی ذخیروں اور غیر معروف لائبریریوں میں پائے جاتے ہیں، جو نہ عام طور پر اہل قلم کے علم میں ہیں اور نہ ہی ان کا تعارف ہوا ہے، اس طرح کی بعض چیزیں ہمارے ذخیرہ کتب میں بھی محفوظ ہیں، اس میں سے سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے دو غیر مطبوعہ فتاویٰ اور شاہ صاحب کی مہر اور تحریر سے مزین ایک دستاویز کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

یہ فتاویٰ ایک طولانی کاغذ کی دونوں سمتوں میں لکھا ہوا ہے کاغذ کے بالائی حصہ پر دونوں طرف ایک ایک سوال اور اس کے نیچے جواب تحریر فرمایا ہے، سائل کی تحریر پختہ اور رواں ہے، کاغذ مضبوط مگر کہیں کہیں کرم خوردہ ہے۔

پہلا سوال یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیأ للہ بطور وظیفہ پڑھنے کے متعلق ہے، اس کا بطو روظیفہ ورد صدیوں سے عوام میں معروف ہے لیکن فقہی اعتبار ی اس کی حیثیت آج بھی مختلف فیہ ہے، علماء میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی اسے قطعاً حرام اور اس کے ورد کو ناجائز قرار دیتے ہیں، علمائے متاخرین میں شاہ عبدالغنی مجددیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی، مفتی عزیز الرحمٰن نے بھی یہی نقطہ نظر اپنایا ہے اور احتیاط بھی اسی میں ہے لیکن ماہرین عملیات متعدد علماء اور بعض (مشائخ کلیم اللہ جہاں آبادی مرزا، مظہر جانجاناں، شاہ غلام علی) سے مختلف طریقوں سے اس کی قرات واجازت معمول ومفتول ہے۔[1]

شاہ عبدالعزیزؒ نے اس فتویٰ میں دونوں نظریات کی جامعیت کے ساتھ ترجمانی فرمائی ہے، اس میں فقہا کے مسلک کی پوری پوری رعایت بھی ہے اور عاملین کے لیے چند شرائط کے ساتھ اجازت بھی۔[2]

۱؎ ان فتاوی کا مجموعہ ''فتاویٰ جواز یا شیخ عبدالقادر شیاللہ'' کے نام سے چالیس پنتالیس سال پہلے نولکشور پریس سے شائع ہوا تھا، آج کل نایاب ہے۔

۲؎ مولانا اشرف علی تھانوی کا بھی یہی مسلک ہے کہ ''ایسے امور میں تفصیل ہے، صحیح العقیدہ سلیم الفہم کے لیے جواز کی گنجائش ہوسکتی ہے، تاویل مناسب کر کے اور سقیم الفہم کے لیے بوجہ مفاسد اعتقادیہ وعلمیہ کے اجازت نہیں دی جاتی چونکہ اکثر عوام بدفہم اور کج طبع ہوتے ہیں ان کو علی الاطلاق منع کیا جاتا ہے اور منع کرنے کے وقت اس کی علت اور مدار نہی کو اس لیے نہیں بیان کیا جاتا ہے کہ قیاس فاسد کر کے ناجائز امور کو جائز قرار دے لیں گے (امداد الفتاوی ص ۲۵۱ کراچی)

Marfat.com

دوسرا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں میں عام طور پر استطاعت سے زیادہ مہر مقرر کرنے کا رواج ہے اور اس کی ادائیگی کا دستور نہیں مہر اتنا زیادہ ہوتی ہے کہ اس کی یکمشت ادائیگی کا ارادہ کریں تو دوسرے ضروری اخراجات پورے نہیں ہو سکتے حالانکہ ان اشخاص کے یہاں تمام اسباب تعیش موجود رہتے ہیں اور یہ لوگ پسند نہیں کرتے کہ انہیں غریب کہا جائے یا نذر ومنت کی کوئی چیز انہیں دی جائے، ان پر زکو یۃ اور حج فرض ہے یا نہیں؟ غالباً یہ اس دور کے متوسط طبقہ کا ذکر ہے، جو آج بھی ان ہی حالات کا شکار اور انہی مشکلات و مسائل کا اسیر ہے، اس لیے پونے دو سو سال بعد بھی اس فتویٰ کی اہمیت کم نہیں ہوئی اور آج بھی اس کی اشاعت اسی طرح مفید ہے جیسی اس وقت تھی۔

شاہ عبدالعزیزؒ کا معمول برجستہ اور قلم برداشتہ لکھنے کا تھا، حوالے اور عبارتیں بھی حافظہ ہی کی مدد سے نقل فرماتے تھے، اس لیے ان کی منقولہ عبارات اور اصل متون میں کہیں کہیں فرق نظر آتا ہے، اسی طرح ان فتاویٰ میں منقول عبارتوں اور ان کتابوں کے مطبوعہ نسخوں کی عبارتوں میں معمولی فرق ہے جس کی حواشی میں وضاحت کر دی گئی ہے، لیکن اس معمولی تفاوت سے نفس مسئلہ متاثر نہیں ہوتا۔

سوال نمبر ا

خواندن و ورد داشتن یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیاءً للہ غائبانہ از مزا شریف کہ ظاہر در ایں اعتقاد علم غیب در حق آنجناب لازم می آید، شرعاً چہ حکم دارد و اگر بروقت خواندن ایں کلام معنی ترکیبی ازاں مراد ندار د بلکہ آں را مثل دیگر اسماء متبرکہ عبرانیہ یا سریانیہ کہ ہیچ معنی آں بالفہم خوانندہ نمی آید، اگرچہ ایں معنی مستبعد از ترکیب الفاظ است، دانستہ بخواند سوائے ایں قدر کہ از اعتقاد کردن علم غیب در حق غیر خدا محفوظ ماند و بحسب قواعد شرعیہ باعتبار عظمت خود در الحاح مطالب ہم چیزے مفید است یا غیر مفید؟ و در باب صدور ایں قسم کلمات از[1] حاصل غیر خوانندہ چہ می فرمایند (خواندن نادعلی چہ حکم دارد، و از کدام کس است؟ بینوا توجروا،

ترجمہ سوال یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیأ للہ کا مزار شریف سے غائبانہ پڑھنے اور ورد کرنے کا حالانکہ بظاہر اس سے شیخ جیلانی کے لیے علم غیب کا اعتقاد لازم آتا ہے، شرعاً کیا حکم ہے؟ اور اگر پڑھنے کے وقت

---

[1] یہ لفظ واضح نہیں ہوسکا ہے۔

Marfat.com

اس کے لفظی معنی مراد نہ لیے جائیں اور اس کو عبرانی اور سریانی کے ان اسماء متبرکہ کی طرح سمجھ کر پڑھے جن کے کوئی معنی اس پڑھنے والے کو معلوم نہیں ہوتے، اگرچہ یہ معنی ترکیب الفاظ سے بہت دور ہیں مگر اس سے صرف یہ مراد ہو کہ غیر خدا کے لیے علم غیب کے اعتقاد سے محفوظ رہے اور کیا قواعد شرعیہ اور اپنی عظمت کے لحاظ سے حل مقاصد کے لیے کوئی مفید چیز ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی جاہل اس قسم کے کلمات کہے تو اس کے متعلق علمائے دین کیا فرماتے ہیں؟ اور دعا نادعلی پڑھنے کا کیا حکم ہے اور یہ کس کی طرف منسوب ہے؟

جواب:۔ خواندن مثل ایں کلمات یکے از سہ وجہ تواند، اول آنکہ منادی را علم محیط اعتقاد کند وقادر مطلق بانجاح مطالب گمان بردا وایں وجہ مستلزم کفر است، بسبب شرک، دوم آنکہ چناں بہ سند ارد کہ موکلاں ایں کلام را بگوش روح آں جناب منادی میرسانند و منادی متوجہ بدعا والتجا از جناب حضرت (کنہ؟) کار براری من میفرمایند، چنانچہ از لفظ شیاللہ ہمیں معنی مستفاد میشود وایں بظاہر ہیچ خلل ندارد، درحدیث صحیح آمدہ کہ آنحضرت ﷺ فرمودہ اند

ان اللّٰہ ملکا اعطاہ اللّٰہ، اسماع الخلائق عند قبری یبلغونی السلاممن سلم علی من امتی[1] ونیز در حدیث صحیح آمدہ یعرض علی اعمال امتی فی قبری نان رایت خیر احمدت اللّٰہ وان رائیت شرا استغفرات لَھُم

سیوم: آنکہ خیال اعتقاد کند کہ نام ایں بزرگ بطور ورد میخوانم و ہر چند او نمی شنود وقادر انجاح مطلب من نیست لیکن حق تعالیٰ شنود واو محبوب و مرضی خدا است تعالیٰ بنا بر عنایت خود بحال محبوب او توسل من بآنجناب مطلب من را حاصل خواہد فرمود چنانچہ ندا، پیغمبر را در تشہد از ہمیں باب ساختہ اند السلام علیک

---

[1] یہ حدیث بعینہ ان الفاظ میں ہمیں نہیں مل سکی، لیکن مسند ہزار کی حضرت مدار بن یاسر سے روایت لفظاً و معناً اس کے قریب ہے جس کے الفاظ یہ ہیں ان اللّٰہ و کل بقبری ملکا اعطاہ اللہ السماع الخلایق فلایصلی علی احدالیٰ یوم القیامۃ الا ابلغنی باسمہٖ واسم ابیہ ھذا فلان بن فلان قدصلّی علیك" الترغیب الترہیب (حاشیہ۔ مشکوٰۃ ۲۹۹)۔ اس مفہوم کی صحیح روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ان للّٰہ ملائکۃ سیا حین فی الازض یبلغونی عن امتی السلام رواہ احمد و نسائی والحاکم و ابن حبان، والبیہقی والصحیحین دون قولہ سیاحین زرقانی ج ۳۳۵ طبع اولی

Marfat.com

ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ واین مانند آنست کہ شخصے از طفل لا یعقل امیرے بابا دشاہے چیزے طلب نماید، ہرچند آن طفل، اورانہ فہد ونہ قدرت بر دادن مطلوب دارد لیکن پدر مشفق او مطلب اورا برآرد، بنا بر آنکہ این سوال حقیقتاً ز پدر است نہ از طفل و در حدیث صحیح آمدہ کہ برائے حصول مطالب این قسم دعا بکنید: اللّٰھم انی اتوجہ الیک بینک (محمد و (کذا؟) بنی التوبة انت تفعل بی کذا و کذا ثم یقول یا محمد انی اتوجد بك الی ربك ان تفعل بی کذا او کذا[1] واللہ اعلم،

(مہر) ھو العزالولی الرحیم

ترجمہ جواب:۔ اس طرح کے کلمات کا ورد کرنے میں تین میں سے ایک صورت ضروری ہوتی ہے، اول یہ کہ جس کو آواز دے رہے ہیں اس کے لیے علم محیط کا اعتقاد رکھیں، اور اسے تمام ضرورتوں کا پورا کرنے والا خیال کریں، یہ صورت اپنے مشرکانہ عقیدہ کی وجہ سے کفر ہے،

دوسری صورت یہ ہے کہ پڑھنے والا یہ گمان کرے کہ ان کلمات کے موکل ان الفاظ کو جب منادی شیخ عبدالقادر جیلانی تک پہنچا دیں گے، اور وہ حضرت حق سے دعا اور التجا کر کے میرے مقصد کی کاربر آری فرما دیں گے، لفظ شیأ للہ سے یہی معنی سمجھ میں آتے ہیں، اس صورت میں شرعا کوئی خرابی نہیں ہے، صحیح حدیث میں آیا جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جس سے حق تعالیٰ تمام مخلوق کی آواز میری قبر کے قریب پہنچاتے ہیں اور وہ (فرشتہ) ہر اس کا شخص سلام مجھے پہنچاتا ہے جو میری اُمت میں سے مجھ پر سلام بھیجے، ایک اور صحیح حدیث میں آیا ہے کہ میری امت کے اعمال میرے پاس قبر میں پیش کیے جاتے ہیں اگر وہ اچھے عمل ہوتے ہیں تو میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اگر برے ہوتے ہیں تو ان کے لیے استغفار کرتا ہوں'' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثان میں سے بعض اولیاء کو بھی یہ مقام عطا فرما دیا جائے تو کیا تعجب ہے۔[2]

تیسری صورت یہ ہے کہ پڑھنے والا یہ اعتقاد کرے کہ ان بزرگ کا نام میں وظیفہ کے طور پر پڑھ رہا

---

[1] روی البنراز بسند جید عن ابی مسعودؓ حیاتی خیر لکم و مماتی خیر لکم تعرض علی اعمالکم فما کان من حسن حمدا للہ و ما کان من منی استغفرت اللہ لکم" زرقانی ۷، ۳۳۷،)

[2] رواہ الترمزی ولفظہ اللّٰھم انی اسئلك واتوجہ الیك نبیك محمد نبی الرحمة انی تو جھت بك الی ربی فی حاجتی ھٰذہٖ لتقضی فی اللّٰھم فشفقة فی وقال الترمذی ھذا حدیث حسن صحیح غریب لا تعرفہ الا من ھذا لوجہ ترمذی ۲/۱۹۷ مجتبائی ۱۳۲۸ھ ورداہ ابن ماجہ والحا کم فی مستدرکہ مرقاۃ ملا علی القاری ۲۵۳، امدادیہ، ملتان ۱۳۸۷ھ وراجع کنزالعمال ۱۹۳/ج۱ طبع جدید

Marfat.com

ہوں اگرچہ وہ بزرگ میری آواز نہیں سن سکتے اور نہ ہی میرے مقصد کو پورا کر سکتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ تو سنتے ہیں اور وہ بزرگ خدا کے محبوب ہیں، اللہ کی اپنے محبوب کے حال پر جو عنایت ہے اس کی وجہ سے اس کے وسیلہ اور ان کا ذکر کرنے سے میری مشکل کو آسان فرما دے، جیسا کہ تشہد میں جناب رسول خدا ﷺ کو حرف ندا کے خطب ''السلام علیک ایھا النبی'' کو اسی پر محمول کیا گیا ہے۔

اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص کسی بادشاہ یا رئیس کے ناسمجھ بچے سے کوئی چیز طلب کرے اور وہ بچہ نہ اس چیز کو سمجھتا ہے اور نہ اس کے دینے پر قدرت رکھتا ہے لیکن اس بچہ کا شفیق و فیاض باپ اس سائل کے مقصد کو وہ چیز دے کر پورا کر دیتا ہے یعنی وہ سوال اس بچہ سے نہیں درحقیقت اس کے باپ سے ہے، صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حصول مقاصد کے لیے اس طرح سے دعا کرے، اے اللہ میں آپ سے درخواست کرتا ہوں آپ کے نبی محمد ﷺ نبی التوبہ کے واسطہ کہ آپ میرے ساتھ ایسا ایسا معاملہ فرمائیے، پھر دعا کرنے والا یہ الفاظ کہے اے محمد ﷺ میں آپ کے ذریعہ سے آپ کے رب سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے ساتھ ایسا ایسا معاملہ فرمائے، [1]

سوال نمبر۲

سوال: از بسکہ دیار ھندستان مقرر کردن مہر زیادہ از قدر وسعت رواج عام یافتہ، لیکن آزاں جا کہ مرد و زن ہیچ تفرقہ و تمیز در ماں خود ہا نمی کند بلکہ مرد تمام مال و اسباب خانہ را بہ خود و زن آں ہمہ را نجود نسبت میکند ہیچ خیال و مہم ادا دین مہر در خاطر خطور نمی کنند، پس کسانیکہ، ز ظرف آمدنی و اسباب ایں قدر دسترس دارند کہ جمیع اسباب امارت مثل فیل و اسپ و شتر غیر مہیا می دارند و ورشان تمام صد ہا روپیہ خرچ می سازند فاما ایں قدر نقدی کہ ازاں دین مہر زوجہ ادا کردہ شود، بالفعل جمع نہ دارند، اگر ارادہ ادا این مہر بہ خیال آرند بآمدنی او تا مدت ادا کفل نمی توانند فاما بسبب اینکہ بہ حسب رواج بود[2]...... دین واجب ادائے بخاطر ایشاں نمی گزرد، چیزے زن منع نمی کنند و بلکہ زناں بہم گرفتن مال مہر خود را از شوہر خود کمال خلاف مروت می شمارند، پس شرعاً ایں چنیں اشخاص در باب فضیلت حج و وجوب صدقہ فطر اداشدن زکوٰۃ دیگراں از دادن ایشاں چہ حکم دارند؟ و حال آنکہ دیگراں ایشاں را و ایشاں بخیال خود، خود را امیری دانند، وایں طمع بخاطر خود ندارند و کسے ایشان را بوجہ اللہ چیزے بدھد بلکہ گرفتن چیزے را کہ بطور ہدیہ نباشد بلکہ

۱؎ جواب میں نادعلی پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔

۲؎ لفظ کرم خوردہ ہے

۳؎ یہ لفظ پوری واضح نہیں ہو سکا ہے۔

Marfat.com

بطور نذرانہ باشد اکمل ہتک حرمت خود می دانند بنیوا توجروا۔

ترجمہ سوال: ہندوستان میں وسعت سے زیادہ مہر مقرر کرنے کا عام دستور ہے لیکن ایسی صورت میں جب کہ مرد وعورت اپنے مال میں آپس میں کوئی فرق اور پہچان نہیں کرتے، بلکہ تمام مال اور مکانات کو مرد اپنا اور عورت ان سب کو اپنی ملکیت خیال کرتی ہے اور کبھی کوئی ارادہ وخیال مہر کی ادائیگی کا نہیں کرتے، پس وہ اشخاص جو آمدنی واسباب کے لحاظ سے ایسے باحیثیت ہوں کہ تمام اسباب امارات مثلاً ہاتھی، اونٹ، گھوڑے وغیرہ رکھتے ہوں اور تمام سال میں سیکڑوں ہزاروں روپے خرچ کردیتے ہوں، لیکن اتنی رقم نقد کہ جس سے بیوی کا مہر ادا کیا جاسکے جمع نہیں رکھتے، اور اگر اس مہر کی ادائیگی کا ارادہ کریں تو جب تک مہر ادا کریں اس وقت تک ان کی آمدنی بیوی کے اخراجات کا تکفل نہیں کرسکتی اور یہ عام رواج کی وجہ ہے کہ اس مہر کی ادائیگی کا کسی کو خیال نہیں آتا اور کوئی چیز انہیں اس کے ادا کرنے سے روکنے والی نہیں ہے، بلکہ عورتیں شوہر سے اپنا مہر وصول کرنا بے مروتی سمجھتی ہیں، پس شرعاً ایسے اشخاص پر حج کے فرض صدقہ فطر کے واجب ہونے اور ان کو دینے سے زکوٰۃ کے ادا ہوجانے کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور حال یہ ہے کہ عوام ان اشخاص کو اور یہ خود بھی اپنے کو امیر خیال کرتے ہیں اور اسے پسند نہیں کرتے کہ کوئی شخص انہیں اللہ واسطے کوئی چیز دے اور ایسی چیز کو لینا بھی جو بطور ہدیہ کے نہ ہو بلکہ نذرونیاز کی ہو اپنی سخت توہین سمجھتے ہیں۔

جواب:۔ موافق ظاہر قواعد فقہ ایں قسم دین مانع فرضیت حج و وجوب زکوٰۃ وصدقۃ الفطر و ہیچ گرفتن زکوٰۃ از دیگراں می باشد لیکن از روئے تقویٰ وتورع ادائے حج ودادن صدقۃ الفطر وزکوٰۃ ایشاں را باید کہ بعمل آرند زیرا کہ درصورت مذکورہ زن ہرگز مطالبہ مہر خود نمی کنند واز ادائے آیں دین مخطوط خاطر ایں کس است، پس عنداللہ احتیاط درہمیں است کہ ایں چیز بارادہ انماید وزکوٰۃ دیگران نہ گیرد زیرا کہ ایں دین مانند دین خدا شد اوزکوۃ سالہائے دراز نذر وکفارات ودین خدا منع نمی کند از وجوب ایں چیز ہا درشرح وقایہ میگوید

"ومديون مطالب من عبد بقدر دينه لان ملكه غير فاضل عن الحاجة الا صلية وهى قضاء الدين وانما قيد بكونهٖ مطالباً من عبد......حتى لو كان مطالَبا من الله تعالىٰ لا يمنع وجوب الزكوة مكن ملك نصابا بعضه مشغولاً بدين الله كالنذر ادا الكفارة اوالزكوة يحب فيه الزكوٰة ولا يشترط لوجوب الزكوة فراغة عن هذ الدين "

وفى الفتادى العالمگيرية ومنها القدرة على الزا دو الراحلة بطريق

Marfat.com

الملك او الا جارة[1] تفسير ملك الزاد و الراحلة ان يلون له مال فاضل عن حاجة وهو ما سوىٰ مسكنه و بسه و خدمه و اثاث بيته، قدر مايبلغه انى كمة ذاهباً رجائياً راكباً لا ماشياً وسوى مابقضى به ديونه ويعك نفقه عياله مرمتعسكنه ونحوها الىٰ وقت انصرافه"[2]

فى الدر المختار يجب صدقه الفطر موسعانى العمر كزكوٰة وفيل ميقافى يومر الفطر عينا علىٰ كل مسلم ذى نصاب فاضلٍ عن حاجته الا صلية كدينه و حوائج عياله وان لم نيم وبه يحر مر الصدقة[3]

(مہر) هو العزيز ولى الرحيم

ترجمہ جواب: قواعد شرعیہ کی رو سے اس قسم کا قرض بظاہر وجوب زکوٰۃ اور وجوب صدقۃ الفطر کو مانع ہے اور ایسا قرض ذمہ ہونے کے وقت زکوٰۃ دینی بھی جائز ہوگئی لیکن تقویٰ واحتیاط سے ایسے لوگوں کو چاہیے کہ حج، زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر ادا کریں اس لیے کہ ایسی صورت میں عورت ہرگز اپنے قرض مہر کا مطالبہ نہیں کرے گی اور نہ ہی اس فرض کی ادائیگی اس شخص کے وہم وخیال میں ہے، اس لیے عنداللہ اختیاط اسی میں ہے کہ ان چیزوں، خدا کے قرض حج وزکوٰۃ وغیرہ کو ادا کرے اور زکوٰۃ کی رقم نہ لے اور نہ اپنے خرچ میں لائے اس لیے کہ سب خدا کے قرض کی طرح ہے گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ نذرہ وکفارات اور خدا کا قرض ان چیزوں کے واجب ہونے کو منع نہیں کرتا، شرح وقایہ میں ہے کہ

''اور جس شخص کے ذمہ کسی انسان کا قرض ہو، اس پر بھی حج فرض نہیں، اس لیے کہ اس شخص کی ملکیت رقم ضرورت اصلیہ سے زیادہ نہیں ہے اور وہ ضرورت قرض ادا کرنا ہے، انسان کا مقروض ہونے کی شرط کا اس لیے اضافہ کیا کہ اگر اس کے ذمہ اللہ کا کوئی مطالبہ ہے تو اس مطالبہ کی وجہ سے زکوٰۃ کا وجوب متاثر نہیں ہوگا جیسے کوئی شخص نصاب زکوٰۃ کا مالک ہے اور اس نصاب کی رقم میں سے کوئی نذر یا کفارہ بھی ادا کرتا ہے تو اس رقم میں بھی زکوٰۃ قرض ہے، زکوٰۃ کی فرضیت کے لیے اس قرض خداوندی سے فارغ ہونا شرط نہیں ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ

''حج کے فرض ہونے کی شرطوں میں سے یہ بھی ہے کہ زادِ سفر اور سواری کی استطاعت بھی رکھتا ہو، سواری کا مالک ہو یا سواری کرایہ پر لے سکے، زادِ سفر اور سواری کا مالک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس اپنی ضروریات یعنی مکان ملبوسات خادم اور خادم کے خرچ سے زیادہ اتنا مال ہو جس سے

---

[1] شرح وقایہ بحاشیہ وعمدۃ الرعایہ ص ۲۶۹/ مجتبائی ۱۳۲۷ھ یہ مسلسل عبارت نہیں، درمیان سے چند سطریں شاہ صاحب نے حذف فرمادی ہیں، اس کے بعد عبارت ''تفسیر ملک الزاد والراحلہ'' ہے۔

[2] فتاویٰ عالمگیری ص ۳۰۵ وص ۳۰۶ اول ایشیاٹک سوسائٹی، کلکتہ ۱۲۵۸ھ سے گذشتہ عبارت کی طرح یہ عبارت بھی حذف و اختصار کے بعد نقل فرمائی ہے، تکمیل کے لیے دیکھئے درمختار (برحاشیہ شامی ص ۲۷ وص ۳۲ دوم مجتبائی دہلی ۱۳۸۶ھ)

Marfat.com

سواری کے ذریعہ مکہ کا سفر کرے، پیدل جانے کا اعتبار نہیں، یعنی اگر کوئی بغیر سواری کے پیدل سفر کر سکتا ہے تو وہ شرعاً مکلف نہیں اور یہ تمام رقم قرض کے علاوہ ہو اور یہ شخص کسی کا مقروض بھی نہ ہو اور اس کے پاس اتنی رقم ہو جو حج سے واپس آنے تک اس کے اہل وعیال کے خرچ مکان کی مرمت اور اس طرح کے ضروری اخراجات سے بھی زیادہ ہو۔ درمختار میں ہے کہ ''صدقہ فطر واجب ہے اور اس کے تمام عمر میں کسی بھی وقت ادا کرنے کی اجازت ہے، زکوٰۃ کی طرح کہا گیا ہے کہ صدقہ فطر کی ادائیگی کے لیے عید کا دن معین ہے، ہر آزاد مسلمان پر جو نصاب زکوٰۃ کا مالک ہو اور وہ نصاب اس کے ضروری اخراجات جیسے قرض اور اہل وعیال کے خرچ سے زیادہ ہو اگرچہ نصاب نام ہو اور اس نصاب کا مالک ہونے کی وجہ سے اس کو صدقہ لینا حرام ہے۔ (مہر، ھو العزیز ولی الرحیم ۱۱۸۹ھ)

شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدین کی تصدیق کی ہوئی ایک دستاویز:

یہ دستاویز فارسی میں $44\frac{1}{2}$ طویل اور $33\frac{4}{1}$ سینٹی میٹر جوڑے کاغذ پر نہایت خوبصورت اور جلی قلم سے لکھی ہوئی ہے، دستاویز کے فارسی متن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

''مولانا حکیم محمد عرف شیخ الاسلام کاندھلوی کی جائیداد ان کے صاحبزادگان مفتی الٰہی بخش، مولانا شاہ کمال الدین، مولانا محمود بخشؒ اور مہر النساء کے درمیان تقسیم شدہ نہیں ہے لیکن پروانہ جات صدر الصدور عبدالغنی خاں اور کتاب صاحبان انگریز میں انداز سے سب کے نام الگ الگ لکھ دی گئی ہے، جیسا کہ فرامین میں ہوتا ہے، اس لیے وارثان مولانا شیخ الاسلام میں سے کسی کو بھی ان اندراجات کی وجہ سے کسی خاص زمین پر ملکیت کا دعویٰ نہیں ہے۔

حاشیہ پر اہل معاملہ اور گواہان کے دستخط اور مہریں ثبت ہیں پہلی تحریر اور گواہی شاہ عبدالعزیز کی ہے، تحریر فرماتے ہیں:۔

''باقرار مقرین مذکورین بالا بمواجہہ مہر نمودہ شد'' مہر ہو العزیز الولی الرحیم، دوسری شہادت شاہ رفیع الدینؒ نے ان الفاظ میں ثبت فرمائی ہے:

''فقیر رفیع الدین بریں مضمون مطلع است'' مہر رفیع الدرجات ذوالعرش (۱۱۹۲ھ) اس کے بعد مفتی الٰہی بخش، مولانا شاہ کمال الدین، مولانا محمد بخش مولانا حکیم محمد اشرف کی مہریں اور دستخط ہیں، یہ تحریر ۱۴ ربیع الثانی ۲ جلوس محمد اکبر شاہ بادشاہ مطابق ۱۲۲۹ھ/ ۱۶ اپریل ۱۸۱۴ء کو لکھی گئی،

(ماخوذ از معارف جون ۱۹۷۹ء)۔

Marfat.com

مقالات پروفیسر محمد عضد الدین خان

استاد شعبۂ سنی دینیات
مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مشمولہ معارف (دارالمصنفین، اعظم گڑھ)
(و) برہان (ندوۃ المصنفین، دہلی)

Marfat.com

تفسیر فتح العزیز

چند حقایق کی روشنی میں

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے علمی کارناموں میں ان کی تحفہ اثنا عشریہ اور تفسیر فتح العزیز دو اہم تصانیف خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اول الذکر اپنے موضوع پر یقیناً حرف آخر ہے اور اس لحاظ سے شاہ صاحب کا اہم ترین کارنامہ ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ان کی تفسیر بھی انتہائی علمی اہمیت کی حامل ہے بلکہ ایک لحاظ سے تحفہ سے بھی اہم ہے شاہ صاحب کی گوناگوں علمی وادبی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ اسی تفسیر سے ہوتا ہے، وہ اس تفسیر میں بیک وقت نحوی بھی نظر آتے ہیں اور متکلم بھی، محدث بھی اور صوفی بھی، فقیہ بھی اور ادیب بھی، اس کے علاوہ اس تفسیر میں نظم قرآنی اور دوسرے تفسیری نکات جتنے خوبصورت پیرائے میں ملتے ہیں، شاید ہی کسی ہندوستانی تفسیر میں اس وقت تک بیان کیے گئے ہوں، اسی لیے خود شاہ عبدالعزیز صاحب بھی اس معرکۃ الآرا تفسیر پر فخر و مسرت محسوس فرماتے تھے چنانچہ اپنے شاگرد مرزا حسن علی محدث کے ایک خط کے جواب میں جو اصل میں تحفہ اثناء عشریہ کے معترضین کے جواب کے سلسلے میں تھا، تحریر فرماتے ہیں:

> ......ومعہذا جائے طعن معاندان و حاسدان وقتے متوجہ فقیر می تواند شد کہ ایں فقیر دعوی تصنیف ایں کتاب موجب افتخار خود دانستہ تقریراً و تحریراً بقلم زبان یا زبان قلم کردہ باشد معلوم است کہ ایں کتاب را تصنیف حافظ غلام حلیم ابن شیخ قطب الدین احمد ابن شیخ ابوالفیض نوشتہ ام اگر منظور دعوے نسبت ایں کتاب بخود می بود چرا اینقدر را خفا بنامہاے غیر معروف بعمل می آوردم بلکہ حالاً ہم ہرگز بہ نسبت ایں کتاب بطرف خود خوش نمی شوم آرے اگر تفسیر فتح العزیز و امثال ایں تصانیف

Marfat.com

راا گر بہ فقیر نسبت کنند موجب شادمانی خاطر میگردد۔[1]

ان کی اس اہم تفسیر کے سلسلے میں دو متضاد روایات ملتی ہیں، بعض روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ تفسیر مکمل نہیں کی تھی، اور بعض شواہد سے اس کا قوی گمان ہوتا ہے کہ یہ تفسیر اگر لکھی گئی تو مکمل ہی لکھی گئی، اس مضمون میں اصل حقیقت کی تلاش کی کوشش کی گئی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب نے یہ تفسیر ۴۹ برس کی عمر میں ۱۲۰۸ھ مطابق ۱۷۹۳ء میں لکھی، یہ وہ زمانہ تھا جب شاہ صاحب متعدد موذی امراض کا شکار ہو چکے تھے، اور ان کی بصارت بھی تقریباً جاتی رہی تھی، جب کہ انھوں نے خود تفسیر کے مقدمے میں تحریر فرمایا ہے، تفسیر لکھنے کا سبب خود شاہ عبدالعزیز صاحب کے بیان کے مطابق مولانا شاہ فخر صاحب کے مرید شیخ مصدق الدین عبداللہ کی خواہش اور ان کا شوق تھا، چونکہ بصارت اس وقت تقریباً زائل ہو چکی تھی اس لیے تفسیر کو خود لکھنے کے بجائے املا فرمایا فرمایا تھا۔[2]

یہ تفسیر غیر مکمل پائی جاتی ہے یعنی اس میں صرف سورۂ فاتحہ اور سورہ بقرہ کی شروع کی ۱۸۴ آیتوں ''وان تصو مواخیرلکم ان کنتم تعلمون'' تک کی تفسیر ہے جو سوا پاروں سے کچھ زائد پر مشتمل ہے، اس کے بعد آخر کے دو پاروں کی تفسیر ہے، جو متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔

اس سلسلے میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا شاہ صاحب نے صرف اتنی ہی تفسیر لکھی تھی، یا پورے قرآن شریف کی؟ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ شاہ صاحب نے صرف اتنی ہی تفسیر لکھی جتنی کہ آج مطبوعہ شکل میں موجود ہے،

اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ صرف اتنی ہی تفسیر قلمی یا مطبوعہ شکل میں ملتی ہے، اور یہ گمان ۔۔۔ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے پوری تفسیر لکھی تھی جس کا بیشتر حصہ کسی وجہ سے ضائع ہو گیا، کیونکہ ان کی کوئی اور تصنیف ضائع نہیں ہوئی، ایسی حالت میں صرف اسی تفسیر کے حصوں کا ضائع ہو جانا قرین قیاس نہیں ہے، اس کے علاوہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مختلف تذکرہ نگاروں نے بھی عام طور پر یہی لکھا ہے کہ یہ تفسیر نامکمل رہی، چنانچہ مولوی رحمٰن علی (۱۲۴۴ھ۔ ۱۳۲۵ھ) نے اپنی کتاب تذکرہ علمائے ہند میں بھی یہی لکھا ہے۔

مقالات طریقت میں بھی جو شاہ صاحب کے حالات میں اہم تذکرہ ہے، صراحت سے مذکور ہے کہ شاہ صاحب اپنی زندگی میں اس تفسیر کو مکمل نہ کر سکے، اس لیے ان کے شاگرد مولانا حیدر علی فیض آبادی (ف ۱۲۹۹ھ) صاحب منتہی الکلام نے نواب سکندر بیگم والیہ بھوپال کی خواہش پر اس کو ستائس جلدوں میں مکمل کیا،

۱۔ مجموعہ فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۱۳۷، ۲۔ تفسیر فتح العزیز (مقدمہ) ص ۳

Marfat.com

صاحب مقالات طریقت کا کہنا ہے کہ انھوں نے خود اس تفسیر کو دیکھا ہے۔[۱]

مگر یہ عام خیال کہ شاہ صاحب نے صرف اتنی ہی تفسیر لکھی جتنی آج مطبوعہ شکل میں موجود ہے، مندرجہ ذیل وجوہ سے بہت کمزور اور مشتبہ معلوم ہوتا ہے۔

(۱) شاہ عبدالعزیز صاحب کی مختلف عبارات سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی تھی، ان کے فتاوی میں جابجا ایسی سورتوں کی تفسیر کے حوالے ملتے ہیں جو اس وقت قلمی یا مطبوعہ شکل میں نہیں پائے جاتے، مثلاً یہاں چند عبارتیں نقل کی جاتی ہیں، ایک جگہ تفسیر کے سلسلے میں پوری بات لکھنے کے بعد یہ لکھتے ہیں:

......"نقلاً عن مسودة فتح العزیز — فتح العزیز کے مودہ سے یہ عبارت نقل ہے
فی سورۃ آل عمران قوله تعالیٰ — جو سورۂ آل عمران کی تفسیر میں آمنا باللہ
قل اٰمنا باللّٰہ وما انزل علینا فقط[۲] — وامـا انـزل علیـنـا کے تحت مذکور ہے

ایک دوسری جگہ یہ عبارت ملتی ہے:

"وایں فقیر در تحت آیت اولئك یو تون اجر ھم مرتین[۳] تحقیق نفیس نوشتہ کہ ایں وقت نقل آں بسبب دور افتادن مسودات متعذر است۔[۴] "

ایک جگہ سورہ حدید کی آیت ھو الذی خلق السموٰات والارض فی ستة ایام کی تفسیر کے سلسلے میں رقمطراز ہیں:

"چنانچہ تفصیل آن دفعات در سوۂ سجدہ مذکور است و در تفسیر فتح العزیز شرح آں بوجہ مستوفی مذکور شد چوں ایں وقت حواس درست نبود نقل از مسودات آن ممکن نشده[۵] "

اسی طرح فتاوی کی دوسری جلد کے صفحہ ۳۴ پر یہ عبارت ملتی ہے:-

من تفسیر فتح العزیر فی سورۃ النساء — تفسیر فتح العزیز میں سورۂ نساء کی آیت

---

۱ مقالات طریقت از عبدالرحیم ضیا، آباد ۱۲۹۲ھ ص ۳۳۔ راقم الحروف کو حیدر علی صاحب کی تفسیر کی یہ تمام جلدیں دستیاب نہ ہو سکیں صرف آصفیہ لائبریری، حیدرآباد میں اس کے چند اجزاء ملے جن میں کسی طرح کا مقدمہ یا کوئی ایسی عبارت نہیں ہے جس سے اندازہ ہو سکے کہ یہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی تفسیر کا تکملہ ہے۔

۲ فتاوی عزیزی ج دوم (مجتبائی پریس، دہلی ۱۳۱۴ھ) ص ۴۹

۳ یہ آیت سورہ قصص یعنی بیسویں پارے میں ہے۔

۴ فتاوی عزیزی ج دوم ص ۶۱

۵ ایضاً

Marfat.com

تحت قولہ تعالٰی کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا لیذوقوا العذاب	کلما نضجت جلودھم بدلناھم جلوداً غیرھا لیذوقوا العذاب کی تفسیر کے تحت (لکھا ہے کہ)

اس کے دوسرے صفحے پر یہ عبارت ملتی ہے:

"ایضاً منھا (ای من تفسیر فتح العزیز) من سورۃ الصافات من باب اسرار لقصص تحت قولہ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم لھم المنصورون۔۔۔سنفصل لك تفصیلا لا بقافی تفسیر سورۃ الزخوف ان شاء اللّٰہ تعالٰی	اور یہ عبارت بھی تفسیر فتح العزیز کی سورۃ الصافات میں اسرار القصص کے ذکر میں قرآن شریف کی آیت ولقد سبقت الخ کی تفسیر سے ماخوذ ہے اور ان شاء اللہ تعالٰی اس امر کی مناسب تفصیل سورہ زخرف کی تفسیر میں بیان کروں گا۔

اس کے علاوہ انہی فتاوی کے صفحہ ۳۶ پر مندرجہ ذیل عبارت ملتی ہے:

من تفسیر فتح العزیز تحت قولہ تعالٰی ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ فان قلت ما السرفی ان الادعیۃ الواردۃ فی الکتاب العزیز کلھا مصدررۃ بقولہ ربنا الا نادراً	تفسیر فتح العزیز میں آیت ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر یہ خیال ہو کہ کیا وجہ ہے کہ قرآن شریف میں بعض کو چھوڑ کر جتنی دعائیں ہیں سب ربنا سے شروع ہوتی ہیں......

یہ بات عجیب ہے کہ اس وقت تفسیر فتح العزیز کا جو حصہ مطبوعہ شکل میں ملتا ہے وہ مذکورۂ بالا آیت یعنی ربّنا الخ سے سولہ آیت پہلے ختم ہوجاتا ہے، یعنی اس وقت مطبوعہ تفسیر میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۸۴ تک کی تفسیر ہے اور یہ آیت اس تفسیر کی آخری آیت سے سولہ آیتوں کے بعد ملتی ہے۔

مذکورۂ بالا عبارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے یقیناً تفسیر فتح العزیز مکمل کر لی تھی، اسی لیے انھوں نے اس کے حوالے اپنے خطوط میں لکھے ہیں جو آج فتاوی کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں۔

فتاوی عزیزی کی مندرجہ بالا عبارات کی تصدیق ایک دوسری کتاب سے ہوتی ہے جس کا نام ہے

Marfat.com

افادات عزیزیہ [1]۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شاگردشارہ رفیع الدین مرادآبادی نے مختلف قرآنی موضوعات پر شاہ عبدالعزیز صاحب کے خیالات کو خود شاہ عبدالعزیز صاحب کی زندگی ہی میں ایک جگہ کتابی صورت میں جمع کیا تھا، جس کا نام انھوں نے ''افادات عزیزیہ'' یہ رکھا تھا، یہ خیالات زیادہ تر خود شاہ صاحب کی ہی عبارت میں تھے، جو انھوں نے شاہ رفیع الدین صاحب کو خطوط کی شکل میں لکھے تھے، اس کتاب کے مقدمے میں یہ عبارت ملتی ہے:

''فرید دہر و وحید عصر......شاہ عبدالعزیز سلمہ اللہ تعالیٰ......تفسیری مسمے بفتح العزیز تالیف نمودہ و ہنوز مسودات آں بہ بیاض نہ رسیدہ و تحقیقات بسیار و لطائف بیشمار دراں محرشدہ لیکن پنج علم با استقلال باں مخصوص است اول عنوانات سور و ضبط مضمون ہر سورہ اجمالاً، دوم ربط آیات بعضہا مع بعض، سوم متشابہات القرآن، چہارم اسرار القصص والاحکام، پنجم لطائف نظم قرآن، و مصنف سلمہ اللہ تعالیٰ بفقیر محمد رفیع الدین جستہ جستہ نمونہ از ہر پنج علم در مکاتیب نوشتہ و بعض سوالہا کہ فقیر از ان استفسار نمودہ جوابہا آں در مکاتیب نوشتہ اند، ہمہ آنرا دریں اوراق نقل کردہ شد۔''

مندرجہ بالا عبارت سے اس بات کا اندازہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے پورے قرآن کی تفسیر لکھی تھی، ورنہ شاہ رفیع الدین صاحب اس کا ضرور ذکر فرماتے، یا کم از کم تفسیر کے متعلق وہ الفاظ رکھتے جو انھوں نے لکھے ہیں، اس کے علاوہ خود اس کتاب میں شاہ عبدالعزیز صاحب کی تفسیر کی ان سورتوں کی تفسیر کے حوالے ملتے ہیں جو آج کل قلمی یا مطبوعہ شکل میں موجود نہیں ہیں جن سے اس کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے کہ شاہ صاحب نے تفسیر یقیناً مکمل کر لی تھی، اس کتاب کی اکثر عبارتیں عربی میں ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ غالباً شاہ عبدالعزیز صاحب نے شاہ رفیع الدین صاحب کو جو خطوط لکھے تھے وہ عربی میں تھے، اسی لیے انھوں نے تفسیر فتح العزیز سے ضروری مقامات کا ترجمہ یا خلاصہ عربی ہی میں دیا ہے، اس کتاب کو دیکھنے سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ تفسیر فتح العزیز شاہ عبدالعزیز صاحب کی وفات سے پہلے یعنی ۱۲۰۸ھ کے قریب مکمل ہو چکی تھی،

---

[1] مولانا نسیم احمد فریدی امروہی صاحب نے اس کتاب کا نام ''اسولہ واجوبہ'' تحریر فرمایا ہے۔ (ملاحظہ ہو ان کا مضمون سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (الفرقان مئی ۱۹۶۷ء) حالانکہ اس کا اصل نام افاوات عریزیہ ہے، انھوں نے اس نسخہ کو مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں بھی بتلایا ہے، شاید دونوں کے سلسلے میں مولانا کو تسامح ہوا، دارالعلوم ندوہ کے کتب خانے میں جہاں سے مولانا نے عبارت لی ہے، اس کے دو نسخے اسی افادات عزیزیہ کے نام سے موجود ہیں۔

Marfat.com

اس لیے کہ افادات عزیز کے مرتب شاہ رفیع الدین صاحب کا انتقال ۱۲۱۸ھ یا ۱۲۲۳ھ[1] میں ہوا ہے،
اور خود اس کتاب کے اندر، ایک دو جگہ جو تاریخیں ملتی ہیں، مثلاً ۲۸ صفر ۱۲۱۵ھ یا جمعہ ۱۹ صفر
۱۲۱۵ھ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تفسیر ۱۲۱۵ھ سے پہلے مکمل شکل میں تحریر ہو چکی تھی، جبھی شاہ صاحب ان
کے حوالے ۱۲۱۵ھ کے خطوط میں دیتے ہیں۔[2]

اس کے علاوہ ایک اور قدیم اور نایاب تذکرہ یعنی مقالات طریقت کی روایت سے بھی اس کی
تصدیق ہوتی ہے کہ شاہ صاحب نے پوری تفسیر لکھی تھی۔ مقالاتِ طریقت میں صفحہ ۳۲ یہ عبارت ملتی ہے:

"حاجی محمد حسین صاحب سہارنپوری سلمہ اللہ تعالیٰ مولوی نور اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ
حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی ایک تفسیر تمام قرآن مجید کی اکبر آباد کے قاضی کے یہاں
موجود ہے مگر وہ چھپی نہیں۔"

یہ ہیں دو طرح کی متضاد روایات جن سے ایک طرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے پورے
قرآن مجید کی تفسیر بلکہ شروع کے سوا پاروں کے قریب اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر لکھی اور دوسری طرف
چند روایات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے یقیناً پورے قرآن شریف کی تفسیر لکھی

۱؎ انکی تاریخ وفات میں اختلاف ہے تذکرہ علمائے ہند میں ۱۲۱۸ھ اور نزہتہ الخواطر میں ۱۲۲۳ھ ہے۔

۲؎ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی صاحب نے اپنے حالیہ مضمون "سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ملفوظات"
میں جو جولائی کے الفرقان شائع ہوا ہے ملفوظات کے مندرجہ ذیل قطعے سے عجیب وغریب نتیجہ نکالتے ہیں۔ وہ قطعہ یہ ہے:۔

جامع علم و عمل ، شیخ الوری عبدالعزیز — آنکہ او اندر جوانی کار پیراں می کند

بسکہ استمداد دارد از سحاب معنوی — بحرِ مواجے است چوں تفسیر قرآن میکند

اس قطعہ کا ترجمہ لکھنے کے بعد مولانا لکھتے ہیں۔ اس قطعہ سے معلوم ہوا کہ آپ نے تفسیر فتح العزیز جوانی کے زمانے میں لکھی
تھی۔ (الفرقان جولائی ۱۹۶۷ء ص ۳۰)۔ پتہ نہیں مولانا نے آخری مصرعے سے تفسیر فتح العزیز کی تصنیف کا نتیجہ کیسے نکالا،
اس کا مطلب بالکل واضح ہے کہ جب قرآن شریف کی تفسیر بیان فرماتے ہیں تو گویا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر معلوم ہوتے ہیں،
اس سے بیان تفسیر مراد ہے نہ کہ تصنیف، اگر مولانا کی رائے مان لیجائے تو شاہ عبدالعزیز صاحب نے خود مقدمے میں جو سنہ
تالیف یعنی ۱۲۰۸ھ دیا ہے، غلط ہو جائے گا اور مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کی یہ بات بھی غلط ہو جائے گی کہ شاہ صاحب
نے تفسیر لکھی جو ابھی بیاض تک نہیں پہنچی ہے، شاہ رفیع الدین صاحب نے ۱۲۰۳ھ میں سفر حرمین سے واپسی کے بعد افادات
عزیزیہ کی ترتیب ۱۲۱۵ھ کے بعد کی ہے، اگر انھوں نے جوانی ہی میں اسے تحریر فرمایا تھا تو اس وقت تک تو پوری تفسیر شائع ہو
جانی چاہیے تھی جس طرح تحفہ خود شاہ صاحب کے زمانے میں شائع ہوگئی۔ اس کے علاوہ جوانی میں اگر تفسیر لکھی جاتی تو اس
کے مقدمے میں صحت کی خرابی مختلف بیماریوں کی وجہ سے سخت ذہنی انتشار کا اس قدر ذکر نہ فرماتے، اس لیے اس طرح کے
نتائج نکالنے میں احتیاط کرنی چاہیے۔

Marfat.com

تھی، یہی نہیں بلکہ ایک ہی کتاب میں دو طرح کی باتیں ملتی ہیں، مثلاً مقالات طریقت میں ایک روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے تفسیر مکمل نہیں کی تھی، اور مولانا حیدر علی فیض آبادی نے اس کا تکملہ کیا، دوسری طرف یہ روایت ہے کہ اکبر آباد کے قاضی کے یہاں پورے قرآن مجید کی تفسیر موجود ہے، مگر وہ چھپی نہیں؟ آخر یہ تضاد کیوں اور کیسے ہوا؟ اور ان متضاد روایات میں کس کو صحیح سمجھا جائے، اور ان میں کس طرح تطبیق دی جائے؟

اس سے پہلے کہ ہم اس تضاد کے وجوہ اور تطبیق کی صورتوں پر غور کریں، ایک اہم سوال کا جواب دینا ضروری ہے، وہ یہ ہے کہ اگر شاہ صاحب نے پوری تفسیر لکھی تو کیا ان کی مکمل تفسیر کا کوئی مطبوعہ یا قلمی نسخہ اس وقت کہیں پایا جاتا ہے؟ راقم الحروف کو ہندوستان کے بیشتر مشہور کتب خانوں کو دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، مگر کسی میں مکمل تفسیر نہ مل سکی، البتہ دو چیزیں ایسی ملیں جو شاہ صاحب کی تفسیر سے متعلق ہوسکتی ہیں، پہلی چیز ایک تفسیر کے چند صفحات ہیں جو قلمی شکل میں کتب خانہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ (ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحب سابق ناظم ندوۃ) کے کتب خانے نمبر ۲۷۷ کے تحت موجود ہیں، جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے نام سے منسوب ہے، یہ سورہ مائدہ کی تیسری آیت سے ۳۷ ویں آیت تک کی تفسیر پر مشتمل ہے، اور مخطوطہ کے آخر میں یہ عبارت درج ہے:۔

''تمام شد تفسیر چند آیات سورہ مائدہ تصنیف شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہشتم جمادی الاول روز پنجشنبہ در لکھنو، در عمل نصاری ۱۲۷۷ھ، الحمد للّٰہ رب العلمین صلوٰۃ اللّٰہ وسلامہ علی محمد خیر خلقہ واصحابہ اجمعین۔''

دوسری چیز ایک مطبوعہ تفسیر تفسیر عزیزی المعروف بہ وعظ عزیزی ہے یہ تفسیر مجھے اپنے ایک محترم بزرگ مولانا مسیح الزماں صاحب قاسمی کے ذاتی کتب خانہ میں ملی ہے جو سورۃ المومنون سے لیکر سورۂ یٰسین تک کی فارسی تفسیر اور ۲۵۹ صفحات پر مشتمل ہے، یہ کتاب مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوئی ہے، مگر سنہ طباعت درج نہیں ہے، البتہ کتاب کے مقدمے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تیرہویں صدی ہجری کے نصف آخر میں شائع ہوئی ہے، اس وعظ کے مرتب شاہ صاحب کے ایک شاگرد مولانا ابو الفرید امام الدین[1] صاحب ہیں، چنانچہ شروع میں اپنے حالات اور شاہ صاحب سے اپنا تلمذ اور شاہ صاحب کے سلسلے میں ایک مثنوی لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

[1] مولانا سید عبدالحئی لکھنوی صاحب نزہۃ الخواطر میں ان کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں کہ شاہ صاحب کی نسبت کی وجہ سے ان کا لقب بھی حجۃ اللہ پڑ گیا تھا، اس لیے کہ شاہ صاحب کو اس وقت لوگ حجۃ اللہ کہا کرتے تھے، (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر (جلد ہفتم ۷۵، ۷۶) ان ہی امام الدین صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی بہت سی شاہ صاحب کی کتابیں رضا لائبریری رام پور میں موجود ہیں۔

Marfat.com

وحدیث می فرمودہ در ربط سور و آیات بیک دگر بصد ہزار نکات بتوضیح تام دلنشین ہر خاص و عام شدی و اسرار احادیث علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام بتشریح تمام مفہوم ہر وضیع و شریف گشتہ، بندہ بہ تحریر تقریر دلپذیرش کمر ہمت چست بربستم و بایں سعادت عظمیٰ از سورہ مومنون تا والصافات بہرہ ور گشتم، چوں کل امر مرہون باوقاتہا در سنہ یک ہزار و دو صد و پنجاہ و نہ ہجری مسودہ مذکورہ را نظر ثانی نمودم و مرۃ بعد اولے بہ تسویدش زنگ حسرت از دل احبا زدودم، ابیات

شنیدم آنچہ در ہر درس تقریر — نمودم جستہ اللہ تحریر

ندارم خواہش اجرت من از کس — امید اجر دارم از خدا بس

اس کتاب کو دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ درحقیقت یہ شاہ صاحب کے درس کے نوٹ ہیں، جنھیں امام الدین صاحب نے دوران درس میں قلمبند کیا ہے، اس وجہ سے مفصل نہیں ہے مگر انداز بالکل وہی ہے، جو تفسیر فتح العزیز کا ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ فتح العزیز مفصل ہے اور مستقل تصنیف اور وعظ عزیزی ان کے درس کا خلاصہ ہے۔

''وعظ عزیزی'' میں ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ فتاوی عزیزی میں جو عبارتیں تفسیر فتح العزیز سے متعلق ملتی ہیں، جن میں سے چند کا ذکر ہم نے شروع میں کیا ہے، وہ عبارتیں اس وعظ عزیزی سے ماخوذ نہیں ہیں، گو وعظ عزیزی میں بھی بعض اس طرح کی باتیں ملتی ہیں مگر بہت مختصر اور الفاظ بھی بالکل مختلف ہیں، اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عبارتیں اسی سے لی گئی ہیں،

اس سے ایک نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ شاہ صاحب نے غالباً اپنے درس میں پورے قرآن مجید کی تفسیر فرما دی تھی جس کا ایک حصہ امام الدین صاحب نے قلمبند کر لیا تھا، جو شائع ہو گیا ہے۔

ممکن ہے ان کے شاگردوں میں سے کسی اور نے بھی اس طرح سے درس کے نوٹ لیے ہوں، اس کے بعد شاہ صاحب نے پورے قرآن مجید یا کم از کم اس کے زیادہ حصے کی تفسیر درس میں یا وعظ میں فرما دی ہو تو یہ بات قرین قیاس ہے کہ بعد میں لوگوں کے اصرار پر اسے املا بھی کرا دیا ہو جبکہ واقعہ بھی ہے کیونکہ تفسیر فتح العزیز جو اس وقت مطبوعہ شکل میں موجود ہے، وہ[1] املا ہی ہے۔

---

[1] پروفیسر خلیق احمد نظامی صاحب تاریخ مشائخ چشت میں صفحہ ۴۹۲ پر فرماتے ہیں کہ ''مسلم یونیورسٹی لائبریری کے ذخیرہ سر شاہ سلیمان میں ''تفسیر عزیزیہ کا ایک قلمی نسخہ (مکتوبہ ۱۲۴۹ھ) ہے، شیخ مصدق الدین جو شاہ فخر صاحب کے مرید تھے، شاہ عبدالعزیز صاحب کے درس تفسیر میں شریک ہوتے تھے اور جو کچھ سنتے تھے ''لفظ بلفظ اورا در سلک تحریر کشیدند'' (ص ۲) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے جب اس مجموعہ کو ملاحظہ فرمایا تو ایک مقدمہ لکھا'' پتہ نہیں پروفیسر نظامی صاحب نے یہ کیسے نتیجہ نکالا کہ شیخ مصدق الدین صاحب جو کچھ شاہ صاحب کے درس میں سنتے تھے اس کو لکھتے گئے اور بعد میں اس مجموعے کو دیکھ کر شاہ صاحب نے اس پر مقدمہ لکھ دیا، حالانکہ خود اس مخطوطہ میں اور اس طرح اور تمام مطبوعہ نسخوں میں لفظ بلفظ اورا در سلک تحریر کشیدند سے پہلے یہ عبارت بھی موجود ہے --- ''تفسیرے بلغت فارسی بحسب روزمرہ متعارف ایں دیار و استعمال تمثیلات رائج، ایں روزگار و حذف تطویلات لا طائل اہل عربیت و اسقاط توجیہات بعیدہ مبینہ بر روایات بے وثاق املا نمود آں برادر دینی لفظ بلفظ اورا در سلک تحریر کشیدند، نظامی صاحب کو شاید اس سلسلے میں سہو ہوا۔

Marfat.com

اب آیئے خود تفسیر فتح العزیز کے مقدمے کو دیکھیں، اس مقدمے میں شاہ صاحب حمد وثنا اور اپنا تعارف جیسا کہ کتاب کے شروع میں لکھا جاتا ہے، کرنے کے بعد یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

''در سنہ یک ہزار و دو صد و ہشت از ہجرت مقدسہ نبویہ علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ و الف الف تحیۃ بجاذبہ شوق و داعیہ عزم برادر دینی [1] جوہر نتیجہ حق گزینی سالک راہ خدا جوئی ملازم طریقہ صدق گوئی مقبول جناب عالی قباب خلائق مآب مولانا و بالفضل اولانا فخر الملۃ والدین محمد قدس سرہ الامجد شیخ مصدق الدین عبداللہ فقہ اللہ لما یحبہ و یرضاہ۔۔۔ کہ اولاً برائے ایضاح معانی سورۂ فاتحہ الکتاب و دو سیپارہ آخرین از حضرت قرآن مجید نفعنا اللہ بآیاتہ فی الدنیا و آلاخرہ کہ اکثر مسلمین در صلوٰۃ خمسہ و جمعہ جماعات و محاضر ارواح مقدمہ انبیاء و اولیاء و زیارت قبور صلحا و عرفا بتلاوت ایں سورہا تشریف و استعادی نمایند و تعطش بدریافت مضامین آنہا بہم میرسانند و ثانیاً باستیاف از سورہ بقرہ کہ بحکم:

شربت الحب کأساً بعد کأسٍ　　فما نَفِذَ الشرابُ ولا رویتُ

مزید رغبت بحل حقایق و دقایق کلام الٰہی قرار دادہ اند تفسیرے بلغت فارسی بحسب روزمرہ متعارف ایں دیار و استعمال تمثیلات رائج ایں روزگار و حذف تطویلات لاطائل عربیت و اسقاط توجیہات بعیدہ مبینہ بروایات بے وثاق املا نمود۔''

اگر مقدمے کی مندرجہ بالا عبارت کو صحیح مان لیا جائے تو اس سے دو اہم نتائج نکلتے ہیں (۱) مقدمہ اس وقت لکھا گیا ہوگا جب تفسیر موجودہ صورت میں لکھ کر تیار ہو گئی ہوگی (۲) کم از کم سورہ بقرہ کی تفسیر مکمل لکھی گئی ہوگی۔

مگر عجیب اتفاق ہے کہ تفسیر فتح العزیز کے پہلے حصے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی صورت نہیں ہے، اس لیے کہ یہ تفسیر سورہ بقرہ کے ۲۳ ویں رکوع کی دوسری آیت کی تفسیر کرتے کرتے اچانک ختم ہو جاتی ہے، حتی کہ آخری جملہ بھی مکمل نہیں ہو سکا، وہ آخری اور نامکمل جملہ یہ ہے:

''و در ترمذی و نسائی و دیگر کتب معتبرۂ حدیث از آنحضرت صلعم روایت آوردہ کہ حق تعالیٰ حضرت

---

[1] نظامی صاحب مشائخ چشت میں اسی صفحہ پر مذکورۂ بالا سطور کے بعد یہ تحریر فرماتے ہیں: اس میں ایک جگہ مصدق الدین کی شاہ فخر صاحب سے نسبت ارادت کا ذکر کرتے ہیں تو اس طرح نام لیتے ہیں: برادر دینی جوہر۔۔۔حق گزینی، سالک راہ خدا جوئی، ملازم طریقہ صدق گوئی مقبول جناب مولانا عالی جناب خلایق مآب و بالفضل اولانا فخر الملۃ والدین محمد قدس سرہ الامجد، اس سلسلے میں بھی غالباً نظامی صاحب کو غلط فہمی ہوئی، اس لیے کہ برادر دینی سے صدق گوئی تک کی عبارت شیخ مصدق الدین صاحب کی تعریف میں ہے، اس کے بعد مولانا عالی قباب سے شاہ فخر صاب کی نسبت کا ذکر ہے، اصل مسودہ میں عبارت ''مقبول جناب مولانا عالی قباب'' ہے نہ کہ ''عالی جناب''

Marfat.com

یحییٰ پیغمبر را پنج چیز حکم فرمودہ بود کہ خود ہم بداں عمل نمایند و بنی اسرائیل را نیز بفرمانید تا موافق آں عمل کنند، حضرت یحییٰ علیہ السلام بنا بر تمرد بنی اسرائیل در اظہار آں احکام توقف فرمودند، حضرت عیسیٰ علیہ السلام را وحی شد کہ بحضرت یحییٰ بگویند کہ حق تعالیٰ شمارا۔‘‘

اس سلسلہ میں اگر یہ کہا جائے کہ شاہ صاحب نے صرف اتنی ہی تفسیر لکھی تھی جتنی کہ آج مطبوعہ شکل میں موجود ہے، تو شاید اس کا کوئی جواب نہیں ہے، کہ شاہ صاحب نے اس رکوع یا کم از کم اس آیت ہی کی تفسیر کیوں نہ مکمل کر دی، جسے انھوں نے شروع کیا تھا، یا آخری جملہ کیوں نہ مکمل کر دیا جس کا بڑا حصہ لکھ چکے تھے؟ اس کے جواب میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کے بعد شاہ صاحب اچانک بیمار پڑ گئے اور اس کے بعد انتقال ہو گیا ہو گا، اس لیے کہ خود اس مقدمے کے مطابق شاہ صاحب نے یہ تفسیر ۱۲۰۸ھ میں لکھی اور شاہ صاحب کا انتقال اس کے ۳۱ برس کے بعد ۱۲۳۹ھ میں ہوا، اس اکتیس سال کے دوران اتنا تو بہر حال ہو سکتا تھا کہ وہ جملہ یا وہ رکوع مکمل کر سکتے تھے، حالانکہ مقدمہ کو لکھنے سے پہلے امید یہی کی جاتی ہے کہ شاہ صاحب نے سورہ بقرہ تو ختم ہی کر لی ہو گی اس لیے کہ نا تمام جملہ لکھ کر یہ طے کر لینا کہ آپ اس کے آگے نہ لکھا جائیگا اور مقدمہ لکھ کر بات ختم کر دینا کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔

اس سلسلے میں سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تصانیف کے اصل یا کم از کم ان کے زمانے کے قلمی نسخے نہیں ملتے، جو بھی ملتے ہیں سب بعد کے ہیں، مجھے اس سلسلے میں سب سے قدیم جو قلمی نسخہ تفسیر فتح العزیز کا مل سکا ہے وہ ۱۲۴۹ھ کا مکتوبہ ہے، یہ نسخہ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ کے ذخیرہ سر شاہ سلیمان میں محفوظ ہے، اس کے مقدمے میں سورہ بقرہ کی تفسیر سے متعلق جو جملہ عام طور پر مطبوعہ نسخوں میں ملتا ہے، مجھے نہیں ملا، جس سے اور شبہہ پیدا ہوا، بلکہ یقین سا ہو چلا ہے کہ شاید یہ جملہ بعد میں بڑھایا گیا ہے۔

تفسیر فتح العزیز کے سلسلے میں مذکورہ بالا حقایق کو سامنے رکھ کر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:

شاہ عبدالعزیز صاحب نے جیسا کہ مقدمہ سے ظاہر ہے، غالباً پہلے سورۂ فاتحہ اور آخر کے دو پاروں کی تفسیر شیخ مصدق الدین کو املا کرائی، مگر بعد میں لوگوں کے اصرار پر یہ خیال ہوا ہو گا کہ پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جائے چنانچہ انھوں نے سورہ بقرہ سے اس کو شروع کیا اور اٹھائیسویں پارے کے آخر تک پوری تفسیر لکھوا دی پھر مختلف عوارض نے اس کام پر نظر ثانی کرنے اور اس کو آخری شکل دینے کی مہلت نہ دی اور معاملہ آجکل آجکل پر ٹلتا رہا، مگر تفسیر کا پہلا مسودہ تیار ہو چکا تھا، اس لیے اپنے خطوط میں اپنے احباب کو اس کا حوالہ دیتے رہے، جیسا کہ فتاوی کی عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے چنانچہ شاہ الدین مراد آبادی نے بھی یہی لکھا ہے کہ شاہ صاحب نے تفسیر لکھی مگر وہ مسودہ بیاض تک نہیں پہنچا یعنی آخری شکل میں

Marfat.com

نہیں آیا۔ مگر مسودہ پورا ہو چکا تھا اس لیے شاہ صاحب اس کے اقتباسات اپنے احباب کو عندالضرورت لکھ دیتے تھے، لیکن مسودہ آخری شکل میں نہیں آیا تھا اس لیے سب لوگوں تک یہ کتاب نہیں پہنچ سکی اور اس کی مختلف کاپیاں نہ ہو سکیں، غالباً شاہ صاحب کا خیال رہا ہوگا کہ اگر طبیعت سنبھل گئی تو اس پر نظر ثانی کر کے آخری شکل دیدیں گے، مگر اس کا موقع نہ مل سکا اور یہ مسودہ آخری وقت تک اسی شکل میں پڑا رہا، اور لوگوں کو اس کا علم نہ ہوسکا، اسی لیے اکثر تذکرہ نگاروں نے اس کا ذکر نہیں کیا ہے، صرف چند لوگوں ہی کو اس کا علم تھا، اسی دوران میں غالباً یہ بھی ہوا کہ شاہ صاحب کی وفات اور پھر شاہ اسحٰق صاحب اور شاہ محمد یعقوب صاحب کی ہجرت کے بعد یہ اصل مسودہ کسی طرح ضائع ہوگیا اور اس کا صرف اتنا ہی حصہ مل سکا جو آج مطبوعہ شکل میں موجود ہے، غالباً یہی وجہ اس آخری جملے کے نامکمل رہ جانے کی ہے، ممکن ہے اس کی کوئی کاپی مقالات طریقت کے شائع ہونے کے وقت جیسا کہ خود اس کے مصنف کا خیال ہے اکبر آباد کے قاضی کے یہاں موجود رہی ہو، مگر ناشروں کو صرف نامکمل اور ناقص کاپی مل سکی، اسی کو انھوں نے شائع کر دیا، پورا مسودہ کچھ دنوں میں ضائع ہوگیا، اور چونکہ سورہ بقرہ کی اس آیت کے بعد سے تفسیر کا کوئی حصہ نہ مل سکا اس لیے غالباً نواب سکندر جہاں بیگم نے مولانا حیدر علی فیض آبادی سے اسکا تکملہ لکھوایا، بہر حال جو صورت بھی ہوئی ہو، اغلب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھی تھی، اس کے بعد کیا ہوا، اس کا صحیح علم نہ ہوسکا، اس لیے اس سلسلے میں قیاس ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

مولانا سید عبدالحئی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء، لکھنو کے سامنے بھی غالباً مذکورہ بالا شواہد اور قرائن تھے جن کی بنا پر انھوں نے بھی یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے قرآن مجید کی پوری تفسیر لکھی تھی جس کا بیشتر حصہ غدر کے دوران ضائع ہوگیا، وہ اپنی معرکۃ آلاراء تصنیف نزہۃ الخواطر میں لکھتے ہیں:

واما مصنفاته فاشهرها تفسیر القران المسمی بفتح العزیز صنفه فی شدة المرض ولحوق الضعف املاءً وهو فی مجلدات کبار...... ضاع معظمها نی ثورة الهند ومابقی منها الا مجلدان من اول و آخر۔

(نزہۃ الخواطر جلد، ۷، ص ۲۷۳)

انکی تصنیفات میں سب سے مشہور انکی قرآن شریف کی تفسیر ہے، جس کا نام فتح العزیز ہے، اس تفسیر کو انھوں نے سخت بیماری اور ضعیفی کے زمانے میں املا فرمایا تھا اور وہ ضخیم جلدوں پر مشتمل تھی، جس کا ایک بڑا حصہ ہندوستان کے غدر کے زمانے میں ضائع ہوگیا اور صرف شروع اور آخر سے دو جلدیں باقی رہ گئیں۔

(ماخوذ از معارف، ستمبر ۱۹۶۷ء)

Marfat.com

مقالات طریقت

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حالات میں ایک نایاب تذکرہ

محمد شاہ کی دلی ہے، لوٹ مار قتل و غارتگری کا دور دورہ ہے، سکھ، جاٹ اور مرہٹے ہر طرف تباہی مچائے ہوئے ہیں، نادر شاہ کا قتل عام اسی سرزمین میں ہو چکا ہے، ایرانی و تورانی امراء نے بادشاہ کو اپنے ہاتھوں میں کھلونا بنا لیا ہے اور ہندوستان میں مسلمانوں کا سیاسی انحطاط اپنی انتہا کو پہنچ چکا ہے، جس دور کی ابتدا محمود غزنوی، ایبک اور التتمش کی رزم آرائیوں سے ہوئی تھی، آج وہ بہادر شاہ اول اور محمد شاہ کی بزم آرائیوں اور ہنگامہ ہائے ناؤ و نوش میں ختم ہو رہا ہے اور فلسفہ تاریخ کے مفکر کی یہ صدا فضاؤں میں گونج رہی ہے۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے　　شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

اس سیاسی بدامنی اور معاشرتی پستی کا اثر مذہبی زندگی پر بھی پڑنا ضروری تھا اگر اللہ کے چند بیدار مغز بندے اس ظلمت اور توہم پرستی کے بڑھتے ہوئے طوفان کو روکنے کے لیے کمربستہ نہ ہو جاتے اور ان تیز و تند ہواؤں میں مذہب و ثقافت کے چراغوں کو نہ بچاتے تو ان کا بھی وہی حال ہوتا،

ان جواں مرد سپاہیوں میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا نام سرفہرست ہے، انھوں نے اور ان کے خاندان کے دوسرے بزرگوں نے ہندوستان میں اسلام کی وہی خدمت کی جو قرون اولیٰ کے اکابر نے پوری دنیائے اسلام کی انجام دی تھی، افسوس کہ اسلامی ہند کے اس عظیم فرزند کا صحیح اور غیر جانبدارانہ مطالعہ اب تک نہ کیا جا سکا، کسی نے ان کو اپنے ذاتی فلسفے کے لیے آلۂ کار بنایا کسی نے ان پر صرف عقیدت و محبت کے باسی پھول چڑھائے، کسی نے سب و شتم کی بارش کی، کسی نے ان کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے، آجکل بعض اشخاص اور اداروں نے کام شروع کیا تو وہ بھی ان کی کتابوں کے ترجمے یا ان ہی پرانی ٹیڑھی ترچھی تصویروں کو دوبارہ سامنے لانے تک محدود رہے۔

متقدین نے شاہ صاحب کے جتنے بھی تذکرے لکھے، ان میں سے اکثر کا یہی حال ہے، نہ ان میں واقعیت ہے، نہ تاریخیت، اس لیے ان کے اکثر بیانات دل کو نہیں لگتے اور تصویر کا صحیح رخ سامنے نہیں

Marfat.com

آتا، ان تذکروں میں ایک تذکرہ مقالات طریقت معروف بہ فضائل عزیزیہ ہے، جسے عبدالرحیم ضیاء حیدرآبادی نے لکھا ہے، یہ کتاب طبع تو آج سے تقریباً سو سال پہلے ہوئی تھی مگر ایک طویل عرصے سے نایاب تھی، اور اس کے حوالے بھی بہت کم ملتے تھے، اس لیے اس کے متعلق کسی طرح کا خیال نہیں ظاہر کیا جاسکتا تھا، اتفاق سے یہ کتاب راقم کو حیدرآباد کے ایک ذاتی کتب خانے سے دستیاب ہوگئی۔ اس کے پڑھنے سے اندازہ ہوا کہ یہ تذکرہ قدیم ہونے کے باوجود کسی بھی جدید مفصل اور محققانہ تذکرے سے کم نہیں ہے،

یہ کتاب تین سو بیس صفحات پر مشتمل، شاہ صاحب کے انتقال کے باون سال بعد ۱۲۹۱ھ میں حیدرآباد میں لکھی گئی اور اس کے دوسرے سال یعنی ۱۲۹۲ھ میں حیدرآباد ہی سے شائع ہوئی، تذکرے کے مصنف محمد عبدالرحیم ضیاء حیدرآباد دکن کے رہنے والے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے خلفاء سے قریبی تعلق رکھتے تھے، وہ شاہ اسحٰق صاحب خلیفہ ونواسہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب) کے خلیفہ اور شاگرد سید شاہ محی الدین صاحب قادری ویلوری کے مرید بھی تھے، فاضل تذکرہ نگار اسکے علاوہ اور کتابوں کے مصنف اور صاحب دیوان شاعر بھی ہیں، وہ اس کتاب کے ماخذ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اکثر روایات اہل ہند ثقافت سے کہ بعض ان میں صحبت یافتہ حضرت کے ہیں، جمع کرکے جو ابواب کہ اس طریق سے حاصل نہ ہوئے، ان کو بذریعہ تحریر جناب فضیلت مآب ۔۔۔ مولانا حافظ حاجی محمد عبدالقیوم صاحب دہلوی سلمہ اللہ العزیز القوی داماد وشاگرد حضرت مولانا محمد اسحٰق علیہ الرحمۃ سے بعد دریافت وتحقیق کے اس کتاب میں لکھا[1]

یہ کتاب چھ مقالات (ابواب) اور ایک خاتمے پر مشتمل ہے، پہلے مقالے میں مصنف نے شاہ صاحب کے مفصل حالات از ولادت تاوفات درج کیے ہیں، یہ باب چوالیس صفحات پر مشتمل ہے اور اس کتاب کا سب سے اہم اور پُراز معلومات باب ہے، دوسرا باب امور متعلق بعلوم ظاہر وباطن اٹھاوئن صفحات میں ہے، تیسرا باب شاہ صاحب کے ''اجوبہ اسئلہ'' سے متعلق ہے، پانچویں باب میں ان کے مختلف سلاسل طریقت کا ذکر بڑی تفصیل سے پیتالیس صفحات میں کیا گیا ہے، آخری باب میں شاہ صاحب کے اجل وارشد خلفاء کے تفصیلی حالات ساٹھ صفحات میں ہیں، خاتمے میں اپنے پیرومرشد سید شاہ محی الدین قادری ویلوری کے حالات چوالیس صفحات میں لکھے ہیں، کتاب کے ضمیمے میں مولانا محمد زمان شہید کا تذکرہ جو شاہ صاحب کے خاندان کے مشہور خلفاء میں ہیں ۲۳ صفحات میں ہے۔

---

[1] مقالات طریقت ص۴

Marfat.com

اس اجمالی تعارف کے بعد اس پر تفصیلی نگاہ ڈالی جاتی ہے، تاکہ اس کی افادیت اور اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے۔

کتاب کے شروع میں مصنف نے شاہ عبدالعزیز صاحب کے سلسلہ نسب اور آباء واجداد کے مولد ومسکن وغیرہ کا حال لکھا ہے، اس کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب کے حالات کسی قدر تفصیل سے دیے ہیں، اس کے بعد قمطراز ہیں:

''حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے اول اپنے ماموں کی دختر سے نکاح کیا تھا، ان سے مولوی محمد رحمتہ اللہ علیہ پیدا ہوئے، آپ بڑے ولی کامل تھے، آپ پر جذب بہت غالب تھا، مزار آپ کا مع دونوں فرزند کے بوڈھانہ کی مسجد میں واقع ہے، بعد انتقال والدہ ماجد مولوی محمد صاحب کے شاہ صاحب موصوف نے دختر نیک اختر سید ثناء اللہ صاحب ساکن قصبہ سونی پت مسماۃ بی بی ارادہ رحمہ اللہ علیہا سے شادی کی، ان سے چار فرزند پیدا ہوئے اولین مولانا شاہ عبدالعزیز دومین شاہ رفیع الدین، سومی شاہ عبدالقادر چارمی مولوی عبدالغنی اور ایک دخترؒ مسماۃ بی بی امتہ العزیز، دختر مذکورہ کو مولوی محمد فایق بن مولوی محمد عاشق ابن شاہ عبداللہ بن شیخ محمد پھلتیؒ سے شادی کر دی، ان کا سلسلہ ابتک باقی ہے۔''

اس کے بعد شاہ رفیع الدین صاحب، شاہ عبدالقادر صاحب اور شاہ عبدالغنی صاحب کی زندگی کے اہم واقعات لکھے ہیں، جو دلچسپی اور معلومات سے خالی نہیں، مگر اس مضمون میں اصل مقصد شاہ عبدالعزیز صاحب کے حالات سے بحث ہے، اس لیے طوالت کے خوف سے ان کو حذف کیا جاتا ہے، مگر اس سلسلہ میں ایک اہم بات فاضل مصنف نے یہ بیان کی ہے کہ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر کے بیعت کے معاملہ میں عام طور پر یہ گمان کیا جاتا ہے کہ چونکہ شاہ ولی اللہ صاحب کے انتقال کے وقت شاہ عبدالعزیز کے تینوں بھائی کم عمر تھے، اس لیے جس طرح شاہ عبدالعزیز صاحب ان حضرات کے ظاہری مربی تھے، اسی طرح باطنی مرشد بھی ہے ہوں گے مگر عبدالرحیم ضیاء کے بیان کے مطابق شاہ رفیع الدین صاحب شاہ محمد عاشق پھلتی صاحب سے بیعت واجازت رکھتے تھے اور شاہ عبدالقادر صاحب شاہ عبدالعدل دہلوی سے بیعت تھے، جن کا مزار حضرت خواجہ باقی باللہ کے احاطے میں ہے۔

کتاب کا اصل مقصد شاہ عبدالعزیز صاحب کے حالات بیان کرتا ہے، ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں:۔

''حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ دراز قد، لاغر اندام، گندم رنگ، کلان چشم،

Marfat.com

صاف جسم تھے، گرد اگر چہرے کے لحیہ مبارک خوشنما باعتدال تھی، اکثر چغہ اس کے نیچے انگر کھہ اور پائجامہ شرعی، دستار کشمشی کلاہ پنبہ دار رومال بینی پاک نیلا اور پاپوش زی اور ہاتھ میں عصا عصائے سبز رکھتے تھے، اخلاق میں تخلقوا با خلاق اللّٰہ کے مصداق تھے، مزاج میں نہایت خوش طبعی اور ہر ایک بات کا مذاق تھا۔''

''ولادت آپ کی شب جمعہ بست و پنجم ماہ رمضان ۱۱۵۹ھ میں ہے اور نام تاریخی آپ کا غلام حلیم ہے، کہتے ہیں کہ اسی شب شب قدر بھی تھی، اور آپ ختم قرآن شریف بھی اسی شب کو کرتے تھے اور ختم میں شیرینی قسم ریوڑی سے تقسیم فرماتے تھے، آپ کی عمر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ کے انتقال کے وقت سولہ برس چھ مہینے کی تھی، فاتحہ سوم شاہ ولی اللہ صاحب کا خان دوراں خاں کے محل کلاں میں ہوا۔''

''رسم دستار بندی میں تین چار پیچ مولانا فخر الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے سر مبارک پر باندھے، جناب مرزا مظہر جان جانان صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی شریک تھے، آپ نے علوم ظاہر و باطن اپنے پدر والا قدر سے پڑھا اور مولوی شاہ عاشق صاحب پھلتی سے اس کی تکمیل کی اور بابا فضل کشمیری سے جو منجملہ ارشد تلاندہ شاہ ولی اللہ صاحب تھے، بعض کتب حدیث کی سند لی اور علم فقہ اپنے خسر مولوی نور اللہ صاحب جد مولوی محمد عبدالحئی صاحب رحمۃ اللہ علیہما سے پڑھا، اور اکثر فیوض ظاہر و باطن مزار پر انوار پدر بزرگوار سے حاصل کرتے تھے، تھوڑے وقت ان کی قبر شریف پر مراقب رہتے تھے، کوئی علم وفن ایسا نہ تھا کہ جس میں آپ کو دستگاہ کامل نہ ہو، خط شکست و نسخ خوب لکھتے تھے، علم موسیقی میں ملکہ راسخ تھا کہ استاد ان فن زانوئے ادب تہ کرتے تھے، تیراندازی خلیفہ محمد شاکر سے، گھوڑے کی سواری ملک بیڑا افسر چابک سواران محمد شاہ بادشاہ سے سیکھی، تمام ہمفنون میں برتر اور شناوری میں سب سے بڑھ کر، غرض آپ کی ذات جامع کمالات، معاصرین پر فائق بلکہ یکتائے روزگار تھی اور فیض باطن حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے آپ نے پایا ہے۔۔۔''

''اور تین موضع آپ کی جاگیری تھی، ان کی سند عالم بادشاہ اور دولت راؤ سندیہ نے گزرانی تھی، حسن پور اور مراد آباد پرگنہ سکندر آباد سے چاروں بھائیوں میں مشترک اور ایک موضع یعنی محل جنہ، پرگنہ بوڈھانہ سے بلاشرکت آپ کے تصرف میں تھا چنانچہ وہ موضع اپنے دونوں نواسے مولانا محمد اسحٰق اور مولانا محمد یعقوب کو عطا کیا تھا، اب تک جاری ہے، مولوی نصر اللہ خاں

Marfat.com

صاحب کہتے ہیں کہ میری عملداری میں محل جنہ کے سالانہ بارہ سو روپے کلدار ہوتے تھے اور اب بھی وہی ہے سوا اس کے اکثر جا سے فتوحات بلا قید سال و ماہ اللہ تعالیٰ پہنچاتا تھا، جو شخص کچھ گذرانتا تو قبول فرماتے اور نہ دیتا تو ذکر تک بھی نہ لاتے، خدمت طلباء اور فقراء وغیرہ کی بہت کرتے تھے، گویا جود وکرم آپ کا سرشت تھا، جو سائل آتا تھا بے نیل مرام نہ جاتا تھا۔''

اس کے بعد شاہ صاحب کے درس وتدریس، تربیت باطن اور تصنیف کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ دنیا میں فیض بخشی کے بہت طریقے ہیں، مگر ان میں تین طریقے مشہور ومعروف ہیں، ایک تدریس دوسرا تربیت باطن جسے مریدی کہتے ہیں، تیسرا تصنیف، اور یہ ابواب منجملہ بہترین باقیات الصالحات ہیں، ان امور میں حضرت کا پایہ بلند اور رتبہ ارجمند تھا، تدریس کا یہ حال کہ ہندوستان وغیرہ میں کوئی عالم کم نکلے گا جس کو حضرت سے واسطہ نہ ہو، کہتے ہیں کہ ایک بدایوں کے عالم نے حدیث شریف پڑھنے کا ارادہ کیا، مگر اس کو نادانی سے یہ خیال آیا کہ اس شخص سے پڑھے کہ جس کہ سلسلے میں شاہ عبدالعزیز نہ ہوں، تمام ہندوستان پھرتے پھرتے حیران ہوا، جہاں گیا وہاں حضرت ہی کا فیض پایا، کوئی ایک واسطے سے کوئی دو یا تین واسطے سے حضرت کا شاگرد نکلا، یہ بات ایسی ہے کہ جیسے کسی نے انسانوں میں اپنی نسبت کرنی چاہی مگر یہ قید لگائی کہ اس خاندان میں ہو جس میں حضرت آدم علیہ السلام نہ ہوں۔''

''مگر آپ نے مستقل بجز چار پانچ شخص کے اوروں کو بہت کم پڑھایا ہے، یعنی اپنے تینوں بھائیوں کو کہ رفیع الدین صاحب والد کے انتقال کے وقت میبذی اور عبدالقادر صاحب صرف میر پڑھتے تھے اور عبدالغنی صاحب قرآن شریف حفظ کرتے تھے، تمام علوم پڑھایا اور اپنے داماد مولوی عبدالحیؒ صاحب کو مولوی عبدالقیوم صاحب، مولانا اسحٰق صاحب علیہ الرحمہ سے نقل کرتے ہیں کہ مولانا صاحب مجھ سے فرماتے تھے میں نے کسی کو نہ دیکھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ بعد غلبہ آشوب چشم کے بھی پڑھائے ہوں مگر تمہارے والدہ مولانا عبدالحیؒ صاحب کو اور جناب غلام علی شاہ صاحب مجدی علیہ الرحمۃ بھی شاگرد ہیں، بخاری شریف پڑھی ہے[1] ان حضرات کے سوا اگر کسی کو پڑھایا ہے تو تین چار سبق سے زیادہ

---

[1] ان حضرات کے علاوہ تذکرہ نگار نے شاہ ابوسعید صاحب کو بھی شاہ صاحب کا شاگرد بتلایا ہے۔

Marfat.com

نہیں پڑھایا۔

''اور صبح کو جو ایک رکوع قرآن شریف کا قریب طلوع آفتاب ہر روز ایک تفسیر کے ساتھ سنا کرتے تھے، یہاں تک کہ بروز وفات بھی سنا ہے، اس کے قاری خاص مولانا اسحٰق صاحب ہوتے تھے اور آپ کے برادروں کے ساتھ مولوی مفتی الٰہی بخش صاحب ساکن کاندھلہ اور مولوی قمرالدین صاحب منت تخلص وغیرہ سامع تھے، اسی طریق سے انھوں نے تحصیل کی۔''

شاہ صاحب کے درس اور شاگردوں سے متعلق اس کتاب کی روایت انوکھی اور عجب سی ہے، مصنف لکھتے ہیں:

''مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے ہیں، میں نے مولانا اسحٰق صاحب پوچھا کہ حضرت لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم شاہ صاحب کے شاگرد ہیں، شاہ صاحب نے ہمیں تعلیم کی ہے، اس کی کیا حقیقت ہے، آپ نے فرمایا کہ بعد نابینا ہونے کے شاہ صاحب سے پڑھنے کی دو صورتیں تھیں ایک تو میں صبح کو قرآن شریف کا رکوع پڑھتا تھا، اس میں لوگ سامع رہتے تھے، دوسرے یہ کہ علماء وفضلا اور بڑے بڑے بزرگوار اطراف سے حاضر ہوکر حصول اجازت تیمناً تبرکاً چاہتے تو حضرت شاہ صاحب فرماتے کہ چہل قدمی کے وقت پڑھیں میں سنوں گا، اس وقت کچھ بیان بھی کرتے تھے۔ اس قسم کے شاگرد بے شمار ہیں، سوا اس کے جمعہ اور منگل کو قرآن شریف کا درس بطور وعظ کے ہوتا تھا، اسکی کیفیت مرزا عمر علی شاہ صاحب قادری چشتی اپنے استاد مولوی یار محمد صاحب مرحوم کی زبانی جو حضرت کے شاگردوں میں سے تھے یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ کے وعظ میں ہزار ہا آدمی رہتے تھے، ان میں جو پڑھے لکھے تھے وہ لوگ ایک ایک تفسیر اپنی اپنی استعداد کے موافق عربی ہو یا فارسی لے کر بیٹھے رہتے، جب کوئی آیت شروع کرتے تو حضرت ہر ایک سے پوچھتے کہ امام رازی کیا معنی کرتے ہیں اور شیخ محی الدین ابن عربی کیا فرماتے ہیں اور قاضی بیضاوی کیا لکھتے ہیں، علی ہذا القیاس جس کے پاس جو تفسیر ہوتی وہ اپنا بیان کرتا جب سب تفسیریں ہو جاتیں تب آپ فرماتے خیر یہ سب بیان ہو چکا، اب جو خدائے تعالیٰ نے اس فقیر کے دل پر القا کیا ہے، بیان کرتا ہوں پھر وہ وہ مضامین فرماتے کہ کسی مفسر کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آئے ہوں، سب لوگ کتابیں بند کر کے حضرت کا منہ تکتے رہتے اور ششدر ہو جاتے ...... مولوی یار محمد صاحب علیہ الرحمۃ مدتوں خدمت فیض

Marfat.com

درجت میں رہے ہیں اور کئی دورے قرآن مجید کے ان کے روبرو ہوئے ہیں، ان دوروں کا قرآن مجید شروع سے آخر تک محشیٰ ان کے فرزند مولوی محمد اسحٰق صاحب کے پاس موجود ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی اسی طرح درس فرماتے تھی،

اخیر درس ان کا اعدلوا هو اقرب للتقویٰ تھا، وہاں سے حضرت نے شروع کیا اور حضرت کا آخری درس آیۃ ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقکم تھا، حضرت کے بعد وہاں سے مولانا اسحٰق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شروع کیا۔''

شاہ صاحب کے درس و تدریس کی کیفیت سننے کے بعد ان کے تصوف اور طریقہ تربیت باطن کا بھی کچھ حال تذکرہ نگار کی زبانی سینے، یوں تو انھوں نے اس کا ایک مستقل باب ہی قائم کیا ہے مگر اس باب میں بھی مختصراً قمطراز ہیں:

''تربیت باطن کی یہ کیفیت ہے کہ آپ کو تمام آداب سکون اور اشتعال طریقت میں دستگاہ کامل اور ملکہ راسخہ تھا، جیسا چاہتے تھے ویسا طالبوں کو خدا تک پہنچاتے تھے، کوئی طریقے کے مقید نہ تھے، کیونکہ اپنے عزیز و اقارب برادروں کی اولاد یعنی مولوی مخصوص اللہ صاحب اور مولوی اسمٰعیل[1] صاحب اور مولوی یعقوب صاحب اور مولانا اسحٰق صاحب وغیرہ سے قادریہ طریقت میں بیعت لی تھی اور امراء کو سلسلہ چشتیہ میں اور دوسروں کو سلسلہ نقشبندیہ میں مرید کرتے تھے چنانچہ جناب سید احمد صاحب طریقہ نقشبندیہ میں مرید تھے مگر مولانا عبدالحئی صاحب کو مولانا شاہ عبدالقادر صاحب سے بیعت تھی اور شاہ صاحب خود صاحب طریقہ ہیں، کیونکہ آپ نے بعد تکمیل سلوک راہ ولایت اور سلوک راہ نبوت کے خاص ایک طریقہ سلوک راہ ولایت کا رعایت طبائع ابنائے روزگار استخراج کیا ہے، وصول الی اللہ کے واسطے نہایت آسان و سہل ہے، اس ہیچمیرز نے اس خاص سلوک طریقہ علیہ عزیزیہ کو مقالہ پنجم میں ......لکھا......اور حضرت کی توجہ وغیرہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا، اگر کئی خواہاں ہوتا۔

تو فرماتے کہ تم غلام علی شاہ صاحب کے پاس جاؤ کہ وہ صاحب طریقہ اور دکاندار اور اس کام کے ذمہ دار ہیں، یہ فقیر طریقہ تعلیم علوم ظاہری رکھتا ہے، اس پر بھی کوئی بہت خواہش اور الحاح کرتا اور آپ کے ذہن عالی میں آتا تو اس کے واسطے ایک وقت معین فرماتے اور

---

[1] مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحئی صاحب کے شاہ صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب سے بیعت ہونے میں راقم کو اختلاف ہے، عام روایت کے مطابق یہ بزرگ سید احمد شہید سے بیعت تھے، ممکن ہے ان میں سے کسی ایک نے تبرکاً بیعت کی ہو اور باقاعدہ تعلیم بعد میں سید احمد شہید سے حاصل کی ہو، بہر حال یہ بات تحقیق طالب ہے۔

Marfat.com

جائے مقرر کرتے، مثلاً کسی کو بعد نماز مغرب اور کسی کو بعد نماز ظہر یا دوسرے وقت جو مناسب جانتے تعین کرتے، جیسے جناب سید احمد صاحب اور سید اللہ دیا صاحب برہان پوری اور مولانا یعقوب صاحب اور شیخ غلام جیلانی صاحب باغ پتی اور حافظ قطب الدین صاحب پھلتی، یہ اکابر حضرت سے توجہ لئے ہیں اور تکمیل کو پہنچے ہیں۔......"

شاہ عبدالعزیز صاحب کی تصانیف کے سلسلے میں بھی اس کتاب کی روایتین کچھ کم اہم نہیں ہیں، اس سے ان کی بہت سی تصانیف کے بارے میں شبہات اور ابہام دور ہو جاتا ہے، لکھتے ہیں:۔

"خوبی تصانیف کی تمام زمانے پر ظاہر و باہر ہے، بیان کی احتیاج نہیں، تفسیر فتح العزیز، تحفہ اثنا عشریہ، سر الشہادتین، بستان المحدثین، عجالۃ النافعہ، حواشی قول الجمیل، یہ تمام کتابیں مشہور و مطبوع ہیں، سوا ان کے علم معانی میں ایک رسالہ ہے سوا اس کے صدرہ اور میر زاہد رسالہ پر بھی حواشی ہیں، حاجی محمد حسین صاحب سہار نپوری سلمہ اللہ تعالیٰ، مولوی نور اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ کی ایک تفسیر فارسی تمام قرآن مجید کی اکبر آباد کے قاضی کے یہاں موجود ہے مگر وہ چھپی نہیں، تفسیر فتح العزیز کے لکھنے کا سبب یہ ہوا کہ آپ کی ایام جوانی میں عادت تھی کہ بعد نماز عصر تشریف رکھتے، اخبار دیار و امصار گوش زد ہوتے، دوسرے سخن و قصص بھی درمیان آتے اور اشخاص اسی قسم کے جمع ہوتے تھے، چنانچہ ایک کایستھ بھی درباریوں سے بادشاہ عالم کے اسی وقت حاضر ہو کر قصص دیار عرض کرتا، آخر کار وہ کایستھ فیض صحبت سے مسلمان ہو کر شیخ مصدق الدین نام پایا، اور کمال کو پہنچا، ان ہی کے حسب استدعا ۱۲۰۸ھ میں تفسیر شروع ہوئی، چنانچہ خود بدولت دیباچے میں تفسیر کے یہ کیفیت مفصل تحریر فرمائے ہیں، شیخ مصدق الدین کے فرزند مولوی کرم اللہ صاحب بڑے فاضل اور ولی کامل خلفا سے غلام علی شاہ صاحب کے ہوئے ہیں۔"

"مرزا عمر علی شاہ صاحب قادری چشتی اپنے استاد مولوی یار محمد صاحب مرقوم الصدر سے روایت کرتے ہیں، تفسیر کے ناتمام رہنے کی یہ وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے خواب میں جناب شاہ صاحب کو فرمایا کہ تم تفسیر لکھنا موقوف رکھو اگر تمام کرو گے تو اور تمام مفسروں کی محنت بے فائدہ ہوگی، کوئی کسی کی تفسیر نہ دیکھے گا، تمہاری اتنی ہی تفسیر کوئی سمجھے تو تمام قرآن کے مضامین پر حاوی ہوگا، آپ نے حسب الحکم موقوف کیا، سورۂ بقرہ ناتمام رہا واقعی ایسی ہی تفسیر نادر ہے کہ اس کے وصف میں زبان قاصر ہے، باوجود ضوابط علم تفسیر کے صحت روایات و آداب

Marfat.com

سلوک و اسرار حقایق و نکاتِ معارف ایسے ہیں کہ اور تفاسیر میں کم ہوں گے جناب امام رازی قدس سرہ نے آیت کا ربط آیت سے دیا ہے، حضرت نے سوا اس کے سورہ کو سورہ سے مربوط کیا ہے، اس کی تحریر کا یہ حال تھا کہ مسودہ کا اتفاق نہ ہوا، اور جو لفظ فرمایا پھر دوبارہ وہ زبان پر نہ آیا، مولوی حیدر علی صاحب منتہی الکلام سلمہ اللہ تعالیٰ نے جو حضرت کے آخر وقت کے مستفیضوں میں سے ہیں حسب خواہش سکندر بیگم مغفورہ والیہ بھوپال تفسیر مذکور کا تکملہ ستائیس جلدوں میں کیا ہے، راقم نے دیکھا ہے، بہت ہی خوب لکھا ہے، اس عصر میں ایسی استعداد و لیاقت کی فرد نایاب ہے، دوسرے کا منہ نہیں جو یہ ہمت کر سکے مگر دونوں کا فرق کرنے والا اپنے حوصلے کے مطابق سمجھ سکتا ہے۔[۱]

''تحفہ اثناعشریہ بھی آپ کی زندگی میں یعنی ۱۲۱۷ھ میں طبع ہو کر مشہور ہوئی اور وہ بھی ایسی ہی بے ساختہ لکھی گئی[۲] کہتے ہیں کہ جب تحفہ اثناعشریہ چھپ کر شہرت پائی تو ایک کلکتہ کا کوئی نواب شیعہ مذہب تھا، اس کو نہایت شاق گذرا، اس نے وہ کتاب اور بہت سے روپے ایران کو روانہ کر کے وہاں کے فضلا اور بلغاء کو لکھا کہ یہاں سنیوں کو اس کتاب کی عبارت اور مضمون پر ناز ہے، چاہیے کہ دونوں کا رد ہووے، ایران میں تمام فضلاء اور ارباب انشاء جمع ہو کر مدت دراز تک تمام کتاب بکرات و مرات دیکھی کچھ نہ ہو سکا، آخر کو وہ روپے سب چکھ چکھا کر اس کے جواب میں ایک نام لکھ کر روانہ کیا، اس کا مضمون یہ تھا کہ صاحب تحفہ نے جو اپنے مذہب کی قدیم کتابوں کا حوالہ دیا ہے، اس ملک میں وہ مذہب صدہا سال سے اٹھ جانے کے سبب سے وہ کتابیں ہمدست نہیں ہو سکتیں اور جو ہمارے مذہب کی قدیم کتابیں اس میں مذکور ہیں ہم نے اب تک دیکھا نہیں، مضمون کا رد تو کتابوں کی قدرت پر موقوف ہے، رہی عبارت ایسی صاف اور بے تعقید کس منشی کا منہ ہے جو لکھ سکے، سبحان اللہ۔''[۳]

---

[۱] شاہ صاحب کی تفسیر فتح العزیز کے سلسلے میں بہت سے شواہد اور نادر و معتبر روایات راقم کو فراہم ہوئے ہیں جن کی روشنی میں مختلف اور حیرت انگیز نتائج برآمد ہوتے ہیں، چونکہ یہ بحث طویل ہے اس لیے اسے الگ مقالے کی شکل میں عنقریب پیش کیا جائے گا۔

[۲] تحفہ کا یہ نسخہ بہت ہی اہم ہے، یہ پہلی بار تین سو کی تعداد میں ۱۲۱۵ھ میں کلکتہ سے شائع ہوا، راقم کی نظر سے اس کے دو نسخے گزرے ہیں۔

[۳] اس کتاب میں جو اشعار ہیں وہ اور ان کے علاوہ دیگر مخطوطات و مطبوعات سے جو اشعار مل سکے ہیں، انکی تعداد تقریباً ایک ہزار ہے جو راقم کے پاس موجود ہیں۔ اس کے علاوہ بعض نادر ادبی مرقعے و تشریحات ایک الگ مضمون کی شکل میں پیش خدمت ہوں گے۔

Marfat.com

فاضل تذکرہ نگار نے شاہ صاحب کی وفات کی بھی جو کیفیت بیان کی ہے اس کی تفصیلات موجودہ روایات میں بیش قیمت اضافہ ہیں، ان سے اصل واقعات کی تمام کڑیاں مل جاتی ہیں، مصنف رقمطراز ہیں۔

''آپ بہت قلیل الغذا اور کثیر الامراض تھے، جب وقت قریب آیا تو چند روز سے غذا ترک کی مرض کی شدت تھی، وعظ کا دن آیا، آپ نے فرمایا مجھ کو پکڑے رہو جب بیان شروع کروں تو چھوڑ دینا، ویسا ہی کیا یعنی قوت روحانی اور فیض ربانی کا غلبہ ہوا، آپ کو چھوڑ دیا، وعظ فرمانے لگے ہزاروں آدمی جمع ہوئے، اس حال میں بھی جیسا دور والے سنتے تھے ویسا ہی نزدیک والے بھی سنتے تھے، بعدازاں آیۂ شریفہ ذوی القربی والیتمیٰ والمسکین وابن السبیل کا بیان کیا، اس کے مطابق نقد اور اسباب سب تقسیم فرمایا، من بعد قریب لاکھ روپے کے نقد اور دوسرا اسباب بیش قیمت جو رہا تھا اس میں سے چند ہزار روپے واسطے زادراہ سفر حجاز اور ادائے مناسک حج عمرہ وغیرہ کے اپنے نواسے مولانا محمد اسحٰق اور مولانا محمد یعقوب رحمتہ اللہ علیہما کو عنایت کیے اور چند ہزار روپے مصارف مراسم وفات وتعزیت کے لیے دیے، بعدازاں کچھ اشعار عربی اور فارسی پڑھے، اور بہت ایسے کہ ایک مصرع دوسروں کا اور ایک مصرع اپنا چنانچہ یہ شعر مشہور قدسی علیہ الرحمۃ کا

روز قیامت چوں شود ہر کس بگیرد نامہ — من نیز حاضر میشوم تصویر جاناں در بغل

بجائے مصرع ثانی آپ نے فرمایا:

من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآن در بغل

پھر فرمایا کہ میرا کفن ایسے کپڑے کا ہو جو میں پہنے ہوں، کرتا آپ کا ادھوتر کا اور پائجامہ گاڑھے کا ہوتا تھا، اور فرمایا کہ جنازے کی نماز باہر شہر کے ہو، اور بادشاہ میرے جنازے پر نہ آوے چنانچہ ایسا ہی ہوا، ساتویں تاریخ ماہ شوال روز یکشنبہ ۱۲۳۹ھ وقت طلوع آفتاب کے بروح پر فتوح اس عالم گزران سے جانب عالم جاوداں روانہ ہوئی۔ جس جائے آپ کو غسل دیا گیا تھا وہ خاک معطر ہوئی تھی، بہت لوگوں نے اپنے مکان میں اس کو رکھا تھا، اول بار دروازہ ترکمان دہلی کے باہر مولانا محمد اسحٰق صاحب نے امام ہو کر نماز پڑھائی، بعدازاں نصیر الدین صاحب لکھنوی شافعی کے مقبرے میں جماعت سے نماز ہوئی، یہانتک کہ پچپن بار جنازے کی نماز پڑھی گئی، جوق درجوق آتے تھے اور پڑھتے تھے، بعض مقامات میں غائبانہ بھی نماز ہوئی ہے، مزار پرانوار آپ کا شاہجہان آباد کے باہر دہلی دروازے کی سمت مہندیوں کے قریب خوش نرور کے چھتے میں

Marfat.com

واقع ہے [1] اصل میں کوشک انور اس جائے کا نام تھا، اب زبان زد عوام خوش نردر کا چھتہ مشہور ہے، اور شیخ عبدالرحیم صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالقادر صاحب مولوی عبدالغنی صاحب اور مخصوص اللہ صاحب وغیرہ قدس اللہ اسرار ہم ان سب کے مزار وہیں ایک ہی احاطے میں ہیں۔''

اس کے بعد شاہ صاحب کی تاریخ وفات کے شاہ روف احمد مجددی، ارتضا علی خان صاحب گو پاموی اور حکیم مومن خان مومن وغیرہ کے قطعات تاریخ درج کیے ہیں، جس سے یہ پوری طرح واضح ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کا انتقال ۱۲۳۹ھ میں ہوا تھا، نہ کہ ۱۲۴۸ھ میں اصل میں موخر الذکر سال سب سے پہلے سرسید نے شاہ صاحب کے تذکرہ کرے میں آثار الصادید میں غالباً غلطی سے لکھ دیا تھا، اس کے بعد سے متعدد تذکرہ نویسوں، مثلاً رحمان علی [2]، رحیم بخش دہلوی [3]، اور اسماعیل گودھوری وغیرہ نے یہی سنہ سرسید سے نقل کر کے لکھ ہے، حالانکہ سرسید کی اس روایت کے خلاف بہت سارے شواہد قلمی خطوط اور تذکرے کی شکل میں موجود ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ یہ قدیم تذکرہ اور اس کے ساتھ مختلف ہمصروں کے قطعات تاریخ وفات سرسید اور ان سے نقل کرنے والے حضرات کی تردید ہوتی ہے۔

تذکرہ نگا نے اس کے علاوہ اور بہت ساری باتیں اس کتاب میں ایسی درج کی ہیں جو کسی اور تذکرے میں ابتک نہیں ملتیں مگر طوالت کے خوف سے ان کو حذف کیا جاتا ہے اور صرف انکی موسیقی کے سلسلے کی چند روایتیں ناظرین کی خدمت میں پیش ہیں۔ [4]

''روایت ہے کہ حاجی محمد حسین صاحب سہارنپوری سے وہ روایت کرتے ہیں مولوی وحیدالدین صاحب پھلتی سے کہ وہ شاگرد ہیں مولانا اسمٰعیل شہید کے اور خلیفہ ہیں سید احمد صاحب قدس سرہ کے اور تیرہ سال حضرت شاہ صاحب اور مولانا عبدالقادر صاحب قدس سرہما کی خدمت میں رہے ہیں، کہا انھوں نے کہ نواب نصر اللہ خاں والی رامپور کے یہاں ایک قوال مسمی ہمت خاں بڑا صاحب کمال، تین سو روپئے ماہوار کا نوکر تھا، تمام گویئے اس کو مانتے تھے، ثانی تانسین جانتے تھے، ایک دن اس کو خیال آیا اگر مجھ کو تمام لوگ بڑا کمال والا جانتے ہیں، اس

---

[1] یہ جگہ میر درد روڈ کے سامنے جیل خانہ اور مولانا آزاد میڈیکل کالج کے پیچھے واقع ہے اور اب قبرستان مہندیوں کے نام سے مشہور ہے، اسی قبرستان میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی مرحوم کو بھی دفن کیا گیا ہے۔

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۲۲ [2] حیات ولی ص ۶۲۴

[3] شاہ عبدالعزیز صاحب ''موسیقی کے بہت اچھے عالم تھے، تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو راقم کا مقالہ ''شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ایک نایاب تصنیف'' معارف، دسمبر ۱۹۶۴ھ

Marfat.com

کا کچھ اعتبار نہیں میں اپنے ہنر کو جب تک حضرت کے محک امتحان پر عرض نہ کروں اور ان کی زبان سے سند نہ لوں تو کیونکر اپنے کو کچھ چیز سمجھوں، کس لیے کہ اس زمانے میں اس ذات جامع الکمالات کی جیسی کوئی ذات نہیں اور کمال وہی معتبر ہے جو اہل کمال پسند کریں اور داد دیں...... اسی آرزو میں دہلی کو آیا، وہ حضرت کا آخر زمانہ تھا کہ بینائی سلب ہوگئی تھی اور تمام حواس میں ضعف طاری تھا، روبرو حاضر ہو کر سلام کیا، آپ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا کہ آؤ ہمت خاں اچھے تو ہو سنتے ہی نہایت حران وششدر ہوا، اور تمام حضار متعجب ہوئے کہ یہ شخص تو کبھی یہاں نہیں آیا اور نہ کبھی حضرت نے نہ اس کی آواز سنی اور نہ صورت دیکھی، یہ کیا بات ہے کہ اس نام لے کر پکارا، اس نے بھی استفساء کیا تو فرمایا کہ تمہارے گانے کا لوگ ذکر کیا کرتے تھے کہ ان کی آواز میں یہ بات ہے اور اس طرح کا اتار چڑھاؤ ہے، وہ بات صاف تمہارے تکلم سے پائی گئی تو میں جانا کہ اس انداز کا تمہارے سوائے کوئی نہیں ہے، جب اس نے اپنا مدعا عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں اپنا جو ہر حضرت کے روبرو عرض کروں، ارشاد ہوا کہ مناسب، پھر حضرت نے ایک دن حضرت شاہ رفیع الدین صاحب اور مولانا عبدالقادر صاحب وغیرہ بڑے بڑے کملاً کو جمع کیا اور کوئی اغیار سے نہ رہا تب اس کی نیاد ہوئی، اور وہ گانے لگا جو چیزیں اس کو یاد تھیں سب سنا دیں، تمام حضار کو رقت ہوئی، حضرت شاہ رفیع الدین صاحب کہ نہایت مستقل مزاج تھے، ان کے بھی اشک جاری ہوئے، چادر منہ پر ڈالے ہوئے بیٹھے رہے۔ اور حضرت بھی کھندولے پر جنباں تھے، جب وہ سب گاچکا تو فرمایا کہ واقعی تم اپنے کمال میں یکتا ہو مگر اس وقت شاید پرتو سے ان فقراء کے تمہارے بھی مزاج میں جو کچھ تغیر واقع ہوا ہوگا کہ فلاں فلاں مقام میں یہ بات رہ گئی ورنہ تم کو بخوبی معلومات ہوگی، اس نے عرض کی کہ پیرو مرشد فدوی کو جو کچھ معلوم تھا سب عرض کیا، یہ جو حضرت نے فرمایا ہے اس کا علم نہیں، کچھ حضرت کی طرف سے ارشاد ہو، جب آپ نے جس جس مقام میں جو جو اتار چڑھاؤ رہ گیا تھا اس کو باحسن وجہ سنایا اور سمجھایا وہ نہایت خوش ہوا اور اپنے کو تب کچھ چیز جاتا۔

ایک اور جگہ نواب مبارک علی خاں مؤلف کمالات عزیزی کی روایت سے جنھوں نے اپنی کتاب میں بھی اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

''دو قوالوں میں ایک راگ کی تشخیص میں بڑا اختلاف تھا، آخر باتفاق ہمدگر حضرت کی خدمت

Marfat.com

میں حاضر ہوئے۔ راقم (نواب مبارک علی خاں) بھی اس وقت قریب موجود تھا، قوالوں کی تقریر سنکر چلا گیا، مگر وہ اپنا سوال عرض کر چکے تھے، حضرت نے ایسی کیفیت اس راگ کی بیان کی اور اس طرح اس کو سنا دیا کہ دونوں کا اطمیان خاطر ہوا اور دونوں خوش ہو کر دعا دیتے ہوئے چلے گئے۔''

شاہ عبدالعزیز صاحب آخر عمر میں مختلف پریشان کن عوارض میں مبتلا تھے، ان کی طرف بھی مصنف نے کئی جگہ اشارہ کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

''روایت ہے مولوی شجاعت حسین صاحب غازیپوری سلمہ اللہ تعالیٰ سے وہ روایت کرتے ہیں اپنے استاد مولوی سخاوت علی صاحب جونپوری سے وہ شاگرد ہیں مولانا اسمٰعیل دہلوی شہید کے کہا انھوں نے کہ حضرت کو شدت حرارت قلب سے دھڑکے کا عارضہ تھا، تو کبھی کبھی شاہراہ عام میں جو روبرو دولت سرا کے تھا، عصر کے وقت واسطے تخفیف عارضہ اور تفریح طبع کے چہل قدمی کیا کرتے تھے۔''

شاہ صاحب کی یادداشت اور انکے کمالات کے سلسلے میں ایک طویل قصہ لکھنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:۔

''...... یہ ماجرا اس ایام میں تھا کہ جن روزوں حضرت بسبب قصور ہضم کے دو یا تین تولے غذا اور اسی قدر نمک سلیمانی کھا کر چار ہزار قدم مشی فرماتے تھے۔''

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے حالات ایسے متعدد واقعات اور کیفیات مصنف نے بیان کیے ہیں جن کو نقل کرنے کی گنجائش اس مقالے میں نہیں ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب کے بہت سے تلامذہ کے تفصیلی حالات جواب بالکل نایاب ہیں، اس تذکرے میں ملتے ہیں، خاص طور پر سید احمد شہیدؒ، شاہ اسحٰق، مولانا یعقوب اور مولانا سراج احمد خورجوی کے حالات دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں، اس مختصر سے تعارف سے ناظرین اس کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

(ماخوذ از معارف، ستمبر ۱۹۶۵ء)

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی ایک نایاب تصنیف

حضرت شاہ ولی اللہ اوران کے خاندان کی علمی وعملی خدمات سے آج کا علمی طبقہ بخوبی واقف ہے، ایک فاضل مصنف نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ ۱۸۵۷ء اوراس سے پہلے کی علمی دنیا کا ذکر کرنا شاہ ولی اللہ اوراُن کے خاندان کا ذکر کرنا ہے، اس خاندان عالی مرتبت کے افراد نے ہندوستان میں اسلام کی وہی خدمات انجام دیں جو قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اپنے دور میں انجام دی تھیں اور یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان میں اسلام جیسا بھی اور جو کچھ بھی باقی ہے وہ اسی خاندان کا طفیل ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اس خاندان کے وہ بزرگ ہیں جنھوں نے اپنے والد ماجد کے نقش قدم پر چل کر ہندوستان میں علوم اسلامیہ کو عام کیا، اور مسلسل ساٹھ سال تک مسلمانوں کی علمی ودینی خدمت کرتے رہے۔ اُن کی شخصیت بڑی جامع تھی، اپنے زمانے میں ہرفن میں یکتا اور کامل سمجھے جاتے تھے، وہ اپنے دور میں تنہا شخص تھے، جن کے ذریعہ علوم دینیہ بالخصوص علم حدیث کی روایۃً ودرایۃً اشاعت ہوئی اور آج ہندوستان کا شاید ہی کوئی عالم حدیث ایسا ہو جس کا سلسلہ تلمذ شاہ عبدالعزیز تک نہ پہنچا ہو، تفسیر میں اس زمانے کے بڑے بڑے علماء اُن کے شاگرد رہے، اُن کی تفسیر قرآن مجید اپنی مثال آپ ہے ،فقہ میں اُن کی دقت نظر کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ انھوں نے سب سے پہلے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا، مگر اسی کے ساتھ ہر مسلمان کے لئے انگریزی تعلیم جائز قرار دی، سلوک وتصوف کے میدان میں ان کا سب سے اہم کارنامہ حضرت سید احمد شہید جیسے امام کی تعلیم وتربیت ہے، درس وتدریس تعلیم وتعلم میں ان کے کمال کا اندازہ مولانا اسماعیل شہید شاہ محمد اسحاق اور سلامت اللہ کشفی جیسے علماء کی تعلیم وتربیت سے ہوتا ہے، اُن کی تصنیفات میں تحفہ اور فتاویٰ ان کی بالغ نظری کا بین ثبوت ہیں، دوسرے علمی میدانون میں بھی اس جامعیت کی دوسری نظیر ان کے بعد مشکل ہی سے نظر آئے گی، ان کو معقول ومنقول دونوں میں یکساں مہارت تھی، معقولات میں بھی بڑے بڑے معقولی اُن کے خوشہ چین نظر آتے ہیں، شاہ صاحب حدیث تفسیر، فقہ، تصوف عقائد، فلسفہ، منطق میں تو یکتائے دہر تھے ہی مگر بہت ہی کم لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ فن موسیقی کے بھی بڑے ماہر تھے۔

Marfat.com

تذکروں میں اکثر آتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب فن موسیقی سے اچھی طرح واقف تھے۔ مولینا عبدالحئی صاحب مرحوم ناظم دارالعلوم ندوہ العلماء نزہتہ الخواطر میں شاہ صاحب کے حالات میں لکھتے ہیں:

وکانت له مهارة فی الرمی والفروسية والموسيقى[1]	آپ کو تیرا ندازی شہسواری اور موسیقی میں کمال حاصل تھا،

دوسرے تذکرہ نگاروں نے بھی کچھ اسلاف کی روایت سے اور کچھ ملفوظات شاہ عبدالعزیز کی روشنی میں اُن کی موسیقی دانی کا تذکرہ کیا ہے، اس لئے اب تک اس کے ذرائع صرف دو ہی تھے، ملفوظات کے متعدد مقامات سے اس کا انداہ ہوتا ہے، کہ شاہ صاحب موسیقی میں اچھی دستگارہ رکھتے تھے، چنانچہ ایک جگہ مذکور ہے۔

''ایک قوال اپنے نومولود بچے کا نام رکھانے کے لئے حاضر ہوا، حضرت سلام یا سلامت اللہ نام تجویز فرمایا، پھر اس قوال سے ارشاد فرمایا کہ کچھ دھنا سری میں سناؤ چنانچہ مدرسہ شریف میں قوال نے گا کر سنایا، پھر کوئی دوسری چیز شروع کی، فرمایا پھر وہی گاؤ، کافی دیر اس کو گانے کے بعد قوال پھر کوئی اور چیز شروع کی فرمایا وہی خوب تھی...... تھوڑی دیر کے بعد ایک مرید کی طرف دیکھ کر ارشاد فرمایا کہ پہلے میرے سر میں جو درد ہو رہا تھا، گانا سننے سے جاتا رہا، اور سر میں جو کپڑا درد کی وجہ سے بندھا ہوا تھا، اس کی گرہ کھول لی۔[2]

ایک اور جگہ ذکر ہے:

''ایک شخص اپنی اصطلاح کے مطابق مستی کی حالت میں کچھ گا رہا تھا، آپ نے سنا تو فرمایا کہ دھنا سری ہے یا رنجن یا ملتانی، اور گانے کی دوسری قسموں کو بیان کرنے کے بعد پھر فرمایا، کہ پہلے مجھے اس فن سے دلچسپی تھی،

اور اس فن کے مشہور لوگ میرے پاس پوچھنے آتے تھے، اب میں نے اس میں حصہ لینا ترک کر دیا ہے لیکن لوگ اب بھی آجاتے ہیں مگر مجھے اس سے ضرر پہونچتا ہے کیونکہ قلب میں ایک ہیجان کی سی کیفیت ہوتی ہے اور اس کی وجہ سے مرض لاحق ہوتا ہے۔[3]

ملفوظات کی مندرجہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب فن موسیقی سے دلچسپی رکھتے تھے اور

---

۱ نزہتہ الخواطر جلد ہفتم، ص ۲۶۹۔

۲ ملفوظات ص ۱۴۴　　۳ ملفوظات ص ۱۳۳،

Marfat.com

اپنے زمانے میں اس فن میں بھی مرجع خلائق تھے، مگر ابتک یہ باتیں زیادہ تر زبانی روایت اور قیاس پر مبنی تھیں، اور اس سلسلہ میں کوئی بات توفیق سے نہیں کی جاسکتی تھی، اور نہ اس فن میں اُن کے کمال کا صحیح انداز ہی لگایا جاسکتا تھا، اب تک صرف یہ کہا جاسکتا تھا کہ شاہ صاحب موسیقی کے بارے میں کچھ جانتے تھے، مگر اس کی تفصیل نہیں ملتی تھی، خوش قسمتی سے راقم الحروف کو اس فن میں خود شاہ صاحب کا تصنیف کردہ ایک رسالہ ''سانگیت شاستر'' کے نام سے رامپور کے ذخیرہ مخطوطات میں مل گیا، جس سے اب یہ بات پورے دعوے کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ شاہ صاحب موسیقی کے بھی استاد کامل تھے اور اس زمانے کے مشہور اصحاب فن اس میں بھی اُن کے سامنے زانوے تلمذ تہ کرتے تھے،

یہ رسالہ رضا لائبریری رامپور کی فہرست فارسی مخطوطات میں نمبر ۱۸۶۹ کے تحت درج ہے اور سولہ صفحات پر مشتمل ہے، پہلے صفحے کے علاوہ ہر صفحے میں انیس یا بیس سطریں ہیں، رسالہ کی زبان فارسی ہے، اس کا خلاصہ اردو میں پیش ہے:

رسالہ میں تین ابواب ہیں پہلا باب ''دردقت تعداد سرہا ولواحق آن وآں چہار فصل است۔''

فصل اول: ''در بیان حقائق واسامی سرہا میں لکھتے ہیں:۔ ماہرین فن نے اصول اصوات کو سات سروں میں تقسیم کیا ہے، حیوانات کی زبان سے یا نباتات و جمادات کے ٹکراؤ سے بھی آواز پیدا ہوتی ہے، اُن کو ایک خاص نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کے بعد ساتوں سُروں کے نام، ان کے فروع، مصادر اور ہندوستانی سنگیت کا مختصر ذکر کیا ہے، اس کے بعد ساتوں سُروں کے لون، صورت، نمارج، اقالیم، موکل، ایام، اوقات شباں روز مناسب آواز جانوران وغیرہ کا ایک جدول تحریر کیا ہے۔

فصل دوم: درگرامہابہ بدانکہ گرام عبارتست از قرارگاہ سرہائے مذکورہ وآں ہریک سرہا راسہ موضع بود کہ ہریک مضاعف آن دیگر باشد، اس کے بعد مختصر مگر جامع طور پر ایک سُر کو دوسرے سے ملانے سے جو نیا سر پیدا ہوتا ہے، اس کی تفصیل بتلائی ہے۔

فصل سوم:۔ دربیان سرت باید دانست کہ سرت عبارتست از نسل سرہائے مذکورہ، مراکز اعتدال خود اس فصل میں بائیس سر بیان کئے ہیں اور ایک جدول بھی دیا ہے۔

فصل چہارم: درحقیقت مورچھنا پردوں کے صعود ہبوط سے سات سروں میں سے ہر ایک میں تین قسمیں نکلتی ہیں جن کی ترکیبیں جداگانہ ہوتی ہیں،

بعض کے نزدیک یہ کل ملا کر چون اقسام ہوتی ہیں، مصنف نے اکیس اقسام کا جدول بنایا ہے:

باب دوم: درمعرفت راگ کہ آن پنج فصل است

Marfat.com

• فصل اول:۔ در ماہیت راگہا...... سروں کے خواص مختلف ہیں چوب وسنگ وغیرہ کے اختلاف سے سات سروں کے بے شمار صورتیں ہوجاتی ہیں، اس فن کے فضلاء نے ایک سو چھیاسٹھ صورتوں کو منتخب کیا ہے، اور اُن کے اسما بھی مقرر کیے ہیں:

فصل دوم: ''در بیان ترکیب وتقسیم واقسام راگہا'' راگوں کی ابتداء میں تین قسمیں بتلائی ہیں، پھر ان قسموں سے پیدا شدہ اقسام بیان کیے ہیں۔

فصل سوم: میں مصنف نے چھ راگوں کو سرخیل قرار دیا ہے اور جدول میں اُن سے پیدا شدہ اڑتالیس اقسام درج کیے ہیں، چھ سرخیل راگون کو سات سروں سے ترکیب دینے سے یہ مختلف اقسام پیدا ہوتے ہیں مصنف نے ان کے نام بھی درج کیے ہیں۔

فصل چہارم:۔ در بیان وتفصیل راگہا واوقات ودا متزاجات، ہر راگ کے توابع اور لواحق ہوتے ہیں، چھ راگوں سے چھ راگنیاں نکلتی ہیں، ہر راگ کے ساتھ خدمت گاریں اور ہر راگنی کے چھ فرزند اور ایک خدمت گار، چھ راگوں میں سے ہر ایک کی ۱۲۶ قسمیں مع نام ماہرین فن نے بیان کی ہیں، مصنف نے جدول بھیر دیں کے تحت پچانوے قسمیں، جدول مالکوس میں اسماء کے ساتھ اٹھاسی قسمیں، جدول ہنڈول کے ناموں کے ساتھ چوراسی قسمیں، جدول دیپک میں چوراسی قسمیں، جدول میگھ کی چھیاسٹھ قسمیں، جدول سری راگ ناموں کے ساتھ اُناسی قسمیں تحریر ہیں۔

فصل پنجم: ''در بیان صورت راگہا۔'' اس فن کے ماہرین نے عالم تصور میں ہر ایک راگ راگنی کو ایک خاص صورت اور مخصوص معنی کے ساتھ موسوم کیا ہے، مثلاً ایک کو بادشاہ راگ، دوسرے کو بشکل مرتاض وغیرہ مختلف صور واوضاع کے ساتھ معنون کیا ہے، پھر وضع صور اور اوقات کے اعتبار سے راگوں کی قسمیں کی گئی ہیں۔

باب سوم: در حقیقت تال وآن دو فصل است، فصل اول در تال کہ بفارسی اصول گویند عبارتست از ضبط وز مان امتداد حرکات وسکنات اصوات'' دو ہاتھوں میں دو چیزوں کے ہونے، پھر اُن کو ایک دوسرے پر مارتے ہیں، اوقات کے فاصلہ کی برابری اور ضرب کی مقدار وغیرہ کا ذکر ہے، ان کی چار قسمیں ہیں، پھر ہر ایک قسم کی بے شمار قسمیں ہیں، ان میں سے مصنف نے مستعمل ومتعارف اقسام کو بیان کیا ہے۔

فصل دوم۔ دربان اقسام ساز جو تاروں ڈھولک دف اور نقارو وغیرہ کے باعث پیدا ہوں، بانسری اور چوب وغیرہ کے ذریعہ ساز پیدا کرنا، ان سب کے ضوابط ہیں، مصنف نے اس مختصر رسالے میں ان کا

Marfat.com

صرف حوالہ دیا ہے تفصیل نہیں بتلائی ہے۔ رسالہ کے آخر کی یہ دو سطرین بڑی اہم ہیں۔

''وایں رسالہ خلاصہ...... رسالہ جات مذاہب مختلفہ ترکیب کشید، واللہ اعلم بالثواب، تمام شدر سالہ سانکیت شاستر تصنیف استاذی حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی طاب ثراہ بخط کندن لال اشکی''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ رسالہ کندن لال اشکی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اور وہ اپنے کو شاہ صاحب کا شاگرد لکھتے ہیں، کندلال اشکی کوئی غیر معروف شخصیت نہیں، بلکہ اپنے دور کے نامور باکمال تھے، جن کا تذکرہ بہت سے تذکرون اور تاریخوں میں ہے۔[۱]

---

۱ معارف: مغلوں کے آخری دور میں ہندوؤں میں جو باکمال شخصیتیں پیدا ہوئی ان میں ایک راجہ کندن لال اشکی بھی تھے، اُن کا گھرانا پشتہا پشت سے علمی اور دنیاوی وجاہت میں ممتاز چلا آتا تھا، اُن کے اجداد مغلوں کے زمانہ میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز رہے، اُن کے والد منولال فلسفی شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی اور شاہ رفیع الدین صاب دہلوی کے شاگرد اور متعدد کتابوں کے مصنف تھے، دہلی اودھ اور انگریزی سرکاروں میں مختلف عہدوں پر مامور ہے، راجہ کندن لال اشکی ان ہی کے فرزند رشید تھے، انھوں نے علم و فضل میں اپنے والد سے بھی زیادہ ناموری حاصل کی، بعض تاریخوں اور تذکروں میں اُن کے حالات ملتے ہیں، نواب صدیق حسن خان تذکرہ روز روشن میں لکھتے ہیں:۔

''راجہ کندن لال اشکی مولدش شہر بریلی بود در سرکار شاہ اودھ بعہدہ منشتی، الملوکی سرفرازی داشت ومدت العمر در شہر لکھنو بسر نمود، علوم حکمیہ را بخدمت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب استفادہ نمود، وفنون معقولاتش متحضر بودہ، مدت سی سال کما بیش گزشتہ، کہ ازیں جہان بگذشت (تذکرہ روز روشن)

مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی نے کندن لال اشکی پر ایک مستقل مضمون لکھا تھا، جو ان کے مجموعہ مقالات میں موجود ہے، یہ مضمون خود کندن لال کی ایک کتاب منتخب تنقیح الاخبار سے ماخوذ ہے، جس سے زیادہ مستند دوسرا ماخذ نہیں ہوسکتا، اس میں انھوں نے اپنے اساتذہ کے نام بھی لکھے ہیں، اُن میں شاہ نیاز احمد صاحب بریلوی اور مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کے اسمائے گرامی بھی ہیں، مولانا شروانی لکھتے ہیں۔

لالہ کندن لال نے ہوش سنبھالا تو اپنے آپ کو ایک بخاری سید (اشکی کے پہلے استاد میر جعفر بخاری سنبھلی) کے آغوش تربیت میں پایا،...... مولوی رفیع الدین صاحب دہلوی اس خاندن کے رکن رکین تھے، کئی پشت تک ہندوستان کا مذہبی و دینی پیشوار ہا، اس کی شفقت دیکھو کہ کندن لال اور ان کے باپ (منولال فلسفی) دونوں کی دامن شفقت میں رکھا، استادون کی محبت و عظمت میں راجہ کندن لال کے یہ الفاظ ہیں، ''قدوۃ العلما الراسخین فی العلم امام المتالہین مولوی محمد رفیع الدین صاحب کہ استاد و نیز بود'' انیس سال کی عمر میں دلی جانے کا اتفاق ہوا، وہاں پہنچ کر اپنے والد کے استاد مولوی رفیع الدین صاحب کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کیا، اور رسالہ مساکن ایام ولیالی شاذ وسیوس مجستی اور طبعیات شفا کا درس لیا،...... راجہ کندن لال اشکی ہمہ گیر طبیعت کا رنگ ان کی تصانیف طبیعتیں اُن کی مختلف ملازمتوں اور ان اہل کمال کی فہرست سے ٹپک رہا ہے جن سے وہ ملے یہ ہمہ گیر طبیعتیں وہی تعلیم پیدا کر سکیں، جس پر صرف قدامت کے جرم میں نفرت کی نگاہیں پڑتی ہیں'' (مقالات شروانی)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

اس رسالہ کی زبان بھی ایسی ہے کہ شاہ صاحب کی تحریروں اور ترکیب سے ادنیٰ سی مناسبت رکھنے والا شخص بھی بلا تامل کہہ دے گا کہ یہ عبارت شاہ عبدالعزیز کے قلم علاوہ اور کسی کے قلم سے ممکن نہین، رسالے کے داخلی اور خارجی شواہد پر غور کرنے کے بعد یہ بات پوری طرح متحقق ہو جاتی ہے، کہ یہ رسالہ شاہ عبدالعزیز صاحب ہی کی تصنیف ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے اکثر تلامذہ نے اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ اگر ہم غور کریں تو اس کا جواب مشکل نہیں ہے، ملفوظات کی جو عبارتین ہم نے اوپر نقل کی ہیں، ان سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے یہ فن اوائل عمر میں سیکھا تھا، اور جوں جوں اُن پر مذہب کا غلبہ ہوتا گیا، اور علمی و دینی مصروفیات بڑھتی گئیں اور مختلف امراض لاحق ہوتے گئے، اس فن سے دور ہوتے گئے، اس لئے یہ یقینی ہے کہ یہ تصنیف بھی عنفوان شباب کی یادگار ہوگی، مگر اس وقت بھی موسیقی کا رنگ آپ پر پوری طرح غالب نہ رہا ہوگا، بلکہ دینی مشاغل کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی تفنن طبع کی خاطر موسیقی بھی سن لیا کرتے تھے اور اس فن کے شایقین کو اس کے رموز بھی بتلا دیا کرتے رہے ہوں گے، لیکن قیاس ہے کہ عمر میں اضافہ کے ساتھ ساتھ دینی علوم سے جسقدر ان کا شغف بڑھتا گیا، دوسرے فنون خصوصاً موسیقی سے رغبت اور دلچسپی گھٹتی گئی، اور آخر میں اُن کا خاص مشغلہ صرف دینی علوم خصوصاً تفسیر و حدیث کا درس رہ گیا، اُن کے تلامذہ زیادہ تر اسی دور کے ہیں، جب موسیقی کو وہ ترک کر چکے تھے، اس لئے اس دور کے تلامذ نے اس کا تذکرہ نہیں کیا، ممکن ہے، اس کا ذکر ان کی ثقاہت کے خلاف بھی سمجھتے رہے ہوں، اس کے علاوہ اُن کو جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے بعض سودائی امراض ایسے تھے، جن میں موسیقی سننے سے ہیجان پیدا ہوتا اور امراض میں اضافہ ہوتا تھا، اس لئے صحت کے خیال سے بھی انھوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا۔

اتفاق سے جو روایتیں ہم تک پہونچی ہیں، ان میں صرف وہی علماء ہیں، جنھوں نے شاہ صاحب کا یہ رنگ دیکھا تھا، اور اُن کی ذات بابرکت سے اسی حیثیت سے منسلک تھے، انھیں شاہ صاحب کی موسیقی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

ان تحریروں سے ثابت ہوتا ہے کہ کندن لال شاہ رفیع الدین صاحب کے شاگرد تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کا نام تو اس فہرست میں نہیں ہے، لیکن قیاس ہے کہ انھوں نے شاہ رفیع الدین صاحب کے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ سے بھی جن کا حلقہ شاہ رفیع الدین صاحب سے بھی زیادہ وسیع تھا، ضرور استفادہ کیا ہوگا، یا کم سے کم اُن کو اپنے استاد ہی کے درجہ میں رکھتے تھے، جیسا کہ انھوں نے موسیقی کے رسالہ کے دیباچہ میں اُستاذی لکھا ہے، اس لیے شاہ عبدالعزیز صاحب سے ان کا تعلق اور ان کی عقیدت بہرحال مسلم ہے۔" "م"

Marfat.com

دانی کا پوری طرح سے علم نہ تھا، اور اگر علم رہا بھی ہوگا تو اسے زیادہ اہمیت نہ دی ہوگی۔

شاہ صاحب خود بھی اخیر عمر میں جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے موسیقی کی طرف بہت کم توجہ کرتے تھے، لیکن جب اس کا تذکرہ آتا تھا، تو اپنی دلچسپی کا بھی ذکر کر دیتے تھے، جیسا کہ اُن کے ملفوظات کے حوالہ سے اوپر گذر چکا ہے،

بہرحال یہ رسالہ شاہ صاحب کی تصانیف میں ایک اہم اضافہ ہے اور اس سے اُن کی موسیقی دانی کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس فن میں بھی دوسرے علوم وفنون کی طرح استاذ کامل تھے، اس فن کا ذوق بھی دوسرے فنون کی طرح انھوں نے اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ سے وراثت میں پایا تھا، ہر طالب علم کو شاہ ولی اللہ صاحب کی تصانیف پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کو بھی اس فن سے دلچسپی تھی اور اس کی اچھی واقفیت رکھتے تھے۔[1]

(ماخوذ از معارف ج ۹۴/ش ۶)

---

[1] الفوز الکبیر ص ۶۷

Marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

سے متعلق چند غلط روایات

تاریخ میں بار ہا ایسا ہوا ہے کہ اہم شخصیات سے متعلق کچھ افسانے گڑھ لئے گئے، اور ان کی طرف منسوب کر دیئے گئے اور بعد میں آنے والی نسلوں نے اکثر ان اکابر سے حسن عقیدت اور کبھی اصل راوی یا اُس راوی سے روایت کرنے والوں کی ثقاہت کی بنا پر یا کسی اور وجہ سے ان کو صحیح مان لیا ہے، یہاں تک کہ وہ افسانے اور بے بنیاد قصے ان کی زندگی کا جزء شمار ہونے لگے ہیں، مگر جب ان کو تاریخ اور حقائق کی کسوٹی پر پرکھا گیا تو وہ بالکل فرضی اور مہمل ثابت ہوئے۔

اسی قبیل کے چند واقعات حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی طرف بھی منسوب ہیں، ان میں زیادہ اہم واقعات شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پہنچے اُتروانے اور شاہ عبدالعزیز پر چھپکلی کا اپٹن ملوانے، ان کو زہر دینے اور پھر ان کو اور ان کے چھوٹے بھائی شاہ رفیع الدین کو شہر بدر کرنے اور اسی سفر میں شاہ عبدالعزیز کو لُو لگنے اور اس کی وجہ سے اُن کی بصارت جانے کے ہیں، انھیں سب سے پہلے امیر شاہ خان نے اپنی کتاب ''امیر الروایات [۱]'' میں اس طرح بیان کیا ہے:

''اس زمانے میں ایک تو روافض کا نہایت غلبہ تھا چنانچہ دہلی میں نجف علی خان کا تسلط تھا، جس نے شاہ ولی اللہ صاحب کے پہنچے اتروا کر ہاتھ بیکار کر دیتے تھے، تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں اور مرزا مظہر جان جاناںؒ کو شہید کرا دیا تھا اور شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کو اپنے قلمرو سے نکال دیا تھا اور ہر دو صاحبان مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے، اس کے بعد مولانا فخر الدین صاحب کی سعی سے زنانوں کو تو سواری مل گئی تھی اور وہ پھلت روانہ ہو گئے تھے مگر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو سواری بھی نہ ملی تھی اور

[۱] یہ کتاب امیر شاہ خاں صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، جو مولانا اشرف علی صاحب کے حواشی کے ساتھ سہارنپور سے شائع ہوئی ہے۔

Marfat.com

شاہ رفیع الدین تو پیدل لکھنو چلے گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے کیون کہ اُن دونون کو سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا اور دو دفعہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا تھا اور ایک مرتبہ چھپکلی کا اپٹن ملوا دیا تھا، جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام ہوگیا تھا، اور جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لو بھی لگی تھی، جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہوگئی تھی، جس سے جوانی ہی مین بینائی جاتی رہی تھی، اور ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے۔[۱]

اس روایت کو خاں صاحب موصوف کے بعد اکثر اکابر علماء نے نہ صرف نقل کیا ہے بلکہ اس کو کافی اہمیت بھی دی ہے، اس سلسلے میں مولانا مناظر احسن گیلانی[۲] مولانا محمد میاں[۳] اور ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی[۴] خاص طور پر قابل ذکر ہیں، تعجب ہے کہ ان حضرات نے ذرا بھی غور نہ کیا اور بالکل بے بنیاد افسانون کو حقیقت سمجھ بیٹھے، اب آیئے ہم اُن کا تاریخ کی روشنی میں مطالعہ کریں۔

اس سے پہلے کہ ہم ان واقعات کو ان حضرات کی زندگیوں میں تلاش کریں اور ان پر تفصیلی بحث کریں، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس پورے افسانے کے ہیرو نجف خان کے متعلق معلومات حاصل کریں۔

مرزا نجف خاں اصفہان میں پیدا ہوا، وہ ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا تھا، اٹھارہ برس کی عمر میں ہندوستان آیا اور محمد قلی خاں کے یہاں جو اس وقت نواب اودھ کی طرف سے الہ آباد کے قلعہ کا عامل تھا ملازم ہوگیا، ۱۷۶۱ء میں شجاع الدولہ نے محمد قلی خاں کو قتل کرا دیا، اس کے بعد مرزا نجف خاں بنگال چلا گیا۔ اور میر قاسم کے یہاں ملازم ہوگیا جس کے ساتھ وہ بندیل کھنڈ بھی آیا، ۱۷۶۵ء میں وہ انگریزوں کے کیمپ میں جو الہ آباد کے قریب تھا، شامل ہوگیا اور الہ آباد پر انگریزوں کے قبضے کے سلسلے میں ان کی بڑی مدد کی، اس نے مرہٹوں کے خلاف بھی انگریزوں کا پورا ساتھ دیا اور بڑی بہادری کا ثبوت دیا، جس سے ایسٹ انڈیا کمپنی میں اس کا اچھا اثر ہوگیا ۱۷۷۱ء میں مغل بادشاہ شاہ عالم کی ملازمت میں جو اس وقت الہ آباد کے قلعے میں تھا آ گیا اور جب ۱۷۷۲ء میں شاہ عالم الہ آباد سے دہلی آیا تو مرزا نجف خاں کو اپنی فوج کا سپہ سالار بنا کر لایا، یہاں وہ اپنے کارہائے نمایاں کی بناء پر بہت جلد ذوالفقار

۱۔ امیر الروایات ۳۳۔

۲۔ الفرقان، شاہ ولی اللہ نمبر صفحہ ۲۲۷-۳۳-۲۳۲۔

۳۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی جلد ۲۔ صفحہ ۵۲۔

۴۔ The Muslim community of the Into-Pak, P.186

Marfat.com

الدولہ نواب نجف خان بہادر غالب جنگ کا خطاب مغل دربار سے حاصل کر لیتا ہے، اس کے بعد امیر الامراء کا خطاب اس کو مل جاتا ہے اور وکیل مطلق کے عہدے پر فائز ہو جاتا ہے، جس پر وہ اپنے آخری وقت تک رہتا ہے، اس کا انتقال ۴۹ برس کی عمر میں دہلی میں ۸ جمادی الاخری ۱۱۹۶ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۷۸۲ء میں ہو جاتا ہے اور وہیں شاہ مردان کی درگاہ کے پاس دفن کر دیا جاتا ہے، اس طرح سے اسے دہلی میں کل دس سال تین ماہ رہنے کا موقع ملتا ہے۔[۱]

مرزا نجف خان کے ان مختصر حالات کے بعد آیئے سب سے پہلے حضرت شاہ ولی اللہ کے پہنچے اتروانے کے قصے پر غور کریں، ہم نے ابھی دیکھا کہ مرزا نجف خان پہلی مرتبہ مغل بادشاہ شاہ عالم کے ساتھ ۱۷۷۲ء میں دہلی آتا ہے اور دہلی میں اس کا اقتدار اس تاریخ کے بعد شروع ہوتا ہے اور عجیب اتفاق ہے کہ اس سے پورے دس سال قبل ۱۷۶۲ء میں شاہ ولی اللہ کا انتقال ہو جاتا ہے۔[۲]

اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ شاہ ولی اللہ کے پہنچے نجف خان نے نہیں بلکہ کسی اور شیعہ نے اتروائے، تب بھی یہ ایک اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ واقعہ تو شاہ صاحب کی زندگی کا اہم سانحہ رہا ہوگا مگر نہ تو خود انھوں نے، کسی شاگرد یا صاحبزادے نے اس یا زمانے کے کسی تاریخ نگار نے اس کا کہیں ضمناً ذکر کیا اور تو اور خود حکمت ولی اللہ کے شارح اور شاہ ولی اللہ کے مکتب فکر کے سب سے بڑے عالم مولانا عبید اللہ سندھی نے بھی کہیں اس کا ذکر نہیں کیا، شاہ صاحب اپنی زندگی کے آخری دور میں ہمہ گیر شہرت اور عزت کے مالک تھے اور اس زمانہ کے تقریباً تمام اکابر علماء و فضلاء یا ان کے شاگرد تھے یا معتقد، مگر کسی نے بھی اس واقعے کے خلاف آواز بلند کرنا تو کیا کہیں تذکرہ تک نہیں کیا۔

علاوہ ازیں اگر شعیہ حضرات اتنی طاقت رکھتے تھے کہ شاہ ولی اللہ جیسی شخصیت پر اس طرح مظالم ڈھا سکتے تو پھر انھوں نے ان کے پہنچے ہی کیوں اُتروائے؟ وہ ان کو کوئی مضمون یا کتاب لکھنے سے باز رکھنے کے لئے اس سے زیادہ موثر اقدامات آسانی سے اٹھا سکتے تھے، پہنچے اُتروانے کے بعد تو وہ املا کو آسانی سے کر ہی سکتے تھے کیوں کہ ان کا دل و دماغ، زبان اور دوسرے اعضاء بالکل سالم تھے، کوئی بھی شخص اس قدر نادان نہ ہوگا کہ کسی شخص پر قابض ہو کر صرف اس کے پہنچے اتروا کر چھوڑ دے اور یہ سمجھ لے

---

[۱] اس سلسلے میں مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو (۱) واقعات دار الحکومت دہلی، حصہ اول صفحہ ۶۶۸ تا ۲۷۵۔

(2) Fall of the Mughal Empire by J.N Sarkar vol III

(3) History of Freedom Movement Vol I PP. 126-131

[۲] (۱) ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز صفحہ ۹۵۔

(۲) شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک صفحہ ۵۶، ۲۸)

Marfat.com

کہ اب یہ میرے خلاف کچھ لکھنے یا بولنے کے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے منسوب قصہ نے تو لغویات اور افتراء کا پورا حق ادا کر دیا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب کی پیدائش ۱۷۴۵ء [۱] میں ہوتی ہے، شاہ ولی اللہ کی وفات کے وقت اُن کی عمر سترہ سال کی ہوتی ہے [۲] اور نجف خان دہلی اُس وقت آتا ہے جبکہ اُن کی عمر ۲۷ برس کی تھی اور جب شاہ صاحب کی عمر ۳۷ برس کی ہوتی ہے نجف خان کا انتقال ہو جاتا ہے۔

امیر شاہ خاں صاحب کی روایت سے انداہ ہوتا ہے کہ نجف خان نے اسی دس سال کے عرصے میں شاہ صاحب پر یہ تمام مظالم ڈھائے ہوں گے، اسی دس سال میں ان کے خلاف فرد جرم بھی عائد ہوئی ہوگئی، ان کی مخالفت شروع ہوئی ہوگی، دو بار زہر دیا گیا ہوگا، ایک مرتبہ چھپکلی کا اپٹن ملوایا گیا ہوگا اور پھر شہر بدر بھی کیا گیا ہوگا جو بظاہر دشوار نظر آتا ہے، پھر ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ کہ شہر بدر ہونے کے بعد شاہ عبدالعزیز صاحب جونپور سے دوبارہ دہلی نجف خان کے زمانے میں تو واپس آئے نہ ہوں گے اس کے مرنے کے بعد ہی آسکتے تھے اور اس وقت ان کی عمر چالیس کے قریب ہوئی ہوگی اور ظاہر ہے کہ بصارت جونپور سے واپسی پر ہی زائل ہوئی ہوگی یعنی کم از کم چالیس برس کی عمر میں، مگر خاں صاحب کی روایت کے مطابق شاہ صاحب کی بصارت جوانی ہی میں جاتی رہی۔

چالیس برس کی عمر سے پہلے شاہ صاحب کی کسی تحریر یا تقریر سے کوئی بات شیعوں کے خلاف کھل کر ظاہر نہیں ہوتی بلکہ اسی زمانے کی تحریر ''سرالشہادتین'' ہے جس میں اکثر باتیں شیعی نقطۂ نظر کے مطابق ہیں اور اس تصنیف پر کسی شیعہ کو بظاہر کوئی اعتراض بھی نہیں ہے، اس کے علاوہ اسی زمانے کے واقعات ہیں کہ ان کی حضرات اہل بیت سے محبت اور عقیدت کے باعث اکثر متشدد سنی حضرات بھی ان کو شیعہ سمجھنے لگتے ہیں، چنانچہ خود شاہ صاحب اپنا ذاتی قصہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روہیلہ پٹھان جس کا نام حافظ آفتاب تھا اور جو شاہ صاحب کے درس میں اکثر حاضر بھی رہتا تھا، ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر شروع ہوا، تو جیسا کہ سنی لوگوں کی عادت ہے کہ جو صحابی ہوں دل و جان سے ان کے فضائل و مناقب کرتے ہیں، شاہ صاحب نے اس تذکرہ میں اسی طرح سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مناقب بیان کرنے شروع کر دیئے، اس روہیلہ پٹھان نے ان کو شیعہ سمجھ لیا اور درس میں آنا بھی موقوف کر دیا۔ [۳]

تفسیر فتح العزیز اور تحفہ اثنا عشریہ جو شاہ صاحب کی سب سے اہم تصانیف ہیں چالیس برس کی عمر کے

۱،۲ شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک ۵۷ (۲) نزہتہ الخواطر جلد ۷ صفحہ ۲۶۸۔)

۳ ملفوظات شاہ عبدالعزیز صفحہ ۲۳۔

Marfat.com

بعد لکھی گئی ہیں، ان کے اکثر اہم فتوے بھی کم وبیش اس عمر کے بعد ہی کے ہیں، شاہ صاحب نے شیعوں کے خلاف جو سب سے اہم تصنیف کی ہے وہ تحفہ اثنا عشریہ ہے، اگر شیعہ حضرات کبھی بھی شاہ صاحب کے اس حد تک دشمن ہوئے ہوں گے تو وہ تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف کے بعد ہی ہو سکتے ہیں۔ اور تحفہ اثنا عشریہ کا سال تصنیف ۱۲۰۴ھ [۱] مطابق ۹۰۔۱۷۸۹ء ہے اور نجف خان جو حضرت شاہ صاحب کے متعلق ان تمام غلط روایات واکا ذیب کا ہیرو ہے اس سنہ سے آٹھ برس پہلے یعنی ۱۱۹۶ھ مطابق ۱۷۸۳ء میں انتقال کر جاتا ہے۔ [۲]

اگر یہ کہا جائے کہ نجف خان کے بعد کسی شیعہ نے ان کے ساتھ اتنا ظلم کیا ہوگا تو یہ بھی قرین قیاس نہیں کیوں کہ نجف خان کے مرنے کے بعد دہلی میں شیعوں کا اثر بہت کم ہو جاتا ہے اور غلام قادر روہیلہ پٹھان جو کٹر سنی تھا، نجف خان کی جگہ لے لیتا ہے۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے فرض بھی کر لیا جائے کہ شاہ صاحب پر ان کی عمر کے کسی دور میں یہ واقعات پیش آئے تو یہ واقعات بھی شاہ صاحب کی زندگی کے اہم ترین سانحے ہونے چاہئیں مگر تعجب ہے کہ اس زمانے کے کسی تذکرہ نویس یا اس کے فوراً بعد کے کسی تاریخ نگار نے اس اہم واقعے کا قطعاً ذکر نہیں کیا، خود ملفوظات میں جہاں شیعوں کی ایذا رسانی کا تذکرہ ہے کہیں بھی اس کا ذکر نہیں، پھر صاحب امیر الروایات کے مطابق شاہ عبدالعزیز صاحب کو دہلی سے جونپور تک اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب کو لکھنو تک پیدل بھیجا گیا مگر تعجب ہے کہ لکھنو کے کسی خاندان کے تذکرے میں نہیں ملتا کہ شاہ رفیع الدین صاحب لکھنو تشریف لائے اور نہ جونپور کے کسی تذکرے میں یہ حوالہ ملتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب یہاں کبھی تشریف لائے۔

اگر یہ واقع صحیح بھی ہے تو ان کے تلامذہ کا جال پورے ہندوستان میں پھیلا ہوا تھا، اور ان میں سے کسی نے راستے میں اپنے یہاں ان حضرات کو نہ روکا کہ وہ دھوپ اور لو کی شدت سے کچھ دنوں آرام کر لیتے؟ امیر شاہ صاحب کی روایت کے مطابق شاہ عبدالعزیز صاحب یا شاہ رفیع الدین صاحب خدانخواستہ مسکین اور غیر معروف، کمزور اور بے یار و مددگار تھے، جن پر جو چاہتا جس طریقے سے بھی ظلم ڈھاتا تھا اور ان کا کوئی خیر خواہ بھی نہ تھا کہ اس کے خلاف فریاد کرتا یا آواز اٹھاتا، اس لئے شاہ صاحب ہر ظلم کو صبر وشکر کے ساتھ برداشت کرتے رہے۔

---

[۱] (۱) تحفہ اثنا عشریہ قلمی سر سلیمان کلکشن، مسلم یونیورسٹی علی گڈھ و کتب خانہ رام پور (۲) رود کوثر صفحہ ۵۷۴)

[۲] (۱) واقعات دار الحکومت دہلی حصہ اول صفحہ ۲۷۵)

History of Freedom Movement Vol. I, P-131 (۲)

Marfat.com

ممکن ہے خاں صاحب ممدوح طبی اصولوں سے زیادہ بہتر واقفیت رکھتے ہوں مگر پھر یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ صرف لو لگ جانے سے کسی شخص کے مزاج میں اس قدر حدت پیدا ہو جائے کہ فوراً ہی بینائی زائل ہو جائے!!

اس سے قطع نظر اس قسم کی شہادتیں موجود ہیں جس سے ثابت ہتا ہے کہ شاہ صاحب کی بصارت تحفہ اثنا عشریہ کے لکھنے سے بہت پہلے زائل ہوئی ہے اور یہ کسی خاص واقعے یا حادثے کا نتیجہ نہ تھی، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی جو شاہ صاحب کے سلسلے کے بڑے بزرگوں سے اور شاہ اسحٰق صاحب[1] کے خاص شاگردوں میں سے تھے فرماتے ہیں۔

''شباب میں بینائی بالکل جاتی رہی تھی، اکثر تصانیف نابینائی کی ہیں۔''[2]

زمانہ کے لحاظ سے قاری صاحب امیر شاہ خاں صاحب کے مقابلے میں شاہ صاحب سے زیادہ قریب ہیں اور اس سلسلے کہ اہم بزرگ اور عالم ہونے کی وجہ سے امیر شاہ خاں صاحب سے زیادہ معتبر بھی ہیں، اگر شاہ صاحب کی بصارت کا جانا ان کے شہر بدر کیے جانے کا نتیجہ ہوتا تو قاری صاحب اس ضمن میں اس کو ضرور بیان کرتے۔

قاری صاحب کے اس بیان کی تصدیق خود شاہ صاحب کے زمانے کے تاریخ نویس عبدالقادر خان کے بیان سے ہوتی ہے، انھوں نے وقائع عبدالقادر خانی میں جس کا قلمی نسخہ رامپور کے کتب خانے میں موجود ہے اور جس کا اُردو ترجمہ ابھی حال میں پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کی طرف سے ہوا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب کے تذکرے سے پہلے یوں لکھتے ہیں:

''علماء دہلی، اب اس شہر کے وہ اہل کمال گناتا ہوں جو بندہ کے زمانے میں موجود تھے۔''[3]
شاہ عبدالعزیز صاحب بینائی جاتے رہنے کی وجہ سے خود نہیں لکھ سکتے تھے، دوسرے کو بلا تامل املا فرماتے تھے۔''[4]

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے شاہ صاحب کو دیکھا تھا اگر ان کی زندگی میں اتنے بڑے واقعات رونما ہوئے ہوتے تو اس کا ذکر یقیناً وہ اس کتاب میں کرتے، وہ شاہ صاحب کی بصارت جانے

---

[1] شاہ اسحٰق صاحب شاہ عبدالعزیز صاحب کے نواسہ اور ہندوستان میں ان کے بعد ان کی تحریک کے علمی وارث تھے۔
[2] معارف نمبر ۳، جلد ۲۷۔ صفحہ ۱۹۴ مارچ ۱۹۳۱۔
[3] علم و عمل ترجمہ وقائع عبدالقادر خانی، جلد اول صفحہ ۲۴۵۔
[4] ایضاً۔

Marfat.com

کا ذکر کرتے ہیں اور اگر یہ شہر بدر کا نتیجہ ہوتا تو اس ضمن میں ضرور اس کا ذکر ہوتا۔

اس کے علاوہ حکیم سید عبدالحئی صاحب نزہتہ الخواطر کی ساتویں جلدیں میں فرماتے ہیں:

''......هذا وقد اعترته الامراض المؤلمة وهو ابن خمس و عشرين فأدت الى المراق والجذام والبرص والعمى ونحو ذلك حتى عد منها اربعة عشر مرضاً مفجعا۔[1]

ترجمہ: یہ تمام باتیں اُس وقت تھیں جبکہ ان کو پچیس ہی برس کی عمر میں بہت سارے شدید امراض ہو گئے تھے، مثلاً مراق، جذام، برص اور اندھا پن اور اسی طرح کے اور بہت سارے مہلک امراض جن کی تعداد چودہ تک پہونچ گئی تھی''

اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی بصارت جانا اور دوسرے امراض پچیس برس ہی کی عمر سے شروع ہو گئے تھے، یہ وہ زمانہ ہے جبکہ نجف خان دہلی بھی نہیں آیا تھا، مولانا عبدالحئی صاحب نے بھی کہیں ان واقعات کا ذکر نہ کیا۔

اس سلسلے میں جو سب سے اہم ثبوت ہے وہ خود شاہ صاحب کا خط ہے جو خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں محفوظ ہے، اس خط میں شاہ صاحب، فارغ شاہ کو ان کے خط کے جواب میں اپنے حالات اس طرح لکھتے ہیں:

''بعد از سلام مسنون الاسلام و دعوات ترقیات ظاہر و باطن مکشوف د واضح باد کہ رقیمہ کریمہ بعد از عرصہ بسیار بہجت وصول آورد، الحمد للہ کہ خیریتہا معلوم شد از احوال مزاج فقیر کہ استفسار رفتہ بود تفصیل آن موجب ملال خواطر دوستان است، مجمل آنکہ عارضہ، قدیم شکم بدستور شدت دارد و بصارتِ چشم گویا موقوف شدہ دردِ دندان از خوردن ونوشیدن وبسیار سخن کردن مانع می شود۔[2]''

ترجمہ: سلام مسنون اور ظاہری و باطنی ترقیات کی دعاؤں کے بعد واضح ہو کہ عرصہ دراز کے بعد کرم نامہ موصول ہوا، الحمد للہ کہ خیریت معلوم ہوئی، اس فقیر کے مزاج کے حالات سے متعلق جو دریافت کیا ہے اس کی تفصیل دوستوں کے دلوں کے لئے موجب ملال ہے، مختصر یہ کہ پیٹ کا پرانا مرض بد ستور شدید ہے، آنکھوں کی بینائی گویا ختم ہو چکی ہے اور دانت کا درد کھانے پینے اور زیادہ بولنے

---

1. نزہتہ الخواطر جلد ۷ جلد صفحہ ۲۷۔
2. مجموعہ مکتوبات شاہ عبدالعزیزؒ وغیرہ فارسی قلمی نمبر ۳۰۱۸ خدا بخش لائبریری پٹنہ۔

Marfat.com

سے مانع ہے......''

یہ خط ۱۱۸۹ھ کا لکھا ہوا ہے، جیسا کہ نیچے صاف مہر سے واضح ہوتا ہے۔

اس مکتوب سے کئی اہم نتائج نکلتے ہیں:

(۱) شاہ صاحب کی بصارت قطعی طور پر تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف سے کم وبیش پندرہ سال پہلے جبکہ آپ کی عمر تیں برس کی تھی جاتی رہی تھی۔

(۲) یہ بات کسی واقعے یا حادثے سے متعلق نہ تھی بلکہ ان کو شروع عمر ہی سے متعدد امراض لاحق ہو گئے تھے اور صحت خراب رہتی تھی۔

(۳) اگر شاہ صاحب کو بالفرض محال شہر بدر کیا گیا ہوگا تو تیں برس کی عمر سے پہلے کیا گیا ہوگا جو کہ حقائق کے منافی اور بعید از قیاس ہے۔

(۴) اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ شاہ صاحب کو اس عمر سے پہلے ہی شہر بدر کیا گیا تو اس وقت ان کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر یقیناً حیات تھے، امیر شاہ خاں صاحب کے بیان کے مطابق پورے خاندان کو شہر بدر کیا جاتا ہے، عورتیں پھلت سواری پر بھیج دی جاتی ہیں، شاہ عبدالعزیز اور شاہ رفیع الدینؒ کو ''دو مختلف سمتوں'' میں شہر بدر کر دیا جاتا ہے، مگر شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا کیا ہوتا ہے؟ اور وہ کہاں جاتے ہیں؟ خان صاحب یہ بیان کرنا بھول گئے، ان کے خیال میں شاہ عبدالقادرؒ شاید اس وقت سے پہلے ہی انتقال کر گئے تھے، ورنہ اگر وہ حیات ہوتے تو مرزا نجف خان ان کو بھی ضرور شہر بدر کرتا اس لئے کہ شاہ عبدالقادرؒ بذاتِ خود شیعوں کی مخالفت میں شاہ عبدالعزیز صاحب سے کسی طرح کم نہ تھے۔

مندرجہ بالا سطور سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز شاہ رفیع الدین سے متعلق یہ واقعات محض افسانے اور من گھڑت قصے ہیں، جن کی کوئی تاریخی حیثیت نہیں، اس میں شبہ نہیں کہ اس زمانے میں شیعہ سنی اختلاف کافی بڑھا ہوا تھا اور شاہ ولی اللہ کی ازالۃ الخفاء اور شاہ عبدالعزیز کی تحفہ اثنا عشریہ اسی دور اختلاف کی یادگار ہیں، یہ بات بھی یقینی ہے کہ شیعہ حضرات ان کے کافی خلاف ہو گئے تھے، مگر مخالفت میں اس طرح کے غیر موثر مظالم جیسا کہ ہم نے دیکھا ناممکن تھے، ہاں البتہ انھوں نے مخالفت میں ان علمی تصانیف کا جواب تصانیف سے دیا اور واقعتاً صرف تحفہ اثنا عشریہ کی تردید میں سولہ کتابیں لکھی گئیں اور یہی بات قیاس سے زیادہ قریب بھی معلوم ہوتی ہے، یہ ممکن ہے کہ بعض بیہودہ قسم کے مخالفین نے ان کو تنگ کیا ہو جیسا کہ خود اُن کے ملفوظات سے بھی ظاہر ہے، مگر خاں صاحب کے بیانات

Marfat.com

قیاس اور تاریخ دونوں کے منافی ہیں۔

تعجب ہے، امیر شاہ خاں صاحب کی اس روایت کو ضرورت سے زیادہ کیوں اہمیت دیدی گئی اور اس سے بڑھ کر تعجب اس بات پر ہے کہ مولانا اشرف علی صاحب نے اس پر حاشیہ کیسے لکھ دیا، اس لئے کہ خاں صاحب موصوف باوجود اپنی بزرگی کے علمی آدمی نہ تھے، وہ صرف مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا قاسم نانوتوی رحمہما اللہ اور اس دور کے دوسرے بزرگوں کی صحبت میں رہے، انھوں نے لوگوں کی زبانی جو واقعات سنے تھے انھیں کو بیان کیا کرتے تھے، امیر الروایات ان کی کوئی مستقل تصنیف بھی نہیں ہے، بلکہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور جس میں غلطی کا پورا پورا احتمال ہے۔

اصل میں مولانا مناظر احسن گیلانی، امیر شاہ خاں صاحب سے کافی عقیدت رکھتے تھے اس لئے انھوں نے جو کچھ بھی خاں صاحب سے سنا بلا کسی جرح وتنقید کے اس پر ایمان لے آئے اور اپنے زورِ قلم سے رائی کا پربت اس طرح بنایا کہ دوسرے جذباتی قسم کے حضرات بھی اس کو سچ سمجھ بیٹھے لیکن تاریخ تاریخ ہے اور افسانہ، افسانہ! دونوں کبھی ایک نہیں ہوسکتے۔

(ماخوذ از معارف ج ۹۴ ۔ش ۶ نومبر ۱۹۶۴ء)

Marfat.com

خانوادہ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے متعلق دو روایتوں کی تحقیق وتنقید

تاریخ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ اپنے کسی خاص نقطہ نظر یا کسی انوکھی بات کو ثابت کرنے کے لئے چند فرضی واقعات وضع کر لیتے ہیں اور ان کو حقیقت بنا کر پیش کرتے ہیں، پھر بعد کے لکھنے والے ان داستانوں کو صحیح سمجھ کر انھیں بنیادوں پر نئی عمارت تعمیر کرنے لگتے ہیں، اس طرح سے تاریخ کا ایک نیا ہی رخ ہو جاتا ہے مگر جب ان کا تاریخی حقائق کی روشنی میں تجزیہ کیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان دلائل کی اصل بنیاد فرضیات اور غیر تاریخی واقعات ہی تھے، اس طرح کے واقعات ہر دور اور ہر ایک کی تاریخ میں ملتے ہیں مگر ہمارے اسلاف اور بزرگان دین کے سلسلے میں اس طرح کا طریقہ زیادہ استعمال کیا گیا ہے، کسی نے اپنے ایک گروہ یا کسی خاص فرد کی بڑائی ظاہر کرنے کے لئے کوئی قصہ گڑھ ڈالا، تو کسی کو نیچا دکھانے کے لئے کوئی داستان مرتب کی گئی اور کہیں کسی اختلاف کو اور زیادہ اہمیت دینے کے لئے کوئی نئی بات تراشی گئی، ہمارے ان بزرگوں اور مشائخ کے سلسلے میں ان غلط روایات کو پرکھنے اور ان پر تنقید کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی ہے کیونکہ یہ واقعات یا تو کسی بڑے بزرگ کی زبانی یا ان کے قلم سے منسوب ہوتے ہیں یا ان سے متعلق ہوتے ہیں، اس لئے ان کی طرف اس طرح کی منسوب روایات کو نقد وتبصرہ کی کسوٹی پر کسنا سوء ادبی تصور کیا جاتا ہے، چاہے بھلے ہی ان واقعات کی وجہ سے ان کی شخصیت مجروح ہوتی ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے خاندان کے دوسرے بزرگ خصوصاً حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تک فرضی واقعات گڑھنے والون کی مہربانیوں سے نہ بچ سکے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ کے متعلق یہ کہا گیا کہ شیعہ حضرات ان سے اس قدر خفا تھے کہ نواب نجف خان (ف ۱۱۹۶ھ/ ۱۷۸۲ھ نے جو راوی کے مطابق بہت ہی متعصب اور ظالم شیعہ تھا:

Marfat.com

(۱) شاہ ولی اللہ صاحب کے پہونچے اتروا کر ہاتھ بیکار کر دے تھے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ تحریر کر سکیں[۱]۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اوران کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ اسی نجف خاں نے:

(۲) ''شاہ عبدالعزیز صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب کو اپنی قلمرو سے نکال دیا تھا اور ہر دو صاحبان مع زنانوں کے شاہدرہ تک پیدل آئے تھے[۲]

(۳) ''اس کے بعد مولانا فخر الدین صاحب کی سعی سے زنانوں کو تو سواری مل گئی تھی اور وہ پھلت روانہ ہو گئے تھے مگر شاہ رفیع الدین صاحب اور شاہ عبدالعزیز صاحب کو سواری بھی نہ ملی تھی۔[۳]

(۴) ''اور شاہ رفیع الدین تو پیدل لکھنو چلے گئے تھے اور شاہ عبدالعزیز صاحب پیدل جونپور چلے گئے تھے کیونکہ نہ ان دنوں کو سوار ہونے کا حکم تھا اور نہ ساتھ رہنے کا (امیر الروایات صفحہ ۳۳)

(۵) ''اور دو دفعہ روافض نے شاہ صاحب کو زہر دیا تھا اور ایک مرتبہ چھپکلی کا ابٹن ملوا دیا تھا جس سے شاہ صاحب کو برص اور جذام ہو گیا تھا۔''

(۶) ''اور جونپور کے سفر میں شاہ صاحب کو لو بھی لگی تھی، جس سے مزاج میں سخت حدت پیدا ہو گئی تھی جس سے جوانی ہی میں بینائی جاتی رہی تھی اور ہمیشہ سخت بے چین رہتے تھے۔ (امیر الروایات صفحہ ۳۳)

مندرجہ بالا تمام فرضی واقعات کی تفصیل میں یہاں جانے کی ضرورت نہیں اس لئے کہ ان کا تاریخی تجزیہ پوری شرح وبسط کے ساتھ پہلے ہی کر چکا ہوں[۴] یہاں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے متعلق دو اور روایات کا تاریخی جائزہ لینا مقصود ہے:

(۱) پہلی روایت مناقب فریدی کے مصنف احمد اختر مرزا کی ہے، حضرت شاہ فخر الدین صاحب کے حالات کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''دھلی میں مشہور ہے کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اور سٹین صاحب رزیڈنٹ سے حضرت ہی نے صفائی کرائی۔''[۵]

---

۱ امیر الروایات صفحہ ۳۳۔ ۲۔ امیر الروایات صفحہ ۳۳ ۳ امیر الروایات صفحہ ۳۳

۴ برہان نومبر ۱۹۶۴ء

۵ مناقب فریدی، مطبع احمدی، دہلی ۱۳۱۴ صفحہ ۳۶

Marfat.com

(۲) دوسری روایت کا تعلق مناقب فخریہ کے مولف غازی الدین خان نظام [1] کے مندرجہ ذیل بیان سے ہے۔

''فرزندان شاہ ولی اللہ مغفور را در آنچہ متصد یان سلطانی از حویلی علیحدہ ساختہ وحویلی را بہ ضبط آوردہ بودند۔ آن حضرت بہ حویلی مبارک جا دادند وغم خواری فرمودند وحویلی مذکور از جناب سلطان بہ ایشاں دہانیدند وباعزاز واکرام در آں جا رسانیدند:[2]

اس روایت کی ثقاہت کا اندازہ لگانے کے لئے دھلی کے رزیڈنٹ سیٹن اور حضرت شاہ فخر صاحب کے حالات اوران کی تاریخوں کا جاننا ضروری ہے۔

دہلی پر ستمبر ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک (Lord Lake) نے قبضہ کرلیا [3] اوراس تاریخ ہی سے وہاں پر ایسٹ انڈیا کمپنی کا باقاعدہ تسلط ہو جاتا ہے، اسی سال سے دھلی کے علاقہ کی دیکھ بھال کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایک رزیڈنٹ رہنے لگتا ہے، انگریزوں نے سب سے پہلا جو رزیڈنٹ مقرر کیا وہ تھا سر ڈیوڈ آکٹرلونی Sir David Ochterlony یہ پہلا رزیڈنٹ دھلی میں پہلی بار ۱۸۰۳ء سے ۱۸۰۶ تک رزیدنٹ رہتا ہے۔ [4]

دھلی میں انگریز رزیڈنٹ اور ایجنٹ کا یہ سلسلہ ۱۱ مئی ۱۸۵۷ء تک جاری رہا جب کہ آخری ایجنٹ سائمن فریز رغدر کے دوران قتل ہو جاتا ہے۔ [5]

---

[1] مناقب فخریہ کے مصنف کا نام تاریخ مشائخ چشت میں نظام الملک مذکور ہے لیکن اصل مصنف نظام الملک کے پوتے غازی الدین خان نظام ہیں، جیسا کہ خود مناقب فخریہ میں ہی متعدد جگہ لکھا ہے۔ اس کتاب کے شروع میں بھی منصف نے شاہ فخر صاحب کے والد صاحب کے حالات کے سلسلے میں لکھا ہے۔

''جد مرحوم عفی اللہ عنہ نواب نظام الدین الملک آصف جاہ نیز شرف بیعت درخدمت آں ظل الہی داشت۔ (مناقب فخریہ ۲) یہ کتاب اسی اصل مصنف غازی الدین خاں نظام کے نام سے دہلی سے ۱۳۱۵ھ میں شائع بھی ہو چکی ہے۔ مولانا آزاد لائبریری علی گڑھ میں اس کتاب کے دو قلمی نسخے بھی اسی اصل مصنف کے نام سے موجود ہیں۔

[2] مناقب فخریہ از غازی الدین خاں نظام ۱۶ مطبع احمدی دہلی ۱۳۱۵ھ سٹین کا نام پروفیسر پی اسپیر P.Spear نے اپنی کتاب Twilight of the Mughals میں چارلس سیٹن (Charls Seton) دیا ہے۔ (۲۶۹۰)۔ واقعات دارالحکومت دہلی حصہ اول کے ۶۹۲ پر مولوی بشیر الدین احمد دہلوی نے اس کا نام آرچی بولڈ سٹین دیا ہے۔ [3] تاریخ مشائخ چشت (دہلی ۱۹۵۳ء) ۴۹۳۔ [4] Twiligiit of the Mughals ودھلی رزیڈنسی اینڈ ایجنسی ۷۵۔۷۶۔۷۷ دہلی رزیڈنسی اینڈ ایجنسی اور علم وعمل۔ (وقائع عبدالقادر خانی) ۳۵۰۔۷ تاریخ مشائخ چشت ۵۱۳۔)

[1] دہلی رزیڈنسی اینڈ ایجنسی ص ا، علم وعمل (وقائع عبدالقادر خانی) ص ۳۵۰۔

[2] دہلی رزیڈنسی [3] تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۵۱۳۔

Marfat.com

جیسا کہ ابھی ہم نے دیکھا انگریزوں کا با قاعدہ تسلط دہلی پر ۱۸۰۳ء میں ہوا جبھی سے رزیڈنسی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے اور اس سلسلے کا دوسرا رزیڈنٹ سیٹن تھا جو ۱۸۰۶ء میں اپنے عہدے پر فائز ہوا اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت شاہ فخر صاحبؒ سیٹن کے رزیڈنٹ ہونے سے تقریباً اکیس سال پہلے ۲۷ جمادی الثانی ۱۱۹۹ھ بمطابق مئی ۱۷۸۵ء میں انتقال فرما جاتے ہیں، اس لئے حضرت شاہ فخر صاحب کی وساطت کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

سطور بالا سے تو یہ ثابت ہوا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز اور سیٹن کے مابین حضرت شاہ فخر صاحب بیچ بچاؤ کرنے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب آیئے یہ دیکھیں کہ شاہ صاحب اور سیٹن میں کبھی کوئی نزاع ہوا بھی تھا یا نہیں؟

تاریخ میں ہم کو صرف مناقب فریدی کے مصنف ہی کا حوالہ ملتا ہے جس میں انہوں نے اس جھگڑے کا ذکر کیا ہے، شاہ عبدالعزیز صاحب یا ان کے ہم عصر تذکرہ نگاروں یا شاہ صاحب کے تلامذہ کی تصانیف میں کہیں بھی اس جھگڑے کا ذکر موجود نہیں ہے، یہاں تک کہ خود مناقب فریدی سے قبل کے لئے شاہ فخر صاحب کے بھی کسی تذکرے میں اس واقعہ کا کوئی حوالہ نہیں، اس کے برخلاف خود شاہ عبدالعزیز صاحب ملفوظات میں متعدد ایسی روایات ہیں جن سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ شاہ صاحب سیٹن سے جھگڑے کا سوال ہی نہیں ہوتا بلکہ سیٹن شاہ عبدالعزیز صاحب کا خاصا معتقد تھا اور ان کا بڑا احترام کرتا تھا۔

ملفوظات شاہ عبدالعزیز میں سیٹن کے سلسلے میں یوں ذکر ہے:۔

''سیٹن ہم دو سہ بار آمد لیکن جاہل پر تملق چنانچہ روزے برائے دیدن مولد در شہر کہنہ رفت وقصد کرد بجائے مولدم بنائے طیار کند چنانچہ بنا کردہ مگر درست نشدہ چنانچہ حسب ذکر پرسیدہ بود۔[1]''

(ترجمہ) سیٹن دو تین بار میرے پاس آیا ہے لیکن وہ جاہل اور خوشامدی ہے چنانچہ ایک دن میری جائے پیدائش کو پرانے شہر (دہلی) میں دیکھنے گیا تھا اور وہاں ایک عمارت (بطور یادگار) بنوانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا چنانچہ ایک عمارت بنوائی تھی مگر وہ درست نہ تھی، جیسا کہ حسب ذکر دریافت کیا گیا تھا۔''

اسی صفحہ پر ایک عبارت سیٹن سے متعلق اس طرح ہے۔

''ارشاد شد کہ سیٹن انگریز سوال کرد یا کہ باعث ایں چیست کہ آب چاہ شہر کہنہ بعض بعض شیریں شدہ

---

[1] ملفوظات شاہ عبدالعزیز مطبع مجتبائی ۱۳۱۴ھ صفحہ ۱۱۷۔

Marfat.com

است گفتم از دو جہت ......[1]

(ترجمہ) ارشاد فرمایا کہ سیٹن انگریز نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ پرانے شہر کے کنوؤں کا پانی کہیں کہیں میٹھا ہو گیا ہے۔ میں نے جواب دیا کہ دو وجہ سے ہے......''

ایک اور جگہ ملفوظات میں سیٹن کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

''باز فرمود کہ سیٹن صاحب کہ قابل دوست بود و بندہ را ہم طلبیدہ بود و میخواست کہ بہ یا ید۔[2]''

(ترجمہ) پھر فرمایا کہ سیٹن صاحب جو ایک قابل دوست تھے انھوں نے مجھے اپنے مکان پر بلایا تھا اور ان کی خواہش تھی کہ میں (کبھی کبھی) ان کے پاس جایا کروں۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیٹن بھی دیگر امراء و روساء کی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب سے عقیدہ تمندانہ طور پر ملتا تھا چونکہ ملفوظات ۱۲۳۳ھ یعنی شاہ صاحب کی وفات سے تقریباً چھ سال قبل سے مرتب ہونا شروع ہوا ہے، اس لئے شاہ صاحب اور سیٹن میں اگر کبھی جھگڑا ہوا بھی ہوتا تو شاہ صاحب یا خود ملفوظات کے جامع اس کا ذکر کرتے۔ اس وقت سیٹن رزیڈنٹ بھی نہ تھا، اس لئے اس جھگڑے کا ذکر یا کم از کم سیٹن کا ذکر کسی دوسرے انداز میں کرنے میں انھیں کوئی قباحت نہیں تھی۔

علاوہ ازیں یہی دھلی کا رزیڈنٹ سیٹن شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی ضبط شدہ جائداد کے واگزاشت کرنے کی سفارش کرتا ہے۔

ان تمام باتوں کی روشنی میں یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب جیسے عالم اور صوفی کو اس سے دوبارہ تعلقات استوار کرنے کی پروانہ تھی کہ کسی کی سفارش یا وساطت کی ضرورت پڑتی اور اگر پڑی بھی تھی تو حضرت شاہ فخر صاحبؒ اس وقت کہاں موجود تھے وہ تو اس کے رزیڈنٹ ہونے سے اکیس سال پہلے ہی وصال فرما گئے تھے۔

اب آیئے ہم مناقب فخریہ کے مولف غازی الدین خاں نظام کی روایت کا تاریخی جائزہ لیں، مناقب فخریہ کے دوسرے باب میں شاہ فخر صاحب کے عادات واطوار کے ذیل میں یہ عبارت لکھتے ہیں:

''فرزندان شاہ ولی اللہ مغفور را در آنچہ متصدیان سلطانی از حویلی علیحدہ ساختہ و حویلی را بہ ضبط آوردہ بودند، آن حضرت بہ حویلی مبارک جا دادند و غم خواری فرمودند و حویلی مذکور جناب سلطان بہ ایشاں دھانیدند و باعزاز و اکرام در آن جا رسانیدند۔[3]

[1-2] ملفوظات شاہ عبدالعزیزؒ مطبع مجتبائی ۱۳۱۴ھ صفحہ ۱۱۷۔

[3] مناقب فخریہ از غازی الدین خاں نظام، مطبع احمدی، دہلی ۱۳۱۵ھ صفحہ ۱۶

Marfat.com

(ترجمہ) شاہ ولی اللہ کے صاحبزادوں کو بادشاہ کے ملازمین نے جب حویلی سے الگ کر دیا اور اس حویلی کو ضبط کر لیا گیا (تو) آں حضرت (یعنی شاہ فخر صاحب) نے اپنی حویلی میں جگہ دی اور بہت غم خواری فرمائی اور ان کی حویلی بادشاہ سے واپس دلوادی اور عزت اور احترام سے وہاں پہنچایا۔

مناقب فخریہ کی اس روایت سے انداہ ہوتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے بھائیوں کی حویلی کی ضبطی ظاہر ہے شاہ فخر صاحب کے زمانہ حیات یعنی ۱۷۸۵ء سے پہلے ہی ہوئی ہوگی پھر ظاہر ہے کہ اگر یہ واقعہ پیش آیا ہوگا۔

......اور شاہ ولی اللہ صاحب کا انتقال ۱۷۶۲ء میں ہوا، پھر نواب نجف خاں (جسے عام طور پر اس طرح کے واقعات کا ہیرو قرار دیا جاتا ہے) کا انتقال ۱۷۸۲ء میں ہو جاتا ہے، نواب نجف خاں کے مرنے کے بعد اس طرح کے کسی بھی واقعہ کا کچھ دنوں کے لئے احتمال یوں نہیں ہوتا کہ دہلی سے ایک طرح سے شیعوں کا اقتدار کچھ دنوں کے لئے ختم ہو جاتا ہے اور غلام قادر خاں روہیلہ کچھ دنوں کے لئے برسر اقتدار آجاتا ہے، اب مناقب فخریہ کے مولف کے مطابق شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور ان کے بھائیوں کے سلسلے میں اس طرح کا واقعہ اسی ۱۷۶۲ء اور ۱۷۸۲ء کے درمیان ہوسکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے صاحبزادوں کی حویلی کس جرم کی پاداش میں ضبط ہوسکتی ہے۔؟ یہ حضرات مغلیہ سلطنت کے کسی طرح دشمن نہ تھے بلکہ امراء وسلاطین ان بزرگوں کی زیارت اپنے لئے باعث سعادت سمجھتے تھے، اکثر ان بزرگوں سے دعائیں کرواتے رہتے، خود شہزادگان اور شہنشاہ وقت متعدد بار شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، اس لئے یہ تو ممکن نہیں کہ بادشاہ ان بزرگوں سے ناراض ہوگیا ہو اور یہ ناراضگی ان کی حویلی کی ضبطی کا باعث بنی ہو، اس کے علاوہ یہ حضرات عالم اور صوفی تھے نہ کہ سیاستدان کہ ان کا سیاسی اثر واقتدار کچھ امراء کو شاق گذرا ہو اور انھوں نے یہ حرکت نازیبا کی ہو۔

اب رہ گئے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی زندگی کے دو اہم کارنامے جو اس زمانے کے ایک طبقے کیلئے باعث خفگی ہو سکتے ہیں، وہ ہیں شاہ عبدالعزیز صاحب کا شیعیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنا اور دوسرا فتویٰ دارالحرب۔

ہندوستان میں شیعیت کا رد اور اس کی مخالفت جس شدت کے ساتھ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان نے کی ہے، اہل علم پر مخفی نہیں مگر جس زمانے کا ہم ذکر کر رہے ہیں (یعنی ۱۷۶۲ء سے ۱۷۸۲ء کے درمیان کا زمانہ) اس میں شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے برادران شیعیت کی مخالفت میں اس قدر متشدد نہ

Marfat.com

تھے بلکہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تو سر الشہادتین جیسی کتاب بھی اسی زمانے میں لکھی تھی، جس کو پڑھ کر تعجب ہوتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ کیا یہ وہی شاہ عبدالعزیز ہیں جو چند سال کے بعد تحفہ اثنا عشریہ کے مصنف ہوتے ہیں شاہ عبدالعزیز ہی اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ شیعیت کی تردید میں پیش پیش رہے مگر ان کی یہ شدت تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف کے بعد ہی سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اگر شیعیت کی مخالفت کے جرم میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی حویلی ضبط ہوئی ہوگی تو وہ تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف کے بعد ہی کا واقعہ ہوسکتا ہے اس لئے کہ اس تصنیف سے پہلے شاہ عبدالعزیز صاحب کی کوئی تصنیف با قاعدہ شیعیت کی رد میں نہیں تھی اور تحفہ اثنا عشریہ کی تصنیف حضرت شاہ فخر صاحب کے انتقال کے پانچ سال بعد ۱۲۰۴ء میں ہوتی ہے، اس لئے حضرت شاہ فخر صاحب کی غم خواری اور ان کی سفارشات کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا دوسرا بڑا کام جو حکام زمانہ کو ناپسند اور ان کی خفگی کا باعث ہوسکتا تھا وہ ان کا فتوی دار الحرب اور انگریزوں کی ملازمت کی مخالفت، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ ہی پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی بصیرت سے انگریزوں کے بڑھتے ہوئے خطرے کو محسوس کیا اور پھر تاریخ میں پہلی بار انگریزی حلقہ اقتدار کو دارلحرب قرار دیا اور نتیجے کے طور پر انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا مسلمان کا فریضہ ٹھہرایا، ظاہر ہے کہ یہ فتویٰ ایسا تھا جس سے انگریز شاہ صاحب سے ناراض ہوسکتے تھے اور بہت ممکن ہے ہوئے ہوں مگر سوال یہ ہے کہ فتوے سے نتیجے کے طور پر انگریزوں کی خفگی سے شاہ فخر صاحب کا کیا تعلق؟ یہ فتویٰ یقیناً کرنل لیک کے ۱۸۰۳ء میں دہلی پر قبضہ کر لینے کے بعد ہی دیا گیا تھا اور شاہ فخر صاحب کا انتقال انگریزوں کے دہلی پر قبضہ سے اٹھارہ سال پہلے ہی ۱۷۸۵ء میں ہو جاتا ہے، جیسا کہ ہم نے اوپر دیکھا، شاہ عبدالعزیز صاحب کی پوری زندگی میں صرف دو ایسے بڑے کارنامے تھے، جن سے ان کے زمانے کا ایک بڑا طبقہ ناخوش ہوسکتا تھا اور ان کے درپے آزار ہوسکتا تھا۔ وہ کارنامے تھے تحفہ اثنائے عشریہ کی تصنیف اور فتوی دار الحرب اور اس سے متعلق چیزیں مگر یہ دونوں کام شاہ فخر صاحب کی وفات کے بعد ہوئے ہیں۔

اگر تھوڑی دیر کے لئے یہ بھی مان لیا جائے کہ ان کی معرکۃ الآراء تصنیف تفسیر فتح العزیز بھی ایک طبقہ کی خفگی کا باعث ہوئی تھی جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ شاہ[1] ولی اللہ صاحب کا ترجمہ قرآن مجید

[1] حیات طیبہ از مرزا حیرت دہلوی صفحہ ۲۶، ۲۷، ۲۸۰،Contribution of India to Arabic Literature از ڈاکٹر زبید احمد۔

Marfat.com

بزبان فارسی بھی ان کی خفگی کا باعث ہوا تھا اور یہ خفگی اس قدر تھی کہ وہ لوگ شاہ ولی اللہ صاحب کو شہید کرنے کے لئے فتحپوری مسجد تک پہنچ گئے تھے مگر شاہ عبدالعزیز صاحب کی یہ تصنیف بھی حضرت شاہ فخر صاحب کے وصال کے نو سال بعد ۱۲۰۸ھ میں شروع ہوئی، اس لئے اس کا بھی سوال نہیں ہوتا۔

اب اور کوئی ایسی صورت بظاہر نہیں نظر آتی جس میں ''متصدیان سلطانی'' ان کے اس قدر خلاف ہو گئے ہوں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب کو ان کی اس عالیشان عمارت سے جسے خود مغلیہ بادشاہ محمد شاہ (۱۷۱۹ تا ۱۷۴۸ء) نے شاہ ولی اللہ صاحب کو دیا تھا[1] علیحدہ کر دیں، پھر اگر بالفرض ایسا ہوا بھی تھا تو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا آبائی مکان مہندیوں میں موجود تھا، آپ وہاں جا سکتے تھے، آپ کے بہت سے قریبی رشتہ دار اور شاہ صاحب کے ارشد تلازہ جیسے مولانا محمد عاشق پھلتی، خواجہ محمد امین کشمیری اور ان کے خسر مولانا نور اللہ بڈھانوی جن تینوں نے ۷۴۔۱۷۷۳ء میں وفات پائی اس واقعہ کے زمانے میں یا تو زندہ تھے یا کم ازکم ان کے مکانات تو موجود تھے ہی، آپ کو بدرجہ اولیٰ وہاں تشریف لے جانا چاہئے تھا، پھر شاہ عبدالعزیز صاحب اور ان کے بھائیوں کے اجل تلامذہ بھی دھلی میں تھے، آپ وہاں جا سکتے تھے۔ شاہ فخر صاحب کے یہاں جانے کا تو ان سب کے بعد سوال ہوتا ہے، علاوہ ازیں شاہ عبدالعزیز اور ان کے بھائی شاہ عبدالقادر و شاہ رفیع الدین کی دھلی میں الگ الگ اسقدر عزت تھی کہ اس زمانے میں شاید ہی چند علماء ان کے مقابل کے ہوں، پھر شاہ اسماعیل شہید اور مولانا عبدالحئی صاحب وغیرہ بھی، ساتھ رہے ہوں گے، یہ تمام علماء اور مشائخ اس قدر بے کس و بے یار و مددگار سمجھ لئے گئے، کہ ان کو بادشاہ کے چند ملازموں نے ہی خود ان کی اپنی حویلی سے نکال دیا، کسی نے کچھ تعرض تک نہیں کیا، یہاں تک کہ خود فرزندان شاہ ولی اللہ یا ان کے تلامذہ یا معتقدین نے ان کی زندگی کے اس اہم سانحے کو مارے ڈر کے کبھی اور کہیں ذکر بھی نہیں کیا اور تو اور خود مولانا فخر صاحب کے کسی اور مرید یا تذکرہ نگار نے حضرت مولانا کے اس ہمدردانہ فعل اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے ساتھ اس حادثے کا کہیں ذکر نہیں کیا، یہ بات بالکل قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جائداد کی ضبطی کا واقعہ شاہ عبدالعزیز صاحب کی زندگی کے کسی بھی حصے میں پیش بھی آیا تھا یا یہ سرے سے ہی فرض ہے، اس سوال کا جواب ذرا کافی مشکل ہے، اس لئے کہ اس سلسلے میں ہمارے پاس کوئی بہت ہی معتبر اور صحیح روایت موجود نہیں ہے اور ہندوستان میں خصوصاً اس زمانے کی تاریخ کو اس قدر توڑ مروڑ ڈالا گیا ہے کہ اصل حقیقت کا اندازہ لگانا آسان نہیں، گذشتہ سال

---

[1] واقعات دارالحکومت دہلی، جلد۲ صفحہ ۲۸۶

Marfat.com

ایک کتاب پاکستان سے فضائل صحابہ واہل بیت کے نام سے شائع ہوئی ہے، جس کے مقدمے میں محمد ایوب قادری صاحب لکھتے ہیں:

''ضبطی جائداد کا واقعہ صحیح ہے کیونکہ جائداد کے متعلق تحریری حوالہ ملتا ہے کہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے ۳۰ جون ۱۸۰۷ء کو ایک درخواست رزیڈنٹ دھلی کے توسط سے سکریٹری پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کو دی تھی کہ دہلی میں ان کی جو جائداد ضبط ہو چکی ہے وہ واگزاشت کی جائے، اس درخواست کو قابل اعتنا سمجھا گیا چنانچہ کیفیت کے خانے میں درج ہے:

The Resident, Delhi forwards copy and letter from the superintendent of the assigned territory and recommends that the laud in Hawely palam formerly owned by Maulvi shah Abdul Aziz be restored to him.

شاہ عبدالعزیز کی یہ درخواست منظور ہوگئی اور دس جولائی ۱۸۰۷ کو سیکرٹری پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کی طرف سے رزیڈنٹ کو اطلاع دی گئی کہ گورنمنٹ شاہ عبدالعزیز کی جائداد واگزاشت ہونے کی تجویز منظور کرتی ہے۔[1]

پھر حاشیے میں ایوب قادری صاحب نے لکھا ہے۔

''جائداد اور اس کے واگزاشت ہونے کے متعلق ملاحظہ ہو'' پریس لسٹ آف اولڈ ریکارڈس ان دی پنجاب سیکریٹریٹ ج اول (دھلی رزیڈنسی اینڈ ایجنسی ۱۸۰۶ء۔''

محمد ایوب قادری صاحب نے جو عبارت نقل کی ہے وہ نامکمل سی ہے، پوری عبارات سامنے ہوتی تو نتیجہ نکالنے میں زیادہ آسانی ہوتی، پھر یہ اقتباس ان کو کہاں اور کس کیفیت کے خانے سے ملا؟ اور درخواست دینے کی تاریخ ان کو کہاں سے حاصل ہوئی؟ اگر یہ اسی انگریزی عبارت کا ایک حصہ ہے تو پھر اسے بھی عبارت کے ساتھ ہی نقل کر دیا ہوتا، پھر سکریٹری پولیٹکل ڈپارٹمنٹ کا اصل جواب بھی نہیں نقل کیا، جہاں سے یہ اقتباس لیا ہے، اس کا صفحہ نمبر وغیرہ بھی نہیں دیا، جس کتاب کا اس میں حوالہ دیا گیا ہے، اس نام کی کتاب تو مجھے نہ مل سکی، ایک دوسری کتاب زیر نظر ہے جس نام ہے ریکارڈس آف دی دہلی رزیڈنسی اینڈ ایجنسی ۱۸۰۷ء تا ۱۸۵۷ء مطبوعہ لاہور ۱۹۱۱ ہے اور غالبًا ایوب قادری صاحب کا مطلب اسی کتاب سے ہے مگر مجھے اس کتاب میں یہ عبارت نہ مل سکی۔

---

[1] فضائل صحابہ واہل بیت (مقدمہ) پاک اکیڈمی، کراچی ۱۹۶۵ صفحہ ۵۵۔۵۶

Marfat.com

ممکن ہے یہ عبارت صحیح ہو اور اس میں جن مولوی شاہ عبدالعزیز کا ذکر ہے وہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہی ہوں اگر یہ سچ ہے تو ممکن ہے ان کے فتوی دارالحرب کے نتیجے کے طور پر ان کی یہ جائداد ضبط ہوئی ہو بہر حال اس عبارت سے بھی مناقب فریدی اور مناقب فخریہ سے دونوں کی روایات کی تردید ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ درخواست ۳۰ جون ۱۸۰۷ء کو دی گئی ہے اور دس جولائی ۱۸۰۷ء کو (یعنی کل دس دن کے اندر) منظور ہو جاتی ہے اور اس کی سفارش کرنے والا اس زمانے کا دہلی رزیڈنٹ تھا اور اس زمانے دہلی کا رزیڈنٹ سیٹن ہی تھا ظاہر ہے کہ جو شخص شاہ عبدالعزیز صاحب سے اتنے اچھے تعلقات رکھتا ہو اور جو ان کی جائداد کی واپسی کی سفارش کرتا ہو، اس نے شاہ عبدالعزیزؒ صاحب سے کیونکر جھگڑا کیا ہوگا؟

پھر دوسری روایت کی تردید یوں ہو جاتی ہے کہ شاہ عبدالعزیزؒ کی جائداد ۱۸۰۷ء میں واگزاشت ہوتی ہے اور حضرت شاہ فخر صاحب کا وصال اس سے بائیس سال پہلے ہی ۱۷۸۵ میں ہو جاتا ہے۔

مناقب فخریہ ۱۲۰۱ھ میں لکھی گئی، ظاہر ہے اس وقت یہ عبارت مناقب فخریہ کے مولف نے نہیں لکھی ہوگی غالباً بعد میں کسی نے اس عبارت کو شامل کر دیا ہے، جیسا کہ اس کے فوراً بعد کی عبارت سے اوپر کی عبارت کے بے محل ہونے کا اندازہ ہوتا ہے، اس طرح کی عبارت ہر زمانے میں تذکروں میں شامل کی گئیں اور اسی وجہ سے خصوصاً علماء کے تذکروں کا لٹریچر کافی گڈمڈ سا ہو گیا ہے، ان کی تحقیق اور پھر سچ جھوٹ کو الگ الگ کرنے کی سخت ضرورت ہے۔

(ماخوذ از برہان، مئی ۱۹۶۷)

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی محفلِ شعروادب

اٹھارہویں صدی عیسوی سیاسی و معاشرتی اعتبار سے ہندوستان کی تاریخ میں سب سے پُر آشوب صدی ہے، عالم گیر کی وفات کے بعد ہی وسیع مغلیہ سلطنت کے حصے بخرے ہونے شروع ہو گئے اور شیر دِل تیمور، حوصلہ مند بابر، اولوالعزم اکبر اور مجاہدانہ زندگی گزارنے والے اورنگ زیب کی اولاد شمشیر و سنان کی بجائے طاؤس و رباب کی طرف مائل نظر آئی، جسے لہو ترنگ کے بجائے جل ترنگ مرغوب تھا، جہاں دار شاہ اور محمد شاہ رنگیلے جیسے نااہل بادشاہوں نے اپنی عیش پرستی اور نالائقی سے سیاسی انحطاط کی جو کیفیت پیدا کر دی تھی، اس کا اثر زندگی کے اکثر شعبوں میں بڑا ہی مہلک اور مایوس کن پڑا۔

اگر ایک طرف یہ صدی انتہائی درجہ سیاسی و معاشرتی بدامنی کے لیے مشہور ہے تو دوسری طرف مذہبی وادبی ترقی کے لیے عہد زریں کے نام سے موسوم ہے چنانچہ مذہبی میدان میں شاہ ولی اللہ، مرزا مظہر جان جاناں، شاہ فخر الدین اور شاہ غلام علی جیسے بزرگ پیدا ہوئے، جنھوں نے مذہب کی سچی ترجمانی اور اشاعت کے لیے جو کچھ کیا وہ محتاج تعارف نہیں، اس طرح دنیائے ادب میں میرؔ و سوداؔ، مومنؔ و غالبؔ جیسے اہم شعراء پیدا ہوئے جنھوں نے اُردو ادب کو نئی زندگی بخشی۔

مذہبی علماء کی صف میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا نام بھی جلی حروف سے نظر آتا ہے، انہوں نے حدیث، تفسیر، فقہ اور دوسرے اسلامی علوم کی جو کچھ خدمات کیں وہ کسی پر مخفی نہیں، مگر افسوس کہ اہلِ علم حضرات نے ان کے اسی پہلو پر اس قدر توجہ دی کہ ان کی شخصیت کے دوسرے اہم رُخ جیسے ان کی ادبی حیثیت، ان کا فنِ موسیقی میں کمال اور اسی طرح کے دیگر پہلو بالکل ہی تشنہ رہ گئے، یہاں تک کہ بہت ہی کم لوگ اس حقیقت سے آشنا ہیں کہ شاہ صاحب علمِ موسیقی اور بزمِ ادب میں بھی کافی نمایاں حیثیت کے مالک تھے، ذیل کے صفحات میں ہم شاہ صاحب کی شخصیت کے ادبی پہلو پر بحث کریں گے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب بیک وقت اُردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں پر اچھی قدرت رکھتے تھے، اُردو اُن کے زمانے تک دلّی کی عام زبان ہو گئی تھی، میرؔ و سوداؔ، مومنؔ و مظہرؔ، ذوقؔ و دردؔ وغیرہ شعراء اپنی شاعری، اُردو ہی زبان میں کرتے تھے، شاہ صاحب کے دونوں بھائیوں یعنی شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر صاحب نے قرآن شریف کا ترجمہ اور تفسیر اُردو ہی زبان میں لکھا۔ شاہ عبدالعزیز صاحب کی

Marfat.com

کسی طرح کی کوئی تصنیف تو اُردو زبان میں موجود نہیں ہے مگر مختلف روایتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ شاہ صاحب اُردو ادب پر بھی اچھی نظر رکھتے تھے اور ان کا یہ فطری میلان اور کثیر مطالعہ اس حد تک تھا کہ مختلف استادانِ فن ان کی بارگاہ میں صرف اُردو زبان سیکھنے یا اشعار کی اصلاح لینے کی غرض سے حاضر ہوا کرتے تھے۔ سید ناصر نذیر فراق نے لال قلعہ کی ایک جھلک میں لکھا ہے:

> ''کون نہیں جانتا کہ حضرت شاہ نصیر صاحب دہلوی، اکبر شاہ ثانی، ابوظفر بہادر شاہ اور شیخ ابراہیم ذوقؔ کے استاد تھے، جب شاہ نصیر صاحب کا ذوق سے دل کھٹا ہوگیا اور اصلاح موقوف ہوئی تو ذوقؔ ہر جمعہ کو مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے وعظ میں جانے لگے اور وعظ بہت غور سے سننے لگے، کسی دوست نے اس کا سبب پوچھا تو ذوقؔ نے کہا، استاد مجھ گنہگار سے ناخوش ہو گئے، شعروسخن میں اصلاح ملتی نہیں، اس کا بدل میں نے یہ نکالا ہے کیوں کہ مولانا عبدالعزیز صاحب اُردودانی میں شاہ نصیر سے کسی طرح کم نہیں، ان کے بیان اور گفتگو کو سنتا ہوں اور اُردو کے محاورے روزمرہ یاد کرتا ہوں۔''

شیخ ابراہیم ذوقؔ کے شاگرد مولانا محمد حسین آزاد ''آبِ حیات'' میں اپنے استاد کے احوال میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''شاہ (نصیر) صاحب نے دکن میں کسی کی فرمائش سے ۹ شعر کی ایک غزل کہی تھی جس کی ردیف تھی: آتش وآب خاک و باد، وہ غزل مشاعرہ میں سنائی اور کہا کہ اس طرح پر جو غزل لکھے اسے میں استاد مانتا ہوں......جشن قریب تھا، شیخ (ابراہیم ذوقؔ) علیہ الرحمۃ نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ اسی طرح میں لکھا مگر پہلے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس لے گئے کہ اس کے صحت وسقم سے آگاہ فرمائیں، انھوں نے سن کر پڑھنے کی اجازت دی کہ ولی عہد بہادر نے اپنے شقہ کے ساتھ اسے پھر شاہ صاحب کے پاس بھیجا۔ انھوں نے جو کچھ کہا تھا وہی جواب میں لکھ دیا اور یہ شعر بھی لکھا۔
>
> بود بگفتہ من حرف اعتراض چناں
> کسے بدیدۂ بینا فرو برد انگشت

شیخ مرحوم کا دل اور بھی قوی ہوگیا اور دربارِ شاہی میں جا کر قصیدہ سنایا۔ اس کے بڑے بڑے چرچے ہوئے۔[1]

---

[1] آبِ حیات ص ۵۶۶-۵۶۵

Marfat.com

اُردو کے مشہور شاعر حکیم مومن خان مومنؔ اوران کے والدین کو اس خاندان کے بزرگوں سے بہت زیادہ عقیدت تھی ، اسی عقیدت ومحبت کا نتیجہ تھا کہ جب حکیم مومن خان پیدا ہوئے تو ان کے والد صاحب کی درخواست پر جوشاہ صاحب کے مدرسے سے قریب ہی رہتے تھے شاہ عبدالعزیز صاحب نے اُن کے کان میں اذان دی اور مومن خان نام رکھا[1] گھروالوں نے حبیب اللہ نام رکھا مگر آج وہ حکیم مومن خاں ہی کے نام سے مشہور ہیں اوران کا اصلی نام کوئی نہیں جانتا حکیم مومن خان کی زندگی اور شاعری پرشاہ صاحب کی شخصیت اوران کی زبان کا بڑااثر پڑا ہے، بچپن سے ہی وہ برابران کے وعظ میں شریک ہوا کرتے تھے اورشاہ صاحب کے اکثر وعظ زبانی یادکرلیا کرتے تھے۔

شاہ صاحب اُردوادب کا جتنا ذوق رکھتے تھے اس کا اندازہ مذکورہ بالا روایت سے ہوتا ہے، اُردو میں شاہ صاحب موصوف کے استاد خواجہ میر درد تھے، اس سلسلے میں ناصرنذیرفراق کی روایت کافی اہم ہے، وہ لکھتے ہیں :

> ''شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے والد ماجد کے حکم کے بموجب اُردوزبان سیکھنے کے لیے خواجہ میر دردصاحب کی خدمت میں چھٹپن سے حاضر ہوتے تھے اور چپ چپ بیٹھے ہوئے آپ کی تقریر کوسنا کرتے تھے اور محاورات کو دل ہی دل میں چنا کرتے تھے، مولانا ولی اللہ صاحب اپنے بچوں سے کہا کرتے تھے جس طرح اصولِ حدیث اوراصولِ فقہ فن ہے اسی طرح اصولِ زبان بھی فن ہے اوراُردوزبان کے موجداور مجتہد خواجہ میر دردصاحب ہیں، آپ کی صحبت کوغنیمت سمجھوکیوں کہ خواجہ صاحب پکے پان ہیں۔''

افسوس کہ اب تک شاہ صاحب کا کوئی بھی اُردو کلام کہیں نہ مل سکا، جس سے ان کی شاعری کا صحیح اندازہ ہوسکتا۔

اُردو کی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب فارسی زبان وادب کا بھی بہت اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، ان کے زمانے میں فارسی ہی حکومت کی زبان تھی اورشرفاء وعلماء کی زبان بھی فارسی ہی تھی چنانچہ اس زمانے کے لوگوں کی بیشتر تصنیفات اسی زبان میں ہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب نے بھی زیادہ تر کتابیں اور فتوے فارسی زبان میں ہی لکھے ہیں، آپ کے بہت سے خطوط جوانشاء پردازی کے بہترین نمونے ہیں، فارسی زبان میں ہیں، شاہ صاحب نے ایک طویل مکتوب فارسی میں ''لبِ لعل'' کی تحقیق پرلکھا ہے، جومولانا آزادلائبریری (ضمیمہ ادب فارسی نمبر ۸۸) میں موجود ہے، اس خط سے اس کے پڑھنے سے شاہ صاحب

---

[1] ایضاً ص ۵۲۳

Marfat.com

کی فارسی ادب پر قدرت اور کثرت مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ ان کی مختلف فارسی تصانیف میں جابجا فارسی اشعار کا برمحل استعمال اور ان کی تشریح ان کے وسیع ادبی مطالعہ پر دال ہیں، شاہ صاحب نے خود فارسی زبان میں بہت زیادہ شعر نہیں کہے ہیں مگر جتنے بھی کہے ہیں وہ کیف اور اہمیت میں کم نہیں ہیں، نمونے کے طور پر یہاں چند مذکور ہیں:

شاہ صاحب کا بید مجنون کے سلسلے میں ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

زنازک طبع غیر از خود نمائی ہا نمی آید
درخت بید را دیدم کہ دائم بے ثمر باشد

ان کی ایک اور غزل کے چند اشعار پیشِ خدمت ہیں ؎

گر بگلشن بگذری گل بر رخت مفتوں شود
در نمائ قامت خود سرو را موزوں شود
کار با معنی است دانا را نہ با نام و نشان
جذبۂ لیلی ندارد بید اگر مجنوں شود
مرد مفلس را جہاں یکسر محل آفت است
شیشہ چوں خالی است گر بادش رسد واژوں شود

ان اشعار سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاہ صاحب محض زاہد خشک یا صوفی محض نہ تھے، ان کے عربی اشعار اکثر عشقِ رسولؐ میں ڈوبے ہوئے ملیں گے مگر جہاں تک شاعری میں تصوف کی آمیزش کا معاملہ ہے وہ شاہ صاحب کے یہاں نہ ملے گا حالانکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ صوفیاء حضرات اگر شاعری کرتے ہیں تو ان میں خالص صوفیانہ رنگ ہوتا ہے، چنانچہ اپنی اور اپنے والد ماجد کی شاعری کے سلسلے میں شاہ صاحب خود ملفوظات میں فرماتے ہیں:

"میرے والد ماجد صوفیانہ اشعار زیادہ نہیں کہتے تھے مگر کبھی کبھی اور میرا بھی یہی حال ہے۔"[1]

شاہ عبدالعزیز صاحب صحیح معنوں میں عربی زبان کے شاعر تھے، ان کے قصائد اور منظوم مکتوبات زیادہ تر عربی ہیں اور اسی زبان کی شاعری میں ان کے جذبات اور میلانات کا اصل اندازہ ہوتا ہے، عربی میں شاعری کے سلسلے میں شاہ صاحب موصوف خود ملفوظات میں فرماتے ہیں:

"عربی اشعار ایک عرصہ تک میں کہتا تھا، اب بیس پچیس سال سے چھوڑ دیئے، عربی

---

[1] ملفوظاتِ شاہ عبدالعزیز ص ۱۰۰

Marfat.com

تصانیف کی تعریف یہ ہے کہ اس میں عجمی بُو نہ آئے چنانچہ ہمارے خاندان میں اسی طرح موجود ہیں۔[1]

ملفوظات کے جامع ۱۲۳۳ء میں شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، اس کے بعد سے شاہ صاحب نے جو کچھ بھی فرمایا لکھ لیا کرتے تھے، جس وقت یہ بات شاہ صاحب نے فرمائی ہے اس وقت ان کی عمر چوہتر پچھتر کے قریب تھی اس حساب سے شاہ صاحب کم وبیش پچاس برس کی عمر تک شاعری فرماتے تھے، غالباً اس کے بعد امراض کی شدت اور دینی مشاغل میں کثرتِ انہاک کے باعث شاعری ترک فرمادی تھی۔

شاہ صاحب کے ایک مرید خاص نواب مبارک علی خاں خود شاہ صاحب موصوف سے ایک روایت یوں نقل کرتے ہیں:

"ایک روز حضرت مولانا صاحب نے فرمایا کہ عمر شباب میں مجھ کو ساٹھ ستر ہزار شعر عربی و فارسی وہندی یاد تھے۔[2]

اس سے ان کے وسیع شاعرانہ ذوق کا اندازہ ہوتا ہے چنانچہ ان کی بیشتر تصانیف شاہ صاحب کے اس دعوے کے لیے بین ثبوت ہیں۔

مولانا رحیم بخش دہلوی جنھوں نے شاہ صاحب اوران کے خاندان کے بزرگوں پر مفصل تذکرے لکھے ہیں، شاہ عبدالعزیز صاحب کے تذکرے کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"نظم میں ایک عربی دیوان بھی آپ کی تالیف سے ہے جو دہلی میں بعض لوگوں کے پاس موجود ہے اور جس سے شاہ صاحب کی جودتِ طبع اور تیزی ذہن وفصاحت و بلاغت بہت کچھ ثابت ہوتی ہیں، اس میں آپ نے وہ وہ معرکہ کے مضامین نہایت مختصر اور سادے لفظوں میں ادا کئے ہیں جن کے دیکھنے سے سخت تعجب ہوتا ہے۔"

افسوس کہ فاضل تذکرہ نگار نے یہ نہیں بتلایا کہ دہلی میں وہ دیوان کن کن لوگوں کے پاس ہے یا اس دیوان میں کتنے اشعار ہیں، وہ دیوان اب تک باوجود تمام کوشش کے کہیں دستیاب نہ ہوسکا، البتہ راقم نے مختلف ذاتی کتب خانوں سے کچھ قلمی اور غیر مطبوعہ اشعار اور کچھ مختلف تذکروں اور کتابوں سے جتنے اشعار شاہ صاحب کے مل سکتے تھے سب جمع کر کے پانچ سو اسّی (۵۸۰) اشعار کا ایک مختصر دیوان مرتب کیا ہے، اس مختصر سے دیوان میں جو قصائد و اشعار موجود ہیں اس کے دیکھنے سے شاہ صاحب کی عربی

---

[1] ایضاً ص ۱۰۰ [2] کمالاتِ عزیزی ص ۳۰

Marfat.com

زبان پر قدرت اور برجستگی کا اندازہ ہوتا ہے، اس میں سے اکثر اشعار ایسے ہیں جو ضرب المثل سے ہوگئے ہیں مثلاً دہلی کے وصف میں یہ اشعار:

یامن یسائل عن دهلی ورفعتها   علی البلاد و ما حازته من شرف
ان البلاد اماء وهی سیده   وانهادرة والکل کا الصدف
فاقت بلاد الوری عز او منقبة   غیر الحجاز وغیر القدس والنجف
سکانها جبال الارض قاطبة   خلقا و خلقا بلا عجب ولا صلف
بها مدارس لوطاف البصیر بها   لو تفتح عینه الا علی الصحف
کم مسجد زخرف فیها متارته   لوقابلنه شمس الضحو تنکسف
ولاغروان زانت الدنیا بزینتها   کم من اب قد علا بابن ذی شرف
وماء جون جری من تحتها فحکی   انهار خلد جرت فی اسفل الغرف

شاعر کا اپنے زمانے کے حوادث ومیلانات سے متاثر ہونا لازمی ہوتا ہے، کلاسیکی شعراء کے یہاں اکثر ان عوارض کا اظہار نہیں ملتا اور وہ شاعری میں Objectivity کے اصولوں پر کاربند ہوتے ہیں مگر بعد کے اور جدید شعراء اس کے برخلاف اپنے خارجی ماحول کا اثر قبول کرتے ہوئے ان کا اظہار اپنی شاعری میں بھی کرتے ہیں، اسی تصور کے پیشِ نظر انیسویں صدی کے اواخر میں انگلینڈ کے مشہور شاعر میتھیو آرنلڈ نے کہا تھا کہ Poetry is the Criticim of life یعنی شاعری زندگی کے حقائق کی ترجمانی اور اس کی تنقید ہے، شاہ صاحب کی شاعری میں متاخرین شعراء کی یہ روش بخوبی واضح ہے، وہ اپنے زمانے کے حوادث کا ذکر کس دل سوزی سے فرماتے ہیں اور ان کے خلاف نالہ فریاد بلند کرتے ہیں۔

ہم نے مقالہ کے شروع میں دیکھا ہے کہ اٹھارھویں صدی عیسوی سیاسی ومعاشرتی انحطاط کے لیے مشہور ہے، بادشاہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مختلف قسم کی طاقتوں نے سر اٹھانا شروع کر دیا تھا نادر شاہ نے دلی کو جس طرح تاخت وتاراج کیا تھا وہ تاریخ کے خونیں صفحات پر عیاں ہے، سکھ، جاٹ، مرہٹے ہر طرف لوٹ مار کر رہے تھے، سکھ اور مرہٹوں کے ان حملوں سے لوگ کس قدر پریشان تھے اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، شاہ صاحب موصوف اسی پریشانی کے عالم میں لکھتے ہیں:

ایام بر داتت فا لقلب منجزع   من قوم سکھ وان الخوف معقول

انھیں کی غارت گری کا ذکر شاہ صاحب ایک جگہ اس طرح فرماتے ہیں:

Marfat.com

جزی اللّٰہ عنا قوم سکھ و مرہٹا عقوبة شر عاجلا غیر اجل
فقد قتلوا اجمعًا کثیرا من الوریٰ وقد اوجعوا فی اہل شاء وجاہل
لہم کل عام نہبة فی بلادنا یخوضون فینا بالضحے والا صائل
لقد فسدت ہذہ الدیا روقدخلت عن العدل لحتی قلت بل کل قائل
فہل بعد ہذا من معاذ لعائذ وہل من مغیث یتقی للّٰہ عادل
ایاقلبکم تشکو الزمان وانت عن مکارم لطف اللہ لاہ و غافل
کفی اللّٰہ سلوانا لوجع مفاصل الیس بکاف عروة للاوائل
وان کانت الاقوام کا خیر فیہم فنحن تمسکنا بخیر الوسائل
وان کانت الاقوام لا خیر فیہم فنحن تمسکنا بخیر الوسائل
رسول الہ العالمین فانہ ثمال الیامیٰ عصمةللارامل

اسی طرح ایک اور طویل نظم کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ثم ان البلاد فاسدة عن ایادی الغثوم الظلام
غیر خاف علیک ماصنعت قوم سکھ کایت التوشام
ضیعواامة من الارواح قتلوامة من الاجسام
نہبوا اعدة من الاموال اوثقواعدة من الایتام
وسقوکل من تعرضہم من فنام الانام کاس الحمام
ذہلت کل مرضع عما ارضعتہ و کل ذات فطام

شاہ عبدالعزیز صاحب نے زیادہ تر نعتیہ کلام کہا ہے اور اسی میدان میں انھوں نے زیادہ کمال دکھایا ہے، شاہ صاحب موصوف خود اپنی شاعری کے سلسلے میں ملفوظات میں فرماتے ہیں:

”میں نے نعتیہ کلام بہت کہا ہے اور والد ماجد کے ہر دو قصائد ہمزائیہ و بائیہ کو مخمس کیا ہے یعنی ہر شعر پر تین مصرعے اضافہ کئے ہیں۔[1]

چنانچہ ان کے دیوان کا دو تہائی حصہ نعت رسولؐ سے متعلق ہے، ان میں سب سے اہم شاہ ولی اللہ صاحب کے ہر دو قصائد کی تخمیس ہیں، جن کا ذکر خود شاہ صاحب نے اوپر کی سطور میں کیا ہے، یہ دونوں قصائد کافی طویل ہیں، اس کا ایک انتہائی نادر نسخہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے زمانہ حیات ہی میں ان کے

[1] ملفوظات شاہ عبدالعزیز ص ۱۰۰

Marfat.com

شاگرد اور مولانا سید احمد شہیدؒ کے بڑے بھائی سید محمد اسحٰق صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب سابق مہتمم ندوۃ العلماء کے ذاتی کتب خانے میں جو اس وقت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب کے مکان میں ہے مل گیا، یہ نسخہ جس خستہ خالی اور بوسیدگی کا شکار ہے اسے دیکھ کر حد درجہ افسوس اور رنج ہوا، اس دیوان اور اسی طرح کے دیگر نادر نسخوں پر دیمک نے اس قدر حملہ کیا ہے کہ چند برسوں میں شاید ان کا نام ونشان تک نہ باقی رہے، ان دونوں قصائد کے چند بند پیش خدمت ہیں جو شاہ صاحب کی شاعری میں کمال کا ثبوت ہیں:

غمومی ندیمی والبلاء مصاحبی وسقمی کاسی والمنا یا مشاربی
تشابه من فوقی و تحتی مصائبی کان بخوما اومضت فی الغیاهب
عیون الافاعی اوروس العقارب ا ہ

کان فوادی بات فی السجن جایرا واضحت ریاض الانس عندی خطایرا
فللّٰه قول ما احیلاه سایرا اذاکان قلب المرفی الامر خاثرا
فاضیق من تسعین رجب السباسب

کروب عظام القت الرجل ساحتی دموع غزاربالسرائر باحت
وثکلی فوادی فی دجی اللیل ناحت وتشغلنی عن وعن کل راحتی
مصائب تقغو مثلها من مصائب

فلم یبق لی فی الجسم عظم ورمة ولافی احتمال الصبر عزم وهمة
ولا من خلیل فیه عهد و ذمة اذا ما اتتنی ازمة مُدلهمة
تحیط بنفسی من جمیع جوانبی

اطرف باطراف الحمی فی معاهد اعلق آمالی بکل مشاهد
اقول لعلی ان افوز بواحد تطلبت هل من ناصر اومساعد
الوذبه من خوف سوء العواقب

تقضّی شباب العمر فی غفلتی سدی وما زلت فی قید المعاصی مقیدا
ولم ادخر للذنب عذرا مهدا فلست اری الا الحبیب محمدا
رسول الٰه الخلق جم المناقب

ا۔ ان میں اخیر کے دو مصرع شاہ ولی اللہ صاحب کے ہیں اور شروع کے تین شاہ عبدالعزیز صاحب کے

یہ طویل قصیدہ سوا سو اشعار کا ہے جس کی تخمیس شاہ صاحب نے کی ہے جس کا کیف اس کے پورے قصیدے کو پڑھنے میں ہے۔

اُسی طرح سے شاہ ولی اللہ صاحب کا ہمزئیہ قصیدہ پینتالیس اشعار کا ہے جس کی تخمیس شاہ صاحب نے کی ہے جس کے چند بند ملاحظہ ہوں:

ایا من رام شغلا بالثنا   ووصفاء بالضیاء وبالسهاء
فلا نغررك اضواء السماء   اذا اجزت یوما عن ضیاء
فلا تلهج ببدر اوذکاء

ویامن قد کلفت هوی وجهداً   وقاسی فیه آلاما وسهدا
فخل حدیث لیلٰی وانس هندا   وان بنیت فی المنظوم وجداً
فحاشا ان تشبب بالنساء

وان اعطاك رب الناس فهما   فلا تجمع لم نثر اونظما
وان تذکرهم فی الشعر حتما   فتلك شرایع الشعر قدما
وقد نسخت بختم الانبیاء

نعتیہ کلام میں شاہ عبدالعزیز اصاحب کی مندرجہ ذیل رباعی اس سلسلے میں تمام نعتیہ رباعیوں سے بہتر اور مشہور ہے:

یا صاحب الجمال ویاسید البشر   من وجهك المنیر لقد نور القمر
لایمکن الثناء کما کان حقه   بعد از خدا بزرگ تونی قصه مختصر

شاہ صاحب کے نعتیہ قصائد پچیسوں کی تعداد میں موجود ہیں، مگر سب کے نمونے پیش کرنا اس مختصر سے مقالے میں ممکن نہیں، انھوں نے صاحب نفحۃ الیمن احمد یمنی شیروانی کو جو قصیدہ بھیجا تھا اور جو العجب العجاب میں بھی منقول ہے وہ بھی اس سلسلے میں خاص طور پر قابلِ غور ہے اس کے شروع کے اشعار اس طرح پر ہیں:

یا سائر انحوالحمی   باللّٰه قف فی بانه
واقرء طوامیرالجوی   منی علی سکانه

ان قصائد کے دیکھنے سے شاہ صاحب کی جودتِ طبع، سلاست اور روانی کا اندازہ ہوتا ہے اور شاہ صاحب نے عربی تصانیف کی جو تعریف کی ہے اور جس انداز کا خود بھی دعویٰ کیا ہے بالکل سچ ہے یعنی یہ کہ

Marfat.com

’’عربی تصانیف کی تعریف یہ ہے کہ اس میں عجمی بُو نہ آئے چنانچہ ہمارے خاندان میں اسی طرح موجود ہیں۔‘‘

الثورۃ الھندیۃ کے ناظرین کو یاد ہوگا کہ مولانا فضل حق خیرآبادی اس زمانے کے عربی کے مشہو رشاعرشاہ عبدالعزیز صاحب ہی سے اپنے اشعار کی اصلاح لیتے تھے۔

عربی اشعار کے علاوہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے اصمعی کے مشہور اور مشکل ترین ارجوزے کی شرح جس تفصیل سے کی ہے اور اس کے پیچیدہ معانی کو اس طرح حل کیا ہے کہ حیرت ہوتی ہے، یہ ارجوزہ اپنے ابہام اور غموض کے لیے مشہور ہے وہ ارجوزہ اس شعر سے شروع ہوتا ہے:

صوت صغير البلبل هيج قلب الثمل

اس کی شرح رام پور کے رضا کتب خانے میں ادب عربی قلمی نمبر ۴۲۹۶ میں موجود ہے، جو ابھی غیر مطبوعہ ہے۔

شاہ صاحب کے عربی قصائد کے علاوہ عربی زبان میں بہت سے مکاتیب ہیں جو ادبی مرقعات کے بہترین نمونے کہے جاسکتے ہیں، ان میں ایک خط بھی ہے جو مکمل طور پر صنعتِ غیر منقوط میں ہے، اس سے شاہ صاحب کی قدرتِ بیان اور مہارتِ زبان کا اندازہ ہوتا ہے۔!!

(ماخوذ از برہان، ستمبر ۱۹۶۵ء)

Marfat.com

انیسویں صدی کے ہندوستان کی ہیئت شرعی

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے فتاویٰ

دارالحرب کا ایک علمی تجزیہ

مقالہ نوشتہ

ڈاکٹر مشیر الحق (میکگل یونیورسٹی، مونٹریال، کینڈا)

مشمولہ برہان (ندوۃ المصنفین، دہلی)

اکتوبر ۱۹۶۹ء

Marfat.com

اُنیسویں صدی کے ہندوستان کی ہیئت شرعی

(شاہ عبدالعزیزؒ کے فتاوائے دارالحرب کا ایک علمی تجزیہ)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ آخر اٹھارہویں صدی تک ہندوستان کے مغل حکمراں اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود اس ملک کے شہنشاہ سمجھے جاتے تھے، اسی وجہ سے کم سے کم ہندوستانی مسلمانوں کی نظر میں یہ ملک اصولی طور پر دارالاسلام کی حیثیت رکھتا تھا لیکن ۱۸۰۳ء میں دلی پر انگریزوں کا سیاسی تسلط ہو جانے کے بعد صورت حال میں تبدیلی آگئی اور لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہونے لگا کہ دار السلطنت پر انگریزوں کا سیاسی اقتدار قائم ہو جانے کے بعد بھی ہندوستان کو دارالاسلام ہی سمجھا جائے یا اسے دارالحرب کہا جائے؟ یہ سوال ذہنوں میں آیا ہی کیوں اور اس سوال کے پوچھنے کا مقصد کیا تھا؟ اس پر ہم آئندہ صفحات سے میں بحث کریں گے لیکن یہ واقعہ ہے کہ جب شاہ عبدالعزیز (۱۱۵۹-۱۷۴۶/۱۲۳۹-۱۸۲۴ء) سے ہندوستان کی ہیئت شرعی کے بارے میں سوالات کئے گئے تو انہوں نے ہندوستان کو دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا۔

شاہ صاحب کے فتویٰ دینے کے تقریباً سو سال کے اندر اندر ہندوستان کی سیاسی صورت میں نمایاں تبدیلیاں آگئیں، وہی ہندوستانی جنہوں نے ۱۹ ویں صدی میں انگریزوں کو بجبر یا برضا اس ملک کا مطلق العنان حاکم تسلیم کر لیا تھا، بیسویں صدی میں آزادی کی خاطر ہر قسم کی قربانیاں دینے کے تیار ہو گئے، آزادی کی اس جنگ میں مذہب وملت کی کوئی تفریق نہیں تھی، درحقیقت یہ جنگ تھی ملکی اور غیر ملکی کے درمیان، انگریز غیر ملکی تھے انہیں ملک بدر کرنے کے لئے ہر ملکی کو، خواہ وہ کسی بھی مذہب کا ماننے والا ہو، متحد ہونا تھا۔ نہ صرف یہ کہ انہیں متحد ہونا تھا بلکہ جنگ آزادی کی فوج میں نئے سپاہیوں کو بھرتی کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ لیڈر عوام میں یہ احساس پیدا کریں کہ ان کی انگریز دشمنی کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کے وقت ہی سے ان کے بزرگ انگریز دشمن رہے ہیں، مسلمانوں میں

Marfat.com

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ان علماء نے جو جنگ آزادی میں پیش پیش تھے۔ شاہ صاحب کے فتوائے دارالحرب سے کام لیا وہاں عام طریقہ سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک دارالاسلام جب دارالحرب ہو جاتا ہے تو وہاں کے مسلمانوں کا یہ فرض ہوتا ہے کہ وہ اس ملک کو پھر سے دارالاسلام بنانے کے لئے اپنی ہر ممکنہ قوت استعمال کریں اور اگر پوری کوشش کے باوجود انہیں کامیابی نہ ہو تو پھر ایسے ملک کو چھوڑ کر چلے جائیں، اس پس منظر میں جب شاہ صاحب کے فتویٰ کی اشاعت کی گئی تو اس کا لازمی نتیجہ لوگوں نے یہی نکالا کہ انہیں ہندوستان کی آزادی کی خاطر انگریزوں سے جنگ کرنی ہے اور اگر اس جنگ میں انہیں شکست ہو تو پھر ملک سے ہجرت کر جانا ضروری ہے کیوں کہ ان کے بزرگ شروع سے یہی کرتے (یا کہتے) آئے ہیں۔

۲۰ ویں صدی کا ابتدائی حصہ ہندوستان میں سیاسی حیثیت سے تاریخ کی حسب منشا تعبیر و تشریح کے لئے بہت مناسب تھا، اس لئے جب کہنے والوں نے یہ کہا کہ شاہ صاحب نے اپنے فتویٰ کے رو سے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے یہ ضروری قرار دیا تھا کہ وہ تو انگریزوں سے جنگ کریں یا درجہ مجبوری اس ملک سے ہجرت کر جائیں، تو کسی کو بھی اس میں کوئی عجوبہ نظر نہ آیا، کسی نے بھی یہ سوچنے کی اتنی زحمت گوارا نہ کی کہ اس تشریح و تعبیر میں حقیقت کا شائبہ کہاں تک ہے؟ اس وقت چونکہ ہندوستان میں انگریز دشمنی کا رجحان عام تھا، اس لئے کسی نے بھی یہ سوال نہیں کیا کہ اگر شاہ صاحب نے جہاد یا ہجرت کا حکم دیا تھا تو پھر ان کی زندگی میں لوگوں نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ اور اگر اس فتویٰ پر عمل کرنا مقصود نہ تھا تو پھر لوگ خواہ مخواہ یہ سوال پوچھ ہی کیوں رہے تھے، اس کے برعکس دارالحرب میں فریضہ جہاد و ہجرت کے مسئلہ پر بار بار زور دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہر شخص تسلیم کرنے لگا کہ کسی ملک کے دارالحرب ہو جانے کا مطلب ہی یہی ہے کہ مسلمان یا تو جہاد کریں یا ہجرت، اب اگر کسی زمانے یا کسی ملک کے مسلمان اپنے اس فریضے کو ادا نہیں کرتے تو یہ ان کی اپنی کوتاہی ہے، ان کی اپنی بے عملی، شریعت کے عائد کردہ فریضہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کر سکتی۔ کہا جا سکتا ہے کہ شریعت کے احکام کو ناپنے کا پیمانہ مسلمانوں کا عمل یا ان کے بے عملی نہیں ہے لیکن اس مفروضۃ ہی میں کہاں تک حقیقت ہے کہ شاہ صاحب نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں پر جہاد یا ہجرت کا فریضہ عائد کیا تھا۔

جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ شاہ صاحب نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانان ہند پر جہاد یا ہجرت کا فریضہ عائد کیا تھا، وہ بھی کھل کر یہ بات نہیں کرتے کہ شاہ صاحب نے واضح الفاظ میں جہاد یا ہجرت کا حکم دیا تھا، بلکہ درحقیقت یہ مطلب وہ فتویٰ کے بین السطور سے نکالتے ہیں۔ ان کا خیال

Marfat.com

ہے کہ سیاسی صورت حال کے باعث شاہ صاحب کھل کر نہ تو جہاد کا حکم دے سکتے تھے اور نہ ہجرت کی تبلیغ کر سکتے تھے، اس لئے انہوں نے ایک شرعی اصطلاح کا سہارا لے کر اپنے مافی الضمیر کو لوگوں تک پہنچانے کی کوشش کی تھی، ذاتی پسندیدگی اور سیاسی مصلحتوں سے بلند ہو کر اگر ہم اس مسئلہ پر نظر ڈالیں تو اس تشریح کی حیثیت ایک علمی مغالطہ سے زیادہ نہیں رہ جاتی، سب سے پہلے تو ہمیں فتویٰ اور سیاسی بیان کے فرق کو ذہن میں رکھنا چاہئے۔ ایک سیاسی لیڈر جب کوئی بیان جاری کرتا ہے، (خواہ وہ فتویٰ ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو) اس کے پیش نظر وقت کی سیاسی مصلحت ہوتی ہے، سیاسی لیڈر اس بات کا انتظار نہیں کرتا کہ لوگ اس سے سوال کریں پھر کوئی بیان دے بلکہ صورت حال کا مطالعہ کر کے خود ہی اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے اس کے برعکس ایک مفتی اس وقت فتویٰ دیتا ہے جب اس کے سامنے کسی متعین مسئلہ کو پیش کر کے اس سے شریعت کا حکم معلوم کیا جاتا ہے۔ چوں کہ اس دوسری قسم میں مجیب کے علاوہ سائل بھی ایک اہم کردار ہوتا ہے، اس لیے اگر ہمیں کسی فتویٰ میں سوال کی غرض و غایت کا پتہ چل جائے تو پھر فتویٰ کے بین السطوری مفہوم کی اہمیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

دارالحرب کے سلسلے میں ایک بہت ہی اہم بات جو عام طور پر نظر انداز کر دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ایک دارالاسلام دارالحرب میں تبدیل ہو جانے کے بعد وہاں کی مسلمان آبادی پر صرف فرائض ہی عائد نہیں کرتا بلکہ انہیں چند ایسے حقوق بھی عطا کرتا ہے جو اس سے قبل مسلمانوں کو دارالاسلام میں حاصل نہیں تھے مثلاً دار کی تبدیلی اگر مسلمانوں پر یہ فرض عائد کرتی ہے کہ وہ دارالحرب کو دوبارہ دارالاسلام میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں۔ تو دوسری طرف انہیں یہ حق بھی عطا کرتی ہے کہ وہ غیر مسلموں سے سودی لین دین کر سکیں جس کی انہیں پہلے اجازت نہیں تھی اس کلیہ کو ذہن میں رکھ کر جب ہم شاہ صاحب کے ان تمام فتووں کا مطالعہ کرتے ہیں جو ہندوستان کی ہیت شرعی کے متعلق ہیں، تو یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ اس وقت جن لوگوں کو بھی دارالحرب کے مسئلہ سے دلچسپی تھی انہیں اپنے ''فرض'' سے زیادہ اپنے ''حق'' کی فکر تھی۔

مجموعہ (۲) فتاویٰ عزیزی میں ہندوستان کی ہیت شرعی سے متعلق ہمیں کئی ایک فتاویٰ ملتے ہیں۔ سب سے پہلا فتویٰ اس اصولی اور علمی سوال کے جواب میں ہے کہ ایک دارالاسلام کبھی دارالحرب میں تبدیل ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کے جواب میں شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حسب ذیل باتیں دارالاسلام کو دارالحرب میں تبدیل کر دیتی ہیں:

۱۔ دارالاسلام میں غیر مسلموں کے احکام کا جاری ہو جانا۔

Marfat.com

۲۔ قبضہ کرنے والے دارالحرب اور مقبوضہ دارالاسلام کے درمیان کسی دوسرے دارالاسلام کا واقع نہ ہونا۔

۳۔ امان اول (۳) کا ختم ہو جانا۔

اگر ان تینوں شرطوں کو ضروری سمجھا جائے تو پھر شاہ صاحب کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب کہنا ممکن نہ تھا کیون کہ ہندوستان اور انگلینڈ کے درمیان ایک دوسرے دارالاسلام (خلافتِ عثمانیہ) کا وجود تھا، شاید اسی دشواری کے پیش نظر شاہ صاحب نے دارالحرب کی بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ درحقیقت دارالاسلام وہ ملک ہے جہاں امام المسلمین کے احکام جاری وساری ہوں اور دارالحرب وہ ملک ہے جہاں حربیوں (غیر مسلموں) کے احکام چلتے ہوں، اس تشریح کے مطابق ہندوستان دارالحرب تھا کیوں کہ اس وقت کے ہندوستان پر مغلوں کی نام نہاد حکومت کے باوجود سکہ انگریزوں کا چلتا تھا، جیسا کہ اسی فتویٰ میں مذکور ہے:

''اس شہر (دہلی) میں امام المسلمین کے بجائے عیسائی حکام کا اقتدار ہے، اقتدار کا مطلب یہ ہے کہ امور مملکت، ٹیکسوں کی وصولیابی، مجرموں کی سزائیں، مقدمات کے فیصلے، سب کچھ ان کی مرضی سے طے کئے جاتے ہیں، ہاں چند اسلامی شعائر ایسے ہیں جن سے وہ تعارض نہیں کرتے مثلاً جمعہ وعیدین کی نمازیں، اذان اور قربانی وغیرہ لیکن یہ آزادی مسلمانوں کے سیاسی اقتدار کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ عیسائیوں کی سیاسی مصلحت کی بنا پر ہے کیوں کہ یہ لوگ مساجد کو بے تکلف مہندم کر دیتے ہیں اور ان کا ہاتھ پکڑنے والا کوئی نہیں ہے، ان کا دبدبہ اس قدر ہے کہ انکی اجازت کے بغیر کوئی بھی مسلمان یا ذمی اس شہر بلکہ اس شہر کے مضافات میں بھی داخل نہیں ہوسکتا، تاجروں اور اس قسم کے بے ضرر مسافروں کی آمد ورفت پر انہوں نے کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے کیونکہ اس میں خود انہیں کا فائدہ ہے لیکن سیاسی حیثیت سے معروف لوگ مثلاً شجاع الملک اور ولایتی بیگم (۴) اس شہر میں ان کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوسکتے اس شہر سے لے کر کلکتہ تک عیسائیوں کی حکومت ہے۔ دائیں بائیں اور درمیان کی چند ریاستوں مثلاً لکھنو، رام پور اور حیدرآباد میں انہوں نے اپنے احکامات جاری نہیں کئے ہیں کیونکہ کہ یہاں کے نوابوں نے ان سے معاہدے کر رکھے ہیں ان حالات کے پیش نظر ہندوستان کو دارالحرب ہی کہنا پڑے گا، جیسا کہ ہمیں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بنی یربوع کے علاقہ کو دارالحرب قرار دے کر مانعین زکوٰۃ سے

Marfat.com

جہاد کیا تھا، حالاں کہ وہاں اذان ونماز سب جاری تھی (۵)......''

مذکورہ بالا سوال و جواب سے اتنی بات تو واضح ہو جاتی ہے کہ شاہ صاحب نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا لیکن استفتا اتنا مختصر ہے کہ اس سے ہمیں یہ پتہ نہیں چلتا کہ پوچھنے والے نے یہ سوال اٹھایا ہی کیوں تھا؟ سوال صرف اتنا تھا کہ ایک دارالاسلام کبھی دارالحرب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس کا جواب اصول فتویٰ نویسی کے مطابق ہاں یا نہیں میں ہونا چاہئے تھا، ہندوستان کی تفصیلی صورت حال کا تذکرہ مذکورہ بالا استفتا کے جواب میں غیر ضروری معلوم ہوتا ہے، یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ یا تو مرتبین فتاویٰ کو سوال کا پورا متن نہیں ملا یا پھر جواب کا مذکورہ بالا ٹکڑا کسی دوسرے سوال کے جواب کا ہے جسے مرتبین نے غلطی سے اس جگہ لگا دیا ہے۔(۶) بہر حال اس سے قطع نظر کہ مذکورہ بالا ٹکڑا اسی سوال کے جواب کا حصہ ہے یا نہیں، یہ بات بلا شبہ طے ہو جاتی ہے کہ ہندوستان شاہ صاحب کی نظر میں دارالحرب تھا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جن لوگوں کو ہندوستان کے دارالحرب یا دارالاسلام ہونے کی فکر تھی انہوں نے یہ سوال اٹھایا ہی کیوں تھا؟ اور پھر یہ جان لینے کے بعد کہ ہندوستان دارالحرب ہے انہوں نے اگلا قدم کب اٹھایا ہے اس سوال کا جواب جب تک ہمیں واضح طور پر نہ مل جائے اس وقت تک ہماری یہ بحث نامکمل رہتی ہے کہ شاہ صاحب نے ہندوستان کو دارالحرب کیوں قرار دیا تھا؟'' فتاویٰ عزیزی میں ہمیں مختلف جگہوں پر دارالحرب اور اس سے پیدا ہونے والے مختلف مسائل سے متعلق چند اور بھی سوال و جواب ملتے ہیں جسے عام طور سے آج کل مورخین نظر انداز کر دیتے ہیں، جب تک ہم ان تمام فتاویٰ کا ان کے سیاق وسباق کے ساتھ مطالعہ نہ کرلیں کسی نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہے۔

اس سلسلے کا دوسرا سوال جو ہمیں فتاویٰ عزیزی میں ملتا ہے، وہ دارالحرب میں حربی غیر مسلموں کو سود دینے سے متعلق ہے، شاہ صاحب کا جواب سننے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کی معاشی حالت اس درجہ کو پہنچ چکی تھی کہ وہ اپنی غیر ضروری ضروریات کو پورا کرنے کے لئے سود پر عام طور سے قرض لیا کرتے تھے، اس زمانے کی سماجی تاریخوں کے مطالعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ سود کے شکنجے میں نہ صرف عوام بلکہ بڑے بڑے امراء حد یہ ہے کہ خود بادشاہ بھی جکڑے ہوئے تھے، ظاہر ہے کہ سودی قرض لینے والے مسلمانوں میں کچھ ایسے لوگ بھی رہے ہوں گے جو سودی لین دین کو حرام سمجھنے کے باوجود مجبوراً سود پر قرض لیتے رہے ہوں گے اور انہیں اس کی فکر بھی رہی ہوگی کہ کسی صورت سے ان کا یہ فعل، گناہ کے زمرہ سے نکل جائے، اس گناہ سے بچنے کی سب سے بہترین صورت یہ تھی کہ وہ ہر قسم کی تکالیف برداشت کرتے مگر سود پر قرض نہ لیتے لیکن یہ آسان کام نہ تھا، زندگی میں ایسے

Marfat.com

بے شمار نمائشی مواقع آتے ہیں جب عوام وخواص کی اکثریت آخرت کی جوابدہی کے مقابلے میں ہم چشموں کے طنز وتعریض کو زیادہ اہمیت دیتی ہے، سود پر روپیہ قرض لے کر سماجی اور رواجی تقریبات میں اپنے کو دوسروں سے برتر ثابت کرنا انہیں مواقع میں سے ایک ہے لیکن اگر کوئی ایسی شرعی صورت نکل آتی ہے جس کی رو سے کوئی گناہ ازروئے شرع گناہ کے زمرے سے نکل جاتا ہے تو پھر ہم خرما وہم ثواب کے پیش نظر کون اس سے واقفیت حاصل کرنا نہیں چاہے گا، سودی لین دین سے متعلق جو سوال اوپر نقل کیا گیا ہے وہ اس ذہنیت کا آئینہ دار ہے، ایسا نہیں ہے کہ شاہ صاحب اس نکتہ کو نہ سمجھ رہے ہوں گے لیکن وہ ایک مفتی کی حیثیت سے اس بات پر مجبور تھے کہ سوال کا وہی جواب دیں جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہو، خواہ اس کے اثرات سوسائٹی پر کیسے ہی پڑتے ہوں، چوں کہ شریعت میں سود لینے اور دینے میں کوئی تفریق نہیں کی گئی ہے اس لئے شاہ صاحب نے صرف سود دینے کے مسئلہ کو نظر انداز کرتے ہوئے اصولی بحث شروع کی اور کہا کہ کتب فقہ کی رو سے سود دینے اور سود لینے کا حکم یکساں ہے، شریعت نے دونوں کو منع کیا ہے لیکن اس ممانعت کا اطلاق دارالحرب میں رہنے والے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان باہمی سودی لین دین پر نہیں ہوگا...... واضح رہے کہ حربیوں سے دارالحرب میں سود لینا تو اس وجہ سے جائز ہے کہ ان کا مال مسلمانوں کے لئے مباح ہے، بشرطیکہ مال کا حصول کسی بدعہدی یا بے ایمانی کے ذریعہ نہ ہو، سودی لین دین میں ایک حربی چونکہ اپنی مرضی سے خوشی خوشی سود ادا کرتا ہے اس وجہ سے اس کا لینا مسلمانوں کے لئے بالکل جائز ہے، دوسری طرف حربیوں کو سود دینا اس وجہ سے جائز ہے کہ سود کی حیثیت مال حرام کی سی ہے اور چونکہ حربی مسلمانوں کے برخلاف حرام چیزیں کھاتے ہیں، اس لئے اگر انہیں سود دیا جائے تو اسکی حیثیت اس سے زیادہ کچھ اور نہیں ہوگی کہ انہیں مال حرام کھلایا گیا اور یہ کوئی گناہ کی بات نہیں ہے لیکن یہ حکم دارالاسلام میں رہنے والے غیر مسلموں کے لئے نہیں ہے، ایسے غیر مسلموں اور مسلمانوں کے درمیان سودی لین دین ناجائز ہے کیونکہ اس طرح دارالاسلام میں سودی کاروبار ترویج پاجائے گا لیکن اگر کوئی اضطراری حالت پیدا ہوجائے تو ایک مسلمان داراالاسلام میں بھی بحالت مجبوری کسی غیر مسلم سے سودی قرض لے سکتا ہے۔ (۷)

مذکورہ بالا جواب اس بات پر خاصی روشنی ڈالتا ہے کہ ۱۹ویں صدی کے مسلمان ہندوستان کی ہیت شرعی کو معلوم کرنے کے لئے بے چین کیوں تھے، بایں ہمہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مذکورہ بالا سوال ایک مسئلہ کی علمی تشریح وتعبیر سے متعلق تھا اور اس کا تعلق ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کے عمل سے نہیں تھا مگر یہ مفروضہ اس وقت ختم ہوجاتا ہے، جب ہم اگلے سوال وجواب پر نظر ڈالتے ہیں، اس استفتا میں حسب

Marfat.com

ذیل سوالات پوچھے گئے تھے:

۱۔ ہندوستان کے وہ علاقے جو عیسائیوں کے قبضہ میں ہیں دارالحرب ہیں یا دارالاسلام؟ اگر یہ علاقے دارالحرب ہیں تو کیا یہاں کے مسلمان عیسائیوں سے سود لے سکتے ہیں؟

۲۔ کیا دارالحرب میں جمعہ کی نماز پڑھ لینے سے ظہر کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے؟ (۸)

۳۔ کیا بوقت ضرورت مسلمان غیر مسلموں سے سودی لین دین کر سکتے ہیں؟

ان سوالات کے جواب میں شاہ صاحب نے یہ اصولی بات بتائی کہ کسی ملک کے دارالحرب ہونے کی تفصیلات فقہ کی کتابوں میں مذکور ہیں، ان کا مطالعہ کرنا چاہئے، اور دیکھنا چاہئے کہ وہ صورتیں عیسائیوں کے مقبوضہ علاقوں میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ اگر وہ صورتیں پائی جاتی ہیں تو پھر یہ علاقے دارالحرب ہوں گے اور مسلمانوں اور حربیوں کے درمیان سودی لین دین از روئے شرع جائز ہوگا بہر حال مسلمانوں کو یہ چاہئے کہ وہ غیر مسلموں کو سود دینے میں احتیاط برتیں اور بے ضرورت سود نہ دیں۔

اقامت جمعہ کے بارے میں یہ حکم ہے کہ اگر کسی دارالحرب کے والی نے اپنی طرف سے کسی شہر میں مسلمان حاکم مقرر کر دیا ہے تو اس مسلمان حاکم کی اجازت سے جمعہ قائم کیا جائے گا لیکن اگر ایسی صورت موجود نہ ہو تو پھر مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ باہمی مشورہ سے کسی امین اور متدین شخص کو اپنا رئیس (امام) مقرر کر لیں اور اس کی اجازت سے شرعی امور مثلاً اقامت جمعہ وعیدین اور بے والی وارثوں وغیرہ کے نکاح کا انتظام کیا کریں لیکن واضح رہے کہ یہ امام صرف شرعی معاملات پر نظر رکھے گا، ملک کی سیاسیات سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا اگر یہ صورت بھی ممکن نہ ہو تو پھر مناسب یہ ہے کہ مسلمان جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد احتیاطاً چار رکعت نماز ظہر کی بھی پڑھ لیا کریں تاکہ اگر جمعہ کی نماز سے فرضیت ادا نہیں ہوئی ہے تو پھر ان چاروں رکعت سے ظہر کی فرضیت ادا ہو جائے۔

سوال کی تیسری شق کے متعلق شاہ صاحب نے دارالحرب کی تشریح کرتے ہوئے کہا کہ سودی لین دین جائز ہے۔ (۹)

ظاہر ہے کہ شاہ صاحب کے یہ جوابات آپ کے ہم عصروں کے علم میں ضرور آئے ہوں گے اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی رہے ہوں گے جنہیں یہ اندیشہ رہا ہوگا کہ اگر ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں باہمی سودی لین دین کی کھلی چھٹی دے دی گئی تو پھر مسلمانوں میں سود کے خلاف تھوڑی بہت جو جھجک باقی رہ گئی ہے وہ بھی ختم ہو جائے گی۔ حسب ذیل سوال اسی فرضیت کی غمازی کرتا ہے اگرچہ سوال کرنے والے کا نام نہیں معلوم لیکن عبارت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سائل کی نظر

Marfat.com

مسائل فقہیہ پر اچھی خاصی ہے اور سوال کے پردہ میں وہ شاہ صاحب کے خیالات پر اعتراض کر رہا ہے، سوال یہ ہے:

''ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے دارالحرب میں غیر مسلموں سے سود لینا جائز قرار دیا ہے لیکن امام ابویوسف، امام محمد اور امام شافعی اس رائے کے خلاف ہیں، قرآن وحدیث میں بھی سود کے بارے یں جو احکام مذکور ہیں ان کو دیکھتے ہوئے سود کا جواز (دارالحرب میں بھی) مستبعد العقل معلوم ہوتا ہے...... اور ہاں کیا آپ انگریزوں کے علاقوں کو بھی دارالحرب سمجھتے ہیں؟'' (۱۰)

اس سوال کے جواب میں بھی شاہ صاحب نے اپنے موقف میں تبدیلی نہیں کی انہوں نے کہا کہ سود کے مسائل بہت پے چیدہ ہیں، مختصراً یہ سمجھنا چاہئے کہ دارالحرب میں متامن مسلمان کے لئے یہ تو جائز نہیں ہے کہ وہ غیر مسلموں کے مال پر زبردستی قبضہ کر لےلیکن اگر کوئی غیر مسلم اپنی خوشی سے کچھ دے تو اس کا لینا جائز ہے، خواہ یہ ادائیگی کسی شرط فاسد ہی کے تحت کیوں نہ ہو رہی ہو، رہ گئی یہ بات کہ انگریزی علاقے دارالحرب ہیں یا نہیں؟ اس کا پتہ لگانا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے، سب سے پہلی بات تو یہ سمجھ لیجئے کہ حالات کی تبدیلی سے ایک دارالاسلام دارالحرحب میں تبدیل ہو جاتا ہے، تبدیلی لانے والے حالات کے تعین میں اختلاف رائے ہے، کچھ فقہا کا خیال ہے کہ شعائر اسلام میں سے اگر ایک شعار میں بھی تبدیلی آجائے تو دار کی حیثیت بدل جاتی ہے، مثلاً حکماً اذان اور نماز بند کر دی جائے یا ختنہ ممنوع قرار دیا جائے، دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ دار کی تبدیلی صرف شعائر اسلام کے محو ہو جانے پر موقوف نہیں ہے بلکہ اگر تمام شعائر کی اجازت کے باوجود دارالاسلام میں شعائر کفر کھلم کھلا رواج پا جائیں اور مسلمانوں کو ان کے روکنے پر قدرت حاصل نہ ہو تو پھر ایسا دارلاسلام دارالحرب ہو جاتا ہے، تیسرے گروہ کا خیال ہے کہ دارالاسلام صرف اس وقت دارالحرب ہو جاتا ہے جب وہاں کوئی مسلمان یا ذمی امان اول (۱۱) پر باقی نہ رہ جائے، خواہ شعائر اسلام ترک ہوتے ہوں یا نہ ہوتے ہوں اور خواہ شعائر کفر کا رواج ہوا ہو یا نہ ہو، اس تیسرے رائے کو محققین اور اہل علم صحیح سمجھتے ہیں اور اس کے مطابق انگریزی علاقے بلا شبہ دارالحرب ہیں۔ (۱۲)

حاصل مدعا یہ ہے کہ شاہ صاحب کے مجموعہ فتاویٰ میں ہمیں جتنے بھی سوالات دارالحرب سے متعلق ملتے ہیں، ان میں سے کوئی ایک سوال بھی یہ ظاہر نہیں کرتا کہ پوچھنے والے کو اس بات کی فکر تھی کہ اگر ہندوستان جو اس وقت تک کم از کم نظری طور پر دارالاسلام تھا، دارالحرب ہو گیا ہے تو پھر اسے سابقہ حالت پر لانے کے لئے مسلمانوں کو کیا کرنا ہوگا؟ اس کے برعکس ہر سوال اس وقت کے مسلمانوں کی

Marfat.com

معاشی اور سماجی حالت کی غمازی کرتا ہے، خواہ ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہو یا نہ ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ سودی لین دین اس زمانے کے مسلمانوں کی زندگی میں گہری جڑ پکڑ چکا تھا، معاملہ صرف مسلمانوں اور غیر مسلموں تک محدود نہ تھا، بلکہ فتاوی عزیزی میں شاہ صاحب کا ایک ایسا بیان بھی ہمیں ملتا ہے جس سے گمان ہوتا ہے کہ خود مسلمان باہم ایک دوسرے سے سودی لین دین کرتے تھے، مندرجہ ذیل بیان جو کسی سوال کے جواب میں نہیں، بلکہ ایک مسئلہ کی حیثیت سے مجموعہ فتاویٰ میں مذکور ہے، اس معاملہ پر خاصی روشنی ڈالتا ہے، شاہ صاحب کے قول کے مطابق ''احادیث کی رو سے سودی لین دین قطعاً حرام ہے، سوائے اس کے کوئی چارہ کار باقی نہ رہ جائے'' ایسے مواقع پر قانون استثنیٰ پر عمل ہوگا، جیسا کہ قرآن نے اشد ضرورت کے موقع پر مردار کا کھالینا بھی جائز قرار دیا ہے لیکن اگر کسی جگہ سودی لین دین عام ہو جائے جس طرح کہ ہندوستان میں ہے، تو وہاں پر اس ناجائز کام کو قانون عموم بلویٰ (۱۳) کے تحت جائز قرار نہیں دیا جائے گا کیونکہ عموم بلویٰ کا قانون طہارت ونجاست کے مسئلہ پر اثر انداز ہوتا ہے، اس قانون کی رو سے حرام کر حلال یا حلال کو حرام نہیں قرار دیا جا سکتا۔ (۱۴)

مذکورہ بالا بیان میں اگرچہ یہ واضح طور سے نہیں کہا گیا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں باہم سودی لین دین عام ہو گیا تھا لیکن اگر ہم پچھلے فتووں کو ذہن میں رکھیں تو پھر اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ یہ عبارت ایسے موقع کے لئے ہے جہاں دونوں پارٹیاں مسلمان ہیں ورنہ جہاں تک مسلمانوں پر غیر مسلموں میں سودی لین دین کا مسئلہ تھا، اسے تو شاہ صاحب نے وضاحت کے ساتھ بتا دیا تھا کہ ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کے باعث اس میں کوئی قباحت کے ساتھ بتا دیا تھا کہ ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کے باعث اس میں کوئی قباحت نہیں رہ گئی تھی۔ لیکن یہاں پر جو لوگ عموم بلوی کی آڑ لے کر سودی لین دین کو جائز قرار دینا چاہتے ہیں شاہ صاحب اسے غلط قرار دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ عموم بلوی کی آڑ انہیں مسائل میں لی گئی ہوگی جہاں دونوں پارٹیاں مسلمان ہوں گی، یہ صرف ایک خیال ہی نہیں ہے کہ مسلمان باہم بھی سودی لین دین کرتے تھے۔ بلکہ ہمیں چند اور ایسے ہی سوالات مجموعہ فتاویٰ میں ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے کے بعض مسلمانوں کو وہ ڈر تھا کہ اگر دارالحرب کے مسئلہ کے بنا پر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں سودی لین دین کو جائز ٹھہرایا گیا تو ایک نہ ایک دن مسلمانوں خود ایک دوسرے کھلم کھلا سودی لین دین شروع کر دیں گے، ان خطوط پر سوچنے والے یہ چاہتے تھے کہ سود کو بالکلیہ حرام سمجھا جائے، لیکن شاہ صاحب نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا، ان کا کہنا تھا کہ اگر اس طرح اندیشہ فردا کے تحت ہر مسئلہ کو حل کیا جائے گا تو پھر جہاد کو بھی ممنوع قرار دینا پڑے گا کیوں کہ جہاد میں

Marfat.com

بظاہر تباہی و بربادی، لوٹ مار اور قتل و غارت گری کے علاوہ اور کیا ہوتا ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ یہ سب کچھ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ہوتا ہے لیکن اگر مسلمانوں میں جنگ جوئی کی عادت باقی رہی تو اگر وہ کبھی غیر مسلموں کو نہ پائیں گے تو خود باہم ایک دوسرے سے جنگ وجدال شروع کر دیں گے، یہ کہنے کے بعد شاہ صاحب پوچھتے ہیں کہ کیا اس اندیشہ کی وجہ سے جہاد کو ناجائز قرار دے دیا جائے؟ (۱۵)

اوپر کے صفحات میں دارالحرب میں سودی لین دین کے جواز کے سلسلے میں جو سوالات و جوابات پیش کئے گئے ہیں ان سے یہ مطلب نکالنا صحیح نہ ہوگا کہ شاہ صاحب یہ چاہتے تھے کہ کسی طرح سے سودی لین دین کو حرام کے درجہ سے نکال کر حلال قرار دے دیں (۱۶)، درحقیقت یہ مسئلہ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے، اس زمانے کے حالات کی پیداوار تھا، ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط سے قبل جب تک مسلمانوں کی مضبوط حکومت قائم رہی اور کم از کم نظری طور حکومت یا اہل حکومت کا مذہب اسلام رہا، اس وقت وقت تک عوام یہ سمجھتے رہے کہ ان کی معاشی ذمہ داریاں حکومت کے سر ہیں، مدد معاش، جاگیرات اور اسی قسم کے دوسرے وظائف سے حکومت لوگوں کی مدد کرتی رہتی تھی لیکن نظام حکومت کے بدل جانے کے بعد ہر شخص کی معاشی ذمہ داری اس کے اپنے سر آپڑی، خرچ کے سلسلے میں بگڑی ہوئی عادتوں کو سنبھالنا آسان نہ تھا آسان صورت یہی رہ جاتی تھی کہ مستقبل کا خیال کئے بغیر حال کی ذمہ داریوں کو سودی قرض لے کر یا غیر مسلم حکومت سے زیادہ سے زیادہ مراعات حاصل کر کے پوری کی جائیں اور اس سلسلے میں شریعت کی طرف سے اگر کوئی رکاوٹ پڑتی ہو تو اسے شریعت کی رو سے دور کرنے کی کوشش کی جائے یہ رویہ بہ ظاہر خواہ کتنا ہی معیوب ہو لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب کسی بھی مذہب کی شریعت ایک ''قانون'' کا درجہ حاصل کر لیتی ہے تو پھر ایک نہ ایک دن اس کا انجام یہی ہوتا ہے یہ رجحان ہمیں صرف ۱۹ویں صدی کے ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ماضی میں بھی نظر آتا ہے، فقہ کی ہر اہم کتاب میں ''حیلوں'' کا ایک باب بھی ہوتا ہے۔ جن میں وہ صورتیں درج ہوتی ہیں جن پر عمل کر کے ایک شخص بظاہر شریعت کی روح کو نظرانداز کرتے ہوئے بھی شریعت کی پابندی کرتا رہتا ہے، اس بات کو واضح کرنے کے لئے مجموعہ فتاویٰ عزیزی سے صرف ایک مثال پیش کر دی کافی ہوگی۔

ہنڈی یا آج کل کی اصطلاح میں بنک ڈرافٹ کے ذریعہ روپیہ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا جو طریقہ ہے اس سے شاید ہی کوئی پڑھا لکھا شخص ناواقف ہو، شاہ صاحب سے جب اس طریق کار کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے اسے ناجائز قرار دیا کیوں کہ شریعت کی رو سے ہم جنس اشیاء کا تبادلہ کمی بیشی کے ساتھ نہیں ہو سکتا لیکن اگر جنس بدل جائے تو پھر ہر قسم کی کمی بیشی جائز ہے، مثلاً ایک سیر

Marfat.com

چاول کے بدلے سوا سیر چاول نہ تو لئے جاسکتے ہیں اور نہ دئے جاسکتے ہیں لیکن اسی ایک سیر چاول کا تبادلہ من دو من گیہوں سے ہوسکتا ہے کیونکہ چاول اور گیہوں مختلف الجنس ہیں، اس طرح ایک جگہ زائد روپے دے کر دوسری جگہ کم روپے نہیں لئے جاسکتے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص یا ادارہ ہنڈی کا کام کرتا ہے، وہ حق المحنت کے نام سے کچھ زیادہ روپیہ ادا کرتا ہے، زبان سے اس طریقہ کو ناجائز قرار دیدینا تو آسان ہے لیکن عملی زندگی میں اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے۔ یا تو پوری قوم کو آزاد چھوڑ دیا جائے کہ وہ گناہ کا ارتکاب کرتی رہے، یا پھر کوئی ایسی صورت نکالی جائے جس سے گناہ گناہ نہ رہے، اس نکتہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے شاہ صاحب نے ہنڈی کو جائز کرلینے کی ترکیب (طریق حلال کردن این وبا......) بھی بتادی، آپ نے کہا کہ ہنڈی کی ممانعت صرف اس وجہ سے ہے کہ روپے کی جنس ایک ہے، اس لئے اس کے تبادلہ میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی لیکن روپوں کے ساتھ اگر کچھ ریزگاری مختلف بھی دی جائے اور اس کے بدلے صرف روپے لیے جائیں تو چونکہ روپے اور الجنس ہیں اس لئے ان کے تبادلہ میں کمی بیشی جائز ہو جائیگی۔

یہ مثال جملہ معترضہ کے طور پر یہاں آگئی ہے اور اس کے بیان کرنے کا مقصد اگر ایک طرف یہ دکھانا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ۱۹ ہیں صدی کی ابتدا میں ایک نئے نظام سے روشناس ہوئے تھے اور ایک ایسی رہنمائی کی ضرورت محسوس کررہے تھے جو ان میں شریعت کے دائرہ میں رہتے ہوئے نئے حالات سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کرے تو دوسری طرف یہ سوالات ہمیں ان مسائل کے سمجھنے میں بھی مدد دیتے ہیں جن سے اس وقت کے مسلمان دوچار ہورہے تھے، سودی لین دین کے علاوہ دوسرے اہم مسائل جو اس وقت مسلمانوں کو درپیش تھے وہ بظاہر سیاسی لیکن درحقیقت معاشی تھے، قرآن کی آیت **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** (گناہوں اور برائیوں میں تم شریک کار نہ بنو) کی موجودگی میں اکثر مسلمانوں کو...... یہ خیال آتا رہا ہوگا کہ وہ انگریزوں سے تعاون نہ کریں کیونکہ ان کی وجہ سے دارالاسلام کا خاتمہ ہورہا تھا لیکن دشواری یہ تھی کہ اگر وہ تعاون نہ کرتے تو کھاتے کہاں سے؟ کہنے کو تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ زندہ رہنے کیلئے انگریزوں سے تعاون کرنا کچھ ضروری نہیں تھا کیوں کہ مسلمان آزادانہ طور سے صنعت وحرفت کے پیشے کو اختیار کرسکتے تھے لیکن اس قسم کی بات درحقیقت وہی شخص کہہ سکتے ہے جس نے مسلم سماج کا گہرا مطالعہ نہیں کیا ہے مسلمانوں نے ہمیشہ ملازمت کو ذریعہ افتخار سمجھا ہے (اور زراعت وتجارت وغیرہ کو دوسرے درجہ پر جگہ دی ہے ۱۹ ویں صدی کی پہلی دہائی میں بھی یہی ذہنیت ہندوستانی مسلم سماج میں کارفرما تھی ۱۲۲۹ھ یعنی ۱۸۱۳ء میں پوچھے گئے اس سوال کے جواب میں کہ حلال

Marfat.com

روزی کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے؟ شاہ صاحب نے ذرائع معاش کو تقسیم کیا ہے ان میں ملازمت سب سے اوپر ہے، اس کے بعد زراعت پھر تجارت ہے اور اس سے نیچے صنعت و حرف ہے (۱۷) ظاہر ہے کہ جس سماج کے معاشی ڈھانچہ میں ملازمت اور زراعت کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہو وہ سماج حکومت سے عدم تعاون کس طرح کر سکتا ہے، اس لئے شاہ صاحب کے سامنے جب بھی یہ سوال رکھا گیا کہ مسلمان انگریزوں کی ملازمت کریں یا نہ کریں؟ تو ہر بار آپ نے یہی کہا کہ انگریزوں کی ملازمت جائز ہے ، بشرطیکہ اس ملازت میں خلاف شرع کوئی کام نہ کرنا پڑے (۱۸) ظاہر ہے کہ یہ شرط انگریزوں کے ساتھ مخصوص نہیں کی جا سکتی کیوں کہ کسی بھی ملازمت میں اگر خلاف شرع کوئی کام کرنا پڑے تو وہ ملازمت جائز نہ ہوگی خواہ ملازمت دینے والا مسلمان ہی کیوں نہ ہو نہ صرف یہ کہ شاہ صاحب نے ملازمت کے جواز کا فتویٰ دیا بلکہ جب خود آپ کے بھتیجے اور داماد مولانا عبدالحئی کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرف سے میرٹھ کے مفتی کا عہدہ پیش کیا گیا تو شاہ صاحب نے انہیں ملازمت قبول کر لینے کی اجازت بخوشی دے دی، آپ کے اس فیصلہ کو اس وقت کے مشہور نقشبندی صوفی شاہ غلام علی نے پسند نہیں کیا اور شاہ عبدالعزیز کے نام ایک خط میں لکھا کہ انگریزوں کی ملازمت سے رزق حاصل کرنے کی بجائے مولانا عبدالحئی کو چاہئے کہ وہ فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کریں لیکن شاہ صاحب نے اس خط کے جواب میں اپنے خیالات کو بہت ہی تفصیل سے پیش کرتے ہوئے اپنے اور مولانا عبدالحئی کے طرز عمل کو شریعت کی نظروں میں بہتر اور پسندیدہ ثابت کیا۔ (۱۹)

ملازمت پیشہ مسلمانوں کے برخلاف زراعت پیشہ مسلمان دہری مشکلات سے دوچار تھے، انگریزوں کے اقتدار کے بعد زراعت کے لئے زمینیں انگریزوں ہی کے ذریعہ مل سکتی تھیں اور یہ زمینیں وہی تھیں جو انگریزوں نے مسلمان بادشاہ یا مسلمان زمین داروں سے چھینی تھیں، اب اگر ان چھینی ہوئی زمینوں کو مسلمان انگریزوں سے لے کر کاشت کرتے تو سب سے پہلے انہیں یہ اطمینان دلانے کی ضرورت تھی کہ ان کا یہ فعل تعاون علی الاثم والعدوان'' کے زمرہ میں نہیں آتا اور دوسری طرف اس خدشہ کو بھی دور کرنا تھا کہ اب جن (انگریز) بادشاہوں سے وہ زمین حاصل کر رہے ہیں دارالاسلام، پر ان کا قبضہ شرعاً تسلیم کر لیا گیا ہے کیونکہ کہ ان کا قبضہ اگر عند الشرع نہ ہو تو اس بات کا پورا امکان تھا کہ انگریزوں کے کسی وقت بھی ملک سے چلے جانے کے بعد سابقہ مالکان از روئے شرع زمینوں کے دعویدار ہو جائیں گے، اس اندیشہ کی وجہ یہ تھی کہ بعض فقہا کے خیال میں دارالاسلام ہمیشہ دارالاسلام ہی رہتا ہے اور اگر کبھی اس پر حربیوں کا قبضہ ہو بھی جائے تو اس کیفیت کو عارضی سمجھا جائے گا اگر اس فتویٰ پر عمل کیا جاتا

Marfat.com

تو پھر ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ اور ان سے کئے ہوئے ہر قسم کے معاہدات از روئے شرع عارضی ہوتے، اس صورت میں ظاہر ہے کہ زراعت پیشہ شخص انگریزوں سے حاصل کی ہوئی زمین پر محنت اور سرمایہ لگانے سے ہچکچاتا، کیوں کہ اس کو اپنی ملکیت کا اطمینان نہ ہوتا، شاہ صاحب نے زمینوں کے مسئلہ کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھا، اسی لئے جب ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ خیال بے بنیاد ہے کہ ایک دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوسکتا، یہ تبدیلی ممکن ہے، کیونکہ جب کبھی بھی حربی کسی دارالاسلام پر اس طرح قابض ہو جائیں کہ مسلمان اپنی سیاسی قوت کھودیں تو وہ ملک دارالحرب ہو جاتا ہے ...... شریعت حربیوں کے قبضہ کو تسلیم کر لیتی ہے اور انہیں یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی رعایا سے جس قسم کے معاہدات چاہیں کریں، اس نظریہ کے مطابق ہندوستان کی آراضیات پر انگریزوں کا قبضہ عارضی نہیں کہا جا سکتا، اس لئے جو لوگ ہندوستانیوں کی ضبط شدہ آراضیات انگریزوں سے قیمتاً یا تحفتہً قبول کر کے اپنے تصرف میں لائیں گے وہی لوگ انگریزوں کے چلے جانے کے بعد بھی شرعاً مالک شمار ہوں گے، پرانے مالکان ان زمینوں کو واپس لینے کے مجاز نہ ہوں گے۔ (۲۰)

یہ صحیح ہے کہ مجموعہ فتاویٰ میں ایسا کوئی سوال ہمیں نہیں ملتا، جس میں یہ پوچھا گیا ہو کہ ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کے بعد مسلمانوں پر ہجرت یا جہاد کا فریضہ عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ لیکن ہمیں ایسے اشارات ضرور ملتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگوں کے ذہن میں یہ بات آرہی تھی کہ ہندوستان کے دارالحرب ہو جانے کے بعد وہاں سے ہجرت کر جانا ضروری تھا، ہمیں اسکی شہادت تو نہیں ملتی کہ شاہ صاحب کی زندگی میں کسی بھی عالم نے ہجرت کے مسئلہ پر عمل کرتے ہوئے اجتماعی ہجرت کی کوئی تحریک چلائی ہو لیکن مجموعہ فتاویٰ عزیزی میں ہمیں کسی شخص کا ایک اعتراض شاہ صاحب کے اس طرز عمل پر ملتا ہے کہ وہ ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے ہوئے بھی وہاں قیام پذیر تھے، یہ طرز عمل معترض کی نظروں میں خلاف شریعت تھا، شاہ صاحب نے اس اعتراض کو صحیح تسلیم نہیں کیا، آپ کے خیال میں اس دارالحرب سے ہجرت فرض تھی، جہاں مسلمانوں کو اپنے شعائر دینی ادا کرنے کی ممانعت ہو، ہندوستان میں مسلمان چوں کہ اپنے شعائر دینی مثلاً اذان، نماز قربانی وغیرہ کی ادائیگی میں آزاد تھے اس لئے ہندوستان دارالحرب ہوتے ہوئے بھی اس زمرہ میں نہیں آتا تھا جہاں سے ہجرت کرنی ضروری ہوتی (۲۱) یہاں یہ بات ضرور ذہن میں رہنی چاہئے کہ شاہ صاحب دارالحرب سے ہجرت اس وقت تک ضروری قرار نہیں دیتے جب تک کہ شعائر مذہبی کو ادا کرنا حکومت کی طرف سے باقاعدہ ممنوع قرار نہ دے دیا گیا ہو، ظاہر ہے کہ ''ممانعت'' کا عدم ''قدرت'' کے مترادف نہیں ہوتا مثلاً کوئی حکومت اپنی بے تعصبی اور سیاسی

Marfat.com

مصلحتوں کے پیش نظر مسلمانوں کے شعائر دینی میں دخل اندازی نہ کرے لیکن اگر مسلمانوں میں سیاسی قوت نہیں ہے تو پھر ان شعائر پر عمل درآمد ''مرحمت خسروانہ'' ہے ''ہمت مرداں'' نہیں، اس نقطہ نظر سے ہندوستان دارالحرب نہیں تھا کہ انگریزوں کی بے تعصبی یا ان کی اپنی سیاسی مصلحتوں کے باعث مسلمان اپنے روزہ مرہ کے فرائض ادا کرنے میں بالکل آزاد تھے، اس لئے فریضہ ہجرت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا تھا لیکن اگر دارالحرب کی ہمیشہ یہی تعریف کی جاتی تو پھر اسی زمانہ میں سودی لین دین یا اسی قسم کے دوسرے مسائل معاشیات پر بھی نظر ثانی کرنی پڑتی کیونکہ جب ہندوستان دارالحرب تھا ہی نہیں تو پھر سودی لین دین کا جواز کہاں سے پیدا ہوتا؟ غالباً اسی دشواری کو دور کرنے لئے شاہ صاحب نے جہاں پر انگریزوں کی دی ہوئی زمینوں اور دوسرے عطیات کو قبول کرنے کی بحث کی ہے وہاں پر آپ نے ''سیاسی قوت'' کی شرط کو نظرانداز کر دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اگر کسی ملک میں مسلمان اپنی سیاسی قوت کی بناء پر نہیں بلکہ حکومت کی بے تعصبی کی وجہ سے شعائر دینی ادا کرتے ہوں تو ایسے ملک کو دارالحرب کہا جائے گا اور وہاں غیر مسلموں سے سودی لین دین جائز ہوگا، نیز غیر مسلم حکومت کی عطا کردہ زمینوں پر حق ملکیت باقی رکھنے کا حق بھی ہوگا۔ (۲۲)

رہ گئی جہاد کی بات تو مجموعہ فتاویٰ میں ہمیں اس موضوع پر کوئی سوال نہیں ملتا نہ تو اس سلسلے میں کسی نے آپ سے فتویٰ طلب کیا، نہ کسی نے آپ پر اعتراض کیا کہ ہندوستان کو دارالحرب سمجھنے کے بعد آپ جہاد کیوں نہیں کرتے؟ ہاں ایک موقع پر قرآنی آیت ''وجاھدوا فی سبیل اللّٰہ'' کی تشریح کرتے ہوئے شاہ صاحب نے جہاد کی جو تعریف کی ہے وہ بعینہ وہی ہے جسے ختم ۱۹ویں صدی میں سرسید، امیر علی، اور چراغ علی وغیرہ نے اختیار کیا تھا، شاہ صاحب کے خیال میں ''جہاد کی تین قسمیں ہیں، قسم اول جہاد زبانی ہے، اس جہاد کو وعظ و نصیحت، ترغیب و ترہیب اور رفع شبہات مخالفین کے ذریعہ ادا کیا جاتا ہے، دوسرے نمبر پر وہ جہاد ہے جس میں مسلمان اس خیال سے جنگی تیاری کرتے ہیں کہ اگر حقیقتاً جنگ کا موقع آ گیا تو پھر انہیں شکست نہ ہو، تیسرے نمبر پر وہ جہاد ہے جس میں باقاعدہ دست بدست جنگ ہوتی ہے، جہاد کی ان تینوں قسموں پر تفصیلی روشنی ڈالنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ''بلاشبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی دو قسموں کے جہاد میں مشغول تھے قسم سوم میں جو درحقیقت سب سے ادنیٰ جہاد ہے، آں حضرت نے شرکت نہیں کی'' (۲۳)

مذکورہ بالا بحث کے بعد ہم یہ سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ کم از کم شاہ صاحب یا ان کے ہم عصر مسلمان، دارالحرب کے مسئلہ کو اس نقطہ نظر سے نہیں دیکھ رہے تھے، جس نقطہ نظر سے چاہتے ہیں کہ وہ

Marfat.com

دیکھتے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی بدلتی ہوئی صورت حال نے اس وقت کے مسلمانوں کے سامنے چند اہم معاشی مسائل لا کھڑے کئے تھے اور وہ ان مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے بے چین تھے، دارالحرب اور دارالاسلام کی بحث میں ایک موقف تو وہ تھا جسے شاہ صاحب نے اختیار کیا اور دوسرا موقف یہ ہوسکتا تھا کہ آپ ہر سوال کرنے والے کو یہ جواب دیتے کہ ہاں ہندوستان دارالحرب تو ہوگیا ہے لیکن تم سود کا جواز معلوم کرنے کے بجائے کیوں نہیں پوچھتے کہ ہندوستان کو پھر سے دارالاسلام کس طرح بنایا جاسکتا ہے؟ شاہ صاحب یہ جواب دے سکتے تھے لیکن اگر وہ ایسا کرتے تو درحقیقت ماہر قانون شریعت (مفتی) کے موقف سے ہٹ چکے ہوتے کیوں کہ قانون شریعت کے ماہر ہونے کے باعث اگر ایک طرف ان کا یہ فریضہ تھا کہ وہ شریعت کی حد میں رہتے ہوئے مسلمانوں کے مفاد کی حفاظت کریں تو دوسری طرف تاریخ دین پر گہری نظر ہونے کی وجہ سے انہیں اپنے جوابات سے مسلمانوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی بٹھانی تھی کہ قانون شریعت جامد نہیں، بلکہ لچکدار اور زمان و مکان کا پابند ہے اس لئے ان قوانین پر زمان و مکان کی تبدیلیوں کا اثر بھی ناگزیز ہے۔

Marfat.com

حوالہ جات

۱۔اس فرق کی ایک بہترین مثال ہمیں مولانا ابوالکلام آزاد کے جاری کردہ فتاوائے ہجرت میں نظر آتی ہے، جسے انہوں نے کسی استفتا کے بغیر ۱۹۲۰ء میں دیا تھا، اس فتویٰ میں مولانا آزاد نے مسلمانوں پر ہندوستان سے ہجرت ضروری قرار دی تھی، چوں کہ مولانا نے وہ فتویٰ کسی شخص کے سوال کے جواب میں نہیں دیا تھا۔ اس لئے ہم اس فتویٰ کے ظاہری یا معنوی معنی نکالنے میں آزاد ہیں، ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ہجرت کرنے کا کوئی خیال نہیں تھا لیکن چوں کہ مولانا اس وقت کی سیاسی صورت حال کے پیش نظر ہندوستان سے ہجرت ضروری سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے ایمان داری کے ساتھ اپنی رائے عوام کے سامنے پیش کر دی تھی لیکن اگر یہی فتویٰ کسی شخص کے استفتا کے جواب میں ہوتا تو پھر یہ کہا جاتا کہ اس زمانے میں مولانا آزاد کے علاوہ بھی کچھ ایسے لوگ موجود تھے جن کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو رہا تھا کہ آیا ہندوستان سے ہجرت کر جانی چاہئے یا نہیں۔ (مولانا آزاد کے فتوائے ہجرت کے متن کے لئے ملاحظہ ہو ''تبرکات آزاد'' مرتبہ غلام رسول مہر، کتاب منزل، لاہور ۱۹۵۹ء صفحات ۲۰۳ مسلسل، اس سے قبل یہ فتویٰ ہفت روزہ اہل حدیث، امرت سر کی اشاعت ۳۰ جولائی ۱۹۲۰ میں شائع ہوا تھا۔)

۲۔ابتدائی ۱۴ویں صدی ہجری (آخر ۱۹ویں صدی عیسوی) میں مطبع مجتبائی، دہلی کے مالک مولوی عبدالاحد کو یہ خیال پیدا ہوا کہ شاہ صاحب کے جتنے بھی فتاویٰ دستیاب ہوسکیں اُنہیں ایک مجموعہ کی شکل میں شائع کر دیا جائے، انہوں نے تمام فتاویٰ کو جمع کرایا اور اپنے زمانے کے مشہور علماء کی تصحیح کے بعد انہیں دو جلدوں میں اپنے ہی مطبع سے مجموعہ فتاویٰ عزیزی (فارسی) کے نام سے شائع کر دیا، پہلی جلد ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳ء) اور دوسری جلد ۱۳۱۴ھ (۱۸۹۶ء) میں شائع ہوئی ان دونوں جلدوں میں شاہ صاحب کی ہر وہ تحریر جو مرتبین کی نظروں میں ''فتویٰ'' معلوم ہوئی جمع کر دی گئی۔ مثلاً انہیں صفحات میں شاہ صاحب کے بیان کردہ بہت سارے تفسیری نکات اور چند ایک ایسے خطوط بھی ملتے ہیں جو انہوں نے اپنے دوستوں، شاگردوں اور ہم عصروں کو کسی علمی مسئلے پر لکھے تھے، دونوں جلدوں کے شروع میں ایک مجمل سی فہرست مضامین بھی ہے لیکن درحقیقت کتاب کی ترتیب میں کسی قسم کا بھی اصول پیش نظر نہیں رکھا گیا ہے، اصل

Marfat.com

فارسی کتاب کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، اور بازار میں دستیاب ہے۔

۳۔ ''امان اول'' سے وہ معاہدات مراد ہیں جو دارالاسلام اور اس کے مسلمان اور غیر مسلم شہریوں کے درمیان ہوتے ہیں۔

۴۔ مضمون نگار نے اپنی سی پوری کوشش کی لیکن اسے ان دونوں شخصیتوں کے حالات کہیں دستیاب نہ ہو سکے۔

۵۔ ملاحظہ ہو مجموعہ فتاویٰ عزیزی (آئندہ صرف فتاویٰ لکھا جائے گا) از شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (فارسی) جلد اول ۱۳۱۱ھ (۱۸۹۳) صفحات ۱۷، ۱۸۔

۶۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر ۱۲

۷۔ فتاویٰ جلد ۱، ص ۲۸۔

۸۔ بظاہر سائل ظہر کی فرضیت کے بارے میں سوال کر رہا ہے حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے، سوال کا پس منظر یہ ہے کہ جمعہ کی امامت اصلاً خلیفہ کی ذمہ داری ہے اگر وہ خود امامت نہ کر سکے اور ظاہر ہے کہ وہ بیک وقت مختلف جگہوں پر امامت نہیں کر سکتا تو پھر اس کا مقرر کردہ امام اس فرض کو ادا کرے گا دارالحرب میں چوں کہ خلیفہ عزل و نصب کا اختیار نہیں رکھتا اس لئے امام جامع مسجد بھی درحقیقت خلیفہ کی نیابت نہیں کرتا، اس دشواری کی وجہ سے اکثر فقہا کے نزدیک دارالحرب میں جمعہ کی نماز ادا نہیں کی جائے گی بلکہ عام دنوں کی طرح ظہر کی نماز پڑھی جائے گی اب اگر اس کے باوجود کسی دارالحرب میں مسلمان جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں، جو بظاہر ان پر فرض نہیں ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ آیا وہ پھر سے ظہر کی نماز پڑھیں یا جمعہ ہی کی نماز کو کافی سمجھیں اگر دیکھا جائے تو اس سوال میں بھی وہی حصول حق کی ذہنیت کام کر رہی ہے، ظہر کی نماز کے مقابلہ میں جمعہ کی جماعت اگر ایک مسجد میں نہ ملے تو دوسری کا رخ کرنا پڑتا ہے، جمعہ کی نماز میں جماعت اور خطبہ چھوٹ جانے کے ڈر سے وقت سے بہت پہلے مسجد میں آکر بیٹھنا پڑتا ہے لیکن اگر جمعہ کی فرضیت ختم ہو جاتی ہے تو دکان اور کاروبار کو بند کر کے جامع مسجد میں آنے کی چھٹی مل جاتی ہے اور اپنے پڑوس کی مسجد یا گھر یا دکان ہی پر ظہر کا فریضہ ادا کیا جا سکتا ہے۔

۹۔ فتاویٰ ایضاً جلد ۱، صفحات ۳۳، ۳۴

۱۰۔ ایضاً ص ۱۱۵

۱۱۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو گزشتہ حاشیہ نمبر ۳

۱۲۔ فتاویٰ، جلد ۱، صفحات ۱۱۵، ۱۱۶ (مضمون نگار کا خیال ہے کہ اس سے قبل متن حاشیہ نمبر ۶ کی جس

Marfat.com

عبارت کے بارے میں یہ شبہ ظاہر کیا گیا تھا کہ وہ کسی دوسری جگہ سے تعلق رکھتا ہے وہ ٹکڑا اس فتویٰ کا ایک حصہ ہے، اس سوال میں خاص طور سے انگریزی علاقوں کے بارے میں پوچھا گیا ہے اور شاہ صاحب نے ان علاقوں کو امان اول کے معدوم ہو جانے کے باعث دارالحرب قرار دیا ہے اگر ''اس شہر دہلی میں ......'' والا ٹکڑا ہم اس جواب کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو یہ معلوم ہوگا کہ دہلی سے لے کر کلکتہ تک کے سیاسی حالات کا تجزیہ دراصل ''امان اول'' کی عدمیت کی تفصیل میں ہے۔

۱۳۔ عموم بلویٰ اس مرگ انبوہ کو کہتے ہیں جس سے ایک بہت بڑا گروہ مستقل طور سے دوچار رہتا ہو، مثلاً نماز پڑھنے کے لئے کپڑوں کا پاک ہونا ضروری ہے اگر یہ شبہ ہو جائے کہ کپڑے پر نجاست لگ گئی ہے تو اسے صاف کرنا ضروری ہوگا لیکن ایسے لوگ جن کا کاروبار ہی اس قسم کا ہو کہ انہیں ہر وقت گوبر اور غلاظت سے واسطہ پڑتا ہو تو ان کے لئے یہ اجازت ہے کہ وہ جب تک اپنے کپڑوں پر نجاست نہ دیکھیں اس وقت تک اپنے کپڑوں کو صاف سمجھیں۔

۱۴۔ فتاویٰ، جلد ا، ص ۱۲۹

۱۵۔ " ص ۱۱۶

۱۶۔ " ص ۱۳۲ اس مثال سے یہ نتیجہ نکالنا درست نہ ہوگا کہ شاہ صاحب ایک حرام شے کو جانتے بوجھتے حلال ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کیوں کہ اس قسم کی کوشش شاہ صاحب کے نزدیک صریحاً کفر ہے اور ایسا شخص جو محض اتباعِ نفس کی خاطر حلال کر حرام یا حرام کو حلال سمجھتا ہو کافر ہے۔'' (ملاحظہ ہو فتاویٰ، جلد ا، ص ۱۵۶) درحقیقت شاہ صاحب نے ہنڈی کے مسئلہ میں جو رائے دی ہے وہ اس سماج کے طریق فکر کی عکاسی کر رہی ہے جہاں شریعت اور قانون میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا، دائرۂ قانون میں رہتے ہوئے قانونی شکنجوں سے چھٹکارہ پانے کی کوشش انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔

۱۷۔ شاہ عبدالعزیز، مجموعہ رسائل خمسہ (مجموعہ فتاویٰ عزیزی جلد اول کے ساتھ مطبوعہ) صفحہ ۱۸۵۔

۱۸۔ فتاویٰ، جلد ا، ص ۹۱۔

۲۰۔ ایضاً جلد ا، صفحات ۱۶۲، ۱۶۳

۲۱۔ ایضاً جلد ا ص ۵۲

۲۲۔ ایضاً جلد ا ص ۱۶۳

۲۳۔ فتاویٰ جلد دوم ص ۸۸

(ماخوذ از برہان، اکتوبر ۱۹۶۹ء)

Marfat.com

ڈاکٹر محمد خالد مسعود

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ[1]

(۱۷۴۶ء۔۱۸۲۴ء)

فرمایا: حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر زمانہ میں نصاریٰ کا تسلط ہوگا، ایک مرید نے عرض کیا کہ وہ یہی نصاریٰ ہیں یا اور ہوں گے؟ فرمایا: غالباً یہی ہوں گے، کیونکہ اہل سلام میں ظلم نہایت درجہ شائع ہوگیا ہے اور ملک کفر کے ساتھ تو قائم رہ بھی سکتا ہے، مگر ظلم کے ساتھ نہیں۔ (۱)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے اس ملفوظ کا یہ اہم نکتہ کہ سیاسی نظام کی کامیابی یا ناکامی کا معیار اسلام یا کفر نہیں بلکہ عدل وانصاف ہے، کوئی نئی فکر نہیں تھی، مسلمان نہیں، بلکہ دنیا کے سب مفکرین یہی کہتے آئے تھے لیکن قرون وسطی میں جب شہنشاہوں اور سلاطین نے اپنی حکومت کے جواز کے لئے مذہب کا سہارا لیا، تو عام طور پر یہ نکتہ نظروں سے اوجھل ہوگیا اور عدل وانصاف کو بھی مذہب کے پیمانے سے ناپا جانے لگا، حتی کہ پندرہویں صدی کے یورپ میں جب کلیسا اور ریاست متحدہ ہوئے تو اگلی تین صدیوں تک ساری دنیا مذہبی استعمار کا شکار رہی، اندلس کے مسلمانوں اور یہودیوں پر جو قیامت ٹوٹی، انگلستان اور یورپ کے دوسرے ملکوں میں مذہب کے نام پر جس طرح لوگوں کو زندہ جلا گیا، ہسپانوی اور پرتگیزی طالع آزماؤں نے کلیسا کی حمایت اور دعاؤں کے ساتھ ایشیا، جنوبی امریکہ اور شمالی امریکہ بعض امن پسند قبائل کو مذہب تبدیل نہ کرنے پر جس طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیا، اس کے داغ انسانی ذہن پر ابھی تک نقش ہیں، راست فکر لوگوں نے انصاف کے ان دوہرے باٹوں اور پیمانوں کو کبھی تسلیم نہیں کیا، لیکن اٹھارہویں صدی میں جب مذہب پر مبنی سلطنتیں زوال پذیر ہوئیں تو یہ شعور خصوصی طور پر ابھر کر سامنے آیا، اسی فکر کو دور جدید کی روشن خیالی کی بنیاد سمجھا جاتا ہے۔

انیسویں صدی میں یورپی استعمار سے آزادی کی جدوجہد اور بعد میں قومی تشخص کے اظہار اور سیاسی نظام کی تعمیر نو میں مذہب کے عنصر کو دوبارہ بنیادی اہمیت حاصل ہوگئی، حتی کہ انیسویں صدی کی ان ضرورتوں کے پیش نظر اٹھارہویں صدی کی تاریخ بھی اسی زاویے سے لکھی گئی، ضرورت اس بات کی ہے کہ

[1] مقالہ مشمولہ المعارف، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور (اکتوبر ۲۰۰۵ء)

Marfat.com

اس صدی کو ان ''ضرورتوں'' اور ''تعصبات'' سے ہٹ کر دیکھا جائے۔ (۲)

اٹھارہویں صدی میں شاہ ولی اللہ اور دوسرے مفکرین نے سیاست اور معاشرت کی بنیادیں تیموری وراثت کے بجائے انسانی معاشرے کے ارتقا اور ارتفاقات میں تلاش کیں، اس عہد میں علم وفن کو دربار کی سرپرستی سے آزادی ملی اور فکر وآگہی کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کا موقع ملا تو پورا برصغیر علم وفکر کی نمو سے مہک اٹھا، اس مقالے کے دامن تنگ میں ہم ان سارے پھولوں کو تو سمیٹ نہیں سکتے، صرف اس گلستان کا ایک دریچہ کھول کر اٹھارہویں صدی کی اس فکری بہار کا مختصر نظارہ پیش کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے، یہ دریچہ عبدالعزیز محدث دہلوی ہیں۔

شاہ عبدالعزیز کا انتخاب اس مقصد کے لئے کئی لحاظ سے مفید ہے، اول تو شاہ صاحب کی زندگی اٹھارہویں صدی کے نصف اور انیسویں صدی کے ربع پر محیط ہے اور اس طرح اٹھارہویں صدی کے فکر کے تسلسل کو جانچنے میں مدد دے سکتی ہے، دوسری شاہ صاحب کی شخصیت اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ ایک طرف آپ کا فکری رابطہ شاہ ولی اللہ سے ہے تو دوسری جانب، جیسا کہ ہم اس مضمون کے آخر میں ذکر کریں گے، انیسویں اور بیسوی صدی میں ابھرنے والی تقریباً تمام مذہبی، سیاسی اور فکری تحریکیں اپنا رشتہ شاہ عبدالعزیز سے قائم کرتی ہیں، تیسرے شاہ عبدالعزیز کا رابطہ اپنے عہد کی تمام نامور اہم علمی اور فکری شخصیات اور اداروں سے براہ راست رہا، چوتھے آپ کے فتاویٰ اور ملفوظات ایسے مصادر مراجع ہیں جن سے شاہ صاحب کے افکار کا صرف علم نہیں ہوتا، بلکہ شاہ صاحب کے ہم عصر معاشرے کی سوچ کا بھی پتہ چلتا ہے۔

اس مطالعے میں ہمارے پیش نظر بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا شاہ عبدالعزیز اٹھارہویں صدی کو زوال کا عہد سمجھتے تھے؟ اگر سمجھتے تھے تو کس پہلو سے اور اس کے لئے انہوں نے کیا حل تجویز کیا؟ ان سوالوں کے تناظر میں ہم شاہ صاحب کے حوالے سے اٹھارہویں صدی کے اسلامی فکر کے صرف ان پہلوؤں کا جائزہ لیں گے جو اس تناظر سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں، اس کے لئے ہم صرف تین، یعنی تعلیمی، مذہبی اور سیاسی پہلوؤں کا مطالعہ کریں گے۔

شاہ عبدالعزیز کا عہد:

شاہ عبدالعزیز کے حالات زندگی پر دو اہم تفصیلی مطالعے شائع ہو چکے ہیں، (۳) اس لئے ہم ایک اجمالی خاکے پر اکتفا کریں گے، آپ شاہ ولی اللہ دہلوی کی دوسری بیوی سے سب سے بڑے فرزند تھے، آپ کا مولد (۱۷۴۶ء) دہلی ہے، آپ کی تعلیم وتربیت شاہ ولی اللہ کے ہاتھوں ہی میں ہوئی چنانچہ والد

Marfat.com

کی وفات پر ۱۷۶۲ء میں آپ نے مسند تدریس سنبھالی اور وفات تک تصنیف و تالیف میں مشغول رہے اور فتاویٰ کی صورت میں رجوع کرنے والوں کی رہنمائی کرتے رہے، آپ کی تصانیف میں ''تفسیر عزیزی (فتح العزیز)''تحفه اثناءِ عشریه ، بستان المحدثین، عجاله نافعه ، سر شهادتین ، عزیز الا قتباس فی فضائل اخیار الناس'' اور ''میزان العقائد''شامل ہیں آپ کے ملفوظات اور فتاویٰ بھی آپ کی زندگی ہی میں جمع ہو گئے تھے لیکن وفات کے بعد شائع ہوئے۔

شاہ عبدالعزیز کا عہد سیاسی اور معاشی شکست و ریخت کا عہد تھا، شاہ صاحب کا ابھی جوانی کا زمانہ تھا کہ انگریز دہلی پر بھی قابض ہو گئے، تاہم ان ساری سیاسی تبدیلیوں میں دہلی میں شاہ صاحب کی قدر و منزلت میں کمی نہیں آئی، مغل بادشاہ، روہیلے میر اور انگریز حکام سب شاہ صاحب کے عقیدت مند تھے، شاہ صاحب کے تذکروں اور قریب العہد تصانیف، سب میں دہلی میں شاہ صاحب کی مرکزی حیثیت کا بار بار ذکر آتا ہے۔(۴) بارش، دفع امراض وبائی اور رد بلیات کے لئے دعاؤں کے لئے بادشاہ اور عوام دونوں شاہ صاحب سے رجوع کرتے تھے۔(۵)

سرسید احمد خان نے اپنی کتاب ''آثار الصنادید'' (تالیف ۱۸۴۶ء) میں شاہ عبدالعزیز کے بارے میں لکھا ہے:

''اگرچہ جمیع علوم مثل منطق و حکمت و ہندسہ و ہئیت کو خادم علوم دینی کا کر کر تمام ہمت و سراسر سعی کو تحقیق غوامض حدیث نبوی و تفسیر کلام الٰہی اور اعلائے اعلام شریعت مقدسہ حضرت رسالت پناہی میں مصروف فرماتے تھے اس پر بھی علوم عقلیہ میں سے کون سا علم تھا کہ اس میں یکتائی اور یک فنی نہ تھی۔''(۶)

شاہ صاحب کے شاگردوں میں شاہ اسماعیل شہید نے منطق پر رسالہ لکھا جس میں انہوں نے ارسطو کی منطق پر تنقید کی (۷) شاہ رفیع الدین کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ انہوں نے ریاضیات میں اتنی ترقی کی کہ ''اس فن کے موجد نے بھی اس سے زیادہ ترقی نہ کی ہوگی۔''(۸)

''وقائع عبدالقادر خانی'' میں ذکر ہے کہ شاہ صاحب کو تفسیر، حدیث فقہ، سیرت اور تاریخ کے علاوہ علم ہیئت، ہندسہ، مجسطی، اصطرلاب، جرثقل، طبیعیات، منطق، مناظرہ، اختلاف، ملل و نحل قیافہ اور تاویل وغیرہ علوم و فنون پر بھی عبور حاصل تھا، آپ کو عبرانی زبان سے بھی واقفیت تھی۔(۹)

صاحب ''نزہتہ'' الخواطر'' نے شاہ صاحب کی علم موسیقی سے واقفیت کا خاص طور پر ذکر کیا ہے (۱۰) برصغیر میں آلات مزامیر کے ساتھ اور ان کے بغیر موسیقی کی حلت و حرمت پر بحث بہت پرانی ہے،

Marfat.com

شاہ صاحب کے عہد میں یہ بحث چلی کہ آلات مزامیر کون سے ہیں، شاہ صاحب نے فرمایا کہ محققین کے نزدیک ایسے آلات جن سے حروف اور انسانی آواز سے مماثلت پیدا ہو، جیسے سارنگی اور ستار وغیرہ وہ حرام ہیں، شاہ صاحب نے محض آواز اور مزامیر کی آواز میں فرق کرتے ہوئے کہا کہ مزامیر کی آواز بے معنی ہے، اس سے طبیعت میں جوش پیدا ہو جاتا ہے، مزامیر کو اس لئے منع کیا گیا کہ طبیعت کو اتنا جوش میں لانا مقصود نہیں، البتہ دف اور طبل اس حرمت سے مستثنیٰ ہیں، ان کے مقابلے میں محض اچھی آواز بامعنی الفاظ کے ساتھ قلب میں حرکت کے ساتھ ساتھ عقل کو بھی حرکت میں لاتی ہے، اس لئے مباح ہے۔ (۱۱)

شاہ صاحب نے اپنے ''ملفوظات'' میں فرمایا کہ انہیں اس فن سے دلچسپی تھی اور اس فن کے مشہور لوگ ان کے پاس مشورے کے لئے آتے تھے، لیکن آخر عمر میں انہون نے اسے ترک کر دیا، کیونکہ ضعف کی وجہ سے موسیقی سے ان کے دل کو نقصان پہنچتا تھا (۱۲) ''ملفوظات'' میں ایک واقعہ بھی درج ہے کہ آپ کے مدرسے میں ایک قوال کے گانے سے آپ کے سردرد میں اضافہ ہوا (۱۳) شاہ صاحب کی ایک فارسی تصنیف ''سانگیت شاستر'' کا ذکر بھی ملتا ہے جو رام پور کی رضا لائبریری میں محفوظ ہے (۱۴)

شاہ صاحب کے طریق تدریس پر سرسید احمد خان کے دلچسپ تبصرے سے اس عہد کی علم دوستی اور معیار بندی کا بھی پتہ چلتا ہے، لکھتے ہیں:

> یہ آفت جو اس جزو زمان میں تمام دیار ہندوستان خصوصاً شاہجہان آباد حرسہا اللہ عن الشرو الفساد میں مثل ہوائے وبائی کے عام ہوگئی ہے کہ ہر عامی اپنے تئیں عالم اور ہر جاہل آپ کو فاضل سمجھتا اور فقط اسی پر کہ چند رسالے مسائل دینی اور ترجمہ قرآن مجید کو اور وہ بھی زبان اردو میں کسی نے استاد سے اور کسی نے اپنے زور طبیعت سے پڑھ لیا ہے۔ اپنے تئیں فقیہ و مفسر سمجھ کر مسائل و وعظ گوئی میں جرأت کر بیٹھا، آپ (شاہ عبدالعزیز) کے ایام حیات تک اس کا اثر نہ تھا، بلکہ علمائے متبحر اور فضلائے مفضی المرام باوجود نظر غائر اور احاطہ جزئیات مسائل کے جب تک اپنا سمجھا ہوا حضرت کی خدمت میں عرض نہ کر لیتے تھے اور اس کے اظہار میں لب کو وانہ کرتے تھے اور اس کے بیان میں زبان کو جنبش نہ دیتے تھے۔ (۱۵)

سرسید کے اس تبصرے سے پتہ چلتا ہے کہ تعلیم میں روایت اور تربیت کا تسلسل اور معیار بندی اٹھارہویں صدی تک قائم تھی اور کسی معروف استاد کی سند اور اجازت کے بغیر تدریس اور فقہ و تفسیر تو کیا، لوگ وعظ گوئی کی بھی جرأت نہیں کرتے تھے۔

اس روایت و حفاظت میں تقلید کا بھی حصہ تھا، لیکن اٹھارہویں صدی میں یہ احساس ابھرا کہ تقلید علم

Marfat.com

کے فروغ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے، برصغیر میں حنفی مذہب کی تقلید اتنی شدید تھی کہ اکثر حدیث کو بھی نظر انداز کر دیا جاتا تھا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ برصغیر میں علم حدیث کی اشاعت نہیں تھی، حقیقت تو یہ ہے کہ برصغیر خصوصاً سندھ شروع ہی سے علم حدیث کا گہوارہ رہا ہے اور بہت سے محدثین اس سرزمین سے پیدا ہوئے، خصوصاً سترہویں صدی میں حجاز اور عالم اسلام میں علم حدیث کے فروغ میں علامہ محمد حیات سندھی جیسے علماء کی خدمات بہت نمایاں ہیں، تاہم حنفیت کی تقلید کی وجہ سے علم حدیث اور فقہ ایک دوسرے سے الگ پروان چڑھتے رہے، شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز نے علوم حدیث ہی کو فروغ نہیں دیا، بلکہ ان فقہی مذاہب کی تعلیم پر بھی زور دیا جو علوم حدیث میں حنفی مذہب سے مختلف نظریات کے قائل تھے، شاہ ولی اللہ نے مالکی مذہب کی طرف توجہ مبذول کرائی اور ''الموطا'' کی شروح لکھیں تو شاہ عبدالعزیز نے علوم حدیث پر ''بستان المحدثین'' اور عجالہ نافعہ'' جیسی بیش قیمت نصابی کتب تحریر کیں اور کئی مسائل میں شافعی مسلک کی تعریف کی، آپ کا کہنا تھا کہ ''اصول اور کلیہ قواعد کی موافقت کے اعتبار سے حنفی مذہب، اور اصول حدیث اور ان کی تنقیحات کے اعتبار سے شافعی بہتر ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر محدثین شافعی مذہب ہوتے ہیں۔'' (۱۶)

شاہ صاحب کی کوششوں سے علم حدیث برصغیر میں عام ہوا، ورنہ بقول شاہ عبدالعزیز حدیث کی بہت سی کتابوں سے علمائے برصغیر روایت تو کرتے تھے، لیکن ان سے واقفیت نہ تھی، شاہ صاحب کی بستان المحدثین'' کا تعلق تاریخ و علم حدیث سے ہے، اس میں ایک سو سے زائد کتب حدیث کا تعارف پیش کیا گیا ہے (۱۷) اسی طرح رسالہ ''عجالہ نافعہ'' اصول حدیث پر لکھا گیا جس کا مقصد صحیح اور ضعیف حدیث کی پہچان کے طریقے بیان کرنا تھا، آپ نے اس رسالے کے متاخرین محدثین پر تنقید بھی کی انہوں نے غیر معتبر کتابوں کی حدیثوں پر انحصار کیا ہے، آپ نے درایت حدیث کے اصول بیان کرتے ہوئے بتایا کہ جو حدیث مشہور تاریخی واقعے یا عقل و شرع کے مقتضیات کے مخالف ہو اور ترغیب و ترہیب میں مبالغہ آمیز ہو، وہ صحیح نہیں ہوسکتی، وضع حدیث کے اسباب بیان کرتے ہوئے آپ نے وضاحت کی کہ اس میں زیادہ حصہ خلفا اور امراء کے مصاحبین کا ہے جنہوں نے خوشامد کے لئے حدیثیں گھڑیں، پھر زہاد، عباد اور ایسے لوگ بھی اس میں شامل ہیں جنہوں نے نیک نیتی سے حکمت و اخلاق کی اچھی باتیں رسول اللہ سے منسوب کر دیں (۱۸)

حدیث پر شاہ صاحب کی یہ دونوں کاوشیں نصابی حیثیت رکھتی ہیں، ان میں آپ نے علوم کے تاریخی اور تنقیدی مطالعے کی بنیاد ڈالی اور اس طرح تقلید اور فرقہ واریت کی افراط و تفریط کی بجائے افہام و تفہیم

Marfat.com

کی راہ سجھائی، شاہ صاحب کا حلقہ اثر بہت وسیع تھا، اس لئے ان تعلیمی اصلاحات سے دوررس اثرات کی توقع بیجا نہ تھی، لیکن ایسا نہیں ہوا، اس کے اسباب کیا تھے؟ تفصیلی مطالعے اور تجزیے کے بغیر اس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

اس کا سبب تنگ نظری اور کم علمی تو ہرگز نہیں ہوسکتا، شاہ عبدالعزیز کی وسعت علمی کی طرف کچھ اشارے تو ہم اوپر کر آئے ہیں، ان کے علاوہ آپ کی جغرافیہ دانی اور کرہ ارض کے بارے میں نظری علم کے بھی بہت سے قصے مشہور ہیں، جن میں فریزر کا کابل کے راستوں کے بارے میں استفسار (۱۹) اور سوڈان کے بارے میں شاہ صاحب کی ایک عربی نظم (۲۰) عمدہ مثالیں ہیں۔ ان کے علاوہ شاہ صاحب کا یہ ملفوظ بہت اہم ہے جس میں کرہ ارض کے مختلف علاقوں میں طلوع وغروب اور زوال آفتاب کے اوقات کا ذکر کرتے ہیں۔

> ان ممالک میں جو قطبین کے تحت واقع ہیں چھ مہینہ کی رات اور چھ مہینہ کا دن ہوتا ہے اور صبح صادق سے طلوع آفتاب کا وقفہ تقریباً سات دن کا ہوتا ہے چنانچہ فرنگیوں کے ارض جدید میں ایک دن کا فرق ہے اور کرہ کے موافق وہ بغداد کے محاذ میں واقع ہے، اس سے پہلے لوگ جانتے تھے کہ صرف سولہ درجہ آبادی تھی، اب فرنگیوں نے ۲۵ درجہ آبادی قرار دی ہے۔ (۲۱)

یہاں معلوم ہوتا ہے کہ ارض جدید سے بظاہر امریکہ مراد ہے، ان سب باتوں سے شاہ عبدالعزیز کی وسعت مطالعہ کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ جدید تحقیقات کا بھی کسی حد تک انہیں علم تھا اور ان کے ہاں نئے علوم کے تجسس وجستجو کا احساس بھی ملتا ہے۔

چنانچہ مولانا مودودی کا یہ کہنا کہ شاہ عبدالعزیز کے عہد میں ''قریب قریب سارے ہندوستان میں انگریزوں کے پنجے جم چکے تھے، مگر ان کے ذہن میں یہ سوال پیدا نہ ہوا کہ آخر کیا چیز اس قوم کو اس طرح بڑھا رہی ہے۔'' (۲۲) پوری طرح صحیح نہیں، یہ تو ہوسکتا ہے اس سوال کے مالہ وما علیہ وہ نہ ہوں جو مودودی صاحب کے ذہن میں تھے، لیکن یہ سوال شاہ صاحب کے سامنے ضرور رہا، اس کا اظہار ایک مرتبہ نہیں، کئی مرتبہ ان کے ملفوظات میں ملتا ہے، شاہ صاحب کے نزدیک انگریزوں کی کامیابی کی وجہ ان کی جنگی صلاحیت اور حسن انتظام تھا، ان کے ذہن پر اس کا اثر اتنا تھا کہ وہ تصوف کے نکات سمجھانے کے لئے بھی اس کی مثال دیتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا ''بزرگان نقشبندیہ کے قواعد مجھ کو بہت پسند ہیں، ان کے قاعدے انگریزوں کی لڑائی کے مشابہ ہیں، یعنی بہت نظام اور نہایت بندوبست کے ساتھ ہیں۔'' (۲۳)

Marfat.com

ایک مرتبہ نفس کی انسان سے جنگ کی مثال انگریزوں اور مرہٹوں کی جنگ سے دی، ''کیونکہ نفس باقاعدہ طریقے سے جنگ کرتا ہے۔''(۲۴)

پھر سوال یہ ہے کہ اس وسعت علمی اور روشن فکری کے باوجود مسلم معاشرہ تعلیمی میدان میں کیوں آگے نہیں بڑھ سکا؟ جیسا کہ ہم نے عرض کی، یہ بات تفصیلی تحقیق کی متقاضی ہے، ہم صرف امکان کے طور پر تجویز کریں گے کہ مسلمانوں کے علمی تصورات پر قرون وسطیٰ میں یونانی فکر کی جو چھاپ لگی، وہ بہت گہری تھی، اس کی وجہ سے اطلاقی علوم کی بجائے عام طور پر نظری علوم اور مابعد الطبیعیات کی برتری ان کے ذہنوں میں رچ بس گئی تھی، یہ تو ان مفکرین کا حال تھا جو معقولات میں دلچسپی لیتے تھے، علمائے دین تو ان علوم کو مقدمات اور علوم الٰہیہ سے زیادہ اہمیت ہی نہیں دیتے تھے جو علوم فقہ وعقائد کے نظریات کی تائید اور ان پر اعتراضات کی تردید کے کام آتے تھے، یہ علوم دینیہ کی تنقید وتنقیح کا معیار کبھی نہیں بنے، بلکہ باقاعدہ نصاب کا حصہ بھی علوم الٰہیہ کی حد تک رہے چنانچہ ان علوم میں جتنی بھی پیش رفت ہوئی، اس سے علماء کو واقفیت ضرور رہی، لیکن صرف جدل ومناظرہ کی حد تک، ان کے موضوعات بطور خود ان کی تحقیقات کے موضوع نہیں بن سکے، اس سلسلے میں شاہ عبدالعزیز کا یہ ملفوظ بہت اہم ہے، فرماتے ہیں:

ہر قوم کو کسی نہ کسی فن کے ساتھ مناسبت ذہنی ہوتی ہے چنانچہ ہندوؤں کو فن حساب میں مہارت ہے، اہل فرنگ کو دستکاری اور دوسری صنعتوں اور فن ریاضی میں زیادہ مناسبت ہے، مگر علم منطق، الٰہیات وطبیعیات کے دقائق تک ان کے ذہن کی رسائی کم ہوتی ہے الا ماشاءاللہ (۲۵)

جہاں تک نظری ریاضیات کا تعلق ہے، شاہ صاحب کے حلقہ ارادت میں بھی لوگ اس میں دلچسپی لیتے تھے، لیکن اس کے اطلاقی علوم جنہیں شاہ صاحب دستکاری اور صنعتوں کے نام سے یاد کرتے ہیں، علوم کی درجہ بندی میں کم تر مقام کے حامل تھے، اعلیٰ مقام صرف الٰہیات اور طبیعیات وحاصل تھا کیونکہ صرف اعلیٰ ذہنوں کی ان تک رسائی ہے، یاد رہے یہاں طبیعیات سے مراد بھی مابعد الطبیعیات ہے، اس کی وجہ ان تمام علوم کا خادم علوم دینیہ ہوتا ہے، چنانچہ کائنات کے بارے میں شاہ عبدالعزیز کا تصور قرون وسطیٰ کے علما سے مختلف نہیں تھا (۲۶) آسمان، چاند، عطارد، زہرہ، آفتاب، مریخ، مشتری اور زحل کی ترتیب سے سات طبقات میں منقسم تھا، زمین کے بھی سات طبقات تھے، جن میں سب سے نیچے سجین اور پھر دوزخ، ہر آسمان ایک دوسرے کے گرد اور سب زمین کے گرد، آفتاب وماہتاب زمین سے یکساں فاصلہ رکھتے ہوئے مشرق سے مغرب کی طرف گردش کرتے تھے، زمین مروارید کے دانے کی مانند گول اور سات حصوں میں منقسم ہے، ہر حصے کا دین، سلطنت، رسوم وعادات ونباتات وحیونات ایک دوسرے سے

Marfat.com

مختلف ہیں ۔ ہر ایک میں مختلف رنگ ونسل کے لوگ آباد ہیں، متکلمین نے کائنات کے اس یونانی تصور کو مذہبی تعلیمات کے ساتھ اس طرح پیوست کر دیا تھا کہ اس پر مزید تحقیق کی ضرورت نہیں تھی، مثلاً زلزلے کی توجیہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے بتایا کہ انسانوں کی تنبیہ اور زمین کو بندوں کے گناہوں سے ہلکا کرنے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے، وہ زمین میں تیز ہوا داخل کر دیتے ہیں جس سے ایک خاص قطعہ زمین میں حرکت اور زلزلہ پیدا ہو جاتا ہے۔(۲۶)

کائنات کا یہ تصور چونکہ مذہبی ضرورتوں کے لئے کافی تھا، اس لئے اس پر مزید غور و خوض کی ضرورت نہیں، لیکن سیاسی تصورات کی صورت حال مختلف تھی، اس لئے ان کو مختلف نقطہ نظر سے دیکھا گیا۔ سیاسی پہلو پر ہم تھوڑی دیر میں گفتگو کریں گے، پہلے مذہبی معاشرت کا ایک اجمالی جائزہ لینا ضروری ہے، تاکہ سیاست و مذہب کے روابط کو بہتر طریقے سے سمجھا جاسکے۔

مذہب اور معاشرہ

برصغیر کی مسلم مذہبی معاشرت کو ہندو اکثریت سے ہمیشہ خطرے کا احساس رہا اگرچہ حکمرانی مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی، لیکن اپنے اقلیت میں ہونے کے احساس نے انہیں ہمیشہ چوکنا رکھا، دوسری جانب برصغیر کی ہندو آبادی مسلمان حکمرانوں کے ایشیائی مسلمانوں سے روابط کی بنا پر خود کو ہمیشہ اقلیت میں سمجھتی تھی، اس طرح دونوں اقوام ایک دوسرے کے خوف میں مبتلا رہیں، اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے مسلمان حکمرانوں نے زیادہ تر قوت پر انحصار کیا چنانچہ شاہی خاندانوں کی تبدیلیوں کے باوجود اس خطے میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم رہیں، تاہم اس کی بڑی مسلمانوں کی متوسع تہذیب تھی، وسطی ایشیا اور ایران سے علماء ادبا اور شعرا کبھی قسمت آزمائی کے لئے اور اکثر اپنے وطن میں سیاسی انقلابات کی وجہ سے پناہ کی تلاش میں برصغیر میں آتے رہے، مسلسل ہجرت کے عمل نے اقلیت کے احساس اور تشخص کی حفاظت کے جذبے کو زندہ رکھا، ہجرت میں صرف راسخ العقیدہ اور قدامت پسند مذہبی طبقے ہی شامل نہیں تھے، بلکہ وہ افراد، فرقے اور جماعتیں بھی شامل تھیں جو اپنے وطن میں ناپسندیدہ اور تعریز قرار دیئے جانے کی وجہ سے برصغیر میں آئیں اس طرح برصغیر عالم اسلام میں ایک جانب ایک متوسع معاشرت کا گہوارہ اور دوسری جانب ابھرنے والی تقریباً تمام مذہبی آویزشوں کی پناہ گاہ بن گیا، اٹھارہویں صدی کے حوالے سے اس تہذیبی عمل کے دو عناصر قابل ذکر ہیں، تصوف اور شیعیت۔

تصوف

تصوف میں بھی دو اثرات زیادہ اہم ہیں، ایک تو ابن عربی کا وحدت الوجود کا نظریہ تھا جو مغلوں

Marfat.com

کے دور سے پہلے تصوف کے راستے برصغیر میں آیا، اس میں چوں کہ ہندومت کے فلسفے سے بہت مماثلت تھی اس لئے یہ جلد مسلم معاشرت کے لئے خطرے کا نشان بن گیا، نقشبندی سلسلے کے زیر اثر شیخ احمد سرہندی کے عہد میں اس کے خلاف باقاعدہ جہاد شروع ہوا سولہویں اور سترہویں صدی میں ان کے حامیوں اور مخالفوں میں باقاعدہ تصادم ہوتا رہا، آخر کار شاہ ولی اللہ نے اٹھارہویں صدی میں اس تصادم کو دور کر کے دونوں میں بیچ کی راہ نکالی، تصوف کا دوسرا اثر چشتیہ اور سہروردیہ سلسلے کے باہمی اختلافات اور ریاست و سیاست پر مختلف نقطہ ہائے نظر سے پیدا ہوا، چشتیہ سلسلے میں سماع کی اجازت اور ذکر و ریاضت کی بعض صورتوں میں ہندو مذہب خصوصاً جوگیوں کے طریق ریاضت سے مماثلت پائی جاتی تھی، اس لیے یہ بھی خطرے کا نشان بن گیا، ان رجحانات کی مخالفت بہت شدومد سے کی گئی۔ چشتیہ کی عوام سے تصوف کی جڑیں عوام میں گہری ہوتی گئیں، یہ نہ صرف مسلم عوام میں، بلکہ ہندو عوام میں بھی گھر کر گیا تھا، ان رجحانات کا نتیجہ یہ ہوا کہ تصوف، رواداری، توسع اور ترکیبی رویے کی علامت کے طور پر سامنے آیا اگرچہ سہروردی صوفیہ حکمرانوں کے قریب رہے، لیکن عمومی طور پر تصوف ترک دنیا اور راور دربار و ریاست سے علیحدگی کا نام ٹھہرا، اس وجہ سے بھی غیر مسلموں میں صوفیہ بہت مقبول ہوئے، اٹھارہوں صدی میں جب مسلم حکمرانوں کی معاشرے پر گرفت کمزور پڑی تو تصوف کو بہت فروغ ملا، دہلی کی بار بار لوٹ مار سے دنیا کی بے ثباتی کے رجحان کو تقویت ضرور ملی، لیکن اس ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی بھی پروان چڑھی، نواب درگاہ قلی خان نے اس زمانے کی دہلی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا ہے کہ اس زمانے میں دہلی میں خانقاہی نظام نقطہ عروج پر تھا، مشکلات و مصائب کے وقت لوگ جدو جہد کی بجائے قبروں کا رخ کرتے تھے (۲۷) زیارت قبور نے ایک باقاعدہ ادارے کی حیثیت اختیار کی کر لی تھی جس میں رسوم نے باقاعدہ ضابطوں کی شکل اختیار کر لی، بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی ''قبروں اور مردوں کے متعلق ایک مستقل شریعت بن گئی تھی، جس کے واجبات و مستحبات میں ان سے دعا مانگنا، بوسہ دینا اور چادریں چڑھنا اور منتیں ماننا،......گانا بجانا، چراغاں کرنا......وغیرہ اس شریعت کے اجزا'' تھے۔ (۲۸)

مولانا ندوی کی اس تصویر کشی میں کسی حد تک بیسویں صدی کی مذہبی اصلاح پسندی کی مبالغہ آمیزی بھی شامل ہے، جس کا ذکر ہم بعد میں کریں گے، تاہم یہ بات قابل غور ہے کہ اٹھارھویں صدی کی مذہبی معاشرت میں تصوف کا اثر غالب تھا، شاہ عبدالعزیز کے ملفوظات اور فتاویٰ ان کی ہم عصر سوانح مثلاً کمالات عزیزی اور لال قلعہ کی ایک جھلک سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ لوگ جنات، ارواح اور بلیات کے خوف میں مبتلا رہتے تھے، شاہ عبدالعزیز جن سے جنات بھی ڈرتے تھے، مرجع خلائق تھے، لوگ ان سے

Marfat.com

دعا، تعویذ اور مجربات حاصل کرنے کے لیے آتے تھے۔

تصوف نے جہاں انسان دوستی اور رواداری کو پروان چڑھایا، وہاں برصغیر کی مسلم اور غیر مسلم معاشرت میں امتزاج کی راہ بھی ہموار کی، غیر مسلموں پر مسلم ثقافت کے اثرات پڑے تو مسلم معاشرت میں بھی بہت سی غیر مسلم مذہبی رسوم رچ بس گئیں، اس سے ایک طرح کی روایتی مسلم ثقافت ظہور پذیر ہوئی جو اٹھارہویں صدی میں اپنے عروج پر تھی، احیائے اسلام کی تحریکوں نے اس روایتی مذہبی ثقافت کی اصلاح کے جذبے سے جنم لیا۔

شاہ عبدالعزیز اس روایتی مذہبی ثقافت کے قائل تھے، لیکن اعتدال کی حد تک، اس ثقافت کی جو رسوم اعتدال سے گزر جاتیں شاہ صاحب ان کی کبھی تائید نہ کرتے تھے، شاہ صاحب کے گھر پر سال میں دو مجالس باقاعدہ منعقد ہوتی تھیں، مجلس ذکر وفات شریف اور مجلس شہادت حسینؓ، ان میں سینکڑوں آدمی جمع ہوتے، ختم قرآن مجید اور پنج آیت پڑھ کر کھانے کی چیزوں پر فاتحہ پڑھا جاتا، اس مجلس میں موقع کی مناسبت سے سلام یا مرثیہ بھی پڑھا جاتا تھا۔(۲۹) شاہ صاحب کے فتاوی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ زیارت قبور کے قائل تھے، کوئی دن مقرر کر کے زیارت اور استغفار کے مقصد سے جانے کو وہ سنت سمجھتے تھے، البتہ ہیت اجتماعیہ کے ساتھ ختم کلام، فاتحہ، شیرینی، تقسیم طعام وغیرہ کے بارے میں ان کا کہنا تھا کہ پیغمبر خدا اور خلفا کے زمانے میں ان کا رواج نہیں تھا، تاہم ان میں کوئی برائی نہیں، البتہ قبروں پر سجدہ، طواف بزرگوں سے امداد کی دعا درست نہیں، کیونکہ ان امور میں بت پرستی کی مشابہت پائی جاتی ہے،(۳۰) ان رسوم کی مذمت کے لئے آپ نے بدعت سیہ کی اصطلاح استعمال کی، ایسا عمل جس کا ثبوت عہد نبوی اور عہد صحابہ میں نہیں ملتا، وہ بدعت ہے، لیکن ہر بدعت ان کے نزدیک سیہ نہیں تھی، مثلاً شاہ صاحب کے نزدیک استمداد موتی (مردوں سے مدد مانگنا) بدعت ہے، کیونکہ صحابہ اور تابعین کے عہد میں نہ تھی، لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ یہ بدعت سیئہ ہے یا حسنہ(۳۱) اسی کے ساتھ شاہ صاحب بدعت سیئہ اور کفر میں بھی تفریق کے قائل تھے مثلاً احادیث کا مطلقا انکار یا احادیث متواترہ کا انکار ان کے نزدیک کفر تھا، (۳۲) لیکن ہوائے نفسانی یا دنیاوی مصلحت کے پیش نظر کسی حدیث سے انکار بدعت سیئہ تھا، کفر نہیں۔

فتاوی عزیزی کے جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان رسوم کے بارے میں لوگوں کے ذہنوں میں بہت سے سوالات ابھر رہے تھے، ذیل کے تجزیے سے کسی حد تک اس کا اندازہ ہوگا کہ آپ کے عہد میں مسائل کے حوالے کیا تھے:

Marfat.com

موضوع	تعداد فتاویٰ	موضوع	تعداد فتاویٰ
عبادات	۴۸	حلال وحرام	۱۵
عقائد	۱۰۶	تصوف	۱۸
تعویذ ودعا	۳۲	اصول فقہ	۱۲
تفسیر قرآن	۲۸	تاریخ خلفا	۱۸
تشریح حدیث	۸	عائلی مسائل	۱۵
فلکیات وکلام	۸	اموال وعقائد	۲۴
حدود وتعزیرات			

شاہ صاحب کے آخری زمانے میں اصلاح مذہب کی تحریک شدید روز پکڑ گئی جس نے بدعت کی تعریف کو بہت زیادہ وسیع کیا اور بدعت اور کفر میں فرق کو بہت زیادہ کم کر دیا، روایتی امتزاجی ثقافت نے اس پر سخت احتجاج کیا اور اس کے نتیجے میں بہت سے نئے مذہبی رجحانات پیدا ہوئے اگرچہ ان سب رجحانات نے اپنا شجرہ شاہ عبدالعزیز سے ہی قائم رکھا، لیکن شاہ صاحب جس ترکیب واعتدال کے قائل تھے، وہ بعد میں قائم نہ رہ سکا۔

شیعیت:

برصغیر میں شیعیت کے اثرات تو بنی امیہ کے دور میں ہی پہنچ گئے ہوں گے لیکن اس کو ریاست کی سرپرستی سولہویں صدی میں حاصل ہوئی اور اٹھارہویں صدی میں جب اورنگ زیب کے بعد جانشینوں نے یہ مذہب قبول کر کے طاقت کے ذریعہ اسے رواج دینا چاہا تو اس کے اثرات مذہبی معاشرت پر بہت شدت سے ظاہر ہوئے، شاہ صاحب کے عہد میں تو ایسا لگتا ہے کہ مسلمان باقاعدہ دو متحارب گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے، علما کو جہاں ہندو معاشرت کے ذرا سے شائبے پر کفر کا گماں ہوتا تھا، وہاں شیعیت سے مماثلت بھی خطرناک ٹھہری دوسری جانب لکھنو اور دہلی کی مذہبی ثقافت میں شیعیت بہت حد تک دخیل ہو گئی تھی۔

شاہ صاحب کے اپنے اعزہ میں کئی لوگ یہ مسلک قبول کر چکے تھے۔ (۳۳) اس صدی کی اکثر نئی ریاستوں کے حکمران شیعہ تھے، شاہ صاحب نے اپنی کتاب ''تحفہ اثنا عشریہ'' کے دیباچے میں لکھا کہ ان شہروں میں جہاں ہم اقامت پذیر ہیں اور اس زمانے میں جہاں ہم بقید حیات ہیں، اثنا عشری مذہب کا رواج ہے، ہر گھر میں ایک یا دو آدمی شیعہ ہیں۔ (۳۴)

اس دور میں شیعہ سنی مناظرے اور منافرت بھی بہت عام ہو گئی تھی۔ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں

Marfat.com

شاہ صاحب اعتدال کے قائل تھے، ان کے اپنے گھر پر مجالس محرم منعقد ہوتی تھیں، شاہ ساحب کے نزدیک شیعہ سنی منافرت ایک دوسرے کے عقائد اور تاریخ سے عدم واقفیت کی بنا پر شدت اختیار کرگئی تھی ،شاہ صاحب اس بات پر زور دیتے تھے کہ ان اختلافات پر بات کرنے کے لئے مذہب شیعہ و مذہب اہل سنت ہر دو مذاہب کے اصولی و فروعی علوم پر دسترس و مہارت ضروری ہے چنانچہ انہوں نے سنیوں کے لئے ''سرالشہادتین'' لکھی جس میں حضرت حسن اور حضرت حسین کی شہادت کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے شیعہ عقاید کے اصول و فروع اور تاریخ کے بارے میں سنی نقطۂ نظر کی وضاحت کی شیعہ حضرات کے لئے ''تحفہ اثنا عشریہ'' لکھی جس میں شیعہ عقائد کے اصول و فروع اور تاریخ کے بارے میں سنی نقطہ نظر کی وضاحت کی، ان کتابوں کا مقصد افہام و تفہیم کے ذریعے دونوں مسالک کو ایک دوسرے کے قریب لانا تھا، اس سلسلے میں آپ نے جو اصول اختیار کیا، وہ بہت اہم یعنی دونوں کے صرف مشترکہ اور مسلمہ امور کو بیان کرنے اور مختلف فیہ امور کا ذکر نہ کرنے کی بجائے اس پر زور دیا کہ دونوں ایک دوسرے کے نقطہ ہائے نظر کو مکمل طور پر سمجھیں، افہام و تفہیم کی بنیاد لاعلمی اور ابہام کی بجائے اختلاف سے آگاہی اور اس حق کو تسلیم کرنے سے ہی مضبوط ہو سکتی ہے۔

اٹھارہویں صدی کی مذہبی معاشرت کو سمجھنے کے لئے یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ برصغیر میں مذہبی معاشرت دو سطحوں پر فروغ پا رہی تھی، ایک عوامی سطح تھی جو دربار اور ریاست سے الگ تھی اور ایک کا انحصار دربار اور سیاست پر تھا۔ دونوں میں باہمی تعامل ضرور تھا، لیکن دونوں کے نقطہ ہائے نظر مختلف تھے۔ عوامی سطح کی مذہبی معاشرت تصوف سے زیادہ خواص کی سطح کی مذہبی معاشرت تصوف بیزار تو نہیں تھی، لیکن اس کا لگاؤ نظری تصوف سے زیادہ تھا اور فقہ میں متشددانہ طبیعت کی وجہ سے حدیث کی طرف رجحان بھی کم تھا اٹھارہویں صدی میں عوامی مذہبی معاشرت نے زیادہ قوت پکڑی، کیونکہ یہی وہ معاشرت تھی جو سیاسی سرپرستی کے بغیر قائم رہ سکتی تھی، شاہ عبدالعزیز دونوں سطح کی مذہبی معاشرت کا امتزاج تھے، ان کا خانوادہ علمی حیثیت سے ہی نہیں، سماجی اور سیاسی حیثیت سے بھی سرکردہ تھا، دہلی میں شاہ عبدالعزیز عوام و خواص دونوں میں یکساں ہردلعزیز تھے، شاہ صاحب کی ذات میں تصوف، حدیث، حنفیت اور معقولات سارے ہی رجحانات موجود تھے، چنانچہ ان خصوصیات کی بنا پر شاہ صاحب ایسا وقیع حوالہ ہیں کہ آئندہ تمام مذہبی تحریکات نے ان سے رابطے کو اپنے لیے سند جواز سمجھا ہے۔

اہل حدیث تحریک سے تعلق رکھنے والے نواب صدیق حسن خان نے اتحاف النبلاء میں خاتم المفسرین والمحدثین کے لقب سے شاہ صاحب کا ذکر کیا اور لکھا کہ یہ خاندان علوم حدیث وفقہ حنفی میں

Marfat.com

مشہور ہے، درحقیقت عمل بالحدیث کا پودا ان کے والد نے لگایا، ورنہ بلاد ہند مین فقہ حنفی کے علاوہ علم حدیث کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ (۳۵) بعد میں حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے ''تاریخ اہل حدیث'' میں اتحاف النبلاء'' کے تتبع میں شاہ ولی اللہ اور ان کے پورے خاندان کو علمائے اہل حدیث بیان کیا ہے۔ (۳۶)

محمد بن یحییٰ الترہتی نے ''الیانع الجنی'' میں شاہ صاحب کا تذکرہ تصوف کے حوالے سے کیا، انہوں نے لکھا کہ آپ کا لقب سراج الہند ہے جیسے سلطان المشائخ نظام الدین اولیا کے خلیفہ کا لقب سراج (چراغ) دہلی تھا (۳۷) یہ سارا تذکرہ صوفیانہ انداز سے ہے، ان کا کہنا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے سفر حج میں اہل بیت کی قبور کی زیارت کی اور توجہ کے دوران میں انہیں ایک خاص طریقہ حاصل ہوا، جو اصل طریق اولیا ہے۔ (۳۸)

حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے محمد عبدالحکیم شرف قادری کے ''تذکرہ اکابر اہل سنت'' پر اپنے مقدمے میں لکھا ہے کہ اکابر اہل سنت شاہ ولی اللہ اور ان کے فرزند شاہ عبدالعزیز دہلوی وغیرہ ہم کے پیرو تھے جنہیں موجودہ دور میں سنی بریلوی کہا جاتا ہے۔ (۳۹)

اہل دیو بند نے اپنے مسلک کا سلسلہ شاہ عبدالعزیز سے قائم کرتے ہوئے دوسرے مسالک سے زیادہ تفصیل سے کام لیا، دارالعلوم دیو بند اور اس کا طرز فکر براہ راست ولی اللّٰہی خانوادے سے منسوب ہے، دوسرے مسالک کے ہاں شاہ صاحب کی حیثیت ایک مذہبی اور روحانی رہنما کی ہے لیکن اہل دیو بند نے بعد کی سیاسی تحریکوں اور آزادی کی جدوجہد کا نقطہ آغاز بھی شاہ عبدالعزیز کو ٹھہرایا، اس ضمن میں بہت ہی اہم اور بنیادی کام مولانا عبیداللہ سندھی کا ہے۔ انہوں نے شاہ ولی اللہ کے خانوادے کو حزب ولی اللہ دہلوی قرار دیتے ہوئے اسے ایک باقاعدہ سیاسی پارٹی کے طور پر پیش کیا اور اس کے سیاسی انقلابی پروگرام پر ایک کتاب لکھی (۴۰) جس میں اس تحریک کی تاریخ لکھتے ہوئے بتایا کہ اس تحریک کے تین امام تھے، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز اور شاہ محمد اسحاق، (۴۱) ان کی سوچ کے مطابق شاہ ولی اللہ نے انقلابی اور اصلاحی پروگرام دیا جس کے دو اصول تھے:

۱۔ اصلاح کی بنیاد قرآنی حکمت عملی پر ہونا ضروری ہے۔

۲۔ مسلمان معاشرت کی خرابیوں کا باعث معاشی عدم توازن ہے۔ (۴۲)

شاہ ولی اللہ کے افکار کو شاہ عبدالعزیز نے درس و تدریس اور تصانیف کے ذریعے آگے بڑھایا، شاہ صاحب کے تلامذہ کے ذریعے ان کی تعلیم کے اثرات سارے عالم اسلام تک پہنچے، بقول مولانا سندھی

Marfat.com

''اگر اس وقت یورپ کی ایک بڑی عقل مند انقلابی حکومت ہندوستان میں پاؤں نہ جما چکی ہوتی تو شاہ عبدالعزیز کے علوم کا آج یہاں اقتدار ہوتا (۴۳)

شاہ عبدالعزیز نے اس انقلابی پروگرام کی طرف دعوت عمل دیتے ہوئے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دیا اور سید احمد شہید کو اپنا نائب مقرر کر کے انہیں امیر دعوت و جہاد بنایا جنہوں نے شمالی ہند میں جہاد کی قیادت کی۔ (۴۴)

ولی اللّٰہی تحریک کا دوسرا دور امام شاہ محمد اسحاق سے شروع ہوا، اس دور میں سیاسی مرکز دہلی سے مکہ معظّمہ منتقل ہوا اور مدرسہ رحیمیہ اور عربیک کالج کے تعلیمی مراکز بھی دہلی سے قصبات میں چلے گئے، عربی حصہ دیوبند اور انگریزی حصہ علی گڑھ میں منتقل ہو گیا (۴۵) شاہ محمد اسحاق نے حنفیت اور سلطنت عثمانیہ سے اتصال پر زور دیا تو بعض دوسرے متبعین نے اس کے برعکس عدم تقلید پر زور دیا اور بتدریج اہل حدیث تحریک میں تبدیل ہو گئے۔ (۴۶)

مولانا عبیداللہ سندھی کا یہ نقطۂ نظر بعد میں اکثر دیوبندی مؤرخین نے من وعن قبول کر لیا ان میں سید محمد میاں خصوصاً قابل ذکر ہیں جنہوں نے برصغیر کی تحریک آزادی کا آغاز شاہ عبدالعزیز سے بتایا ہے،

''شاہ عبدالعزیز نے شاہ ولی اللہ کے نظریہ ''فک کل نظام'' کو فوجی انقلاب کی شکل دی اور اس کے لئے ایک باقاعدہ فوجی تربیتی نظام ترتیب دیا۔'' (۴۷)

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ ان حضرات نے اپنے عہد کی سیاسی ضرورتوں کے لئے تاریخ کی جو توجیہ و تعبیر پیش کی اس میں حقائق کو ضرورت کے مطابق تبدیل کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا، ان میں سے شاہ عبدالعزیز پر نجف خاں اور انگریزوں کے مظالم کے حوالے خصوصاً قابل ذکر ہیں جو شاہ صاحب کی شیعہ اور انگریز دشمنی کے ثبوت کے لئے ضروری تھے۔ (۴۸)

ان واقعات کے سلسلے میں تصویر کا دوسرا رخ ثریا ڈار اور اطہر عباس رضوی نے پیش کر دیا ہے، تاہم ان سے بھی زیادہ دلچسپ شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب کی توجیہ و تعبیر ہے، اسے انگریز حکومت کے خلاف اعلان جہاد کہا گیا، لیکن جمعیت علمائے ہند کی کانگرس دوستی کی وجہ سے یہ وضاحت ضروری سمجھی گئی کہ اس جہاد کا ہدف ہندو نہیں تھے، صرف انگریز تھے، کیونکہ مرہٹوں کے عہد تسلط میں دارالحرب کا فتویٰ نہیں دیا گیا۔ (۴۹)

علمائے دیوبند کے علاوہ اصلاح مذہب کے قائل دوسرے مورخین نے تجدید دین کی اس تاریخی تعبیر کے عمومی خدوخال کو قبول کر لیا، لیکن تفصیلات میں رنگ اپنے نقطہ نظر سے بھرا، اس پر تو تقریباً سب نے

Marfat.com

اتفاق کیا کہ برصغیر میں تجدید دین کی بنا شیخ احمد سرہندی نے رکھی اور تعمیر و تزئین کا کام شاہ ولی اللہ دہلوی کے ہاتھوں انجام پایا، لیکن شاہ صاحب کے بعد امامت کے تعین کے بارے میں اپنے اپنے مذہبی رجحانات کے اعتبار سے اختلاف کیا، مولانا ابوالکلام آزاد نے شاہ اسماعیل شہید کو، مولانا مودودی اور سید سلیمان ندوی نے سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید دونوں کو امام بتایا اور مولانا مسعود عالم ندوی نے صرف سید احمد شہید کو امام ٹھہرایا (۵۰) مسعود عالم ندوی حجاز کی سلفی تحریک اور ہندوستان کی جماعت اسلامی دونوں سے عقیدت رکھتے تھے، اس لئے انہوں نے مولانا سندھی پر شدید تنقید کی (۵۱) انہوں نے مولانا سندھی کے افکار کو دین اور وطنیت میں تطبیق کی کوشش قرار دیا جس میں اکبر کے دین الٰہی کی حمایت بھی موجود ہے۔ (۵۲) ☆ اس بحث میں بنیادی اختلاف اس بات پر تھا کہ مولانا سندھی شاہ عبدالعزیز کے بعد شاہ محمد اسحاق کی امامت کے قائل تھے اور ندوی حضرات سید احمد شہید کی امامت (۵۳) کے، دوقومی نظریے پر مبنی تحریک پاکستان کے لئے بھی مولانا سندھی کی تعبیر قابل قبول نہیں تھی، اس لیے اشتیاق حسین قریشی (۵۴) اور دیگر مورخین تحریک آزادی نے ندوی تعبیر کو اپنایا، تاہم ان سب کے ہاں شاہ عبدالعزیز کو مرکزی حیثیت حاصل رہی، دیوبندی تعبیر کے برعکس ان کے سلسلہ تجدید میں سید احمد شہید اور سرسید احمد خاں دونوں شاہ شاہ عبدالعزیز کے مسلک سے منسلک سمجھے جاتے تھے۔ (۵۵)

مذہبی معاشرت اور ریاست

تجدید دین کی تحریک میں اٹھارہویں صدی اور شاہ عبدالعزیز کی اہمیت اور بعد کی تحریکوں کی ان سے تسلسل قائم کرنے کی کوشش میں اس عہد کی مذہبی معاشرت کی ایک اہم پیش رفت نظروں سے اوجھل ہو گئی، تجدید دین کی یہ تحریک سیاسی بالکل نہیں تھی اور نہ اس کا مطمح نظر ہی ریاست کا قیام تھا، بلکہ اس مذہبی معاشرت میں یہ تصور بہت پختہ تھا کہ مذہبی معاشرت ریاست کی سرپرستی کے بغیر بھی ممکن ہے، بعد کی تحریکوں نے استعمار کے خلاف اپنی جدوجہد، نظریہ قومیت اور سیاسی آزادی کی تائید کے لئے شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ خصوصاً ان کے دارالحرب کے فتویٰ کو بہت اہمیت دی، ہم ذیل میں اس فتوے کا

☆ یہاں پر اس بات کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا کہ مرحوم مولانا عبیداللہ سندھی کے افکار پر مولانا مسعود عالم ندوی نے 'معارف' ستمبر ۱۹۴۴ء میں تنقید کی تھی، اس پر مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے اپنے پرچے 'برہان' دہلی میں تبصرہ کیا تھا اور دلائل سے بتایا تھا کہ مولانا مسعود عالم نے مولانا سندھی کے افکار کو سمجھنے میں کہاں کہاں ٹھوکر کھائی ہے، یہ تحریریں مولانا عبیداللہ سندھی اور اُن کے ناقد کے نام سے سندھ ساگر اکیڈمی نے ۱۹۴۶ء میں شائع کی تھیں، قیام پاکستان کے بعد بھی یہ کتاب شائع ہوئی۔

Marfat.com

اجمالی تجزیہ پیش کریں گے، تاہم اس سے پہلے اس بات کی طرف توجہ دلانا چاہیں گے کہ بیسویں صدی کے اوائل تک یہ شکایت عام تھی کہ علماء سیاست میں دلچسپی نہیں لیتے، ان کو میدان سیاست میں لانے کے لئے سرتوڑ کوششیں کی گئیں، آخر کار بیسویں صدی میں باقاعدہ مذہبی سیاسی تنظیموں کی بنیاد پر پڑی، یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ پہلے پہل جن علماء نے سیاست میں حصہ لینے پر زور دیا، وہ باقاعدہ مدارس کے فارغ التحصیل نہیں تھے، بلکہ عرصے تک اکثریت نے ان کو علماء بھی تسلیم نہیں کیا، یہ نکتہ اس لئے قابل توجہ ہے کہ اگر سیاسی عمل کا آغاز شاہ عبدالعزیز سے ہوگیا ہوتا تو علماء کے سیاسی میدان میں اترنے میں اتنی دیر نہ لگتی۔ یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ علماء کو امت مسلمہ کے مستقبل کی فکر نہیں تھی اور حقیقت جیسا کہ ہم نے عرض کیا، اٹھارہویں صدی کی مذہبی معاشرت ریاست پر منحصر نہیں تھی، اس بات کو سمجھنے کے لئے شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ دارالحرب اور اس کے سیاق وسباق کا جاننا ضروری ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دارالحرب کا ایک تفصیلی مطالعہ شائع ہو چکا ہے۔(۵۶) اس لئے اس مقالے میں تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، ''فتاوی عزیزی'' میں ہندوستان کے دارالحرب کی حیثیت کے بارے میں چودہ فتاویٰ موجود ہیں (۵۷) فقہ اسلامی میں کسی ملک کے دارالحرب قرار دیئے جانے پر کئی نتائج مرتب ہوتے ہیں، مثلاً اس ملک سے ہجرت فرض ہونا، اس ملک کے خلاف جہاد کی فرضیت، ملک کے اندر نماز جمعہ کی عدم اجازت، اسلامی قوانین کا تعطل اور غیر اسلامی قوانین پر عمل کی اجازت، حربی سے سودی معاملات کی اجازت اور لونڈی اور غلام رکھنے کی اجازت چنانچہ یہ فتاویٰ مختلف نقطہ ہائے نظر سے دریافت کیے گئے، ان چودہ فتاویٰ میں دریافت طلب موضوعات کا تجزیہ حسب ذیل ہے:

استفتا کا موضوع	تعداد فتاویٰ
دارالحرب میں کفار کی نوکری کا جواز	۴
حربی کفار کو لونڈی غلام بنانے کا جواز	۴
دارالحرب میں سود کا جواز	۴
نماز جمعہ کی فرضیت	۱
ہجرت کی فرضیت	۱
جہاد کی فرضیت	

آپ غور فرمائیں، ان میں سے ایک بھی فتویٰ انگریزوں کے خلاف جہاد کے لئے طلب نہیں کیا گیا، صرف ایک فتوی کا موضوع ہجرت ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ شاہ صاحب کا یہ فتویٰ کسی اور مفتی کے فتوی

Marfat.com

پر تنقید ہے جس میں کسی علاقے پر شیعوں کے تسلط کی بنیاد پر وہاں سے ہجرت کا فتویٰ دیا گیا تھا، شاہ صاحب نے اول تو اس علاقے کے دارالحرب ہونے کی تردید کی، پھر ہجرت کی شرائط بیان کرتے ہوئے ہجرت کی عدم فرضیت کا حکم دیا (۵۸) زیادہ تر فتاویٰ دارالحرب میں سودی لین دین کی حلت وحرمت، لونڈیوں اور کفار کی نوکری کے بارے میں دریافت کئے گئے۔ شاہ صاحب دارالحرب میں سودی لین دین کو جائز سمجھتے تھے، البتہ احتیاط کی تلقین کرتے تھے (۵۹) شاہ صاحب کا موقف تھا کہ اگر دارالاسلام کے مسلمان دارالحرب سے کفار مردوں اور عورتوں کو زبردستی یا خرید کر اپنے علاقے میں لے جائیں تو ان کی خرید وفروخت اور عورتوں سے نکاح کے بغیر تمتع جائز ہے (۶۰) نوکری کے بارے میں شاہ صاحب کا مؤقف تھا کہ معاندین کفار کی دوستی اور نوکری دونوں ناجائز ہیں، البتہ غیر معاندین کی ایسی نوکری جس نے مسلمانوں کو براہ راست نقصان نہ پہنچے جائز ہے (۶۱) ہم تھوڑی دیر میں تجزیہ پیش کریں گے کہ آیا شاہ صاحب انگریزوں کو معاندین اسلام میں شمار کرتے تھے؟

اس سلسلے میں قابل توجہ مسئلہ جمعہ کی نماز کا تھا (۶۲) قرون وسطیٰ میں جمعہ سیاسی اقتدار کی علامت سمجھا جاتا تھا، کیونکہ جمعہ کی امامت خلیفہ، سلطان یا اس کا نائب کرتا تھا اور خطبے میں سلطان کا نام لے کر گویا اس کے اقتدار کی توثیق کی جاتی تھی چنانچہ صرف شہری علاقوں میں جمعہ کی اجازت تھی، یہی وجہ ہے کہ جمعہ دارالاسلام کی علامت بن گیا اور فقہاء نے دارالحرب میں جمعہ کی ممانعت کر دی، شاہ صاحب نے برصغیر کو دارالحرب تو قرار دیا، لیکن جمعہ پڑھنے سے نہیں روکا، انہوں نے وضاحت کی کہ اگر علاقے میں مسلمان حاکم ہو، خواہ وہ کفار کا مقرر کردہ ہی کیوں نہ ہو تو جمعہ کی اجازت ہے، اگر ایسا حاکم نہ ہو تو مسلمان اپنا رئیس خود مقرر کر لیں، حاکم یا رئیس کے لئے امامت کرنا ضروری نہیں، صرف اس کی اجازت ضروری ہے۔

یہاں جمعہ کے مسئلہ کے ساتھ یہ اہم سیاسی فکر بھی سامنے آتی ہے کہ مسلم معاشرت کے لئے ایک مسلم قائد لازمی ہے اگر ریاست نے متعین نہیں کیا تو علاقے کے لوگ خود منتخب کر لیں، اس قائد کی صفات اور دائرہ کار کے بارے میں شاہ صاحب فرماتے ہیں: ''اگر مسلمان حاکم نہ ہو تو مسلمانوں کو چاہئے کہ جو شخص امانت دار اور دیانت دار ہو، اس کو رئیس مقرر کر لیں تا کہ اس رئیس کی اجازت سے اس کے سامنے نماز جمعہ وعیدین قائم کی جائے اور جب کسی میت کے ترکے کی تقسیم میں نزاع ہو تو ترکہ اس میت کے وارثوں میں اس کے حصوں کے مطابق تقسیم کیا جائے، مگر اس رئیس کو امور ملکی میں تصرف اور دخل نہ ہوگا۔''
(۶۳)

Marfat.com

ان فتاویٰ کے ساتھ ان کے دریافت کنندگان کے نام اور تاریخیں درج ہوتیں تو تجزیے میں مزید مل سکتی تھی، ایک دو فتاویٰ کے ساتھ امام شاہ خان، شاہ بخارا اور قاضی کے نام درج ہیں، ان ناموں سے، نیز استفتا کی زبان اور اسلوب سے بھی پتہ چلتا ہے کہ دریافت کنندگان خود عالم اور فقہ حنفی سے واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ ان کے سوالات کا جواب کیا ہوگا؟ وہ غالباً صرف توثیق چاہئے تھے، ان ناموں سے ایک اور اندازہ بھی لگایا جاسکتا ہے کہ یہ سوالات وسطی ایشیا یا اس علاقے سے آئے ہوں گے جسے آج افغانستان کہتے ہیں، گمان ہے کہ ان علاقوں کے لوگ برصغیر میں سودی کاروبار کے لئے آتے رہتے تھے اور لونڈی غلاموں کی خرید وفروخت بھی کرتے تھے، لیکن یہ صرف اندازے کی حد تک کہا جاسکتا ہے۔

جو بات یقینی ہے وہ یہ ہے، کہ دارالحرب اور دارالاسلام کی حیثیت میں فقہی طور پر مسلمانوں پر جو حقوق اور فرائض عائد ہوتے تھے، وہ اہل علم طبقے کو معلوم تھے، ان میں سے کوئی بات اجتہاد طلب نہیں تھی، دوسرے یہ کہ قانونی حیثیت طے ہونے کے بعد کافر حکمران اور اس کے احکام کو قبول کرلینا بھی اس میں شامل تھا چنانچہ سودی لین دین، کفار کی نوکری، حدود وتعزیرات کے تعطل کے احکام جاری ہو جاتے تھے، سوال صرف یہ طے کرنا تھا کہ کوئی علاقہ دارالحرب ہے یا نہیں؟

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ولیم ولسن ہنٹر (۶۴) نے اسی نکتے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انگریز انتظامیہ کو تجویز کیا تھا کہ اگر علماء ہندوستان کو دارالحرب قرار دے دیں تو یہاں انگریزی قانون رائج کرنے کی قانونی صورت نکل آئے گی کیونکہ مسلمان دارالحرب میں غیر اسلامی قانون کی پیروی کو جائز سمجھتے ہیں چنانچہ ہنٹر نے ایسے فتاویٰ جمع بھی کئے جن میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا تھا اور بعض علماء سے نئے فتاویٰ حاصل بھی کئے۔

شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ میں نہ تو دریافت کنندگان ہجرت اور جہاد کی فرضیت کے بارے میں پوچھ رہے تھے اور نہ شاہ صاحب نے اس سلسلے میں واضح موقف ہی اختیار کیا، اس سلسلے میں ان کا سب سے زیادہ واضح فتویٰ، جس کا بار بار حوالہ دیا جاتا ہے، اپنے اصل فارسی الفاظ میں درج ذیل ہے:

درین شہر حکم امام المسلمین اصلا جاری نیست وحکم رؤساء نصاری بے دغدغہ جاری ست ومراد از اجراء احکام کفر این است کہ در مقدمہ ملک داری وبندوبست رعایا واخذ خراج وباج وعشور اموال تجارت وسیاسی قطاع طریق وسراق وفصل حکومات وسزائے جنایات کفار بطور خود حاکم باشند، آرے اگر بعضے احکام اسلام راشل جمعہ وعیدین واذان وذبح بقر تعرض نکنند نکردہ باشد لیکن اصل الاصول این چیز ہا نزد ایشان ہبا وہدر است زیرا کہ مساجد را بے تکلف ہدم

Marfat.com

میناید و ہیچ مسلمان یا ذمی بغیر استیمان ایشاں دریں شہر و در نواح آں نمیتوں آمد برائے منفعت خود وار دین و مسافرین وتجار مخالف می نمایند، اعیان دیگر مثل شجاع الملک و ولایتی بیگم بغیر حکم ایشاں دریں بلاد داخل نمیتو انند شد وازیں شہر تا کلکتہ عمل نصاری ممتد است، آرے در چپ واست مثل حیدر آباد و لکھنو ورامپور احکام خود جاری نکردہ اند بسبب مصالحہ(۶۵)

یہ فتویٰ خاصا طویل ہے، شروع میں دارالحرب کی تعریف اوران شرائط کا ذکر ہے جن سے دار لاسلام دارالحرب میں تبدیل ہو جاتا ہے، اس کے بعد محولہ بالا پیراگراف ہے اوراس کے فوراً بعد کفار حرب کے آزاد یا غلام ہونے کے مسئلہ پر بحث شروع ہو جاتی ہے۔ اگر چہ سوال سے پتہ نہیں چلتا، لیکن جواب سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ مستفتی نے دارالحرب کے کفار کی خرید وفروخت کے بارے میں سوال کیا تھا کیونکہ شاہ صاحب نے ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی توثیق تو کردی تھی لیکن اس کے بعد نہ ہجرت کا فتوی دیا تھا نہ جہاد کا۔

آزادی کی تحریک کے دوران اس فتویٰ کو انگریزوں کے خلاف جہاد اور جنگ آزادی کا اعلان قرار دیا گیا، حقیقت یہ ہے کہ استفتا اور فتویٰ دونوں اس مسئلے سے تعلق رکھتے تھے کہ کسی علاقے کے دارالحرب ہونے کی صورت میں کفار کے ساتھ لین دین اور معاملات کی صورت کیا ہوگی؟

شاہ عبدالعزیز انگریزوں کے دشمن تھے نہ انگریز شاہ صاحب کے، یہ تو وہ عہد ہے جس میں خود انگریز ہندوستان کی ثقافت سے مرعوب تھے، وہ یہاں کے علوم وفنون، فن تعمیر اور معاشرت میں گہری دلچسپی لے رہے تھے، دہلی کے انگریز حکام شاہ صاحب کے ہاں حاضر ہوتے اور جیسا کہ ''ملفوظات'' سے معلوم ہوتا ہے، اسلام کے بارے میں شاہ صاحب سے معلومات حاصل کرتے رہے، (۶۶) مٹکاف خاندان جو دہلی کے علمی اور انتظامی امور میں بہت اہمیت رکھتا تھا (۶۷) شاہ صاحب کا عقیدت مند تھا (۶۸) ریزیڈنٹ سیٹن نے شاہ صاحب کے لئے یادگار عمارت تعمیر کرائی اور ولیم سکنر نے تو اپنے بچوں کے لئے شاہ صاحب سے تعویذ بھی لکھوائے (۶۹) شاہ صاحب کی جائیداد جو مغل دور میں ضبط ہوگئی، سیٹن کی کوششوں سے واگزار ہوئی (۷۰) شاہ صاحب بھی انگریزوں کی جنگی صلاحیتوں کے مداح تھے، ایک فتویٰ میں نہایت ہی استعاراتی انداز میں رئیس جنوبی (مرہٹے راو ہلکر) اور رئیس مشرقی (فرانسس لیک) کی باہمی جنگوں کا ذکر کیا ہے، ویسے تو مقامات کے نام سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، لیکن شاہ صاحب نے اہل مشرق کے رئیس کا نام جون لکھا ہے۔ اس اشارے سے بھی اس بات کی توثیق ہوتی ہے کہ یہاں انگریزوں کی فتح دہلی کا ذکر ہے، انگریز جنرل کا نام لیک تھا۔ اس کے معنی ہندی میں چھوٹی جوئیں ہیں،

Marfat.com

اس فتویٰ میں شاہ صاحب اہل مشرق کی صف بندی، آلات حرب اور جنگ آزمودگی کی وجہ سے ان کی برتری کا ذکر کرتے ہیں، آخر میں اہل مشرق (انگریزوں) کی جن الفاظ میں مذمت کرتے ہیں، ان سے بھی انگریزوں کی توصیف کا پہلو نکلتا ہے، لکھتے ہیں: ''علاوہ اس کے دونوں گروہ نے لوٹ اور غارت کا ہاتھ پھیلایا ہے، حتی کہ اہل مشرق اپنی عادت کے خلاف اس قبیح عمل میں مشغول ہوئے اور اپنی خصلت امن وامان کی ترک کی'' (۷۱)

یہ بحث ختم کرتے ہوئے ہم پھر اس بات پر زور دیں گے کہ شاہ صاحب کے فتاویٰ دارالحرب کو بعد کی سیاسی ضرورتوں کے تحت انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد قرار دیا گیا، دارالحرب کا مسئلہ جمعیت العلمائے ہند سے وابستہ لوگوں کے لئے کچھ مشکلات بھی پیش کرتا تھا، کیونکہ وہ کانگرس کے حامی اور ہندو مسلم متحدہ قومیت کے قائل تھے؟ چنانچہ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، انہوں نے یہ دلیل پیش کی کہ شاہ صاحب نے مرہٹوں کے تسلط کے دوران دارالحرب ہونے کا فتویٰ نہیں دیا، جس سے معلوم ہوا وہ صرف انگریزوں کے مخالف تھے، حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب مرہٹوں کے مقابلے میں انگریزوں کو بہتر خیال کرتے تھے۔

درحقیقت شاہ عبدالعزیز کے فتویٰ میں انگریزوں کے خلاف جہاد کے معانی پیدا کرنے کے لئے اس کو سید احمد شہید کی تحریک جہاد اور ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کے تسلسل کے میں پیش کیا جاتا ہے، سید احمد شہید کی تحریک ہمارے مقالے کا موضوع نہیں، لیکن اس سلسلے میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ اس تحریک کا ہدف انگریز نہیں تھے، یہ اصلاح مذہب کی تحریک تھی، لیکن چونکہ اسے مقامی آبادی میں قبول عام حاصل نہیں ہوا، اس لئے اس کی وہ شکل نہ بن سکی جو شاہ عبدالعزیز کے نزدیک مقامی مذہبی معاشرت کے لئے لازمی تھی۔

دوسرے اٹھارہویں صدی کی مذہبی معاشرت جو اپنے مزاج کے اعتبار سے ترکیبی اور متوازن معاشرت تھی، انتہا پسند اصلاح کو اپنے لئے خطرہ سمجھتی تھی۔ اسی لئے اس تحریک کی مخالفت دہلی میں بھی ہوئی اور شمالی سرحدی علاقوں میں بھی، شاہ اسماعیل شہید کے مواعظ کے خلاف دہلی میں بھی ہوئی اور شمالی سرحدی علاقوں میں بھی، شاہ اسماعیل شہید کے مواعظ کے خلاف خود شاہ عبدالعزیز کے معتقدین نے شکایت کی (۷۲) اگرچہ شاہ عبدالعزیز نے شاہ اسماعیل شہید کے مواعظ کی ہمیشہ حمایت کی، لیکن وہ ان کے طرز فکر وعمل سے اختلاف ضرور رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس واقعے سے ہوتا ہے کہ شاہ اسماعیل شہید نے جب رفع یدین کرنا شروع کیا تو شاہ عبدالعزیز کے تلامذہ نے درخواست کی کہ انھیں منع کیا جائے، شاہ عبدالعزیز نے شاہ عبدالقادر سے کہا کہ تم سمجھاؤ، انھوں نے مولانا محمد یعقوب کے ذریعے پیغام پہنچایا

Marfat.com

تو شاہ اسمعیل شہید نے جواباً کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب امت میں بگاڑ پید ہو جائے تو اس وقت جو سنت رسول کو اختیار کرے گا، اسے سو شہیدوں کا ثواب ہوگا۔ شاہ عبدالقادر نے فرمایا کہ حدیث اس وقت صادق آتی ہے جب سنت کے مقابلے میں خلاف سنت عمل ہو، یہاں تو ایک سنت کے مقابلے میں دوسری سنت ہے (۷۳)

ہم مزید تفصیلات میں نہیں جا سکتے، یہ موضوع مزید تحقیق کا طالب ہے، تاہم آخر میں عرض کریں گے کہ شاہ عبدالعزیز نے مذہبی معاشرت کو خود مختار اور سیاسی نظام اور ریاست کی احتیاج سے آزاد رہ کر دینی اقدار کی حفاظت کی جو فکر دی تھی، وہ بیسویں صدی کی ریاست پسند سیاسی اسلامی فکر کی تاریخی تعبیر میں نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

Marfat.com

حواشی

1۔ شاہ عبدالعزیز، ملفوظات شاہ عبدالعزیز (مترجمہ مولوی محمد علی لطفی، انتظام اللہ شہابی)، کراچی، ۱۹۶۰)ص ۹۶۔

۲۔ اٹھارہویں صدی کے مؤرخین نے عام طور پر اس عہد کو برصغیر میں زوال اور جمود کا عہد قرار دیا ہے، تاہم چند ایسے مطالعات سامنے آئے ہیں جنہوں نے تصویر کے دوسرے رخ پر بھی نظر ڈالی ہے، ان میں سے ایک یہ ہے۔

Hermann Goetz, The Crisis of Indian Civilization in the Eighteenth and Early Nineteenth Centruries. (Calcutta. 1936.)

۳۔ ثریا ڈار، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کی علمی خدمات، (لاہور، ۱۹۹۱)۔

Sayyed Athar Abbas Rizvi. Shah Abdal-Aziz Puritanism. Sectarian Polemics and Jihad. Canberra. 1982.

۴۔ مثال کے طور پر دیکھئے سید احمد خاں، آثار الصنادید۔ (دہلی ۱۹۶۵)، ص ۵۱۷۔ ناصر نذیر فراق دہلوی، لال قلعہ کی ایک جھلک (دہلی، ۱۹۸۷)، ص ۶۴۔ محمد بن یحییٰ محسن ترہتی، الیانع الجنی، (ب ت، ۱۲۸۷)

۵۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: ثریا ڈار، حوالہ مذکورہ، ص ۱۱۷۔

۶۔ سید احمد خان، حوالہ مذکورہ، ص ۵۱۸۔

۷۔ ایضاً، صفحہ ۵۵۱۔

۸۔ شاہ عبدالعزیز، حوالہ مذکورہ، ص ۹۵۔ ۱۲۸۔

۹۔ عبدالقادر خان، وقائع عبدالقادر خانی، علم و عمل، (کراچی، ۱۹۶۰)، ج ۲، ص ۲۴۶۔

۱۰۔ عبدالحئی نزھۃ الخواطر، (حیدرآباد دکن، ۱۹۷۹) ج ۷، ص ۲۶۹۔

۱۱۔ شاہ عبدالعزیز حوالہ مذکورہ، ص ۶۹۔

Marfat.com

۱۲۔ ایضاً،ص۱۲۴۔

۱۳۔ ایضاً،ص۱۳۳۔

۱۴۔ ثریا ڈار،حولہ مذکورہ،ص۱۱۴۔

۱۵۔ سید احمد خان آثار الصنا دید،حوالہ مذکورہ،ص ۵۱۸۔

۱۶۔ شاہ عبدالعزیز،حوالہ مذکورہ،ص۲۱۳۔

۱۷۔ شاہ عبدالعزیز،بستان المحدثین (مترجمہ عبدالسمیع،(کراچی،ب ت) مقدمہ۔

۱۸۔ شاہ عبدالعزیز،عجالہ نافعہ (ترجمہ عبدالحلیم چشتی)،(کراچی،۱۹۶۴ء)صفحات ۵۹۔۶۱۔

۱۹۔ نواب مبارک علی میرٹھی،کمالات عزیزی،مشمولہ بطور ضمیمہ ملفوظات شاہ عبدالعزیز حوالہ مذکورہ،ص ۲۴۹۔

۲۰۔ ثریا ڈار،حوالہ مذکور،ص ۱۰۷۔

۲۱۔ شاہ عبدالعزیز،ملفوظات شاہ عبدالعزیز،حوالہ مذکورہ،ص ۱۷۰۔

۲۲۔ ابوالاعلیٰ مودودی،تجدید واحیائے دین،(لاہور،1952)،ص۱۴۲۔

۲۳۔شاہ عبدالعزیز،ملفوظات شاہ عبدالعزیز،حوالہ مذکورہ،ص ۶۳۔

۲۴۔ایضاً،ص۱۲۲۔

۲۵۔ ایضاً،ص۱۱۲۔

۲۶۔اس تصور کائنات کی تفصیل مقدمہ میں گذر چکی،مزید دیکھئے شاہ عبدالعزیز،فتاویٰ عزیزی،(کراچی،۱۹۸۰ء)،
صفحات ۷۷۔۷۸۔

۲۷۔ ثریا ڈار،حوالہ مذکورہ،ص ۶۴۔

۲۸۔ایضاً،ص۶۲۔

۲۹۔شاہ عبدالعزیز،فتاویٰ عزیزی،حوالہ مذکورہ،ص ۱۷۷۔

۳۰۔ایضاً،ص ۱۵۶۔

۳۱۔ایضاً،ص ۱۵۰۔

۳۲۔ایضاً،ص ۴۱۸۔

Marfat.com

۳۳۔شاہ عبدالعزیز،ملفوظات شاہ عبدالعزیز،حوالہ مذکورہ،ص۹۲۔

۳۴۔شاہ عبدالعزیز،تحفہ اثنا عشریہ(مترجمہ سعد خان یوسفی) کراچی،ب ت،ص ا۔

۳۵۔ صدیق حسن خان،اتحاف النبلاء(کانپور،۱۲۸۸ھ)،صفحات ۲۹۶۔۲۹۷۔

۳۶۔حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی،تاریخ اہل حدیث،(لاہور،۱۹۵۳)،ص۴۱۷۔

۳۷۔محمد بن یحییٰ محسن ترہتی،حوالہ مذکورہ،ص ۱۰۵۔

۳۸۔ ایضاً،ص۱۳۳۔

۳۹۔ حکیم محمد موسیٰ امرتسری "تقریب" تذکرہ اکابر اہل سنت،(تالیف محمد عبدالحکیم شرف قادری)،(لاہور، ۱۹۷۶)،ص۶۷۔

۴۰۔عبیداللہ سندھی،شاہ ولی اللہ اوران کی سیاسی تحریک یعنی حزب ولی اللہ کی اجمالی تاریخ کا مقدمہ،(لاہور، ۱۹۴۱)۔

۴۱۔ایضاً،ص۹۔

۴۲۔ایضاً،ص۳۷۔

۴۳۔ایضاً،ص۶۹۔

۴۴۔ایضاً،ص۷۳۔

۴۵۔ ایضاً،ص۱۳۴۔

۴۶۔ایضاً۔

۴۷۔ سید محمد میاں،علمائے ہند کا شاندار ماضی،(دہلی،۱۹۶۳)،ص۴۳۔

۴۸۔ایضاً،ص۵۰۔

۴۹۔ایضاً،ص۸۸۔

۵۰۔مسعود عالم ندوی،ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک،(راولپنڈی،ب تک)،ص۴۴۔

۵۱۔مسعود عالم ندوی،مولانا عبیداللہ سندھی اوران کے افکار وخیالات پر ایک نظر،(لاہور،۱۹۸۵)۔

۵۲۔ایضاً،ص۱۴۱ومابعد۔

Marfat.com

۵۳۔ سید سلیمان ندوی، ''مقدمہ'' مولانا عبیداللہ سندھی اور ان کے فکار و خیالات پر ایک نظر، حوالہ مذکورہ، ص ۲۱۔

۵۴۔ اشتیاق حسین قریشی، برعظیم پاک و ہند کی ملت اسلامیہ، (۱۹۶۷) ص ۲۳۹ و مابعد۔

۵۵۔ ایچ۔ بی۔ خان، برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار، (اسلام آباد، ۱۹۸۵ء) صفحات ۳۴۔۳۵۔

۵۶۔ مشیر الحق، شاہ عبدالعزیز اور فتویٰ دار الحرب، مقالہ ایم۔ اے ۱۹۶۶ء میکگل یونیورسٹی، کینیڈا۔
ایضا: ''انیسویں صدی کے ہندوستان کی ہیئت شرعی: شاہ عبدالعزیز کے فتاویٰ دار الحرب کا ایک علمی تجزیہ'' ماہنامہ ''برہان'' (دہلی)، ج ۶۳ (۱۹۶۹)، صفحات ۲۲۱۔۲۴۳، نیز ایضاً، مذہب اور ذہن جدید، دہلی، ۱۹۷۴ء، صفحات ۲۷۔۷۱۔

۵۷۔ شاہ عبدالعزیز، فتاوی عزیزی، فارسی، (دہلی، ۱۳۲۲ھ) ج ۱: صفحات ۱۶، ۱۷، ۳۵، ۴۰، ۶۷، ۸۶، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۰۹، ۱۲۴، ۱۵۳، ج ۲: صفحات ۱۱۷۔۱۱۹۔

۵۸۔ ایضاً ص ۳۴۱۔

۵۹۔ ایضاً ص ۵۴۸، صفحات ۵۵۲۔۵۵۵، ۵۵۷۔

۶۰۔ ایضاً ص ۵۳۱۔

۶۱۔ ایضاً، ۳۸۲۔

۶۲۔ ایضاً۔

۶۳۔ ایضاً ص ۵۵۳۔

64. w.W.Hunter, The Indian Musalmans. Lahore. 1964. (Frist Published in 1871)

۶۵۔ ایضا، ص ۱۲۱۔ ۱۴۲ مکمل فارسی متن کے لئے دیکھئے: شاہ عبدالعزیز، فتاوی عزیزی (فارسی) حوالہ مذکورہ، ج ۱ ص ۱۶۔

۶۶۔ شاہ عبدالعزیز، فتاوی عزیزی (فارسی)، حوالہ مذکورہ، صفحات ۱۴۱۔۱۴۶، ایضاً، ملفوظات شاہ عبدالعزیز، حوالہ مذکورہ ص ۲۲۵، ص ۳۲۷، ص ۲۴۹۔

۶۷۔ خلیق انجم (مرتب)، آثار الصنادید (دلی، اردو اکادمی، ۱۹۹۰ء) جلد اول صفحہ ۱۵۴ پر مٹکاف خاندان کے افراد کا ذکر کرتے ہیں، جو دلی میں مجسٹریٹ، ریذیڈنٹ اور آثار قدیمہ کے محکمہ میں افسر تھے۔

Marfat.com

۶۸۔ شاہ عبدالعزیز، ملفوظات شاہ عبدالعزیز، حوالہ مذکورہ ص ۲۲۵، نیز ثریا ڈار، حوالہ مذکورہ، ص ۱۷۸۔

۶۹۔ شاہ عبدالعزیز، ملفوظات شاہ عبدالعزیز، حوالہ مذکورہ، صفحات ۲۱۴۔۲۱۵۔

شاہ صاحب نے فرمایا: ''اسکنر اور فریزر میری صحبت میں رہے ہیں، بالخصوص فریزر ایک نہایت قابل اور بہتر دوست تھا، اس نے مجھ سے کچھ پڑھا تھا اور اسکنر قطعاً جاہل تھا، اس کے پانچ بچے فوت ہو چکے تھے۔ ''اگرچہ یہ لوگ تعویذ گنڈوں کے چنداں معتقد نہیں ہوتے، لیکن مجبور ہو کر میرے پاس آیا اور اتفاق سے اس کے چار لڑکے ہیں۔ سیٹن بھی دو تین مرتبہ میرے پاس آیا لیکن وہ جاہل اور خوشامدی ہے چنانچہ ایک دن میرے ساتھ پرانے شہر میں جائے ولادت پر گیا تھا اور اس جگہ پر ایک یادگار بنانے کا ارادہ ظاہر کیا تھا، چنانچہ اس مقام پر اس نے ایک عمارت بنوائی تھی مگر وہ درست نہیں تھی۔''

۷۰۔ بحوالہ ثریا ڈار، حوالہ مذکورہ، ص ۱۲۹، ص ۱۲۹۔ سیٹن کے ۱۰ جولائی ۱۸۰۷ کے تحریر کردہ سفارشی نوٹ کے الفاظ کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے:

''ریذیڈنٹ دہلی کی جانب سے علاقہ جات معینہ کے سپرنٹنڈنٹ کا خط مع نقل لف ہے، سفارش کی جاتی ہے کہ حویلی پالم کا قطعہ زمین جو سابقاً مولوی عبدالعزیز کی ملکیت تھا، اسے واگزار کیا جائے۔'' ریذیڈنٹ سیٹن کا عہد ۱۸۰۶۔۱۸۱۱ ہے۔

۷۱۔ شاہ عبدالعزیز، فتاویٰ عزیزی، حوالہ مذکورہ، ص ۳۲۴۔

۷۲۔ ثریا ڈار، حوالہ مذکورہ، ص ۱۷۸۔

۷۳۔ ایضاً صفحہ ۳۰۹۔

۷۴۔ شاہ عبدالعزیز، فتاوی عزیزی، حوالہ مذکورہ، ص ۴۳۹۔

Marfat.com

قدیم دہلی کالج کے قیام سے متعلق

ایک معاصر رپورٹ

مرتبہ
ڈاکٹر محمد اکرام چغتائی

ماخوذ از
(رسالہ) بنیاد (ج ۷، ۲۰۱۶ء)
شعبہ اُردو، لمز (LUMS)

Marfat.com

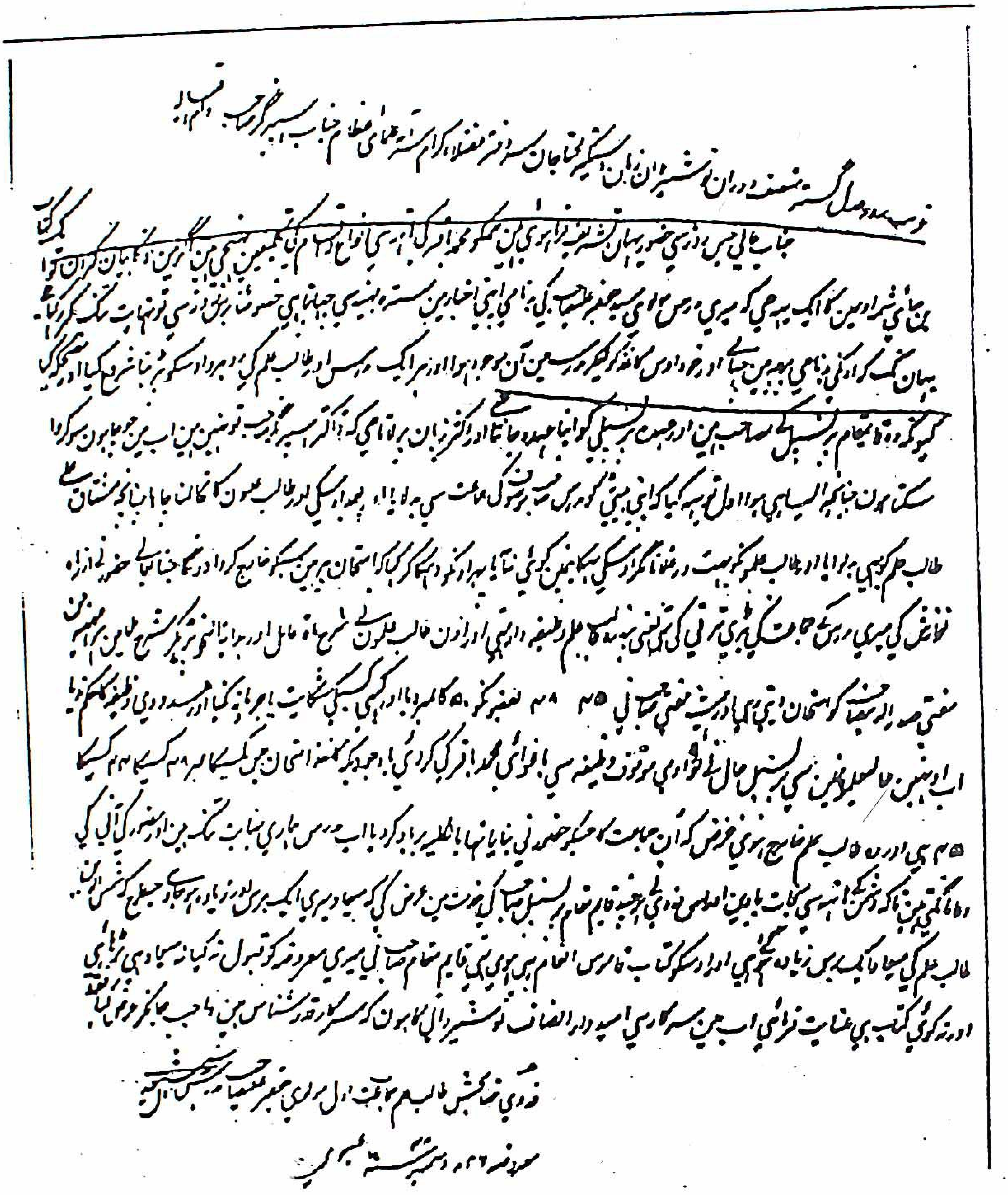

A letter (in Urdu) written by Khudā Bakhsh, a student of Delhi College, to Aloys Sprenger, dated 26 December, 1848. (Preserved in: Staatsbibliothek…Berlin, "Nachlass Sprenger")

Marfat.com

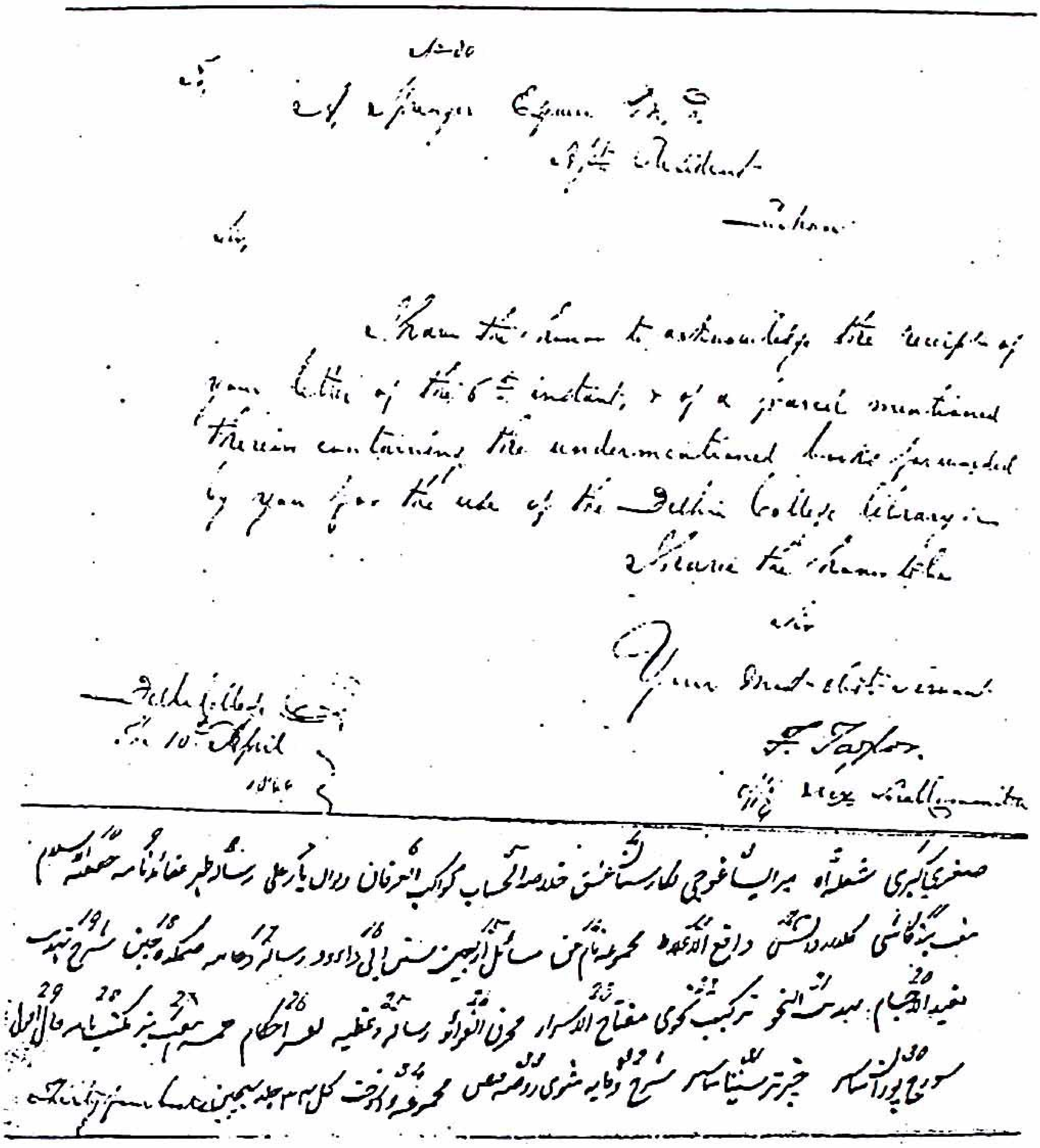

To
A. Sprenger Esquire M.D.
Offg Principal
Lucknow

Sir,

I have the honor to acknowledge the receipt of your letter of the 6th instant, & of a parcel mentioned therein containing the undermentioned books forwarded by you for the use of the Delhi College Library.

I have the honor to be
Sir
Your most obedient servant
F. Taylor
Offg Secy Local Committee

Delhi College
the 10th April
1849

Letter of F. Taylor, officiating Secretary, Local Committee, Delhi, written to Aloys Sprenger, about the receipt of thirty-four books, dated 10 April, 1849.
(Preserved in: Staatsbibliothek…Berlin, "Nachlass Sprenger")

Marfat.com

Siddiqui, Z. "Shah Abdul Aziz and Contemporary British Authorities of Medieval India". in *Western Colonial Policy: A Study on the Impact on Indian Society*. Ed. N. R. Roy. Vol. 1, Calcutta, 1981: pp. 341-349.

Temple, Sir Richard. *James Thomason*. Oxford, 1893.

JOURNALS

Journal of the Royal Asiatic Society, London (1852).

Numismatic Chronicle (1842/43).

Revue orientale (Paris) 6(1861).

The Annual Register (1860).

اردو کتب

دتاسی، گارسیں۔ خطبات گارساں دتاسی۔ اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء۔

حسین، ثریا۔ گارسیں دتاسی: اردو خدمات، علمی کارنامے۔ لکھنؤ، ۱۹۸۶ء۔

چغتائی، محمد اکرام۔ قدیم دہلی کالج۔ لاہور، ۲۰۱۲ء۔

Marfat.com

and writer, he exercised a considerable influence on the religious thought of his time. He favoured the newly-introduced educational system for the English East India Company and advised the Indian Muslims to follow it.

See Sayyid A. A. Rizvi, *Shah 'Abd al-'Aziz. Puritanism, Sectarian Polemics and Jihād* (Canberra, 1982); Mushīr al-Haq, *Shah 'Abd al-'Aziz, His Life and Time: a Study of Indian Muslims' attitude to the British in the early nineteenth century*, (Lahore, 1995); Z. Siddiqui, "Shah 'Abd al-'Aziz and contemporary British authorities of medieval India", in *Western Colonial Policy (A Study on its Impact on Indian Society)*, Ed. N. R. Roy. Vol. I, (Calcutta, 1981), pp. 341-349; Muhammad Khālid Mas'ūd, "The World of Shah 'Abd al-'Aziz ...", in *Perspectives of Mutual Encounters in South Asian History, 1760-1860*, Ed. Jamal Malik (Leiden, 2000), pp. 298-314.

4 Maulāna Rashīd al-Dīn Khan, a pupil of Shah 'Abd al-'Aziz and a scholar of mathematics and astronomy as well as of the religious sciences; taught Arabic at the Delhi College until his death in 1833. His pupil, Maulāna Mamlūk al-'Ali Nānautavi also a member of Shah 'Abd al-'Aziz's circle and a leading religious scholar of Madrasa Raḥīmiyya, succeeded him as head of the Arabic Department from the 1840s until his death in 1851.

(cf. *Qadīm Delhi College*, op. cit.).

5 Edward Thomas (31.12.1813–10.2.1886), a renowned numismatist and Indian antiquary; came to India (1832); retired (1857); authored *Chronicles of the Paṭhān Kings of Delhi* (1847); his was a "name recognized over Europe as a prince in Oriental numismatics" (cf. *DNB*, vol. Lvi, p 178; Buckland, op. cit., p 420).

6 With this Report, J. H. Taylor annexed a list of few *madrasas* of Delhi (dated 8 January, 1824). The following three *madrasas* are worth a mention:

i) Madrasa Shah 'Abd al-'Aziz. Number of students, ten.
This is an academy of science and literature, the most celebrated in Delhi and conducted by the learned character whose name it bears. Nothing is allowed from any quarter for the encouragement of the academy.

ii) Madrasa Rashīd al-Dīn Khan, fifteen students, Maulvi Rashīd al-Dīn Khan and Maulvi Rahmatullah (teachers).
An Academy of similar nature with the above and in equal celebrity with it; speculative philosophy, criticism and the Mahomadan law and theology from the subjects of study and enquiry here. Nothing allowed from any quarter.

iii) Madrasa Navāb Ghāẓi- al-Dīn Khan, nine students, Maulvi 'Abdullah (teacher).

Marfat.com

Though the institutiuon (a noble edifice) is under the Local Agents. The teacher is paid 33 Rs. per mensem by Navab Amir Khan and without his patronage the College would have gone to ruin.

SOURCES

Board's Collections. Vol. 909 (1826-27). No. F/4/909.

(in Oriental and India Office Collections, British Library (formerly India Office Library, London).

Buckland, C.E. *Dictionary of Indian Biography*. Lahore, 1975 (London, 1906).

Dictionary of National Biography. Concise London 1903.

Encyclopaedia Britannica (1911).

Garcin de Tassy. *La langue et littérature hindoustanies de 1850 à 1869*. 2nd ed., Paris 1974 (Discours de Garcin de Tassy, 10 Dec. 1857).

Kerr, J. *A Review of Public Instruction in the Bengal Presidency, from 1835 to 1851*. London, 1853.

Masud, M. Khalid. "The World of Shah 'Abdul 'Aziz". in *Perspectives of Mutual Encounters in South Asian History, 1760-1860*. Ed. Jamal Malik. Leiden, 2000: pp. 298-314.

Muir, Sir William (ed.). *James Thomason. Despatches. Selections from the Records of Government, NWP*. 2 vols., regading 1844 to 1853. Clacutta, 1856, 1858.

________________. *The Hounourable James Thomason. Lieutenant-Governor, N. W. P., India, 1843 to 1853*. Edinburgh, 1897.

Mushirul Haq. *Shah Abdul Aziz, His Life and Time: a Study of Indian Muslims' attitude to the British in the early nineteenth century*. Lahore, 1995.

Penner, Peter. *The Patronage Bureaucracy in North India: The Report of M. Bird and James Thomason School, 1820-1870*. Delhi: Chanakya, 1986.

Percival, Janet (comp.). *The Society for the Diffusion of Useful Knowledge, 1826-1848. A Handlist of the Society's Correspondence and Papers*. London, 1978.

Pernau, Margrit (ed.). *The Delhi College, Traditional Elite, the Colonial State, and Education before 1857*. New Delhi: OUP, 2006.

Powell, Avil Ann. *Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny India*. U. K.: Curzon Press, 1993.

Riddick, John F. *Who was who in British India*. Westfort, Conn. 1998.

Rizvi, Sayyid A. A. *Shah 'Abd al-'Aziz. Puritanism, Sectarian Polemics and Jihād*. Canberra, 1982.

Marfat.com

W. W. Wilson (26.9.1786, London–8.5.1860, London) was the greatest Sanskritist, combining a variety of attainments as general linguist, historian, chemist, accountant, numismatist, actor and musician. He became assistant-surgeon (Bengal) to East India Company (1818); assay-master at Calcutta mint (1816); secretary to Asiatic Society of Bengal (1811-1833, with short intervals); professor of Sanskrit at Oxford (1832)–a post which he held until his death, librarian to East India Company (1836) and director of Royal Asiatic Society, London (1837-1840).

In Garcin de Tassy's obituary notice, he observed that though Wilson gained fame as a reputed Sanskritist, he was also thoroughly conversant with Urdu language and took keen interest in its development.

(cf. *Revue orientale à americaine*, vol. 6 (1861), pp. 154-156); also his 10th lecture, dated 7 February 1861, in *Khutbāt*, op. cit., pp. 288-289). For the translation of this obit, see Dr. Surayya Husain, *Garcin de Tassy: Urdu Khidmāt, 'Ilmi Kārnāmē* (Lucknow, 1986), p. 337.

Despite his numerous Sanskrit studies, books as well as articles, the following two articles are worth to refer here:

"Lecture on the present state of the cultivation of oriental literature", in *JRAS*. 13 (1852): pp. 191-215 and "Note on a medal of the king of Oudh", in *Numismatic Chronicle*. 5 (1842/43): pp. 129-133.

For his biography and writings, see

Dictionary of National Biography, Vol. Lxii, p. 99 (=DNB) and concise vol. Ed. by Sir Sidney Lee, (London, 1903), p. 1419; C. E. Buckland, *Dictionary of Indian Biography*, (London, 1906) Repr. Lahore, 1975, p.455; *The Annual Register*, 1860; *Encyclopaedia Britannica*, 1911; John F. Riddick, *Who was who in British India* (Westport, Conn. 1998).

2 The term 'useful knowledge' was very popular in those days and the Vernacular Translation Society under the auspices of Delhi College (from 1841 onwards) and then Sir Sayyid Ahmad Khan's Scientific Society included it among their basic objectives.

About the origin of this term, it is said that at the initiative of Henry Brougham (1778-1868) the Society for the Diffusion of Useful Knowledge (London) was founded in 1826, aimed at 'the imparting of useful information to all classes of the community, particularly to such as are unable to avail themselves of experienced teachers, or may prefer learning by themselves.'

(See for detail, Janet Percival (compiler), *The Society for the Diffusion of Useful Knowledge, 1826-1848. A Handlist of the Society's Correspondence and Papers* (London, 1978).

3 Shah 'Abd al-'Aziz al-Dihlavi (1150-1239/1746-1824), the eldest son of Shah Waliullah (d. 1176/1762), a noted Indian theologian; head of Madrasa Raḥīmiyya, founded by his grandfather; as a teacher, preacher

Marfat.com

of F. Taylor's death, his widow was young, having only a small kid, whereas J. H. Taylor seems to be an old person, probably more than sixty years of age.
Furthermore, in 1849 F. Taylor was the officiating Secretary of the Local Committee, Delhi, and also looking after the Delhi College in the absence of A. Sprenger, (see the attached copy of his letter).
Here, another pertinent question arises that what was the relation, if any, between these two Taylors?
For J. H. Taylor, see Avril Ann Powell, *Muslims and Missionaries in Pre-Mutiny India* (U. K.: Curzon Press, 1993).
She writes:

> J. H. Taylor, the longest-serving member of staff [of Delhi College], had been secretary of the local education committee when the College was established in 1825, was headmaster for many years, and finally took over the principalship in the 1850s. Taylor exerted a consistent Christian influence, albeit in a very unobtrusive manner, and without any attempt at direct proselytism among his pupils. Over the course of thirty years the respect he won as a teacher partly reflected his simple life-style and a quiet determination to witness to his Christian faith.
>
> (p. 203)

See also M. Ikram Chaghatai, "Dr. Aloys Sprenger and the Delhi College", in Margrit Pernau (ed.), *The Delhi College: Traditional Elites, the Colonial State, and Education before 1857* (New Delhi: OUP, 2006), pp. 106-126, esp. 106-107.
(In her introduction, the editor mentions G. H. Taylor instead of J. H. Taylor, p. 11) and M. Ikram Chaghatai, *Qadīm Delhi College* (Urdu) (Lahore, 2012).
As Visitor to the Delhi and Agra College, James Thomason (3.5.1804 – 29.9.1853), removed J. H. Taylor and appointed the first principal of the Delhi College, see for detail: Peter Penner, "James Thomason's Role in Vernacular Education", *The Patronage Bureaucracy in North India: The Robert M. Bird and James Thomason School, 1820-1870* (Delhi: Chanakya, 1986), pp. 141-169, esp. 147-148; Sir Richard Temple, *James Thomason* (Oxford, 1893); Sir William Muir (ed.), *James Thomason. Despatches. Selections from the Records of Government, NWP*. 2 vols., regarding 1844 to 1853 (Calcutta, 1856, 1858); Ibid., *The Honourable James Thomason. Lieutenant-Governor, N. W. P., India, 1843 to 1853* (Edinburgh, 1897).
A brief biographical sketch of Horace Hayman Wilson, the Secretary of the Committee of Public Instruction (Calcutta), is as follows:

Marfat.com

اردو ترجمہ:

[1857 کے] ان متوسلین کے انبوہ میں جو لوگ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں، ان میں میرا ایک دوست مسٹر فرانسس ٹیلر ہے۔ میں نے اپنے گذشتہ سال کے خطبے میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا تھا کہ انھوں نے میرے لیے جدید اردو کی تازہ ترین مطبوعات کی فہرست فراہم کر کے بھیجی تھی۔ مسٹر فرانسس ٹیلر دیسیوں کے کالج کا پرنسپل تھا جو اس بدنصیب دارالحکومت دہلی میں واقع تھا۔ اس کالج میں تین سو طلبا تھے۔ ان طلبا کو ریاضی، ہیئت، یورپی اصول پر پڑھائے جاتے تھے اور مشرقی علوم السنہ کی تعلیم ایشیائی اصول پر دی جاتی تھی۔ اضلاع شمالی و مغربی کی علمی و ادبی ترقی کی تمام اطلاعات مجھے مسٹر ٹیلر کی عنایت سے ہوئی تھیں۔ حقیقت میں یہ شخص بڑے لطف و کرم اور تندہی سے مجھ سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری رکھتا تھا اور چونکہ ہندوستانی زبان کا وہ بڑا ماہر تھا اور اہل علم ہندوستانیوں کے پاس اس کی آمد و رفت تھی کہ جن سے وہ اردو میں بلا تکلف بات چیت کر سکتا تھا، اس لیے اب تم خود اندازہ کر سکتے ہو کہ میرے لیے اس کا وجود ہندوستان کی علمی اور ادبی ترقیات کے متعلق کس قدر کارآمد اور فائدہ رساں تھا۔

دیسیوں سے اس کا میل جول کچھ کام نہ آیا اور دہلی کے قتل عام میں ۱۰ مئی کو نشانۂ اجل ہو گیا اور جوان بیوہ اور خورد سال بچے چھوڑ مرا۔ اس کی موت ہندوستانی ادبیات کے حق میں ایک حادثہ ہے۔ ادب اردو سے اس کو عشق تھا اور اس نے اس کی بڑی خدمات انجام دیں۔ اول تو یہی خدمات کچھ کم نہ تھیں کہ دہلی کالج کے صدر کی حیثیت سے بوترو اور اشپرنگر جیسے لائق اساتذہ کے کام کو جاری اور برقرار رکھا اور ان کی جانشینی کے حق کو خوبی سے ادا کیا۔ اردو اور ہندی میں تصنیف و طباعت کے کاموں میں ہمت افزائی کر کے لوگوں کی مدد کی۔ اسی طرح عربی، فارسی، انگریزی اور سنسکرت کے ترجموں کی بھی سرپرستی کی۔

(خطبات گارساں دتاسی، (اورنگ آباد، ۱۹۳۵ء)، ص ۲۳۰-۲۳۱۔)

اس سے ایک سال قبل کے خطبے میں ٹیلر کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

چند ہفتے ہوئے، مسٹر فرانسس ٹیلر (Francis Taylor) نے جو دہلی کے ایک دیسی کالج کے پرنسپل ہیں، مجھے ان ہندوستانی تصانیف کی ایک فہرست بھیجی ہے جو حال میں سلطنت مغلیہ کی راجدھانی (دلّی) میں شائع ہوئی ہیں۔ اس فہرست میں چند ایسی کتابوں کا بھی ذکر ہے، جو میں نے اب تک آپ حضرات کو نہیں بتائی ہیں۔ یہ کتابیں اردو ادب کے لیے ایک قابل قدر اضافے کا حکم رکھتی ہیں۔

(ایضاً، ساتواں خطبہ، ۶ دسمبر ۱۸۵۶ء، ص ۲۰۲-۲۰۳۔)

In an Urdu letter of 1848 (copy attached), the name of the 'officiating principal' is not mentioned but obviously he was John Henry Taylor with whom Maulvi Muhammad Baqir (d. 1857), the father of Muhammad Hussain Azad (d. 1910), had cordial relations. As narrated by Azad, Taylor was killed by the rioters in 1857 when he was coming out of his father's house. As mentioned above by Garcin de Tassy, the Principal of the Delhi College, 1857 was Francis Taylor and not J. H. Taylor. In this perspective, Azad's story must be re-examined. Furthermore, at the time

Marfat.com

[(a) Thomason's Minute on Agra and Delhi Oriental Colleges, in J. Kerr, *A Review of Public Instruction in the Bengal Presidency, from 1835 to 1851*..Pt. II, (London, 1853), Appendix V.

(b) See the letter of Khuda Bakhsh, a student of the College, written to A. Sprenger (dated 26 Sept. 1848) that clearly shows his close association with Maulvi Muhammad Baqir, the father of Muhammad Hussain Azad (copy attached).]

During the riots of 1857, Taylor was holding the principalship of the College and was murdered by the native warriors, but he was not J. H. Taylor but Francis Taylor, who was one of the informants and close friends of Garcin de Tassy (d. 1878), a renowned orientalist and a historian of Urdu literature. In one of his annual lectures (1857) he writes:

> Parmi ceux qui méritent d'être distingués de la foule, je dois citer mon ami M. Francis Taylor, que j'ai mentionné dans mon allocution de l'an passé, comme celue à qui je devais la liste des ouvrages hindoustanis récemment publiés à Delhi. M. F. Taylor était le principal du collége des natifs de la malheureuse capitale de l'Inde, de ce collége qui comptait trois cents élèves, auxquels on enseignait les mathématiques et l'astronomie d'apràs les principes, mais les langues et les sciences de l'Orient d'après les principes asiatiques. C'est sur M. Taylor que je comptais principalement pour me tenir au courant du mouvement litéraire des provinces nort-ouest. En effect, il était mon correspondant le plus assidu et le plus obligeant, et comme il avait une connaissance parfaite de l'hindoustani, qu'il fréquentait les Indiens lettrès, avec losquels il pourvait s'entretenie facilement, on sent combine il devait m'être ulile pour les renseignements littéraires dont j'avais besoni. Son amitié pour les natifs ne l'a pas sauvé du massacre générale de Dehli, et il a été tué le 10 mai, laissant une jeune veuve et des enfants en bas âge. C'est une perte récelle pour la littérature hindoustanie qu'il affectionnait et à laquelle il rendait de grands services; car, continuant l'oeuvre des hommes de mérite que l'avaient précéde dans l'administration du collége de Dehli, M M. Boutros et Sprenger, il a encouragé la composition d'ouvrages hindoustanis (urdu et hindi) tant originau que traduits du persan et l'arabe, du sanscrit et de l'anglais.

(Discours de M. Garcin de Tassy, 10 Dec. 1857, p. 11; also in *La langue et littérature hindoustanies de 1850 à 1869*. 2nd ed., (Paris, 1974).

Marfat.com

India Office Library, London). No. F/4/909. Document No. 25694).

NOTES

* Researcher and historian, Lahore.

1 Here, it seems rather relevant to know briefly about the biographical sketches of J. H. Taylor, the author of this Report and H. H. Wilson, to whom it was sent.

Though J. H. Taylor was the Secretary of the Local Agency (Delhi) in 1824, but very scanty information is available about his life. On the basis of contemporary record, still preserved in the British Library, he was born in India of a native woman and for this reason he called himself an 'East Indian'. He served in the Marhata army but was pensioned off. Then, he was employed as an assistant collector of land revenue (Delhi Division) and, on promotion, as Deputy Collector of the Delhi district. In this capacity, he had long been engaged in the settlement of lands and investigation of the rent-free tenure. Therefore, he had an extensive information of the localities and communities of Delhi.

As a consequence of this Report, after a year (1825) the Delhi College was founded and the Reporter was appointed the Secretary of this institute, as recommended by the 'Local Agents' (see clause 30). After three years an English class was added (1828), called Delhi Institute, and Taylor generally headed the College as well as the Institute as a superintendent. In 1840 questions were raised about the functioning of the Delhi College. In 1841, James Thomason (1804-1853), Lieutenant-Governor of the North-Western Provinces, visited the College to assess the standard of the teachers and students and made drastic changes in the administrative and academic set up of the College.[a] Taylor was transferred to the commissioner's office, Delhi, as an uncovenanted assistant and a new person was named principal and not called superintendent and head-master. After a few years when the second principal of the College, Dr. Aloys Sprenger (from 1845-1847), was posted as temporary extra-assistant to the Resident at Lucknow and assigned to compile a catalogue of the Libraries of the Kings of Oudh, Taylor again took charge of the College as an officiating principal.[b]

Marfat.com

mental improvement of a people, and secure to Delhi her portion of the boon set aside by the beneficence of the Government.

I have the honour to be."

POSTSCRIPT

"I beg leave to add the following remarks (in which Mr. Thomas,[5] the city magistrate fully concurs) that in so large populous and ancient city as Delhi, the number is very considerable, of those families which have been reduced by sudden and violent changes of fortune, from a condition of ease and affluence to comparative penury and want, and the members of which prefer a precarious miserable existence, to embracing any of the meaner avocations in life, in violence to their early habits and prepossessions. Thus constituting a class of people, who are often by their peculiar circumstances and necessity, urged to the commission of crimes, and misdemeaness. To rescue in time such unfortunate beings, from the paths of vice or the allurements of guilt, no sanctuary could be more appropriate than the projected institution. Indeed although to the superficial observer, the ostensible object of the institution, may simply seem the communication of useful knowledge, yet its essential ends the gradual reformation of life and manners and the inclination of sound principles of virtue and morality amongst the natives (of however slow imperceptible or remote accomplishment) are consequently certain and infallible as they are subservient to the happiness of the people. Among the variety of important advantages, therefore to be expected from the establishment of the kind now proposed perhaps there is none to be placed in competition with the decrease of vice, profligacy and crime, which may be anticipated as the certain result of its influence and operation on the minds of those admitted to the participation of its benefits."[6]

(In: Board's Collections. 25694-25696 (1826-1827). Vol. 909. Oriental and India Office Collections, British Library (formerly

Marfat.com

30. "That Mr. Taylor, Secretary to the Local Agency in the Delhi territory, be appointed Secretary to the Delhi College also."

31. With respect to the funds at the disposal of the Agency which can be devoted to the revival of the Mudursa [Madrasa] of the Cashmere Musjid, they direct me to state that at present they amount to only about 3000 or 3500 Rupees per annum, chiefly realized from the rents of escheat and Lawaries property. The enquiries were led to make, however, in conformity with the 19 Regulation of 1810 under which they act, hold out every prospect of a very considerable accession, being soon made to the funds above noticed.

32. Considering therefore their own present means and prospects and relying with confidence on the hopes held out by the resolutions of Government, passed on the 17th July last [1823], for the appropriation of one Lac of Rupees to the purposes of public education, the Local Agents feel satisfied that your Committee will contribute its willing aid towards the accomplishment of the arrangement suggested in the present communication.

33. When the members of your Committee recall the prosperous eras of her past history, to their recollection and recognize "Delhi as the once splendid metropolis of this vast empire", celebrated as the chief patroness of the arts and sciences, throughout the eastern quarter of the Globe, crowded by the youth of her flourishing dominions, resorting to her as the nursery of Oriental literature and sending forth from the classic soil, their poets and philosophers noticed in the margin who to this day adorn the pages of her annals and place before their imagination, the wreck of the many academic institutions, enumerated in the statement most assuredly those remains of the princely munificence bestowed on the cultivation of letters, all desolate and in ruins, those venerable monuments of the learning of an age gone by now mouldering into decay, will awaken the sympathy of your Committee, the appointed guardians of the

Marfat.com

the highest estimation not only in this city of his birth, and all over India, from the most distant parts of which scientific men resort to his school of philosophy to complete their researches and to satisfy their doubts, nothing would have been more desirable than to place at the head of the suggested institution, so eminent a character, his reiterated refusals, however, to exchange the independence of literary retirement, for the cares of a public life, forbid the repetition of further overtures accordingly Moulvee Rusheedod Deen Khan Sahib,[4] the most distinguished pupil of Shah Abdool Uzzeez, and certainly at present reputed next in degree to his master in Oriental lore, and also like him the head of an academy of speculative philosophy, criticism and theology, would appear the fittest person for the chief professorship in the College. This native gentleman is allowed 500 Rupees per mensem by Government in compensation for a Jaghire [Jāgīr] of 2400 Rupees settled on his ancestors, during a former administration, for their learning and virtue. The appearance of such a man at the head of the establishment, would not only dissipate all that alarm, which the very name of an *English School* would undoubtedly create but would conciliate all ranks of the inhabitants of the new institution.

27. "That the number of scholars to be admitted to the benefits of the College before the present limited to 300.

"That the salaries of the twelve teachers be, for the present, fixed at 400 Rupees per mensem.

28. "That out of 300 students one hundred for the present be maintained at the public expense, at the rate of 3 Rs. each 300 rupees per mensem.

29. "That as the cultivation of the European arts and sciences, should be introduced as early as practicable, your Committee be solicited to obtain from the Calcutta School Book Society, for the use of College, an adequate supply of approved translations of elementary and such other suitable works as may be deemed requisite and proper.

Marfat.com

Government may establish. It is *here* that the necessity of making it the interest of individuals, to adopt our system in preference to the erroneous, defective, desultory and almost worse, than useless one, they at present follow, appears most urgent and conspicuous.

22. Next to the expediency of rendering the acquirement of knowledge in the Government institutions, by some arrangement the certain means of livelihood and advancement in the service of the state, the Agents would suggest, the maintenance at the *public* expense of such as are poor and indecent, both in conformity with a usage of very general prevalence in the country, and in view to extend the benefits of education, to the offspring of that class of the people, whose subsistence chiefly depends on personal industry.

23. In order to carry into operation the plan of establishing a public institution for instruction at Delhi, in pursuance of the humane views of the Government, the Local Agents desire me to submit with the foregoing observations, the following suggestions for the approbation and sanction of the Government, through the favourable recommendation of your Committee.

24. "That the ancient Mudursa [Madrasa] of the Cashmere Musjid [Kashmir Masjid] being the best suited to the purpose of any other place, under the control of the Agency, and consisting of 84 apartments with Verandas, for the accommodation of students and professors, be put in the state of complete repair, and to be denominated "The Delhi Government College".

25. "That out of the number of teachers and professors of learning in this city, but particularly from those mentioned in the statement (as their past laudable services, appear fully to entitle them to a participation in the benefits of the projected arrangements) twelve persons be selected after the due enquiry into their qualifications, for the purpose of giving instructions in the College."

26. "The erudition of Moulvee Shah Abdool Uzzeez Sahib,[3] as a doctor of Mohamedan law and theology and his reputation for sanctity of life and love of literature, being held in

Marfat.com

[Sadar Amins], Moonsiffs [Munsifs], Monshees [Munshis], Tuhseeldars [Tahsildars], Shirishtadars [Sarishtadars], Wakeels [Vakils] etc. etc. seems at present to depend on the interest or the fortuitous good luck, of the candidates, rather than to be guided by any regard to their moral and intellectual attainments.

18. In the military branch of the service too, although in European Corps literary acquirements, regulated in some degree the preferment of the private men, in the native regiments, no such notice is taken in the vast majority of promotions, of totally ignorant and unlettered individuals to the responsible grade of warrant or non-commissioned officers.

19. Whilst, then, such little attention is shown, and such small value placed a mental or moral accomplishment, while these, in fact, are notoriously understood to yield no peculiar right to the favours, to the honours, to the privileges or to places of emolument, which the Government of the country might bestow, as the encouraging need of literary excellency, the faint success of endeavours to enlighten a demi-barbarous people, like that of British India, cannot excite much surprize.

20. An advertence too, to the causes which have contributed to the stability and success of the generality of the public academical institutions of our own country, well illustrates the fact, that the measure of their prosperity and the scope of their national utility, have ever been commensurate with the extent of certain peculiar rights, privileges and immunities guaranteed to them by the law of the land.

21. If no specific ulterior advantages are to accrue to those, who study in a public seminary, beyond the mere acquirement of knowledge, no doubt such as study solely with that view, may resort to it, but how exceedingly limited their number must be, the Committee will observe by a reference to the public institutions, noticed in the statement, and by considering how few will be found, willing to enter upon a course of education, so opposite to their prejudices, and so much at variance with their preconceived notions, as that which to be productive of any adequate benefit, must be pursued in any institution, the

Marfat.com

measure be ascribed the failures which have so uniformly attended almost every philanthropic scheme hitherto undertaken for the dissemination of useful information amongst them.

14. The numerous translations into the Oriental tongues of works of science from the English language and the various benevolent labours of the different societies established for the spread of knowledge among our Eastern fellow, subjects, appear to the Agency, as far as their observation goes, to have met with a success so slow, so discouraging and so disproportionately inadequate, to the furtherance of the views contemplated as to point out to every reflecting mind, the existence of some great and radical defect in the plans hitherto adopted, or of some fatal obstacles that yet remain to be discovered.

15. What these may be, the more ample means of establishing enquiry possessed by your Committee, must qualify it in a permanent degree, to detect and remove. The Local Agents, however, cannot resist the price of the impression on their minds that much of the failure and disappointment hitherto experienced in this field of benevolence, are mainly imputable to the cause they have been noticing.

16. Accordingly among the expedients that might be suggested in view to overcome the utter indifference and apathy of the natives to the cultivation and acquirement of knowledge (an indifference which experience has shown the greatest facilities can be offered to them, are incapable of obtaining). The members of the Agency feel persuaded, none would prove more effectual than enactment of some regulation by the legislature, which would render such natives alone eligible to participate offices, in the various departments, under the Government, as after having studied and undergone a course of public instruction in some of the collegiate establishments under the immediate auspices of the Government shall have attained testimonials of proficiency, in some of the essential branches of the European arts and sciences.

17. The election, for instance, in the civil department of the service of native officers of the description of Sudder Ameens

Marfat.com

literature, will not probably prove useless and abortive, so long as its advantages are not rendered in a very sensible and obvious manner, the *interest* of the natives.

10. The incentive to the acquisition of knowledge, as far as it proceeds from a desire and thirst for moral and intellectual improvement alone, they are clearly of opinion, can hardly be supposed capable of itself, to actuate a people so deplorably sunk in ignorance and darkness as those whom it is the humane wish of the Government to enlighten.

11. The Agents can neither collect from their own experience, such enquiries and discussions, as they have been led to make, nor offer it as the result of their acquaintance with the history of the country, that in India knowledge was ever sought after, with the primary view of attaining its intrinsic qualities, the amelioration and elevation of the human character; but on the contrary that the patronage and countenance of the great, the encouragement of the state afforded in the shape of donations and charity, for the maintenance of students and public seminaries, and perhaps a stronger and more powerful stimulus than either of these, the throwing open some field of livelihood, as the ulterior reward of successful application and excellence in any of the branches of useful knowledge,[2] appear generally to have operated as the influencing natives with the natives, for the cultivation of such of the arts and sciences as have best flourished amongst them.

12. The Agency are not aware of any such inducement having been held out by the Government or the Committee of Instruction, superior literary attainments create for the natives, at this day no specific claims to the favour or consideration, or protection of the Government. Proficiency in their own sciences and literature, is not by any recognized rule of the Government, made to them the means of access to any honours and privileges, or distinction or what would speak home to every man's bosom to any of the professions in life.

13. To the want of some such motive to impel a half-civilized people, like the natives of India, must in a great

Marfat.com

revolutions of Government, been seized, and appropriated by the cupidity of individuals or by the arbitrary rules of different periods, beyond the powers at present of recovery or redemption and the instruction still given in some of these neglected places not in a state of absolute dilapidation, is confined to a very limited number of usually grown-up persons, who resort to them as interest or inclination leads them, seldom residing in the foundations or adhering to any regular plan, either in their attendance or studies.

7. The melancholy state of ruin and decay into which these once important and celebrated seats of learning have fallen, must be attributed to the distracted state of public affairs and the frequent political vicissitudes which have agitated these regions, as well as the total absence of encouragement or support on the part of the administration of the country. Commerce seems to absorb the faculties and to engross the attention of the Hindu portion of the inhabitants, and the few who still cultivate the sciences, are to be found among these Moslem families who have survived the wreck of fortunes, or the spoliation of former tyrannic governments. Thus learning reduced to her lowest ebb, had perished in the city, but for the disinterested labours of these few praise-worthy, the obscure individuals noticed in the statement, who without the support of the rich or the countenance of the great, have by their almost unaccountable devotion to her cause, still watched over her welfare, under every depressing circumstance of indigence and wretchedness.

8. The enquiries set on foot in consequence of your Committee's letter, I need hardly add, have revived the sinking hopes of these unfortunate votaries of the sciences and I proceed with pleasure to state the sentiments of the Local Agents. The means best calculated to carry the beneficent views of the Government into effect and to submit their suggestions on the occasion for the approval and sanction of the Government, through the kind medium of your Committee.

9. The Local Agents are of opinion that any attempt at the introduction of an acquaintance with the European's science and

Marfat.com

4. The aggregate number of those who resort to the private schools is extremely limited for the population of this city. The pupils are seldom or never permanent residents under the roof of their masters. Their attendance and application are guided by the mutual inclination and convenience of both parties, neither of whom are placed under any system or particular rule of conduct. The success and progress of the scholar depend entirely on his own assiduity, the least dispute or disagreement, which must often occur, puts an end to studies, that perhaps uninterrupted has soon been crowned with success, no check being imposed on either party and no tie subsisting between them, beyond that of casual reciprocal advantages, which a thousand accidents of frequent recurrence are ready to weaken or dissolve, causes which not only render a proper estimate of the benefits of such a desultory and capricious mode of education, a matter of difficulty, but point out the necessity of rendering the professors of learning as well as the pupils to a certain degree responsible of some controlling authority.

5. The objects of study in these private schools comprise the knowledge of the Persian and Arabic languages, the perusal, understanding, and committing to memory of their sacred volume the Kuran [Qur'ān], its doctrines, and the traditions of Mahomet [Muhammad], the Mohamedan law and the Oriental classics generally, such a proficiency in the Persian tongue as may enable the students to earn a livelihood appears, however, to form his chief aim.

6. With reference to the institutions of a public nature such as the College of Gazuoddeen Khan [Ghāẓi al-Dīn], the Cashmere Musjid [Kashmīr Masjid] College, the Musjid of Nawab Roushunod Doula [Navāb Raushan al-Daula], the Mudursa [Madrasa] of Iradutmund [Irādatmand] Khan, and others of less note, the whole of these are in a state of deplorable neglect, and some in complete ruins, none possesses at present any source of revenue for their maintenance and support, the endowments originally assigned for this purpose by charitable persons, for almost every one of them having, during the various

Marfat.com

Now, the text of the above-mentioned Report with annotations is as under:

From J. H. Taylor, Secretary to the Local Agency, to H. H. Wilson, Secretary and Junior Member of Committee of Public Instruction, Fort William, Calcutta. Dated, Delhi Local Agency Office, the 17 January, 1824.[1]

Sir,

The delay which has occurred in replying to your printed circular, dated the 12 September last, to the address of the Agents at Delhi, has been principally occasioned by the difficulty of collecting the different heads of information, called for by the Committee of Public Instruction which required both time and consideration before they could be procured and arranged in a useful and satisfactory form. I have now the honour under the direction of the Local Agents for this Division, to submit the following report as the result of their enquiries and deliberations.

2. The annexed statement exhibits in one view the number of places of instruction, both public and private, subsisting at present in this city, the number of the teachers and the scholars, the books on sciences, which form the object of study and the means by which these various seminaries and teachers are supported.

3. By far the greater portion are private scholars, begun and conducted by individuals of studious habits, who have made the cultivation of letters, the chief occupation of their lives, and by whom the profession of learning is less followed as a means of livelihood than undertaken as a meritorious work, productive of moral and religious benefits to themselves and their fellow creatives. Few accordingly give instruction on any stipulated remuneration of a pecuniary nature and what they may receive is both tendered and accepted, in the light of an interchange of kindness and civility, between the master and his disciple.

Marfat.com

i) It covers almost all the centres of Islamic learning, both public and private, the number of their teachers, students, teaching methods, administrative measures, the text books and their decaying circumstances.

ii) It proposes, for the first time, to introduce initially European science and literature along with the centuries-old traditional subjects of Islamic learning. In this perspective, the Report tries to synthesize the Western and Eastern educational systems for the ultimate benefit of the rulers and the ruled.

iii) This Report strongly emphasizes the dissemination of 'useful knowledge' among the natives–a term used in England during the 1820s and widely adopted in most of our educational institutions from Delhi College to Sir Sayyid Ahmad Khan's Scientific Society.

iv) It proposes accelerating the process of translating the scientific works of English into Oriental languages.

v) It also recommends to establish an institute on the site of the old *madrasa* near Kashmiri Gate named "The Delhi Government College", commonly known as Delhi College, with the facility of accommodation of teachers and students.

vi) For the headship of the department of Islamic studies of this proposed college, the name of Shāh 'Abd al-'Azīz, the eldest son of Shāh Walīullah, was nominated but on his refusal, his most promising pupil was selected.

vii) The Report also recommends the monthly salaries and stipends of all teachers and students of the Delhi College respectively.

* * *

Marfat.com

M. Ikram Chaghatai *

Beginning of Oriental Learning in British India (According to the Report, 17th January 1824)

In the beginning of the nineteenth century, Lord Lake (d. 1808) captured Delhi (1803), the metropolis of the Mughal Empire. Soon the English East India Company established its hegemony and a policy of indirect rule was followed under the guise of the Resident. The British authoritative persons made no drastic changes in the prevalent circumstances but very slowly and cautiously moved ahead. Apart from the other spheres of life, they decided to continue with the previous system of education but within a decade or so their policy gradually changed. For adopting the new educational policy, they first established a General Committee of Public Instruction (Calcutta) and Local Agency offices, functioning under this newly-constituted Committee, in the big cities of UP like Delhi, Agra, Benares etc. About 1820, it was decided to have an extensive survey of the existing situation of the centres of Islamic learning in Delhi, so that in the light of recommendations, a new or revised educational policy could be adopted. For this purpose, the Secretary, General Committee of Public Instruction, issued a printed circular (12 September 1823) for getting information about the educational institutions situated in the big cities of northern India. For Delhi, the Secretary, Local Agency, was deputed to submit a detailed report relating to his city. In the following pages, this very significant and still unpublished report about the history of oriental education in India has been reproduced.

Some salient aspects of this Report are as follows:

Marfat.com

سلسلۂ مطبوعات دار المؤرخین — ۳

احوال و آثار

عبداللہ خویشگی قصوری

یعنی

عہد شاہجہانی و عالمگیری کے ایک کثیر التصانیف عالم، شاعر، مؤرخ اور تذکرہ نویس کے حالات زندگی اور علمی کمالات کا مفصل جائزہ

تالیف محمد اقبال مجددی

معاصر علماء کے حالات پر ایک نادر تذکرہ کی اوّلین تحقیقی اشاعت

تذکرہ علمائے حال

تالیف

مولانا محمد ادریس نگرامی

(۱۲۷۵۔۱۳۳۱ھ/۱۸۵۸۔۱۹۱۲ء)

تحقیق و تعلیق

محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ٥ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ٥ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے حالات پر ایک قدیم کتاب کی اوّلین تحقیقی اشاعت

مقالاتِ طریقت

احوال و تعلیمات حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ
(۱۱۵۹ـ۱۲۳۹ھ/۱۷۴۶ـ۱۸۲۴ء)

تالیف

عبدالرحیم ضیاء

تحقیق و تعلیق

محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ۰ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ۰ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

Marfat.com

مقاماتِ مظہری

احوال و ملفوظات و مکتوبات

حضرت میرزا مظہر جانِ جاناں شہید

۱۱۱۱ھ — ۱۱۹۵ھ

۱۷۰۰ء — ۱۷۸۱ء

تالیف:

حضرت شاہ غلام علی دہلویؒ

تحقیق و تعلیق و ترجمہ

محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس

یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ

اردو بازار لاہور ☎ 37352795

Marfat.com

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

(۱۱۵۹ - ۱۲۳۹ھ / ۱۷۴۶ - ۱۸۲۴ء)

احوال، ملفوظات، مکتوبات، نوادرات

جمع و تدوین

محمد اقبال مجددی

پروگریسو بکس

Marfat.com